مکتبہ امام اہلسنت
0301-7104143,0310-4085638
0332-1632626

خوشخبری

مسلک اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات۔۔۔

بد مذہبوں کے باطلہ عقائد اور ان کے رد۔۔۔

اہلسنت پر کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل

کتب و رسائل، آڈیو ویڈیو بیانات اور والپیپر حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat

تلخیص فتاوی رضویہ

(جلد5,6,7)

مؤلف

استاذ الفقہ والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

زوہیب حسن عطاری
مجلس خصوصی اسلامی بھائی

ناشر

مکتبہ امام اہسلنت

فون:0332-1632626

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ الک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔تلخیص فتاوی رضویہ

مصنف۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مکتبہ امام اہلسنت، لاہور

اول اشاعت۔۔۔۔۔۔۔۔شوال المکرم 1438ھ بمطابق جولائی 2017ء

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔۔470

قیمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔480

ملنے کے پتے:

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

حسان پرفیومرز، کراچی

مکتبہ فیضان مدینہ، جوہر ٹاؤن، لاہور

مکتبہ غوثیہ، کراچی

مکتبہ فیضان سنت، ملتان

فیضان اسلام، فیصل آباد

فیضان زم زم، حیدرآباد

مکتبہ فیضان اسلام، فیصل آباد

کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور

مکتبہ نوریہ، رضویہ، لاہور

مکتبہ قادریہ، کراچی

مکتبہ غوثیہ، راولپنڈی

فیضان رضا، راولپنڈی

فیضان زم زم، فیصل آباد

اسلامک کارپوریشن، راولپنڈی

کتاب کی خصوصیات

(1) یہ تمام سوالات جوابات فتاوی رضویہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کی جلد نمبر 7،6،5 سے لئے گئے ہیں، جواب کے آخر میں جلد نمبر اور صفحہ نمبر درج کر دیا گیا ہے۔

(2) حتی الامکان دلائل سے صرفِ نظر کیا گیا ہے تا کہ قارئین مختصر الفاظ میں رضوی موقف جان سکیں، دلائل کے لئے فتاوی رضویہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(3) بعض جگہ سوال طویل اور الجھا ہوا ہونے کی وجہ سے اپنے الفاظ میں مختصر ذکر کیا گیا ہے تا کہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

(4) بعض جگہوں پر سائل ایک سوال کے اندر کئی سوالات کر جاتا ہے اور امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ اس کا بالترتیب جواب دیتے ہیں، وہاں سوال کو تقسیم کر دیا ہے، اسی طرح اس کے جواب کو بھی تقسیم کر دیا ہے، تا کہ سوال جواب کے ربط کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

(5) بعض جگہوں پر اپنی طرف سے سوال بنایا گیا ہے تا کہ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ جو مسائل ضمنی طور پر ذکر کرتے ہیں ان کا احاطہ کیا جا سکے۔

(6) جواب میں حتی الامکان بعینہ فتاوی رضویہ ہی کی عبارت نقل کی گئی ہے، ہاں بعض مقامات پر کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں مثلاً جہاں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''قال اللہ تعالیٰ'' وہاں ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' لکھ دیا ہے، اسی طرح ''قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کی جگہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' لکھ دیا ہے، وعلیٰ ھذا القیاس۔

(7) بعض جگہ پر قوسین کے اندر مشکل مقامات کی وضاحت وتشریح کی گئی ہے۔

(8) جس عربی و فارسی عبارت کا ترجمہ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے نہیں ہے اس کو یا تو قوسین میں کیا ہے یا پھر شروع میں لفظ ترجمہ لکھ دیا ہے۔

(9) جو فتاوی مکمل عربی کا فارسی میں ہیں ان کا صرف ترجمہ ہی لکھا ہے۔

(10) حتی الامکان مسائل میں تکرار سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اجمالی فہرست

جلد نمبر (5)

جلد نمبر (6)

جلد نمبر (7)

فہرست

جلد نمبر (5)

جلد نمبر(6)

مسائل	صفحہ نمبر

جلد نمبر(7)

تلخیص فتاوی رضویہ

(جلد 5)

مؤلف

استاذ الفقہ والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام علی سيد المرسلين

امابعد فاعوذبالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

کتاب الصلاۃ

سوال: نمازِ پنجگانہ اس امت کا خاصہ ہے یا پچھلی امتوں پر بھی فرض تھی؟

جواب: نماز پنجگانہ اللہ عزوجل کی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عظیم سے خاص ہم کو عطا فرمائی ہم سے پہلے کسی امت کو نہ ملی۔

(ج5،ص43)

سوال: بنی اسرائیل پر کتنی نمازیں فرض تھیں؟

جواب: بنی اسرائیل پر دو ہی وقت کی فرض تھی وہ بھی صرف چار رکعتیں دو صبح دو شام، وہ بھی ان سے نہ نبھی۔ سنن نسائی شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیثِ معراج مبارک میں ارشاد فرماتے ہیں ''ثم ردت الی خمس صلوات، قال:فارجع الیٰ ربك فاسأله التخفيف فانه فرض علیٰ بنی اسرائيل صلاتين فماقاموا بهما'' یعنی پھر پچاس نمازوں کی پانچ رہیں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی کہ حضور پھر جائیں اور اپنے رب سے تخفیف چاہیں کہ اس نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض فرمائی تھیں وہ انہیں بھی بجانہ لائے۔ (سنن نسائی، ج1،ص78، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی) (ج5،ص44)

سوال: بنی اسرائیل کے علاوہ امتوں پر کتنی نمازیں فرض تھیں؟

جواب: اور امتوں کا حال خدا جانے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ پانچوں اُن میں کسی کو نہ ملیں علماء نے بے خلاف اس کی تصریح فرمائی۔

(ج5،ص44)

سوال: کیا تمام انبیاء ہمارے آقا و مولیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہیں؟

جواب: تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمارے حضور نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں انہیں نبوت دی ہی اس وقت ہے جب انہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُمتی بنالیا ہے جس پر قرآن عظیم ناطق اور ہمارے رسالہ تجلی اليقين بان نبينا سيد المرسلين میں اُس کی تفصیل فائق۔

(ج5،ص66)

سوال: پانچ نمازیں ادا کرنے کی فضیلت پر مشتمل کوئی روایت بیان فرمادیجئے۔

جواب: امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا میں نے توریت مقدس کے کسی مقام میں پڑھا ''اے موسیٰ! فجر کی دو رکعتیں احمد اور اس کی اُمت ادا کرے گی جو انہیں پڑھے گا اُس

دن رات کے سارے گناہ اُس کے بخش دُوں گا اور وہ میرے ذمہ میں ہوگا۔

اے موسیٰ! ظہر کی چار رکعتیں احمد اور اس کی اُمت پڑھے گی انہیں پہلی رکعت کے عوض بخش دُوں گا اور دوسری کے بدلے ان کا پلہ بھاری کر دوں گا اور تیسری کیلئے فرشتے موکل کروں گا کہ تسبیح کریں گے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے، اور چوتھی کے بدلے اُن کیلئے آسمان کے دروازے کشادہ کر دُوں گا، بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں اُن پر مشتاقانہ نظر ڈالیں گی۔

اے موسیٰ! عصر کی چار رکعتیں احمد اور ان کی اُمت ادا کرے گی تو ہفت آسمان وزمین میں کوئی فرشتہ باقی نہ بچے گا سب ہی ان کی مغفرت چاہیں گے اور ملائکہ جس کی مغفرت چاہیں میں اسے ہرگز عذاب نہ دُوں گا۔

اے موسیٰ! مغرب کی تین رکعت ہیں انہیں احمد اور اس کی اُمت پڑھے گی آسمان کے سارے دروازے ان کیلئے کھول دُوں گا، جس حاجت کا سوال کرینگے اسے پُورا ہی کر دوں گا۔

اے موسیٰ! شفق ڈوب جانے کے وقت یعنی عشاء کی چار رکعتیں ہیں پڑھیں گے انہیں احمد اور ان کی اُمت، وہ دنیا ومافیہا سے اُن کیلئے بہتر ہیں، وہ انہیں گناہوں سے ایسا نکال دیں گی جیسے اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

اے موسیٰ! وضو کرے گا احمد اور اسکی اُمت جیسا کہ میرا حکم ہے میں انہیں عطا فرماؤں گا ہر قطرے کے عوض کہ ٹپکے ایک جنت جس کا عرض آسمان وزمین کی چوڑائی کے برابر ہوگا۔

اے موسیٰ! ایک مہینے کے ہر سال روزے رکھے گا احمد اور اس کی اُمت اور وہ ماہِ رمضان ہے عطا فرماؤں گا اسکے ہر دن کے روزے کے عوض جنت میں ایک شہر اور عطا کروں گا اس میں نفل کے بدلے فرض کا ثواب اور اس میں لیلۃ القدر کروں گا جو اس مہینے میں شرمساری وصدق سے ایک بار استغفار کرے گا اگر اسی شب یا اس مہینے بھر میں مرگیا اسے تیس شہیدوں کا ثواب عطا فرماؤں گا۔ اے موسیٰ! امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کچھ ایسے مرد ہیں کہ ہر شرف پر قائم ہیں لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتے ہیں تو ان کی جزا اس کے عوض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ثواب ہے اور میری رحمت ان پر واجب اور میرا غضب ان سے دور، اور ان میں سے کسی پر بابِ توبہ بند نہ کروں گا جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتے رہیں گے۔

(تنبیہ الغافلین ص 404، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان) (ج5،ص52)

سوال: کون سی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی؟

جواب: اس میں چار قول ہیں:

اوّل: قولِ امام عبید اللہ بن عائشہ کہ جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ وقتِ فجر قبول ہُوئی انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں وہ

نمازِ صبح ہوئی، اور اسحق علیہ الصلاۃ والسلام کا فدیہ وقت ظہر آیا ابرہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار پڑھیں وہ ظہر مقرر ہوئی۔ عزیر علیہ السلام سو برس کے بعد عصر کے وقت زندہ کئے گئے انہوں نے چار پڑھیں وہ عصر ہوئی۔ داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کی توبہ وقت مغرب قبول ہوئی چار رکعتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھک کر تیسری پر بیٹھ گئے، مغرب کی تین ہی رہیں۔ اور عشاء سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔

دوم: قولِ امام ابوالفضل کہ سب سے پہلے فجر کو دو رکعتیں حضرت آدم، ظہر کو چار رکعتیں حضرت ابرہیم، عصر حضرت یونس، مغرب حضرت عیسٰی، عشاء حضرت موسٰی علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی۔

یہ حکایت ایک لطیف کلام پر مشتمل ہے لہذا اُس کا خلاصہ (یہ ہے)، امام زندوستی فرماتے ہیں میں نے امام ابوالفضل سے پوچھا صبح کی دو رکعتیں ظہر وعصر وعشاء کی چار مغرب کی تین کیوں ہوئیں۔ فرمایا حکم (ہے)، میں نے کہا مجھے اور بھی افادہ کیجئے، کہا ہر نماز ایک نبی نے پڑھی ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے دنیا آنکھوں میں تاریک تھی اور ادھر رات کی اندھیری آئی، انہوں نے رات کہاں دیکھی تھی بہت خائف ہوئے، جب صبح چمکی دو رکعتیں شکرِ الٰہی کی پڑھیں، ایک اس کا شکر کہ تاریکیٔ شب سے نجات ملی دوسرا اس کا کہ دن کی روشنی پائی انہوں نے نفل پڑھی تھیں ہم پر فرض کی گئیں کہ ہم سے گناہوں کی تاریکی دُور ہو اور طاعت کا نُور حاصل (ہو)۔

زوال کے بعد سب سے پہلے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار رکعت پڑھیں جبکہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ اُترا ہے پہلی اس کے شکر میں کہ بیٹے کا غم دُور ہوا، دوسری فدیہ آنے کے سبب، تیسری رضائے مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ کا شکر، چوتھی اس کے شکر میں کہ اللہ عزوجل کے حکم پر اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گردن رکھ دی، یہ ان کے نفل تھے ہم پر فرض ہوئیں کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں قتلِ نفس پر قدرت دے جیسی اُنہیں ذبحِ ولد پر قدرت دی اور ہمیں بھی غم سے نجات دے اور یہود ونصارٰی کو ہمارا فدیہ کرکے نار سے ہمیں بچالے اور ہم سے بھی راضی ہو۔

نمازِ عصر سب سے پہلے یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھی کہ اس وقت مولیٰ تعالیٰ نے انہیں چار ظلمتوں سے نجات دی: (۱) ظلمتِ لغزش (۲) ظلمتِ غم (۳) ظلمتِ دریا (۴) ظلمتِ شکمِ ماہی (مچھلی کے پیٹ کی ظلمت)۔

یہ اُن کے نفل تھے ہم پر فرض ہوئے کہ ہمیں مولیٰ تعالیٰ ظلمتِ گناہ وظلمتِ قبر وظلمتِ قیامت وظلمتِ دوزخ سے پناہ دے۔

مغرب سب سے پہلے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھی، پہلی اپنے سے نفیِ الوہیت (اپنے سے خدا ہونے کی نفی)، دوسری اپنی ماں سے نفیِ الوہیت، تیسری اللہ عزوجل کے لئے اثباتِ الوہیت کیلئے۔ یہ ان کے نفل (تھے) ہم پر فرض ہوئے کہ روزِ قیامت

ہم پر حساب آسان ہو، نار سے نجات ہو، اُس بڑی گھبراہٹ سے پناہ ہو۔

اقول :اور مقام سے مناسب تر یہ تھا کہ یوں فرماتے کہ ہم اپنی خودی اور فخرِ آبا سے باہر آ کر اللہ عزوجل کے لئے خاص متواضع ہوں۔

سب سے پہلے عشاء مُوسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھی جب مدائن سے چل کر راستہ بھول گئے۔ بی بی کا غم، اولاد کی فکر، بھائی پر اندیشہ، فرعون سے خوف، جب وادیٔ ایمن میں رات کے وقت مولیٰ تعالیٰ نے ان سب فکروں سے انہیں نجات بخشی، چار نفل شکرانے کے پڑھے ہم پر فرض ہُوئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی راہ دکھائے ہمارے بھی کام بنائے ہمیں اپنے محبوبوں سے ملائے دشمنوں پر فتح دے آمین!

سوم :قولِ بعض علماء کہ فجر آدم، ظہر ابراہیم، عصر سلیمان، مغرب عیسٰی علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی اور عشا خاص اس اُمت کو ملی۔

چہارم :وہ حدیث کہ امام اجل رافعی نے شرح مسند میں ذکر فرمائی کہ صبح آدم، ظہر داؤد، عصر سلیمٰن، مغرب یعقوب، عشاء یونس علیہم الصلاۃ والسلام سے ہے۔

غرض نماز صبح میں چاروں متفق ہیں باقی چار میں اختلاف۔

اقول (میں کہتا ہوں): فقیر کی نظر میں ظاہراً قولِ اخیر کوسب پر ترجیح کہ اوّل تو وہ حدیث ہے لا اقل (کم از کم) اثرِ صحابی یا تابعی سہی اقوال علمائے مابعد پر ہر طرح (سے) مقدم رہے گی خصوصاً ایسے امر میں جس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں۔

(ج5،ص67)

سوال: سنا ہے کہ بعدِ نبوت معراج سے پہلے دو نمازیں فرض تھیں ایک سورج نکلنے سے پہلے اور ایک سورج غروب ہونے سے پہلے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: پیش از اسراء (معراج سے پہلے) دو وقت یعنی قبل طلوعِ شمس وقبلِ غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیامِ لیل (رات کے قیام) کی فرضیت، باقی پر کوئی دلیلِ صریح قائم نہیں۔

(ج5،ص76)

سوال: اذان کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا تو معراج کی رات جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کی جماعت کروائی تو اس وقت اذان واقامت کہی گئی، اس سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ معراج مکہ میں ہوئی، اور اذان واقامت کا آغاز مدینہ میں ہوا۔

جواب: علامہ زرقانی اس حدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''اذن مؤذن، ای اعلم بطلب الصلاۃ، فاقیمت الصلوۃ، ای تهیئو لها وشرعوا فیها، فلا یرد ان الاذان والاقامۃ انما شرعا بالمدینۃ والاسراء کان بمکۃ'' ترجمہ: ''ایک مؤذن نے اذان کہی'' اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے نماز کے لئے طلب کیے جانے پر ان کو آ گاہ کیا، ''اور نماز کیلئے اقامت کہی گئی'' کا مفہوم یہ ہے کہ اس کیلئے تیار ہو گئے اور اس میں شروع ہو گئے، اس لئے یہ اعتراض نہیں پیدا ہوگا کہ اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہوئی تھیں اور معراج مکہ میں ہوئی تھی۔

(شرح زرقانی علی المواہب، ج6، ص57، المطبعۃ العامرہ، مصر) (ج5، ص61)

سوال: معراج سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے؟

جواب: ملاحظۂ آیات واحادیث سے ظاہر کہ وہ نماز اسی انداز کی تھی، اُس میں طہارتِ ثوب (کپڑوں کے پاک ہونے کی شرط) بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المدثر میں فرماتا ہے ﴿وَ ثِیَابَکَ فَطَهِّرْ﴾ ترجمہ: اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔

وضو بھی تھا۔ استقبالِ قبلہ بھی تھا۔ تکبیر تحریمہ بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ ترجمہ: اور اپنے رب کی تکبیر کہو۔

قیام بھی تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیْلَ﴾ ترجمہ: اے اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کرو۔

قرأت بھی تھی، اللہ تعالیٰ سورۃ المزمل میں فرماتا ہے ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ترجمہ: پس پڑھو جتنا قرآن میسر ہو سکے۔

رکوع بھی تھا۔ سجود بھی تھا کما فی حدیث ایذاء ابی جهل وغیرہ من الکفرۃ، لعنهم اللہ تعالی، حین صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند الکعبۃ، فرمقوا سجودہ، فالقوا علیہ ماالقوا بہ فی قلیب بدر ملعونین۔ والحمدللہ رب العلمین۔ والحدیث معروف فی الصحیحین وغیرهما عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ترجمہ: جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس میں ابوجہل اور دیگر کفار لعنھم اللہ کی ایذارسانی کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے تو کفار نے اُن کے سجدے پر نگاہ رکھی اور آپ پر وہ کچھ ڈال دیا (یعنی اوجھڑیاں وغیرہ) جس کے بدلے میں بدر کے کنویں میں ملعون کر کے پھینک دیئے گئے۔ اور یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معروف ہے۔

(صحیح بخاری، ج1، ص74، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ اقرا میں فرمایا ہے ﴿وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ﴾ اور سجدہ کرو اور قُرب حاصل کرو۔

جماعت بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ﴾ ترجمہ: اور ایک جماعت ان لوگوں کی جو

تمہارے ساتھ ہے۔

واخرج الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فی حدیث مجیء الجن الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول البعث، انھم اتوہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یصلی باصحابہ صلاۃ الفجر، بخاری ومسلم نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی روایت کی ہے جس میں ابتداءِ وحی کے دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس جنات کے آنے کا ذکر ہے۔اس میں ہے کہ جب جنات آپ کے پاس آئے اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔

علامہ زرقانی علیہ الرحمہ نے فرمایا "المراد بالفجر الرکعتان اللتان کان یصلیھما قبل طلوع الشمس "فجر کی نماز سے مراد وہ دو رکعتیں ہیں جو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

جہر بھی تھا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے ﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ کہو وحی کی گئی ہے میری جانب کہ جنوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر سنا تو کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

وقد کانوا سمعوہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی صلاۃ الفجر، کماتقدم،ترجمہ:اور جنات نے رسول اللہ کی یہ قرأت نمازِ فجر میں سُنی تھی،جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے نمازِ سابق اصول وارکان میں اسی نماز مستقر (موجودہ نماز) کے موافق نظر آتی ہے۔

(ج5ص85تا90)

سوال: کوئی شخص حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خواب میں خلافِ شرع حکم فرماتے سنے، تو کیا کرے؟ کیا اسے شیطانی خواب شمار کرے؟ خواب دیکھنے والا صالح ہو تو کیا حکم ہے اور فاسق ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا اگرچہ بلاشبہہ حق ہوتا ہے یہ خواب کبھی اضغاثِ احلام (مخلوط خواب" جن کی حقیقت بیان نہ ہو سکے") سے نہیں ہوتے۔ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ فرماتے ہیں "من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لایتمثل بی "جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھی کو دیکھا کہ شیطان میری مثال بن کر نہیں آ سکتا۔ (جامع الترمذی، ج2،ص52،مجتبائی،لاہور)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم "من رأنی فقد رأی الحق فان الشیطان لایتریأبی "جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق دیکھا کہ شیطان میری وضع نہ بنائے گا۔ (صحیح بخاری، ج2،ص1036،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

اور اس مفہوم کی احادیث متواتر ہیں۔

مگر ازانجا کہ حالتِ خواب میں ہوش وحواس عالم بیداری کی طرح ضبط وتیقظ پر نہیں ہوتے، لہذا خواب میں جو ارشاد سُنے مثلِ سماعِ بیداری مورثِ یقین (یقین کا سبب) نہیں ہوتا۔

اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جو ارشادات بیداری میں ثابت ہوچکے اُن پر عرض کریں اگر اُن سے مخالف نہیں فبہا سواء وجد مطابقة الصریح اولا (خواہ صراحۃً مطابقت ہو یا نہ) ایسی حالت میں اس (جس کو خواب آیا) کا ارشاد ماننا چاہئے اور مخالف ہے تو یقین کریں گے کہ صاحبِ خواب کے سُننے میں فرق ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حق فرمایا اور بوجہ تکدرِ حواس (حواس کے قائم نہ ہونے کے سبب) کہ اثرِ خواب ہے اُس کے سُننے میں غلط آیا جیسے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اُسے مے کشی (شراب پینے) کا حکم دیتے ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا حضور نے مے کشی سے نہی فرمائی تیرے سُننے میں اُلٹی آئی۔

اس امر میں فاسق ومتقی برابر ہیں، نہ متقی کا سماع واجب الصحۃ نہ فاسق کا بیان یقینی الکذب بلکہ ضابطہ مطلقاً یہی ہے جو مذکور ہوا۔ (ج5ص100)

سوال: کبیرہ گناہ کرنے سے مسلمان کافر ہوجاتا ہے یا نہیں؟

جواب: کافۂ اہلسنت وجماعت (تمام اہلسنت وجماعت) کا اجماعِ قطعی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں۔

(ج5ص101)

سوال: کسی گناہ کو حلال سمجھ کر کرنا کفر ہے یا نہیں؟

جواب: مذہبِ معتمد ومحقق میں استحلال (حرام کو حلال سمجھنا) بھی علی الاطلاق (مطلق طور پر) کفر نہیں جب تک زنا یا شربِ خمر یا ترکِ صلاۃ کی طرح اس کی حرمت ضروریاتِ دین سے نہ ہو، غرض ضروریات کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں، اگرچہ ثابت بالقواطع (قطعی دلائل سے ثابت) ہو کہ عند التحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین کما حققه العلماء المحققون من الائمة المتكلمين (جیسا کہ ائمہ متکلمین کے محقق علماء نے تحقیق کی ہے)۔

ولہذا خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا منکر مذہبِ تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اُس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت۔ (ج5ص101)

سوال: کیا نماز کو جان بوجھ کر ترک کرنے والا کافر ہوجاتا ہے؟

جواب: مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں یہی مذہب ہمارے ائمہ حنفیہ وائمہ شافعیہ وائمہ مالکیہ اور ایک جماعت ائمہ حنبلیہ

وغیرہم جماہیر علمائے دین وائمہ معتمدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے کہ اگرچہ تارکِ نماز کو سخت فاجر جانتے ہیں مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہتے اور یہی ایک روایت حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے اس کی رُو سے یہ مذہب مہذب حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مجمع علیہ ہے۔

(ج5،ص105)

سوال: بعض احادیث میں جو آیا کہ ''نماز کا ترک کرنے والا کافر ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: (اس سے مراد یہ ہے کہ)(۱) فرضیتِ نماز کا انکار کرے (۲) یا اُسے ہلکا اور بےقدر جانے (۳) یا اُس کا ترک حلال سمجھے تو کافر ہے (۴) یا یہ کہ ترکِ نماز سخت کفرانِ نعمت وناشکری ہے۔ (۵) یا یہ کہ اُس نے کافروں کا سا کام کیا۔

(ج5،ص105)

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا کافر نہیں ہوتا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کی سزا کیا ہے؟

جواب: وہ فاسق ہے اور سخت فاسق مگر کافر نہیں وہ شرعاً سخت سزاؤں کا مستحق ہے ائمہ ثلٰثہ مالک وشافعی واحمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں اُسے قتل کیا جائے۔ ہمارے ائمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک فاسق فاجر مرتکب کبیرہ ہے اُسے دائم الحبس (ہمیشہ کے لئے قید) کریں، یہاں تک کہ توبہ کرے یا قید میں مرجائے، امام محبوبی وغیرہ مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اتنا ماریں کہ خون بہادیں پھر قید کریں۔

یہ تعزیرات یہاں (ہندوستان میں) جاری نہیں لہٰذا اُس کے ساتھ کھانا پینا میل جول سلام کلام وغیرہ معاملات ہی ترک کریں کہ یونہی زجر ہو، اسی طرح بنظرِ زجر ترکِ عیادت میں مضائقہ نہیں۔

(ج5،ص107)

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودی کی عیادت فرمائی، بےنمازی کے لئے فرمایا جارہا ہے کہ اس کی عیادت ترک کرنے میں مضائقہ نہیں۔

جواب: یہودی کی عیادت فرمانی بنظرِ تالیف وہدایت تھی یہاں اس کی عیادت نہ کرنی بنظرِ زجر ہے، دونوں مقاصد شرعیہ ہیں۔

(ج5،ص107)

سوال: بےنمازی کی نمازِ جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اگر علماء اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں تو کیا حکم ہے؟

جواب: نمازِ جنازہ اگرچہ ہر مسلمان غیر ساعی فی الارض بالفساد (زمین میں فساد کی کوشش کرنے والے کے علاوہ) کے لئے فرض ہے۔۔ مگر فرضِ عین نہیں، فرضِ کفایہ ہے، پس اگر علماء وفضلا باقتدائے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المدیون وفی قاتل نفسہ (یعنی جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقروض اور خودکشی کرنے والے کی نماز نہیں پڑھائی، ان کی اقتداء کرتے ہوئے) بغرض زجر وتنبیہ نمازِ جنازہ بےنماز سے خود جدا رہیں کوئی حرج نہیں۔

ہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ اصلاً کوئی نہ پڑھے یوں سب آثم وگنہگار رہیں گے، مسلمان اگرچہ فاسق ہواُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے الامن استثنی ولیس ھذا منھم (مگر جو مستثنیٰ ہیں، اور یہ ان میں سے نہیں ہے)، نماز پڑھنا اس پر فرض تھا اور جنازہ کی نماز ہم پر فرض ہے اگر اُس نے اپنا فرض ترک کیا ہم اپنا فرض کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔۔ اسی طرح غسل دینا، مقابرِ مسلمین میں دفن کرنا۔

(ج5،ص107)

سوال: اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس نے نماز کو چھوڑا اُس میں اور مشرک میں کچھ فرق نہیں۔

جواب: بلاشبہہ حدیث میں آیا ہے کہ ہم میں اور مشرکوں میں فرق نماز کا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو نماز کا تارک ہے وہ مشرکوں کے فعل میں اُن کا شریک ہے پھر اگر دل سے بھی نماز کو فرض نہ جانے یا ہلکا سمجھے جب تو سچّا مشرک پورا کافر ہے ورنہ اُس کا یہ کام کافروں مشرکوں کا سا ہے اگرچہ وہ حقیقۃً کافر مشرک نہ ٹھہرے۔

(ج5،ص106)

سوال: بے نمازی زیادہ برا ہے یا بدمذہب؟

جواب: معاذ اللہ کسی وقت کی نماز قصداً ترک کرنا سخت کبیرہ شدیدہ وجریمۂ عظیمہ (عظیم جرم) ہے جس پر سخت ہولناک جانگزا وعیدیں قرآنِ عظیم واحادیثِ صحیحہ میں وارد، مگر بدمذہب اگرچہ کیسا ہی نمازی ہو اللہ عزّ وجل کے نزدیک سنی بے نماز سے بدر جہا بُرا ہے کہ فسقِ عقیدہ فسقِ عمل سے سخت تر ہے۔

(ج5،ص109)

سوال: ایک واعظ برسرِ مجلس بیان کرتا ہے کہ جس شخص نے ایک وقت کی نماز قصداً ترک کی اس نے ستر مرتبہ بیت اللہ میں اپنی ماں سے زنا کیا، مستفتی خوب جانتا ہے کہ بے نمازی سے بُرا اللہ کے نزدیک کوئی نہیں اور شرع شریف میں اس کیلئے وعید بھی سخت آئی ہے مگر دریافت طلب یہ امر ہے کہ الفاظِ مذکورہ کتاب وسنّت سے ثابت ہیں یا نہیں، برتقدیرِ ثبوت نہ ہونے کے قائل کی نسبت شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: واعظ نے جو مضمون بیان کیا اس کے قریب قریب دربارۂ سُود خوار (سود کھانے والے کے بارے میں) احادیث مرفوعہ (موجود ہیں) مگر ان میں سے کسی میں بیت اللہ کا ذکر نہیں، البتہ ایک حدیثِ صحیح میں حطیمِ کعبہ کا ذکر ہے کہ ظناً زمینِ کعبہ ہے نہ یقیناً، اُس میں ماں کا لفظ نہیں۔ امام احمد وطبرانی عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسندِ صحیح راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "درھم ربا یاکلہ الرجل، وھو یعلم، اشد عند اللّٰہ من ستة وثلثین زنیة فی الحطیم "ایک درہم سُود کا کہ آدمی دانستہ کھالے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حطیمِ کعبہ میں چھتیس بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج5،ص225، دارالفکر، بیروت)

اور دربارۂ ترکِ نماز اگرچہ اس سے سخت تر مذمت ارشاد ہوئی یہاں تک کہ احادیثِ مرفوعہ (میں) ترکِ نماز پر

صراحۃً ظلم و کفر و بے دینی مردی (ہے) ۔۔ مگر اس بارہ میں وہ الفاظ کہ واعظ نے ذکر کیے اصلاً نظر سے نہ گزرے، واعظ سے سند مانگی جائے اگر سند معتبر پیش نہ کر سکے تو بے ثبوت ایسے ادعا جہل فاضح (رسوا کن جہالت) ہیں اور گناہ واضح ۔ (ج5ص109)

سوال: ایک وقت کی نماز قضا کرنے سے بھی آدمی فاسق ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں جو ایک وقت کی نماز بھی قصداً بلا عذر شرعی دیدہ و دانستہ قضا کرے فاسق و مرتکب کبیرہ و مستحق جہنم ہے۔

(ج5ص110)

سوال: بکر نے ایک عالم کے فرمانے سے مسلمانوں کے رُوبرو یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اُس کو حقہ پانی نہ دیا جائے اور جتنے وقت کی نماز نہ پڑھے ایک پیسہ جرمانہ ہونا چاہئے ۔ زید نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس طور کی نماز پڑھوانا دوزخ کا زینہ ہے اس بارے میں حکمِ شریعت کیا ہے؟

جواب: حقہ پانی نہ دینے کی تجویز ٹھیک ہے اور مالی جرمانہ جائز نہیں ۔ مگر زید کا وہ کلمہ بہت بُرا اور سخت بیجا ہے، فان المصادرة المالية تجوز عند الامام الشافعي رضي الله تعالى عنه (کیونکہ مالی جرمانہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز ہے) نماز پڑھوانا زینۂ دوزخ نہیں بلکہ نہ پڑھنا (زینۂ دوزخ ہے) ۔ زید توبہ کرے ۔ (ج5ص111)

سوال: دینی یا دنیوی طلبہ سے غیر حاضری کرنے پر مالی جرمانہ لینا کیسا ہے؟

جواب: تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں ۔

(پھر اس کے جواز کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا)

(۱) ہاں وہ طلبہ جن کو وظیفہ دیا جاتا ہے اُن کے وظیفہ سے وضع کر لینا جائز ہے ۔

(۲) یا جو طلبہ فیس نہیں دیتے جس روز جماعت میں حاضر نہ ہوں دوسرے روز ان سے کہا جائے کل تم نے جماعت قضا کی آج بغیر اتنی فیس دیے تم کو سبق نہ دیا جائیگا ۔

(۳) اور جو ماہوار فیس دیتے ہیں اُس مہینے تو اُن سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، دوسرے مہینے کے شروع پر اُن سے کہا جائے کہ گزشتہ مہینے میں تم نے اتنی جماعتیں قضا کیں آئندہ مہینے تمہیں تعلیم نہ دی جائے گی جب تک اس قدر زائد فیس نہ داخل کرو۔

(۴) یا یہ صورت ممکن ہے کہ ہر مہینے کے شروع میں طلبہ کو کوئی خفیف قیمت کی چیز مثلاً قلم یا تھوڑی سی روشنائی یا کاغذ تقسیم کیا جائے اور یہ تقسیم بطورِ بیع ہو اُس قیمت کو جو انتہائی جرمانہ قضائے جماعت کا اُن کے ذمے ہو سکے مثلاً یہ قلم سات روپے کو ہم نے تمہارے ہاتھ بیع کیا اور اُن سے کہہ دیا جائے کہ یہ بیع قطعی ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہم اس سے جدا ایک وعدہ احسانی تم سے کرتے ہیں کہ اگر تم نے اس مہینے میں بلا عذرِ صحیح شرعی کوئی جماعت قضا نہ کی تو سرِ ماہ پر یہ زرِ ثمن تمام و کمال تمہیں معاف کر دیں

گے اس صورت میں بھی قضا۔ بے جماعت کی حالت میں وہ ثمن کل یا بعض اُن سے وصول کر لینا جائز ہوگا۔ (ج5،ص111)

سوال: سمندری جہاز پر یا چلتی ریل گاڑی میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: چلتے جہاز خواہ لنگر کیے ہوئے اور کنارے سے میلوں دُور ہو اُس پر نماز جائز ہے ورنہ ناؤ (کشتی) اگر کنارے پر ٹھہری ہے اور جہاز کی طرح زمین پر نہیں بلکہ پانی پر ہے اور یہ اُتر کر کنارے پر نماز پڑھ سکتا ہے تو ٹھہری ہوئی ناؤ میں بھی فرض اور وتر اور صبح کی سُنتیں نہ ہوسکیں گے اور چلتی ہوئی میں بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے جیسے سیر دریا کے بجرے کنارے کنارے جا سکتے ہیں اور انہیں روک کر زمین پر نماز پڑھ سکتے ہیں اور اگر اُتر کر کنارے پر نماز نہ پڑھ سکنا اپنی ذاتی معذوری سے ہے تو ہر نماز ہوجائے گی اور اگر کسی کی ممانعت کے سبب ہے تو پڑھ لے اور پھر پھیرے۔

یہی حکم ریل کا ہے ٹھہری ہوئی ریل میں سب نمازیں جائز ہیں اور چلتی ہوئی میں سنتِ صبح کے سوا سب سنت و نفل جائز ہیں مگر فرض و وتر یا صبح کی سنتیں نہیں ہوسکتیں، اہتمام کرے کہ ٹھہری میں پڑھے اور دیکھے کہ وقت جاتا ہے پڑھ لے اور جب ٹھہرے پھر پھیرے۔ (ج5،ص113)

سوال: کوئی نشے والی چیز پی، مگر ہوش وحواس قائم ہیں اور منہ سے بدبو بھی نہیں آرہی، تو اس صورت میں نماز پڑھنے سے نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من شرب مسکرا ماکان لم تقبل لہ صلاۃ اربعین یوما" جو کوئی نشہ کی چیز پیئے چالیس دن اس کی نماز قبول نہ ہو۔ (المعجم الکبیر،ج7،ص154، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

مگر وعیدات سب مقید مشیت ہیں (یعنی اللہ کی مشیت پر موقوف ہیں) ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ترجمہ: شرک سے کم تر گناہ، جسے چاہے بخش دے۔

صورت مذکورہ میں صحتِ نماز و ادائے فرض میں شبہہ نہیں رہا قبول بکل عدل میں اُس کی شرط عظیم ہے ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول کرتا ہے۔

اور مقامِ فضل حدث عن البحر بماشئت ولا حرج (سمندر کے جُود وسخا کے بارے میں جو چاہو بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں) ہے۔

یہاں رب العزۃ نے حد یہ مقرر فرمائی ہے ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ ترجمہ: یہاں تک کہ تم جان لو جو کچھ کہہ رہے ہو۔

جب حالت یہ ہو اور شرائط مجتمع، تو زید سے عدمِ قبول پر جزم (یقین) جہل و جرأت علی اللہ ہے جیسے عمر غیر شارب

(شراب نہ پینے والے) سے قبول پر (غیر جزم ہے)۔

ہاں اجمالاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ شارب کی نماز چالیس دن (تک) قبول نہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا، خالص زید پر حکم باطل ہی ہے جیسے ﴿الا لعنة اللہ علی الظلمین﴾ ترجمہ: گواہ رہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (اس آیت کی وجہ سے) یوں کہنا جائز کہ ظالم ملعون ہیں اور یہ کہنا حرام کہ زید پر لعنت۔

(ج5،ص113)

سوال: زید کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک نماز قضا کر لے اگر چہ وقت گزرنے کے بعد اسے ادا کرلے تو اس کو دوزخ میں اتنا رہنا پڑے گا کہ ستر ہزار سالوں کی نماز اس دوران قضا کی جاسکے، کیا یہ مسئلہ صحیح ہے؟

جواب: عذرِ شرعی کے بغیر اتنی تاخیر کہ وقت چلا جائے اور قضا کرنی پڑے، بے شک حرام، فسق اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس کو عذاب دینا یا بخش دینا اللہ کی مشیت کے سپرد ہے اور کوئی مسلمان دوزخ میں دنیا کی عمر یعنی سات ہزار سال سے زیادہ نہیں رہے گا۔

(ج5،ص115)

سوال: نماز کے واسطے سوتے آدمی کو جگا دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ضروری ہے۔

(ج5،ص115)

سوال: جو لوگ نماز نہیں پڑھتے یا دیگر گناہوں میں ملوث ہیں، ان کی تادیب کے لئے کیا کیا جائے؟ کیا پنچایت بنا کر ان کو اس طرح تنبیہ کی جاسکتی ہے کہ ان کے ساتھ سلام کلام طعام چھوڑ دیا جائے، جرمانہ لیا جائے، ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے، ان سے دیگر معاملات چھوڑ دیئے جائیں؟

جواب: جو تنبیہ و تہدید و تادیب و تشدید اپنے امورِ دُنیویہ میں کرتے ہیں امورِ دینیہ میں بدرجہ اولیٰ ضروری ہے، اگر دنیا کے طالب اور دین سے غافل ہیں اس وجہ سے اس (دین) کے تارک اور اُس (دنیا) کے عامل ہیں، کیا اچھا ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن میں بیداری پیدا کرے اور اپنی دنیا سے بڑھ کر دین کا انتظام کریں، جو امورِ تادیبی اوپر مذکور ہوئے سب جائز ہیں، مگر مالی جرمانہ لینا حرام۔

مسلمان کے جنازہ کی نماز فرض ہے اگر چہ وہ نماز نہ پڑھتا ہو، اس میں حکم تہدیدی صرف اتنا ہے کہ علما و صلحا جن کے پڑھنے سے اُمیدِ برکت ہوتی ہے بے نماز کا جنازہ خود نہ پڑھیں عوام سے پڑھوا دیں، لیکن یہ کہ کوئی نہ پڑھے اور اُسے بے نماز دفن کر دیں یہ جائز نہیں، ایسا کریں گے تو جتنوں کو اطلاع ہوگی سب گنہگار ہوں گے عالم ہوں خواہ جاہل، اور اُس کی قبر پر نماز پڑھنی واجب ہوگی جب تک اُس کا بدن سلامت رہنا مظنون ہو۔

(ج5،ص116)

سوال: نیکی کی دعوت دینے کے لئے پیدل جانے والوں کے لئے کیا اجر ہے؟ آنے جانے کے لئے سواری یا خرچ

کا سوال کرنا کیسا ہے؟ ایک شخص ان سے کہتا ہے کہ اس میں رکھا ہی کیا ہے؟ ہر کوئی اپنے لئے نماز پڑھے گا تم کیوں کوشش کر رہے ہو، وہ شخص کیسا ہے؟

جواب: (ان) لوگوں کیلئے ان کی نیتِ نیک پر اجرِ عظیم ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لان یھدی اللّٰہ بك رجلا خیرلك مما طلعت علیه الشمس وغربت'' اللہ تعالیٰ ایک شخص کو تیرے ذریعہ سے ہدایت فرمادے تو یہ تیرے لیے تمام رُوئے زمین کی سلطنت ملنے سے بہتر ہے۔

ہدایت کو (نیکی کی دعوت کو) جانے کیلئے آتے جاتے جتنے قدم ان کے پڑیں ہر قدم پر دس نیکیاں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ﴾ ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشان پیچھے چھوڑ گئے۔

اور جو بغیر سواری نہ جا سکتا ہو اُس کا سواری مانگنا کچھ جُرم نہیں، یوں ہی خرچ راہ بھی لے سکتا ہے مگر یہ کہنا کہ تم کیوں کوشش کرتے ہو شیطانی قول ہے امر بالمعروف نہی عن المنکر فرض ہے، فرض سے روکنا شیطانی کام ہے۔ بنی اسرائیل میں جنہوں نے مچھلی کا شکار کیا تھا وہ بھی بندر کردئے گئے اور جنہوں نے انہیں نصیحت کرنے کو منع کیا تھا کہ ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ ترجمہ: کیوں ایسوں کو نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب دے گا۔ یہ بھی تباہ ہوئے اور نصیحت کرنے والوں نے نجات پائی، اور یہ کہنا کہ ''اس میں رکھا ہی کیا ہے'' سب سے سخت کلمہ ہے، اس کہنے والے کو تجدیدِ اسلام و تجدیدِ نکاح چاہئے۔ (ج5،ص117)

سوال: ہمارے علاقہ کی انجمن کا یہ پاس کردہ قانون ہے کہ جو مسجد میں ایک وقت کی نماز کو نہ آئے اور نہ آنے کا کوئی قابلِ اطمینان عذر بھی نہ ہو تو اس کو مسجد میں ایک لوٹا رکھنا پڑے گا۔ یہ ناجائز تو نہیں ہے؟

جواب: اگر وہ شخص اپنی خوشی سے ہر غیر حاضری کے جرمانہ میں سولو ٹے یا سو روپے دے تو بہت اچھا ہے اور اُن روپوں کو مسجد میں صرف کیا جائے لیکن جبراً ایک لوٹا یا ایک کوڑی (بھی) نہیں لے سکتا فان المصادرة بالمال منسوخ والعمل بالمنسوخ حرام، ترجمہ: کیونکہ مالی جرمانہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے) (ج5،ص117)

سوال: عشرۂ محرم میں نماز کا انتظام منجانب انجمن کیا گیا تھا تو اب اس موقع پر کہ محمد علی و شوکت علی بریلی میں آرہے ہیں اور ۳ بجے سے ۷ بجے تک شہر میں گشت کریں گے اور پھر جوبلی باغ میں تقریر کریں گے پبلک عام کثیر التعداد اُن کے جلوس میں جوبلی باغ میں ہوگی اور اس اثنا میں نمازِ عصر و نمازِ مغرب و نمازِ عشا کا وقت ہوگا پس ایسی حالت میں منجانب انجمن مسلمانوں کو تنبیہ کرنا اور ان کو نماز کے واسطے آمادہ کرنا کوئی نقص شرعی تو نہیں پیدا کرتا ہے، اور نماز کی ترغیب ایسے مواقع پر دلانا موجب ثواب دارین ہے یا نہیں؟

جواب: نماز کی ترغیب ہر وقت وہر حال میں ہونی چاہئے اگر چہ ناچ کی مجلس ہو۔ (ج5،ص118)

سوال: کیا اسلاف میں سے کسی کا یہ مذہب ہے کہ قصداً نماز ترک کرنے والا کافر ہے؟ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف اس بارے میں کیا ہے؟ اور کوئی حنفی اس مسئلہ کو ظنی سمجھے اور قصداً نماز ترک کرنے والے کو کافر اعتقاد کرے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: بلاشبہہ صدہا صحابہ کرام وتابعین عظام ومجتہدین اعلام وائمہ اسلام علیہم الرضوان کا یہی مذہب ہے کہ قصداً تارکِ صلاۃ کافر ہے اور یہی متعدد صحیح حدیثوں میں منصوص اور خود قرآنِ کریم سے مستفاد ﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ نماز قائم کرو اور کافروں سے نہ ہو جاؤ۔

زمانہ سلف صالح خصوصاً صدرِ اول کے مناسب یہی حکم تھا اُس زمانہ میں ترکِ نماز علامتِ کفر تھا کہ (یہ فعل) واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے، جیسے اب زنار باندھنا یا قشقہ لگانا علامتِ کفر ہے۔ جب وہ زمانہ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاون آیا (سستی آئی) وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترکِ نماز فی نفسہٖ کفر نہیں جب تک اُسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا فرضیتِ نماز سے منکر نہ ہو، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

حنفی کہ ظنی طور پر اس کے خلاف کا معتقد ہو خاطی ضرور ہے کہ اب یہ حکم خلافِ تحقیق ونامنصور ہے مگر وہ اس کے سبب نہ معاذ اللہ گمراہ ٹھہرے گا نہ حنفیت سے خارج کہ مسئلہ فقہی نہیں اور اکابر صحابہ وائمہ کے موافق ہے اور اگر اعتقادِ تکفیر رکھتا ہے تو اس سے باز آئے، قولِ صحیح امام اعظم اختیار کرے۔ (ج5،ص119)

باب الاوقات

سوال: رمضان مبارک کے روزے، نفلی روزے اور نذرِ معین کے روزے کی نیت کس وقت تک کر سکتے ہیں؟

جواب: روزۂ ماہ مبارک و نذرِ معین و روزۂ نفل جبکہ ادا ہو نہ (کہ) قضا (ہو) تو مذہبِ صحیح یہی ہے کہ ان کی نیت نصف النہار شرعی سے پہلے ہوجانی چاہئے جسے ضحوہ کبریٰ کہتے ہیں اُس کے بعد بلکہ خاص ضحوہ کبریٰ کے وقت بھی نیت کافی نہیں۔ (ج5،ص121)

سوال: دن میں جس وقت میں نماز منع ہے، اسے زوال کا وقت کہتے ہیں، یہ کہنا کیسا ہے؟

جواب: زوال تو سُورج ڈھلنے کو کہتے ہیں یہ وقت وہ ہے کہ ممانعت کا وقت نکل گیا اور جواز کا آیا۔ تو وقتِ ممانعت کو زوال کہنا صریح مسامحت (غلطی) ہے اور غایت تاویل مجاز مجاورت (اس کو زوال کہنے کی انتہائی تاویل یہ ہے کہ قربت کی وجہ سے ممانعت کے وقت کو زوال کہہ دیا جاتا ہے) بلکہ اسے وقتِ استوا کہنا چاہئے یعنی نصف النہار کا وقت۔ (ج5،ص126)

سوال: نصف النہار کا زیادہ سے زیادہ وقت کتنا ہوتا ہے؟

جواب: ہمارے بلاد (شہروں) میں انتہا درجہ یہ وقت ۴۸ منٹ تک پہنچتا ہے۔ جبکہ آفتاب انقلابِ صیفی میں ہوتا ہے یعنی 22 جون کو ٹھیک دوپہر سے اتنے منٹ بیشتر نصف النہار شرعی ہوجاتا ہے اور۔۔ مارچ و ستمبر کو 39 منٹ پہلے ہوتا ہے نہ اس سے گھٹے نہ اس سے بڑھے، باقی ایام میں انہیں کے بیچ میں دورہ کرتا ہے۔ (ج5،ص130)

سوال: امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہوکر عصر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ اور ان میں سے مفتی بہ قول کس کا ہے؟

جواب: حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظل اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہوجائے وقتِ عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آجاتا ہے اگرچہ بعض کتبِ فتاوٰی وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی و فیض کرکی و درمختار میں قولِ صاحبین کو مرجح بتایا مگر قولِ امام ہی احوط (زیادہ محتاط) واصح اور از روئے دلیل ارجح ہے، عموماً متونِ مذہب قولِ امام پر جزم کیے ہیں اور عامہ اجلہ شارحین نے اُسے مرضی و مختار رکھا اور اکابر ائمہ ترجیح وافتا بلکہ جمہور پیشوایانِ مذہب نے اُسی کی تصحیح کی۔ (ج5،ص132)

سوال: امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس موقف کہ "جب تک سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہوجائے ظہر کا وقت ختم ہوکر وقتِ عصر نہیں آتا" پر کیا دلیل ہے؟

جواب: اس مذہب مہذب پر دلیل جلیل صحیح بخاری شریف کی حدیث باب الاذان للمسافر میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس تھے مؤذن نے اذانِ ظہر دینی چاہی، فرمایا: ابــــرد (وقت ٹھنڈا کر)، دیر کے بعد پھر مؤذن نے اذان دینی چاہی، فرمایا: ابــــرد (وقت ٹھنڈا کر)، دیر کے بعد مؤذن نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) اور یونہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے حتی ''ساوی الظل التلول'' (یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا) اُس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا ''گرمی کی شدّت جہنم کی سانس سے ہے تو جب گرمی سخت ہو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو۔'' (صحیح بخاری، ج1، ص87، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مشاہدہ شاہد اور قواعدِ علمِ ہیأت گواہ اور خود ائمہ شافعیہ کی تصریحات ہیں کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں معدوم محض ہوتا ہے خصوصاً اقلیم ثانی میں جس میں حرمین طیبین اور اُن کے بلاد ہیں، امام نووی شافعی و امام قسطلانی شافعی نے فرمایا: ٹیلے زمین پر نصب کی ہوئی اشیاء کی مانند نہیں بلکہ زمین پر پھیلے ہوتے ہیں تو زوال کے بہت زمانے کے بعد اُن کا سایہ شروع ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت گزر جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب آغاز اُس وقت ہوگا تو ٹیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا مگر مثل ثانی کے بھی اخیر حصہ میں اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اذان نہ دینے دی تو نماز یقیناً اور بعد ہوئی تو بلاشبہہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہوا۔ (ج5، ص134)

سوال: سنا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنے دو مثل والے قول سے رجوع فرمالیا تھا؟

جواب: قولِ دو مثل سے امام کا رجوع فرمانا ہرگز صحیح نہیں بلکہ اُس کا خلاف ثابت ہے کہ تمام متونِ مذہب وہی نقل فرمارہے ہیں اور متون ہی نقلِ مذہب کیلئے موضوع ہیں، امام محمد نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے وہی قول امام لکھا۔ نہایہ میں ہے امام سے وہی ظاہر الروایہ ہے، غایۃ البیان میں ہے یہی امام کا مذہب مشہور و ماخوذ ہے۔ محیط میں ہے قول امام سے یہی صحیح ہے۔ ینابیع میں ہے امام سے یہی روایت صحیح ہے۔ شرح مجمع میں ہے مذہبِ امام یہی ہے۔

(ج5، ص134)

سوال: امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول کو صاحبین کے قول پر کیوں ترجیح حاصل ہے؟

جواب: یہ مذہب مہذب بوجوہِ کثیرہ (کئی وجوہات سے) مذہبِ صاحبین پر مرجح ہوا:

اولاً یہی مذہبِ امام ہے اور مذہب امام اعظم پر عمل واجب جب تک کوئی ضرورت اس کے خلاف پر باعث نہ ہو۔

ثانیاً اسی پر متون مذہب ہیں اور متون کے حضور اور کتابیں مقبول نہیں ہوتیں۔

ثالثاً اسی پر عامۂ شروح ہیں اور شروح فتاوٰی پر مقدم۔

رابعاً اجلہ اکابر ائمہ تصحیح وفتوی مثل امام قاضی خان وامام برہان الدین صاحب ہدایہ وامام ملک العلماء مسعود کاشانی صاحب بدائع وغیرہم رحمہم اللہ تعالی نے اسی کی ترجیح وتصحیح فرمائی اور جلالتِ شانِ مصححین (تصحیح کرنے والوں کی شان وعظمت) باعثِ ترجیح ہے۔

خامساً جمہور مشائخِ مذہب نے اس کی تصحیح وترجیح کی اور عمل اسی پر چاہئے جس طرف اکثر مشائخ ہوں۔

سادساً اسی میں احتیاط ہے کہ مثل ثانی میں عصر پڑھی تو ایک مذہبِ جلیل پر فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوا پڑھی بے پڑھی برابر رہی اور بعدِ مثل ثانی پڑھی تو بالاتفاق صحیح وکامل ادا ہوئی۔

سابعاً رہیں حدیثیں بعض صاحبوں نے گمان یہ کیا کہ احادیث مذہبِ صاحبین میں نص ہیں بخلاف مذہبِ امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہم، حالانکہ حق یہ ہے کہ صحاح احادیث دونوں جانب موجود ہرگز کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ مذہبِ صاحبین پر کوئی حدیث صحیح صریح سالم عن المعارض (معارض سے سلامتی کے ساتھ) ناطق (دلالت کررہی) ہے۔

جسے دعوی ہو پیش کرے اور بامداد روحِ پُرفتوح حضرت سیدنا الامام رضی اللہ تعالی عنہ (امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی روحِ مبارک کی امداد سے) اس فقیر سے جواب لے، اِن شاء اللہ تعالی یا تو ثابت ہوجائے گا کہ وہ حدیث جس سے مخالف نے استناد کیا صحیح نہ تھی یا صحیح تھی تو مذہبِ صاحبین میں صریح نہ تھی یا یہ بھی سہی تو اس کا معارض صحیح موجود ہے اور فقیر ان شاء اللہ تعالی ثابت کردے گا کہ اس تعارض میں احادیثِ مذہبِ صاحبین کو منسوخ ماننا ہی مقتضائے اصول ہے اور اگر نہ مانیں تاہم تعارض قائم ہوکر تساقط ہوگا اور پھر وہی مذہبِ امام رنگِ ثبوت پائے گا کہ جب بوجہِ تعارض مثل ثانی میں شک واقع ہُوا کہ یہ وقتِ ظہر ہے یا وقتِ عصر اور اس سے پہلے وقت ظہر بالیقین ثابت تھا تو شک کے سبب خارج نہ ہوگا اور وقتِ عصر بالیقین نہ تھا تو شک کے سبب داخل نہ ہوگا والحمدللہ رب العٰلمین۔ (ج5،ص135)

سوال: عصر کی ادائیگی کا مستحب وقت کون سا ہے؟

جواب: نمازِ عصر میں ابر (بادل) کے دن تو جلدی چاہیے، نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہوجائے، باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے، اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا لانھا تعصر (یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے) حاکم ودارقطنی نے زیاد بن عبداللہ نخعی سے روایت کی "ہم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالی وجہہ کے ساتھ مسجد جامع میں بیٹھے تھے مؤذن نے آکر عرض کی: یا امیر المومنین نماز، امیر المومنین نے فرمایا بیٹھو، وہ بیٹھ گیا، دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کیلئے عرض کی۔ امیر المومنین نے فرمایا ھذا الکلب یعلمنا السنۃ (یہ کتا ہمیں سنت سکھاتا ہے) پھر اٹھ کر ہمیں نمازِ عصر پڑھائی۔ جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے فجثونا للرکب لنزول الشمس للغروب نتراھا (ہم زانوؤں پر کھڑے ہوکر سورج کو دیکھنے لگے کہ وہ

غروب کے لئے نیچے اتر گیا تھا)۔ (سنن دار قطنی، ج 1، ص 251 نشر السنۃ، ملتان)

یعنی دیواریں اُس زمانے میں نیچی نیچی ہوتیں آفتاب ڈھلک گیا تھا بیٹھے سے نظر نہ آیا دیوار کے نیچے اُتر چکا تھا گھٹنوں پر کھڑے ہونے سے نظر آیا۔

مگر ہرگز ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص (سورج کا گولہ) متغیر ہو جائے اُس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے یعنی جبکہ غبار کثیر یا ابرِ رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں۔ (ج5،ص136)

سوال: صبح سورج نکلنے سے کتنی دیر تک مکروہ وقت رہتا ہے اور سورج غروب ہونے سے پہلے کتنا وقت مکروہ ہوتا ہے؟

جواب: تجربہ سے یہ وقت تقریباً بیس منٹ ثابت ہُوا ہے تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اُس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقتِ کراہت آجائے گا، اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہو جائے گی۔۔ یہ جو بعض کا خیال ہے کہ آفتاب متغیر ہونے سے مراد دھوپ کا مَیلا ہونا ہے یہ ہرگز صحیح نہیں، جاڑے کے موسم میں تو آفتاب ڈھلکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کہ ابھی سایہ ایک مثل بھی نہیں پہنچتا اور بالاجماع وقتِ ظہر باقی ہوتا ہے یقیناً آفتاب بہت متغیر ہو جاتا ہے اور بین (واضح) طور پر دُھوپ میں زردی پیدا ہو جاتی ہے تو چاہیئے کہ عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی وقتِ کراہت آجائے اور نماز بے کراہت مل ہی نہ سکے اور یہ صریح باطل ومحال ہے۔ (ج5،ص138)

سوال: جس نماز میں تاخیر مستحب ہے، اس سے کتنی تاخیر مراد ہے؟

جواب: جس نماز میں تاخیر مستحب ہے جیسے فجر وعصر وغیرہما، وہاں تاخیر کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے دو حصّے کریں نصفِ اول چھوڑ کر نصفِ آخر میں پڑھیں۔ (ج5،ص138)

سوال: سنّتِ قبلیہ (فرضوں سے پہلے کی سنّتوں) اور سنّتِ بعدیہ (فرضوں کے بعد کی سنّتوں) کا اولیٰ وقت کون سا ہے؟

جواب: سنّتِ قبلیہ میں اولیٰ اول وقت ہے بشرطیکہ فرض وسنّت کے درمیان کلام یا کوئی فعل منافی نماز نہ کرے اور سنّتِ بعدیہ میں مستحب فرضوں سے اتصال ہے مگر یہ کہ مکان پر آکر پڑھے تو فصل (جدائی) میں حرج نہیں لیکن اجنبی افعال سے فصل نہ چاہیئے، یہ فصل سنت قبلیہ وبعدیہ دونوں کے ثواب کو ساقط اور انہیں طریقۂ مسنونہ سے خارج کرتا ہے۔ (ج5،ص139)

سوال: پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات کون سے ہیں؟

جواب: فرضِ فجر وعصر وعشاء میں مطلقاً اور ظہر میں بموسمِ گرما تاخیر مستحب ہے اور مغرب میں تعجیل (جلدی کرنا مستحب ہے)۔ تاخیر کے یہ معنی کہ وقت غیر مکروہ کے دو حصے کر کے پہلا نصف چھوڑ دیں دوسرے نصف میں نماز پڑھیں۔ (ج5،ص139)

سوال: اس سال عید الفطر کا آخری وقت کب تک تھا جس نے بعدِ ساڑھے گیارہ نماز پڑھی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: مذہب اصح پر اس کی نماز نہ ہوئی وقت اس کے قریب قریب ختم ہو چکا تھا مگر ایسی جگہ علما آسانی پر نظر فرماتے ہیں ہمارے علما کا دوسرا قول یہ ہے کہ وقتِ عید زوال تک ہے اس تقدیر پر جس نے بارہ بج کر چھ منٹ تک بھی سلام پھیر دیا اس کی نماز ہوگئی کہ اس دن بارہ بج کر ساڑھے چھ منٹ پر زوال ہوا تھا۔ (ج5،ص140)

سوال: تنگ وقت میں نماز ادا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ویل فرماتا ہے اور آپ خود تنگ وقت ادا فرماتے ہیں اس کی تفصیل بیان فرمایئے گا۔

جواب: تنگ وقت نماز ادا کرنے پر قرآن عظیم میں ویل کہیں نہ فرمایا ساھون کے لئے ویل آیا ہے جو وقت کھو کر نماز پڑھتے ہیں حدیث میں اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، فرماتے ہیں" سالت النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن قول اللّٰہ تعالیٰ الذین ھم عن صلوتھم ساھون ہ قال ھم الذین یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا "میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ عزوجل قرآنِ عظیم میں فرماتا ہے" خرابی ہے اُن نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں" فرمایا: وہ لوگ جو نماز وقت گزار کر پڑھیں۔

(السنن الکبری للبیہقی، ج2،ص214، دار صادر، بیروت)

(امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں) فقیر کے یہاں بحمد اللہ نماز تنگ وقت نہیں ہوتی بلکہ مطابقِ مذہبِ حنفی ہوتی ہے، عوام بیچارے اپنی ناواقفی سے غلط سمجھتے ہیں، مذہبِ حنفی میں سوا مغرب اور جاڑوں کی ظہر کے سب نمازوں میں تاخیر افضل ہے اُس حد تک کہ وقتِ کراہت نہ آنے پائے اور وہ عصر میں اُس وقت آتا ہے جب قرصِ آفتاب پر بے تکلف نگاہ جمنے لگے اور تجربے سے ثابت کہ یہ بیس منٹ دن رہے (جب سورج ڈوبنے میں بیس منٹ رہ جاتے ہیں تب) ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے جو نمازِ عصر اُس کے وقت کا نصف اول گزار کر نصف آخر میں ہو وہ وقتِ مستحب ہے مثلاً آج کل تقریباً سات بجے غروب ہے اور قریب پانچ کے عصر کا وقت ہو جاتا ہے تو وقتِ مستحب یہ ہے کہ پانچ بج کر پچاس منٹ سے چھ بج کر چالیس منٹ تک نمازِ عصر پڑھیں اور عشا میں وقتِ کراہت آدھی رات کے بعد ہے، یہ حالتیں بحمد اللہ تعالیٰ میرے یہاں نہیں مجھے پابندی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احکام کی ہے نہ جاہلوں کے خیالات واوہام کی۔

حاکم ودار قطنی نے زیاد بن عبد اللہ نخعی سے روایت کی، فرماتے ہیں" کنا جلوسا مع علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فی

المسجد الاعظم فجاء المؤذن فقال:یاامیر المؤمنین!فقال:اجلس، فجلس ثم عاد فقال له ذلك فقال رضی اللہ تعالیٰ عنہ هذا الكلب يعلمنا السنة فقام علي فصلى بنا العصر، ثمّ انصرفنا فرجعنا الی المکان الذی کنافیه جلوسا، فجثونا للركب لنزول الشمس للغروب نتراآها''ہم کوفہ کی جامع مسجد میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس بیٹھے تھے، مؤذن آیااور عرض کی: یاامیر المؤمنین (یعنی نمازِ عصر کوتشریف لے چلیے) امیر المومنین نے فرمایا: بیٹھ، وہ بیٹھ گیا، پھر دوبارہ حاضر ہُوااور وہی عرض کی۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا: یہ کُتا ہمیں سُنّت سکھاتا ہے، بعدہ مولا علی کھڑے ہوئے اور ہمیں عصر پڑھائی پھر ہم نماز کا سلام پھیر کر مسجد میں جہاں بیٹھے تھے وہیں آئے تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہوکر سورج کو دیکھنے لگے اس لئے کہ وہ ڈوبنے کو اُتر گیا تھا۔ (سنن دار قطنی، ج1،ص 251،نشر السنۃ،ملتان)

اگر یہ مولیٰ علی کا صرف اپنا فعل ہوتا جب بھی حجتِ شرعی تھا نہ کہ وہ اسے صراحۃً سنّت بتارہے اور مؤذن پر جو جلدی کا تقاضا کرتا تھا ایسا شدید غضب فرمارہے ہیں، اسی کی مثل امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے نمازِ صبح میں مروی امام طحاوی بطریق داؤد بن یزید الاودی عن ابیہ روایت فرماتے ہیں ''قال کان علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه یصلی بناالفجر ونحن نترای الشمس مخافة ان تکون قدطلعت ''مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہمیں نماز صبح پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں طلوع نہ کر آیا ہو۔ (شرح معانی الآثار، ج1،ص123، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

مناقبِ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ للامام حافظ الدین الکردری میں ہے ''ذکر الامام الدیلمی عن زهیر ابن کیسان قال صلیت مع الرصافی العصر ثم انطلقت مسجد الامام فاخر العصر حتّٰی خفتُ فوات الوقت ثم انطلقت الی مسجد سفین فاذاهو لم یصل العصر فقلت رحم الله اباحنیفة مااخرها مثل اخر سفین ''یعنی امام دیلمی نے زہیر بن کیسان سے روایت کی کہ میں رصافی کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر مسجدِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گیا امام نے عصر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ مجھے خوف ہُوا کہ وقت جاتا رہے گا پھر میں مسجد امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گیا تو کیا دیکھوں کہ اُنہوں نے ابھی نماز پڑھی بھی نہیں، میں نے کہا اللہ ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے انہوں نے تو اتنی تاخیر کی بھی نہیں جتنی سفیٰن نے۔

(مناقب امام اعظم ابوحنیفہ للکردری، ج1،ص152، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ)

فقیر (اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں سَوا گھنٹہ دن رہے اذانِ عصر ہوتی ہے اور گھنٹہ بھر دن رہے نماز ہوتی ہے اور پون گھنٹہ دن رہے سے پہلے ہوچکتی ہے۔ (ج5،ص148)

سوال: وقت ظہر کا عصر کا مغرب وعشاوفجر کا کب تک رہتا ہے؟ خصوصاً مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے؟

جواب: وقت ظہر کا اُس وقت تک رہتا ہے کہ سایہ سوا سایہ اصلی کے جواُس روز ٹھیک دوپہر کو پڑا ہو دو مثل ہوجائے

اور عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک یعنی جب سورج کی کوئی کرن بالائے اُفق (آسمان پر) نہ رہے اور اُس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ آفتاب کے قرص پر نظر اچھی طرح نہ جمے جب بغیر کسی عارض بخار یا غبار وغیرہ کے نگاہ قرصِ آفتاب پر جمنے لگی وقتِ کراہت آ گیا اور یہ وقت فقیر کے تجربہ سے اُس وقت آتا ہے جب سورج ڈوبنے میں بیس منٹ رہ جاتے ہیں۔

مغرب کا وقت سپیدی (سفیدی) ڈوبنے تک ہے یعنی چوڑی سپیدی کہ جنوباً شمالاً پھیلی ہوتی اور بعد سُرخی غائب ہونے کے تا دیر باقی رہتی ہے جب وہ نہ رہی وقتِ مغرب گیا اور عشا آئی دراز سپیدی کہ صبح کاذب کی طرح شرقاً غرباً ہوتی ہے معتبر نہیں اور یہ وقت ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ بعد غروبِ آفتاب ہوتا ہے آخر مارچ و آخر ستمبر میں، اور زیادہ سے ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ ہوتا ہے آخر جون میں، اور موسم سرما میں بڑھ سے بڑھ ایک گھنٹہ چوبیس منٹ ہوتا ہے آخر دسمبر میں، اور اس کا وقتِ مستحب جب تک ہے کہ ستارے خوب ظاہر نہ ہو جائیں، اتنی دیر کرنی کہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی چمک آئیں مکروہ ہے۔

عشاء کا وقت طلوعِ فجرِ صادق تک ہے اور وقتِ مستحب آدھی رات سے پہلے پہلے۔

یہ تمام اوقات درجاتِ شمس و درجاتِ عرض البلاد کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں ان کے لئے ایک وقتِ معین بتانا ممکن نہیں۔ مغرب کو سائل نے بالخصوص دریافت کیا تھا اُس کیلئے وہ قریب تخمینہ کہ ان شہروں میں ہے گزارش ہُوا یہی تخمینہ (اندازہ) مقدارِ صبح صادق کا ہے۔ (ج5،ص153)

سوال: دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اللہ عزوجل نے اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے ارشادات سے نمازِ فرض کا ایک خاص وقت جداگانہ مقرر فرمایا ہے کہ نہ اُس سے پہلے نماز کی صحت نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت، ظہرین عرفہ (عرفہ کی ظہر اور عصر) وعشائین مزدلفہ (مزدلفہ کی مغرب وعشاء) کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم واحادیثِ صحاح سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کی ممانعت پر شاہدِ عدل ہیں۔ (ج5،ص160)

سوال: دو نمازوں کو صورۃً جمع کرنا جسے جمع صوری کہتے ہیں، کا کیا حکم ہے؟

جواب: جمع فعلی جسے جمع صوری بھی کہتے ہیں کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع (ہو) مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقتِ عصر آ گیا اب فوراً عصر اوّل وقت (میں) پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی ادھر فارغ ہُوئے کہ شفق ڈُوب گئی عشاء کا وقت ہو گیا وہ پڑھ لی، ایسا ملانا بعذرِ مرض وضرورتِ سفر بلاشبہ جائز ہے۔

جوازِ جمعِ صوری صرف مرض وسفر پر متصور نہیں بضرورتِ شدتِ بارش بھی اجازت ہے مثلاً ظہر کے وقت مینہ برستا ہو انتظار کر کے آخر وقت حاضر مسجد ہوں جماعتِ ظہر ادا کریں اور وقتِ عصر پر تیقن (یقین) ہوتے ہی جماعتِ عصر کر لیں کہ شاید شدتِ مطر (بارش کی شدت) بڑھ جائے اور حضورِ مسجد (مسجد میں حاضر ہونے) سے مانع آئے، مطر شدید میں تنہا گھر پڑھ لینے کی بھی اجازت ہے تو اُس صورت میں تو دونوں نمازوں کے لئے جماعت و مسجد کی محافظت ہے۔ (ج5ص160)

سوال: جمع حقیقی یعنی ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟

جواب: (جمع حقیقی کی) دو صورتیں ہیں:

جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اُس کے ساتھ ہی متصلاً بلا فصل پچھلے (آنے والے) وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں، اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصفِ قدرت و اختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اُس وقت کی نماز ادا کریں گے۔

یہ دونوں صورتیں بحالتِ اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصرِ عرفہ و مغربِ مزدلفہ میں جائز ہیں اول میں جمع تقدیم اور دوم میں جمع تاخیر عام ازیں کہ وہ مسافر ہوں یا خاص ساکنانِ مکہ و منٰی وغیرہما مواضع قریبہ (مکہ و منٰی وغیرہما قریب کی جگہوں کے رہنے والے ہوں) کہ وہ بوجہِ نسک (حج) ہے نہ بوجہِ سفر اور بحالتِ اضطرار و عدمِ قدرت سفر حضر یا ظہر عصر وغیرہا کی شے کی تخصیص نہیں جتنی نمازوں تک مشغولی جہاد یا شدتِ مرض یا غشی وغیرہا کے سبب قدرت نہ ملے ناچار سب مؤخر رہیں گی اور وقتِ قدرت بحالتِ عدمِ سقوط ادا کی جائیں گی جس طرح حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے غزوۂ خندق میں ظہر و عصر و مغرب و عشا کے وقت پڑھیں ان کے سوا کبھی کسی شخص کو کسی حالت میں کسی صورت جمع وقتی کی اصلاً اجازت نہیں اگر جمع تقدیم کرے گا نمازِ اخیر محض باطل و ناکارہ جائے گی جب اُس کا وقت آئے گا فرض ہوگی نہ پڑھی جائے گی ذمے پر رہے گی اور جمع تاخیر کرے گا تو گنہ گار ہوگا عمداً نماز قضا کر دینے والا ٹھہرے گا اگرچہ دوسرے وقت میں پڑھنے سے فرض سر سے اُتر جائے گا۔

یہ تفصیل مذہب مہذب ہے اور اسی پر دلائل قرآن و حدیث ناطق (دلالت کر رہے ہیں) بلکہ توقیتِ صلاۃ کا مسئلہ متفق علیہا ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز کو دانستہ قضا کر دینا بلا شبہ حرام تو جس طرح صبح یا عشا قصداً نہ پڑھنی کہ ظہر یا فجر کے وقت پڑھ لیں گے حرامِ قطعی ہے یوں ہی ظہر یا مغرب عمداً نہ پڑھنی کہ عصر یا عشا کے وقت ادا کر لیں گے حرام ہونا لازم اور وقت سے پہلے تو حرمت درکنار نماز ہی بیکار جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز یا پہر دن چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے قطعاً نہ ہوگی، یونہی جو ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشاء نبٹا لے اس کا بھی نہ ہونا واجب، احادیث میں کہ حضور پُر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے جمع

منقول اُس میں صراحۃً وہی جمع صوری مذکور یا مجمل ومحتمل اُسی صریح مفصل پر محمول، جمع حقیقی کے باب میں اصلاً کوئی حدیثِ صحیح صریح مفسر وارد نہیں جمعِ تقدیم تو اس قابل بھی نہیں کہ اُس پر کسی حدیث صحیح کا نام لیا جائے۔ (ج5،ص162)

سوال: کیا حالتِ سفر میں دونمازوں میں جمع صوری کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے، غیر مقلد میاں نذیر حسین نے اپنی کتاب ''معیارالحق'' میں لکھا ہے کہ ''کوئی حدیثِ صحیح ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت جمع صوری سفر میں کرتے تھے''۔

جواب: حضور پُرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جمع صوری کا ثبوت اصلاً محلِ کلام نہیں اور وہی مذہب مہذب ائمہ حنفیہ ہے اس میں صاف صریح جلیل وصحیح احادیث مروی مگر ملاّ جی (میاں نذیر حسین) تو انکارِ آفتاب کے عادی۔ سنن ابوداؤد میں بسند صحیح ہے ''مؤذن ابن عمر قال:الصلاۃ قال:سر، حتی اذاکان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء، ثم قال:ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امر صنع مثل الذی صنعت فسار فی ذلک الیوم واللیلۃ مسیرۃ ثلث'' یعنی نافع وعبداللہ بن واقد دونوں تلامذہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا، فرمایا چلو یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشا پڑھی پھر فرمایا: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن عمر نے اس دن رات میں تین رات دن کی راہ قطع کی۔

(سنن ابوداؤد، ج1،ص171، اصح المطابع، کراچی)

نسائی کی روایت بسندِ صحیح یوں ہے کہ نافع فرماتے ہیں ''خرجت مع عبداللّٰہ بن عمر فی سفر، یرید ارضالہ فاتاہ آتٍ فقال:ان صفیۃ بنت ابی عبید لمابہا فانظران تدرکہا فخرج مسرعا ومعہ رجل من قریش یسایرہ وغابت الشمس فلم یصل الصلاۃ وکان عہدی بہ وھو یحافظ علی الصلاۃ فلما ابطاء قلت:الصلاۃ یرحمک اللّٰہ فالتفت ای ومضی، حتی اذاکان فی اٰخر الشفق نزل فصلی المغرب ثم اقام العشاء وقد تواری الشفق فصلی بنا، ثم اقبل علینا، فقال :ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذاعجل بہ السیر صنع ھکذ'' یعنی نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لیے جاتے تھے کسی نے آ کر کہا آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید اپنے حال میں مشغول ہیں شاید ہی آپ انہیں زندہ پائیں۔ یہ سُن کر بہ سُرعت (جلدی سے) چلے اور اُن کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا سورج ڈوب گیا اور نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے جب دیر لگائی میں نے کہا نماز، خدا آپ پر رحم فرمائے، میری طرف پھر کر دیکھا اور آگے روانہ ہوئے جب شفق کا اخیر حصہ رہا اُتر کر مغرب پڑھی پھر عشا کی تکبیر اس

حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اُس وقت عشا پڑھی پھر ہماری طرف منہ کر کے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے۔ (سنن نسائی، ج 1، ص 99، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد، ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم اور امام طحاوی نے نقل کیا کہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی السفر یؤخر الظھر ویقدم العصر، ویؤخر المغرب ویقدم العشاء "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں ظہر کو دیر فرماتے عصر کو اول وقت پڑھتے مغرب کی تاخیر فرماتے عشاء کو اوّل وقت پڑھتے۔"

(شرح معانی الآثار، ج 1، ص 113، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(امام اہلسنت علیہ الرحمۃ جمعِ صوری پر دیگر متعدد احادیث اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

الحمد اللہ جمعِ صوری کا طریقہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضرت مولیٰ علی وعبداللہ بن مسعود وسعد بن مالک وعبداللہ بن عمر وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روشن وجہ پر ثابت ہوا اور امام لامذہبان (بدمذہبوں کے امام میاں نذیر حسین) کا وہ جبروتی ادعا (زبردستی کا دعوی) کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔۔اپنی سزائے کردار کو پہنچا۔ (ج 5، ص 166 تا 174)

سوال: میاں نذیر حسین نے معیارالحق میں لکھا ہے کہ "حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث محمد بن فضیل راوی کی وجہ سے ضعیف ہے"۔

جواب: (امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے متعدد طریقوں سے اس کی اس بات کا رد کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں)

اوّلاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال (راویوں) سے ہے۔

ثانیاً: امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ، امام احمد نے حسن الحدیث، امام نسائی نے لا باس بہ (اس میں کوئی نقص نہیں) کہا، امام احمد نے اُس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اُس سے روایت نہیں فرماتے، میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسّر اُس کے حق میں ذکر نہ کی۔

ثالثاً: (میاں نذیر حسین نے محمد بن فضیل پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ رافضی ہے اور حوالے کے طور پر "تقریب" کی عبارت پیش کی جس میں محمد بن فضیل کو شیعہ کہا گیا تھا، اس کے جواب میں امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں)

دعوی محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاوراتِ سلف واصطلاح محدثین میں تشیع و رفض میں کتنا فرق ہے۔زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں۔۔حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے ہیں حالانکہ یہ مسلک (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل

جاننا) بعض علمائے اہلسنت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات (اہل بیت سے شدید محبت) تھا وبس۔

رابعاً: ذرا رواۃِ صحیحین (بخاری ومسلم کے راویوں کو) دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری ومسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے، ان کے رواۃ میں تیس ۳۰ سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاحِ قدماء (پہلے کے علماء کی اصطلاح پر) بلفظِ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا" کتاب مسلم ملآن من الشیعة "(مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے) دُور کیوں جایئے خود یہی ابن فضیل کہ واقع کے شیعی صرف بمعنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی صحیحین (بخاری ومسلم) کے راوی ہیں۔

خامساً: اُس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتین دو ثقات عدول ابن جابر وعبد اللہ بن العلا سے ابوداؤد نے ذکر کردیں اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا ولکن الجھلة لایعلمون (لیکن جاہل جانتے نہیں ہیں)۔

(ج5،ص174)

سوال: میاں نذیر حسین نے جمع صوری میں پیش کی جانے والی ایک حدیث کے راوی بشر بن بکر پر یہ اعتراض کیا کہ "وہ غریب الحدیث ہے ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف ہوتی ہیں قاله الحافظ فی التقریب (حافظ نے اسے تقریب میں بیان کیا)"

جواب: (امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس بات کا چھ وجوہ سے رد کیا، چنانچہ فرماتے ہیں)

اوّلاً: ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا وہ ہضم کر گئے۔

ثالثاً: محدث جی! تقریب میں ثقہ یغرب ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلاں یغرب اور فلاں غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف (ہوتی ہیں) محدث جی! غریب ومنکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامساً: باوصفِ ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعثِ رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے، یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھی کہ

بخاری و مسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

سادساً: ذرا میزان تو دیکھئے کہ اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقة لاطعن فیه (یعنی بشر بن بکر تنیسی خُوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلاً کسی وجہ سے طعن نہیں)۔

کیوں شرمائیے تو نہ ہوگے ایسی ہی اندھیری ڈال کر جاہلوں کو بہکا دیا کرتے ہو کہ حنفیہ کی حدیثیں ضعیف ہیں۔

(ج5،ص177)

سوال: جمع صوری کے اثبات پر پیش کی جانے والی ایک حدیث کے راوی ولید بن قاسم پر میاں نذیر حسین نے یہ اعتراض کیا کہ اس کے بارے میں تقریب میں لکھا ہے: صدوق یخطی (سچا ہے، خطا کرتا ہے)۔

جواب: (امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس بات کا چار وجوہ سے رد فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں)

اولاً: مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا اسنادِ نسائی میں یہاں نامِ ولید غیر منسوب واقع تھا۔ ملا جی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃِ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلم فیہ (جس میں کلام) ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے، اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود۔

تم نے جانا کہ آپ کے کید (فریب) پر کوئی آگاہ نہ ہوگا ذرا بتائیے تو کہ آپ نے ولید کا ولید بن قاسم کس دلیل سے متعین کرلیا، کیا اس طبقہ میں اس نام کا رواۃِ نسائی میں کوئی اور نہ تھا اگر اب عاجز آکر ہم سے پوچھنا ہو کہ تم نے ولید بن مسلم کیسے جانا اوّل تو بقانونِ مناظرہ جب آپ غاصبِ منصب ہیں ہم سے سوال کا محل نہیں اور استفادۃً پوچھو تو پہلے اپنی جزاف (بے تکی بات) کا صاف صاف اعتراف کرو پھر شاگردی کیجئے تو ایک یہی کیا بعونہٖ تعالیٰ بہت کچھ سکھادیں وہ قواعد بتادیں جس سے اسمائے مشترکہ میں اکثر جگہ تعین نکال سکو۔

ثانیاً: بفرضِ غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحقِ رَد ہیں امام احمد نے اُن کی توثیق فرمائی، اُن سے روایت کی، محدثین کو حکم دیا کہ اُن سے حدیث لکھو۔ ابنِ عدی نے کہا: اذاروی عن ثقة فلاباس به (وہ جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو اُن میں کوئی عیب نہیں)۔

ثالثاً: ذرا رواۃِ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہُوئے کہ اُن میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق یخطی بلکہ اس سے زائد کہا ہے۔ کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رَد ہی کردو گے!

رابعاً: صحیح بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی تقریب میں انہیں صدوق یخطی (کہا)۔۔۔ پھر حسان بن

حسان واسطی کی نسبت لکھا'' خلطه ابن مندة بالذی قبل فوهم، وهذا ضعیف '' (ابن مندہ نے اسے پہلے کے ساتھ ملا دیا ہے یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ یہ ضعیف ہے۔یعنی حسان بن حسان واسطی کو حسان بن حسان بصری کے ساتھ ملا دیا یہ غلطی ہے، کیونکہ حسان بن حسان واسطی ضعیف ہے جبکہ حسان بن حسان بصری ضعیف نہیں) دیکھو صاف بتا دیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں، مُلّا جی اپنی جہالت سے مردود واہیات گا رہے ہیں۔ (ج5ص178)

(ایک مقام پر فرماتے ہیں) چند اوہام یا کچھ خطائیں محدث سے صادر ہونا اُسے ضعیف کر دیتا ہے نہ اُس کی حدیث کو مردود، نہ وہ کتنے ہیں جو بالکل پاک صاف گزر گئے ہیں، یہ ہیں تمام محدثین کے امام الائمہ سفیٰن بن عیینہ جنھوں نے زہری سے روایت میں بیس20 سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھ میں اور علی بن مدینی میں مذاکرہ ہوا کہ زہری سے روایت میں ثابت تر کون ہے، علی نے کہا سفیٰن بن عیینہ، میں نے کہا امام مالک کہ ان کی خطا سفیٰن کی خطاؤں سے کم ہے قریب بیس20 حدیثوں کے ہیں جن میں سفیٰن نے خطا کی، پھر میں نے اٹھارہ گِنا دیں اور اُن سے کہا آپ مالک کی خطائیں بتائیں وہ دو تین حدیثیں لائے پھر جو میں نے خیال کیا تو سفیٰن نے بیس20 سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی ہے ذکرہ فی المیزان (اسے میزان میں ذکر کیا گیا ہے)۔

بااینہمہ (اس کے باوجود) امام سفیٰن کے ثقہ ثبت حجت ہونے پر علمائے اُمت کا اجماع ہے۔ (ج5ص184)

سوال: ہر نماز کو اپنے وقت میں ہی ادا کرنا ہے، یہ حکم قرآن مجید میں کتنی مرتبہ ہے؟

جواب: رب العزۃ تبارک وتعالیٰ نے محافظت والتزامِ اوقات کا حکم سات سورتوں میں نازل فرمایا:

(۱) بقرہ (۲) نساء (۳) انعام (۴) مریم (۵) مومنون (۶) معارج (۷) ماعون

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا۔

کہ نہ وقت سے پہلے صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا، بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۥ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ محافظت کرو سب نمازوں اور خاص بیچ والی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔

محافظت کرو کہ کوئی نماز اپنے وقت سے اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے، بیچ والی نماز نمازِ عصر ہے اُس وقت لوگ بازار وغیرہ کے کاموں میں زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور وقت بھی تھوڑا ہے اس لئے اُس کی خاص تاکید فرمائی۔ بیضاوی شریف علامہ ناصر الدین شافعی میں ہے'' حافظوا علی الصلوات، بالاداء لوقتها والمداومة علیها '' ترجمہ: نمازوں کی محافظت کرو،

یعنی وقت پر ادا کرو اور ہمیشہ کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں کہ اُسے وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے وہی سچے وارث ہیں کہ جنّت کی وراثت پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ﴾ اور وہ لوگ کہ اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں وہ جنّتوں میں عزت کئے جائیں گے۔

جلالین شریف امام جلال الملۃ والدّین شافعی میں ہے "یحافظون، بادائها فی اوقاتها" ترجمہ: محافظت کرتے ہیں یعنی وقت پر ادا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾ اور جنہیں آخرت پر یقین ہے وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ پھر آئے ان کے بعد وہ برے پسماندہ جنہوں نے نمازیں ضائع کیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "اخروها عن مواقیتها وصلوها لغیر وقتها" ترجمہ: یہ لوگ جن کی مذمت اس آیہ کریمہ میں فرمائی گئی وہ ہیں جو نمازوں کو اُن کے وقت سے ہٹاتے اور غیر وقت پر پڑھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج5، ص17، الطباعۃ المنیریۃ، بیروت)

افضل التابعین سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "هو ان لا یصلی الظهر حتی اتی العصر" ترجمہ: نماز کا ضائع کرنا یہ ہے کہ ظہر نہ پڑھی یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا۔ (تفسیر بغوی، ج4، ص252، مصطفیٰ البابی، مصر)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

تفسیر جلالین میں ہے "ساهون غافلون یؤخرونها عن وقتها" اپنے نمازوں سے غافل ہیں یعنی ان کا وقت گذار کر پڑھتے ہیں۔ (ج5، ص269)

سوال: نماز کے وقت کی محافظت کا حکم احادیث سے بیان فرمادیجئے۔

جواب: امام احمد بسندِ صحیح حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی "قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم يقول:من حافظ على الصلوات الخمس ركوعهن وسجودهن ومواقيتهن، وعلم انهن حق من عندالله، دخل الجنة، اوقال:وجبت له الجنة، اوقال:حرم على النار ''ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوفرماتے سُنا کہ جوشخص ان پانچوں نمازوں کی ان کے رکوع وسجود واوقات پر محافظت کرے اور یقین جانے کہ وہ اللہ جل وعلا کی طرف سے ہیں جنت میں جائے یافرمایاجنت اس کے لئے واجب ہوجائے یافرمایادوزخ پرحرام ہوجائے۔ (مسندامام احمدبن حنبل، ج4،ص267، دارالفکر، بیروت)

ابوداؤدوسُنن اورطبرانی معجم میں بسند جید ابودرداءرضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں''خمس من جاء بهن مع ايمان دخل الجنة، من حافظ على الصلوات الخمس،على وضوئهن وركوعهن وسجودهن ومواقيتهن'' پانچ چیزیں ہیں کہ جواُنہیں ایمان کے ساتھ لائیگاجنت میں جائے گاجوپنجگانہ نمازوں کی ان کے وضو اُن کے رکوع اُن کے سجوداُن کے اوقات پرمحافظت کرے۔ (سنن ابوداؤد، ج1،ص116، داراحیاءالسنۃ،مصر)

حضورسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے''انی فرضت علی امتك خمس صلوات، وعهدت عندی عهد انه من جاء يحافظ عليهن لوقتهن ادخلته الجنة، ومن لم يحافظ عليهن فلاعهد له عندی ''میں نے تیری اُمت پر پانچ نمازیں فرض کیں اوراپنے پاس عہد مقررکرلیاجواُن کے وقتوں پراُن کی محافظت کرتا آئے گا اُسے جنت میں داخل کروں گااورجومحافظت نہ کرے گااس کے لئے میرے پاس کچھ عہد نہیں۔ (سنن ابوداؤد، ج1،ص117، داراحیاءالسنۃ النبویہ،مصر)

بخاری،مسلم،ترمذی،نسائی،دارمی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی''قال سألت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ای العمل احب الی الله قال الصلاة علی وقتها ''میں نے سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پُوچھاسب میں زیادہ کیاعمل اللہ عزوجل کوپیاراہے،فرمایانمازاس کے وقت پراداکرنا۔ (صحیح بخاری، ج1،ص76، قدیمی کتب خانہ،کراچی)(ج5،ص274)

سوال: کیاحضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی کی کہ کچھ لوگ وقت گذارکرنمازپڑھیں گے؟

جواب: مسلم ابوداؤدوترمذی نسائی احمدداری حضرت ابوذررضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی''قال قال رسول اللہ صلی تعالیٰ علیه وسلم وضرب فخذی كيف انت اذابقيت فی قوم يؤخرون الصلاة عن وقتها قال قلت ماتامرنی قال صل الصلاة لوقتها ''حضور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری ران پر ہاتھ مارکرفرمایا تیراکیاحال ہوگاجب تُوایسے لوگوں میں رہ جائے گاجونمازکواس کے وقت سے تاخیرکریں گے،میں نے عرض کی حضورمجھے کیاحکم دیتے ہیں،فرمایاتُووقت پرپڑھ لینا۔

(صحیح مسلم، ج1،ص231، قدیمی کتب خانہ،کراچی)

احمدابوداودابن ماجہ بسندصحیح عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا''ستکون علیکم بعدی امراء تشغلهم اشياء عن الصلاة لوقتها حتی يذهب وقتها فصلوا الصلاة لوقتها

''میرے بعدتم پر کچھ حاکم ہوں گے کہ اُن کے کام وقت پر انہیں نماز سے روکیں گے یہاں تک کہ وقت نکل جائے گا تم وقت پر نماز پڑھنا۔ (سنن ابن ماجہ، ج1، ص90، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) (ج5، ص280)

سوال: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور قول کو باقی صحابہ کے اقوال پر ترجیح کیوں دیتے ہیں؟

جواب: حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمسکوا بعهد ابن ام عبد (ابن مسعود) '' ترجمہ: ابن مسعود کی باتوں سے تمسک کیا کرو۔ (ترمذی، ج2، ص221، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

مرقاۃ میں ہے ''اسی لئے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کی روایت وقول کو خلفائے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں''

یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنہیں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبِ سرِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ''ان اشبه الناس دلا وسمتا وهديا برسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لابن ام عبد '' بیشک چال ڈھال روش میں سب سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہ عبداللہ بن مسعود ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالۂ بخاری، ص574، مجتبائی، دہلی)

یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنہیں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ''کیف ملئ علما '' (ایک گٹھری ہیں علم سے بھری ہوئی)۔

نہایت یہ کہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''رضيت لامتى مارضى لها ابن ام عبد '' ترجمہ: میں نے اپنی اُمت کے لئے پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود اس کے لئے پسند کرے۔

(المستدرک، ج3، ص317، دار الفکر، بیروت)

لاجرم ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بعد وہ جناب تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے علم وفقاہت میں زائد ہیں، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے ''هو عند ائمتنا افقه الصحابة بعد الخلفاء الاربعة '' ترجمہ: ہمارے ائمہ کے نزدیک ابنِ مسعود خلفاءِ اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔ (ج5، ص311)

سوال: نابینا امام نے صبح کی نماز پڑھاتے وقت ایسی بڑی سورت پڑھی کہ جب نماز شروع کی تھی اُس وقت سُورج نہیں نکلا تھا اور جب سلام پھیرا تو سُورج نکل آیا یہ نماز ہوئی نہیں؟

جواب: نمازِ فجر میں اگر قعدہ سے پہلے آفتاب نکل آیا یعنی ہنوز (ابھی تک) اتنی دیر جس میں التحیات پڑھ لی جائے نہ بیٹھنے پایا کہ سُورج کی کرن چمکی تو بالاتفاق (نماز) جاتی رہی اور اگر تحریمہ نماز سے باہر آنے کے بعد نکلا تو بالاتفاق ہوگئی

مثلاً جب تک پہلی بار لفظ السلام کہا تھا سورج نہ نکلا تھا السلام کہتے ہی فوراً چمک آیا کہ علیکم ورحمۃ اللہ سورج نکلنے میں کہا تو نماز صحیح ہوگئی کہ فقط السلام کہنا تحریمہ نماز سے باہر کردیتا ہے الا من علیہ سھو بشرط ان یاتی بالسجود (مگر جس پر سجدہ سہو ہو، بشرطیکہ سجدہ کرے) اور اگر طلوع شمس دونوں امر کے بیچ میں ہوا یعنی قعدہ بقدر تشہد کر چکا اور ہنوز تحریمہ نماز میں تھا کہ آفتاب طالع ہُوا تو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جاتی رہی یعنی یہ فرض نفل ہوکر رہ گئے فرضوں کی قضا ذمہ پر رہی۔

مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنے اس نابینا امام کو پیش از شروع متنبہ کردیا کریں کہ آج وقت اس قدر ہے پھر بھی اگر تطویل سے باز نہ آئے اور یونہی نماز کھوئے تو آپ ہی امامت سے معزولی کا مستحق ہے (ج5،ص313)

سوال: کوئی آدمی فجر کی نماز پڑھ رہا تھا اچانک اس نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "سورج نکل آیا ہے" اب یہ آدمی جو فی الحال نماز میں ہے اپنی نماز پُوری کر کے اس کا اعادہ کرے یا سلام پھیر دے اور طلوع کے بعد دوبارہ پڑھے؟

جواب: نماز پوری کرے، بعد میں اگر ثابت ہوجائے کہ سورج نکلنے والی بات درست تھی تو اعادہ کرے۔ آج کل اکثر لوگ وقت کا صحیح علم نہیں رکھتے اور طلوع قریب ہونے پر شور مچادیتے ہیں کہ سُورج نکل آیا ہے۔ (ج5،ص320)

سوال: ایک امام صبح کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھاتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سورج طلوع ہونے میں صرف پانچ منٹ یا دس منٹ باقی رہتے ہیں کیا یہ نماز بغیر کراہت کے ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

جواب: البحرالرائق وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ فجر اور ظہر کے اوقات میں اوّل سے آخر تک کوئی کراہت نہیں ہے بخلاف باقی اوقات کے کہ وہ آخر میں مکروہ ہوجاتے ہیں، اس لئے جو شخص وقت شناسی (وقت کی پہچان) میں مہارت رکھتا ہو، اگر اس طرح نماز پڑھے (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) تو اس کی نماز بغیر کراہت کے صحیح ہے۔ اس میں کراہت کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔

(ج5،ص320)

سوال: فجر کی نماز کا مستحب وقت کون سا ہے اور جس جگہ اُفق صاف نظر آتا ہو وہاں طلوع کی کیا پہچان ہے؟

جواب: فجر کا مستحب وقت اس کے وقت کا نصف اخیر ہے مثلاً اگر آج ایک گھنٹہ بیس منٹ کی صبح ہو تو اس وقت کے طلوع شمس میں چالیس منٹ باقی رہیں اور افضل یہ ہے کہ ایسے وقت 40 یا 60 آیتوں سے پڑھی جائے کہ اگر فسادِ نماز ثابت ہو تو پھر طلوع سے پہلے یونہی اعادہ ہوسکے اس کا لحاظ رکھ کر جتنی بھی تاخیر کی جائے افضل ہے، جب اُفق صاف نظر آتا ہے اور بیچ میں درخت وغیرہ کچھ حائل نہیں تو طلوع یہ ہے کہ آفتاب کی پہلی کرن چمکے اور غروب یہ کہ پچھلی کرن نگاہ سے غائب ہوجائے۔

(ج5،ص321)

سوال: ظہر کا اول وقت کب شروع ہوتا ہے؟

جواب: ظہر کا اول وقت آفتاب نصف النہار سے ڈھلتے ہی شروع ہوتا ہے اور گھنٹوں کے اعتبار سے باختلافِ بلاد (شہروں کے مختلف ہونے سے) مختلف ہوگا۔ (ج5ص321)

سوال: عصر کا مستحب وقت کون سا ہے، جماعت کتنے بجے ہونی چاہئے؟

جواب: عصر کا وقتِ مستحب ہمیشہ اس کے وقت کا نصفِ اخیر ہے مگر روزِ ابر (بادلوں والے دن) تعجیل (جلدی) چاہئے۔ (ج5ص321)

سوال: غروب سے کتنی دیر بعد مغرب کی اذان کہی جائے اور افطار کیا جائے؟ مغرب کی اذان اور جماعت میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

جواب: غروب کا جس وقت یقین ہو جائے اصلاً دیر اذان وافطار میں نہ کی جائے، اس کی اذان و جماعت میں فاصلہ نہیں۔ (ج5ص321)

سوال: نصف النہار (مکروہ وقت کی ابتداء) کے جاننے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: ہموار زمین میں سیدھی لکڑی عمودی حالت پر قائم کی جائے اور وقتاً فوقتاً سایہ کو دیکھتے رہیں جب تک سایہ گھٹنے میں ہے دوپہر نہیں ہوا اور جب ٹھہر گیا نصف النہار ہو گیا۔ (ج5ص323)

سوال: نماز کی جماعت کے لئے وقت مقرر کر لینا کیسا ہے؟

جواب: حدیث میں سنتِ اقدس یوں مروی ہے کہ جب لوگ جلد حاضر ہو جاتے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز جلد پڑھ لیتے اور حاضری میں دیر ملاحظہ فرماتے تو تاخیر فرماتے اور کبھی سب لوگ حاضر ہو جاتے اور تاخیر فرماتے یہاں تک کہ ایک بار نمازِ عشاء میں تشریف آوری کا بہت انتظارِ طویل صحابہ کرام نے کیا بہت دیر کے بعد مجبور ہو کر امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درِ اقدس پر عرض کی کہ عورتیں اور بچے سو گئے، اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا "روئے زمین پر تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا انتظار کرتا ہو اور تم نماز ہی میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں رہو"

نمازوں کے لئے اگر گھنٹے گھڑی کے حساب سے اگر کوئی وقت معین کر لیا جائے جس سے لوگوں کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے اور وقتِ معین پر جلد جمع ہو جائیں جیسا حرمین طیبین میں اب معمول ہے تو اس میں بھی حرج نہیں جبکہ ضعیفوں اور مریضوں پر تکلیف اور جماعت کی تفریق نہ ہو۔ (ج5ص324)

سوال: اگر کوئی امام عادتاً مغرب کی اذان اُس وقت دلوائے کہ اُس شہر کی سب مساجد میں یقیناً نماز ہو چکی ہو مثلاً 20 منٹ کے بعد اور اپنے پیر کے دکھانے کو یعنی اُس کی موجودگی میں بیس 20 منٹ قبل (یعنی وقت پر اذان دلوائے) قصداً ایسا

کرے اور ساتھ ہی اس کے جو سجود و قعود کہ وہ عادتاً کرتا تھا اپنے پیر کی موجودگی اُس سے تین گنا زیادہ وقت میں ادا کرے، تو یہ اذان و نماز کہاں تک ریاکاری پر دلالت کرتی ہے؟

جواب: اذانِ مغرب میں بلا وجہ شرعی تاخیر خلافِ سنت ہے، پیر کے سامنے جلد دلوانا ریا پر کیوں محمول کیا جائے بلکہ پیر کے خوف یا لحاظ سے اُس خلافِ سنت (فعل) کا ترک (کیا ہے)۔

پیر کے سامنے رکوع و سجود میں دیر بھی خواہ نخواہ ریا اور مکاری پر دلیل نہیں بلکہ اس کے موجود ہونے سے تأثر بھی ممکن اور مسلمانوں کا فعل حتی الامکان محملِ حسن پر محمول کرنا واجب اور بدگمانی ریا سے کچھ کم حرام نہیں۔

ہاں اگر رکوع و سجود میں اتنی دیر لگاتا ہو کہ سنت سے زائد اور مقتدیوں پر گراں ہو تو ضرور گنہگار ہے۔ (ج5ص324)

سوال: طلوعِ آفتاب ہونے کے کتنی دیر کے بعد نماز قضا پڑھنے کا حکم ہے؟

جواب: طلوع کے بعد کم از کم بیس 20 منٹ کا انتظار واجب ہے۔

سوال: وہ شخص جس نے کہ فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اور دس بارہ منٹ طلوع میں باقی ہوں نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: دس بارہ منٹ میں سنتیں اور فرض دونوں ہو سکتے ہیں سنتیں پڑھ کر نماز پڑھائے، اگر وقت بقدرِ فرض ہی کے باقی ہے تو آپ ہی سنتیں چھوڑے گا پھر اگر جماعت میں کسی نے ابھی سنتیں نہ پڑھیں یا جس نے پڑھیں وہ قابلِ امامت نہیں تو جس نے نہ پڑھیں وہی امامت کرے گا اور اگر وقت میں وسعت ہے تو سنتِ قبیلہ کا ترک گناہ ہے اور اُس کی امامت مکروہ ہے۔ (ج5ص325)

سوال: ایک مولوی صاحب مولود شریف عشاء کا وقت شروع ہونے سے لے کر ایک بجے رات تک پڑھتے اور نمازِ عشا بعدِ مولود شریف کے ایک بجے کے بعد پڑھتے ہیں بغیر عذر کے، ان کا یہ فعل کیسا؟

جواب: نمازِ عشا کی نصف شب سے زائد تاخیر مکروہ ہے اُن کو چاہیے عشا پڑھ کر مجلس شریف پڑھا کریں۔

سوال: نمازِ مغرب اور افطار کا حکم ایسے وقت دینا کہ چند مسلمانوں کو غروب میں کلام ہو اور ان دونوں کا صحیح وقت کیا اور اس کی شناخت کیا ہے؟

جواب: جب مشرق سے سیاہی بلند ہو اور مغرب میں دن چھپے اور آفتاب ڈوبنے پر یقین یعنی پورا ظنِ غالب ہو جائے اُس وقت افطار کیا جائے اُس کے بعد دیر لگانا نہ چاہیے، یہی علامات حدیث میں ارشاد ہوئیں اور جو عالم مقتدا ہو اور علمِ توقیت جانتا ہو اور اُسے قرائنِ صحیحہ سے غروب کا یقین ہو گیا ہو وہ افطار کا فتوی دے سکتا ہے اگرچہ بعض ناواقفوں کو غروب میں

ابھی تردّد ہو۔ (ج5،ص325)

سوال: نمازِ مغرب اوراذانِ عشا میں کس قدر فاصلہ درکار ہے، کیا جس جگہ پر تقریباً سوا سات بجے شام کواذانِ مغرب ہوتی ہو وہاں آٹھ بجے فرضِ عشا پڑھ سکتے ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کم ازکم ایک گھنٹہ پچیس منٹ کا فاصلہ اذانِ مغرب واذانِ عشا میں ہونا چاہئے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ فاصلے باختلافِ عرض بلد مختلف ہوتے ہیں، ان میں کم ازکم ایک گھنٹہ ۱۸ منٹ کا فاصلہ ہے، سوا سات پر آفتاب ڈوبے اور پون گھنٹے بعد عشاء ہوجائے ایسا تمام جہان میں کہیں نہیں، جس زمانے میں سوا سات کے قریب غروب ہوتا ہے اذانِ مغرب وعشاء کا فاصلہ اور بھی بہت زائد ہوجاتا ہے مثلاً ان بلاد میں ایک گھنٹہ چھتیس منٹ اور پون گھنٹے کا فاصلہ تو ان بلاد میں کسی طرح مذہبِ صاحبین پر بھی صحیح نہیں تو وہ نمازِ عشا از روئے مذہبِ حنفی بالکل باطل ہے۔ (ج5،ص326)

سوال: نماز کے اندر کتنے فرض ہیں؟ ان کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف فرضی نمازوں کے ساتھ مختص ہے؟ نیز تعدیلِ ارکان کا کیا حکم ہے؟

جواب: (1) تکبیرِ تحریمہ، ہر نماز میں، حتی کہ نماز جنازہ میں بھی، (2) رکوع، (3) سجود، (4) قرأت اور (5) قعود (نماز جنازہ کے علاوہ) ہر نماز میں، خواہ نفلی نماز ہو، (6) قیام ہر اس نماز میں جو فرض اور واجب ہو اور اصح قول کے مطابق فجر کی سنّتوں میں بھی، (7) اپنے کسی عمل سے نماز سے خارج ہونا۔ یہ سب فرائض ہیں اور تعدیلِ ارکان واجب ہے۔

لیکن استطاعت سب میں شرط ہے، گونگا تکبیر وقرأت کا اور اشارہ کرنے والا مریض رکوع وسجود کا مکلف نہیں ہے۔

علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے کہ اگر کُبڑے کا کُبڑا پن رکوع کی حد تک پہنچا ہوا ہے تو وہ رکوع کے لئے سر سے اشارہ کرے گا کیوں کہ اس سے زیادہ اس کے بس میں نہیں ہے۔ (ج5،ص326)

سوال: نہارِ عرفی وشرعی (عرفی اور شرعی دن) میں کیا فرق ہے؟

جواب: ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نہارِ عرفی طلوع مرئی کنارہ شمس (سورج کے نظر آنے والے کنارے کے طلوع کرنے) سے غروب مرئی کل قرص شمس (جو سورج نظر آرہا ہے اس کے پورے ڈوب جانے) تک ہے۔

اور نہار شرعی طلوعِ فجرِ صادق (صبح صادق کے طلوع کرنے) سے غروب مرئی کل آفتاب (جو سورج نظر آرہا ہے اس کے پورا ڈوب جانے) تک ہے۔ (مثلاً سورج صبح ۶ بجے نکلا اور ۶ بجے غروب ہوا تو عرفی دن ۱۲ گھنٹے کا ہوا، اور صبح صادق اگر پونے پانچ بجے ہے تو شرعی دن سوا تیرا گھنٹے کا ہوا)۔ (ج5،ص327)

سوال: نصف النہار (مکروہ وقت) میں نماز اور نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اصح واحسن یہی ہے کہ ضحوہ کبریٰ سے نصف النہار حقیقی تک سارا وقت وہ ہے، جس میں نماز نہیں، ہاں جنازہ اسی وقت میں آیا تو پڑھ سکتے ہیں۔ (ج5،ص328)

سوال: ظہر کی اذان ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے کہی گئی، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو اذان زوال سے پہلے ہوئی ناجائز ہوئی، زوال آنے پر پھر کہی جائے کماھو حکم کل اذان اذن قبل الوقت (جیسا کہ ہر اس اذان کا حکم ہے جو وقت سے پہلے کہی گئی)۔ (ج5،ص328)

سوال: تہجد کے وقت بیس رکعت قضا پڑھے تو ہر نیت کے ساتھ اقامت کہے یا کہ پہلی دفعہ کے ساتھ؟

جواب: قضا کہ تنہا پڑھے اس میں ایک دفعہ بھی اقامت نہ چاہئے کہ قضا کرنا گناہ تھا اور گناہ کے چھپانے کا حکم تھا نہ کہ اعلان کا۔ (ج5،ص329)

سوال: اوقاتِ نماز کو مقرر کرنا چاہئے یا جس وقت لوگ آجائیں اس وقت نماز شروع کرنا چاہئے؟

جواب: عادت کریمہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ تھی جب لوگ جلد جمع ہو جاتے نماز پڑھ لیتے ورنہ دیر فرماتے مگر آج کل لوگوں کو شوقِ جماعت کم ہے وقتِ مستحب کی تعیین مناسب ہے پھر بھی اگر تاخیر دیکھیں تو اتنا انتظار کریں کہ حاضرین پر بار نہ ہو اور کسی خاص شخص کے انتظار کے لئے تاخیر نہ چاہئے مگر چند صورتوں میں:

اول کہ وہ امام معین ہو۔

دوم عالمِ دین۔

سوم حاکمِ اسلام۔

چہارم پابندِ جماعت کہ بعض اوقات مرض وغیرہ عذر کی وجہ سے اسے دیر ہو جائے۔

پنجم سربرآوردہ شریر جس کا انتظار نہ کرنے سے ایذا کا خوف ہے۔ (ج5،ص329)

سوال: نمازِ عصر کے بعد قرآن شریف پڑھنا دیکھ کر یا زبانی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بعد نمازِ عصر تلاوت قرآن عظیم جائز ہے دیکھ کر ہو خواہ یاد پر (زبانی)، مگر جب آفتاب قریب غروب پہنچے اور وقتِ کراہت آئے اُس وقت تلاوت التوی (ملتوی) کی جائے اور اذکارِ الٰہیہ کیے جائیں کہ آفتاب نکلتے اور ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور تلاوت مکروہ۔ (ج5،ص330)

سوال: بعد نمازِ عصر کے اور فجر کے سجدہ کرنا یا قضا پڑھنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے مگر جب عصر میں وقتِ کراہت آجائے تو قضا بھی جائز نہیں اور سجدہ مکروہ اگرچہ سہو یا تلاوت کا ہو

اور سجدہ شکر تو بعد نمازِ فجر وعصر مطلقاً مکروہ۔ (ج5ص330)

سوال: زید نے نمازِ فجر طلوعِ آفتاب سے پہلے شروع کی اور اُس کے نماز پڑھنے میں آفتاب نکل آیا تو وہ نماز ہوئی یانہیں؟

جواب: نمازِ فجر میں سلام سے پہلے اگر ایک ذرا سا کنارہ طلوع ہوا نماز نہ ہوگی۔ (ج5ص331)

سوال: نمازِ مغرب غروبِ آفتاب سے پہلے شروع کی اور نماز شروع کرتے ہی آفتاب غروب ہوگیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: اگر ایک نقطہ بھر کنارہ شمس غروب کو باقی ہے اور اس نے مغرب کی تکبیر تحریمہ کہی نماز نہ ہوگی۔ (ج5ص331)

سوال: فجر کی نماز جو اصحابِ حنفیہ کے یہاں اسفار (روشنی) میں ہے، وہ کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ آفتاب سے کتنے پہلے نماز ختم ہونی چاہئے، اس کی کیا مقدار ہے اور بعدِ اختتامِ نمازِ فجر کتنے منٹ طلوعِ آفتاب کو باقی رہنا چاہئیں؟

جواب: آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصفِ ثانی سے وقتِ مستحب شروع ہوتا ہے کما فی البحر الرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے۔ (کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے کہ) اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر (فجر کو خوب روشن کرو کیونکہ اس میں زیادہ اجر ہے)۔

مگر نہ اس قدر (تاخیر ہو) کہ طلوع میں شبہہ پڑ جائے اتنا وقت رہنا اولیٰ کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہوسکے۔ (ج5ص331)

سوال: جُمُعَہ کا وقت کب تک رہتا ہے؟

جواب: جُمُعَہ اور ظہر کا ایک ہی وقت ہے سایہ جب تک سایۂ اصل کے سوا دو مثل کو پہنچے جُمُعَہ وظہر دونوں کا وقت باقی رہتا ہے۔ (ج5ص332)

سوال: سفر کے عذر سے دو نمازوں کا ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے یانہیں؟

جواب: ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ترجمہ: بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا کہ نہ وقت سے پہلے صحیح نہ وقت کھو کر پڑھنا روا بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔

حضورِ پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظة ان تؤخر صلاة حتی یدخل وقت صلاة اخری" سونے میں کچھ تقصیر نہیں تقصیر تو جاگنے میں ہے کہ تو ایک نماز کو اتنا مؤخر کرے کہ

دوسرے نماز کا وقت آ جائے۔

یہ حدیث خود حالتِ سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی رواہ مسلم واحمد وابوداود والطحاوی وابن حبان عن ابی قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مسند احمد بن حنبل، ج5، ص305، دار الفکر، بیروت)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ سفر وحضر میں حاضر بارگاہِ رسالت پناہ ہمرکاب نبوت مآب رہا کرتے صاف صریح انکار فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی دو نمازیں جمع فرماتے نہ دیکھا مگر مزدلفہ عرفات میں جہاں کی جمع ہنگام حج، حجاج کے لئے سب کے نزدیک متفق علیہ ہے نویں تاریخ عرفات میں ظہر وعصر پھر نویں شب مزدلفہ میں مغرب وعشا ملا کر پڑھتے ہیں۔

مخالفین کے پاس جمع حقیقی (ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرنے) پر قرآن وحدیث سے اصلاً کوئی دلیل نہیں۔

جو کچھ پیش کرتے ہیں یا تو جمع صوری صریح ہے یعنی ظہر یا مغرب کو اُس کے ایسے آخر وقت میں پڑھنا کہ فارغ ہوتے ہی فوراً یا ایک وقفۂ قلیل کے بعد عصر یا عشا کا وقت آ جائے پھر وقت ہوتے ہی معاً عصر یا عشا کا پڑھ لینا کہ حقیقت میں تو ہر نماز اپنے وقت پر ہوئی مگر دیکھنے میں مل گئیں ایسی جمع مریض ومسافر کے لئے ہم بھی جائز مانتے ہیں اور حدیثوں سے یہی ثابت ہے۔

یا محض مجمل (غیر واضح) ہے جس میں جمع حقیقی کی اصلاً بو نہیں۔

یا صاف محتمل (ان میں جمع صوری کا بھی احتمال) کہ احادیثِ جمع صوری سے بہت اچھے طور پر متفق ہوسکتی ہے۔

غرض کوئی حدیث صحیح وصریح مفسر اُن کے ہاتھ میں اصلاً نہیں، بعونہٖ تعالیٰ اس کا نہایت شافی ووافی بیان فقیر نے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین میں لکھا کہ اس سوال کے آنے پر تحریر کیا جسے تحقیق حق منظور ہو اس کی طرف رجوع کرے۔ (ج5، ص332)

سوال: فجر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے اور جو شخص نہایت اندھیرے میں اول وقت نمازِ فجر پڑھے اور لوگوں کو اُسی وقت پڑھنے کی تاکید کرے اور کہے بعد روشنی کے نماز مکروہ ہوتی ہے وہ شخص سچا ہے یا نہیں اور وہ نماز اُس کی مستحب وقت پر ہوئی یا نہیں، اور مستحب وقت اس نماز کا کیا ہے؟

جواب: وقت نمازِ فجر کا طلوع یا انتشارِ صبح صادق سے ہے علی اختلاف المشائخ اور انتہا اس کی طلوع اول کنارہ شمس (سورج کے اول کنارہ کے طلوع کے وقت) ہے۔

اور ہمارے علماء کے نزدیک مردوں کو دواماً ہر زمان وہر مکان میں اسفارِ فجر یعنی جب صبح خوب روشن ہوجائے نماز پڑھنا سنّت ہے سوا یوم النحر کے کہ حجاج کو اُس روز مزدلفہ میں تغلیس (اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھنی) چاہئے، صرح به فی عامة

کتبھم (فقہا کی عامہ کتب میں اس بات کی تصریح ہے) اس میں احادیث صریحہ معتبرہ وارد (ہیں)، ترمذی ابوداود ونسائی دارمی ابن حبان طبرانی حضرت رافع بن خدیج سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر (یعنی فجر کو خوب روشن کرو کہ اسفار میں اجر زیادہ ہے۔) (مشکوۃ المصابیح ص 61، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور طبرانی وابن عدی نے انہی صحابی سے روایت کیا" قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لبلال: یابلال انور بصلاة الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلھم من الاسفار" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال سے ارشاد فرمایا: اے بلال! فجر کی اذان اس وقت دیا کرو جب لوگ اپنے تیر گرنے کی جگہیں دیکھ لیں بسبب روشنی کے۔

(مجمع الزوائد، ج 1، ص 316، دار الکتب بیروت)

اور ظاہر کہ یہ بات اُس وقت حاصل ہوگی جب صبح خوب روشن ہو جائے گی اور جب اذان ایسے وقت ہوگی تو نماز اس سے بھی زیادہ روشنی میں ہوگی۔

ابن خزیمہ اپنی صحیح اور امام طحاوی شرح معانی الاثار میں بسند صحیح حضرت ابرہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:" مااجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم علی شیء کما اجتمعوا علی التنویر" اصحابِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کسی بات پر اتفاق نہ کیا جیسا تنویر واسفار (فجر کو روشنی میں ادا کرنے) پر۔

(شرح المعانی الاثار، ج 1، ص 126، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

حدیثِ صحیحین سے ثابت کہ نمازِ فجر اوّل وقت پڑھنا سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ کے خلاف تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزدلفہ میں حضور کے مغرب کو بوقتِ عشا اور فجر کو اول وقت پڑھنے کی نسبت فرمایا" ان ھاتین الصلاتین حولتا عن وقتیھا فی ھذا المکان" (یعنی یہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے پھیر دی گئیں اس مکان میں)۔

(صحیح بخاری، ج 1، ص 228، قدیمی کتب خانہ کراچی)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اس حدیث کے راوی ہیں حضر وسفر میں ملازمت والا سے مشرف رہتے یہاں تک کہ لوگ انہیں اہلِ بیتِ نبوت سے گمان کرتے اور ان کے لئے استیذان (اجازت چاہنا) معاف تھا کل ذلك ثابت بالاحادیث (یہ سب احادیث سے ثابت ہے) تو اُن کا یہ فرمانا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ کسی نماز کو غیر وقت پر پڑھا ہو سوا ان دو نمازوں کے، اس مضمون کا مؤکد ومؤید ہے۔

اور حکمتِ فقہی اس باب میں یہ ہے کہ اسفار میں تکثیرِ جماعت ہے جو شارع کو مطلوب ومحبوب اور تغلیس (اندھیرے)

میں تقلیل اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنا اور یہ دونوں ناپسند و مکروہ، اسی لئے امام کو تخفیفِ صلاۃ (نماز کو مختصر پڑھانے) اور کبیر وضعیف و مریض حاجتمند کی مراعات (رعایت کرنے) کا حکم فرمایا، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت میں قرأت طویل پڑھی لوگ شاکی ہوئے، ارشاد ہوا ''یامعاذا افتان انت؟ یامعاذ! افتان انت؟ قاله ثلثاً'' ترجمہ: اے معاذ! کیا تم، لوگوں کو آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہو؟ یہ بات آپ نے تین دفعہ کہی۔ (صحیح مسلم، ج1، ص187، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور اوّل وقت نماز کی افضلیت اگر مطلقاً تسلیم کر بھی لی جائے تاہم دفعِ مفاسد (مفاسد دور کرنا) جلب مصالح (مصالح کو حاصل کرنے) سے اہم واقدم ہے آخر نہ دیکھا کہ تطویل قرأت پر عتاب ہوا حالانکہ قرآن جس قدر بھی پڑھا جائے احسن وافضل ہی ہے۔

معہذا (اس کے ساتھ ساتھ) نماز فجر کے بعد تا باشراق ذکرِ الٰہی میں بیٹھا رہنا مستحب ہے اور یہ امر اسفار میں آسان اور تغلیس کے ساتھ دشوار۔ اب رہا یہ کہ حد اسفار کی کیا ہے، بدائع وسراج وہاج سے ثابت کہ وقتِ فجر کے دو حصے کئے جائیں حصہ اوّل تغلیس اور آخر میں اسفار ہے۔ اور امام حلوائی وقاضی امام ابوعلی نسفی وغیرہما عامہ مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقرأت مسنونہ ترتیل واطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ (نماز کے بعد) نسیانِ حدث (حدث کو بھولنے) پر متنبہ (خبردار) ہو تو وضو کر کے پھر اُسی طرح پڑھ سکے اور ہنوز (ابھی تک) آفتاب طلوع نہ کرے، بعض کہتے ہیں کہ نہایت تاخیر چاہئے کہ فساد موہوم ہے اور اسفار مستحب، مستحب کو موہوم کے لئے نہ چھوڑیں گے۔

مگر ایسے وقت تک تاخیر کہ طلوع کا اندیشہ ہو جائے بالاجماع مکروہ۔

اُس شخص کا اول وقت اندھیرے میں نماز پڑھنا سنت کی مخالفت کرنا ہے اور اُن کو اس کی تاکید کرنی مخالفِ سنت کی طرف بلانا ہے اور یہ کہنا کہ روشنی میں نماز مکروہ ہوتی ہے سنت کو مکروہ کہنا اور شریعت مطہرہ پر بہتان اٹھانا ہے۔

(ج5، ص334تا339)

سوال: ظہر کا وقتِ مستحب گرما میں کیا ہے اور جو شخص موسمِ مذکور میں اوّل وقت میں نمازِ ظہر پڑھے اور لوگوں کو بھی تاکید کرے کہ وقتِ اولیٰ یہی ہے، آیا وہ شخص حق پر ہے یا ناحق پر؟

جواب: موسمِ گرما میں ظہر کا ابراد (ٹھنڈا) کر کے پڑھنا مستحب ہے تمام کتبِ حنفیہ میں یہ معنی مصرح ہے (یعنی اس کی تصریح کی گئی ہے) اور اوّل وقت میں پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکمِ اقدس سے عدول۔ حضور فرماتے ہیں ''اذا اشتد الحر فابردوا بالظھر، فان شدۃ الحرّ من فیح جھنم، متفق علیہ'' جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کرو کہ شدّتِ گرمی وسعتِ دمِ دوزخ سے ہے، یہ حدیث بخاری ومسلم دونوں میں ہے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص224، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور بخاری ونسائی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی واللفظ للنسائی قال:کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اذاکان الحرابرد الصلاۃ واذاکان البرد عجل ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرتے اور جب سردی ہوتی تعجیل فرماتے۔

(سنن نسائی، ج 1، ص 58، مکتبہ سلفیہ لاہور)

اور بخاری مسلم ابوداود وابن ماجہ نے سیدنا ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، قال:اذن مؤذن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الظھر یعنی مؤذنِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذانِ ظہر دی۔

فقال:ابرد،ابرد،اوقال:انتظر،انتظر،وقال:شدّۃالحرّمن فیح جھنّم،فاذااشتدالحر فا بردواعن الصلاۃ حتی رایـنـا فـیء التلول ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھنڈا کر، ٹھنڈا کر، یا فرمایا: انتظار کر، انتظار کر، اور فرمایا گرمی کی تیزی جہنم کی وسعتِ نفس سے ہے تو جب گرمی زائد ہو نماز ٹھنڈی کرو، یہاں تک کہ ہم نے دیکھا ٹیلوں کا سایہ۔

(سنن ابوداود، ج 1، ص 58، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور مسلم میں۔۔مؤذن کا تین (دفعہ) ارادہ (کرنا) اور حضور کا یہی فرمانا وارد ہوا۔

اقول (میں کہتا ہوں): اب یہاں سے مبالغہ تاخیر کا اندازہ کرنا چاہئے کہ مؤذن نے تین بار اذان کا ارادہ کیا اور ہر دفعہ ابراد (ٹھنڈا کرنے) کا حکم ہوا اور یقیناً معلوم ہے کہ ہر دو ارادوں میں اس قدر فاصلہ ضرور تھا جس کو ابراد کہہ سکیں اور وہ وقت بہ نسبت پہلے وقت کے ٹھنڈا ہو ورنہ لازم آئے کہ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیلِ حکم نہ کی اور جب اذان میں یہ تاخیر ہوئی تو نماز تو اور بھی دیر میں ہوئی ہوگی۔

(ج 5، ص 339)

اماکن الصلوۃ

سوال: زید کو ایسی جگہ نماز کا وقت آیا کہ دُور دُور تک زمین تر اور ناپاک ہے اگر سجدہ کرتا ہے تو کپڑے تر ہو کر ناپاک ہوتے ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں کہ نیچے بچھا کر اس پر کپڑا پاک ڈال کر نماز پڑھے تو ایسی صورت میں کس طرح نماز ادا کرے اشارہ سے یا سجدہ ورکوع سے؟

جواب: شرع مطہر کسی وقت کسی سوال کے جواب سے عاجز نہیں مگر ایسی صورت میں قبل از وقوع بے اندیشہ صحیحہ وقوع فرض کر کے سوال کرنا وبال لانا ہے اور کبھی اُسے مشکل میں مبتلا کر دینا ہے، حدیث میں ہے "نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن نفل المسائل" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بے ضرورت مسائل پوچھنے سے منع کیا ہے۔

رہا سوال کا جواب، وہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ ﴿لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا۔

(ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ ترجمہ: اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔

نماز کھڑے کھڑے اشارے سے پڑھے۔ (ج5،ص343)

سوال: ایک مٹی کے چبوترہ پر اہل ہنود کے مُردے جلا کرتے تھے، اب وہاں عیدگاہ قائم ہوگئی تو اہلِ ہنود نے دوسری جگہ مُردے جلانے شروع کر دیے، اب بعض اشخاص اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ مرگھٹ قبر کی تعریف میں آتا ہے یہاں عیدگاہ نہیں بنا سکتے؟

جواب: اگر چبوترہ ایسی مٹی سے بنایا گیا جس میں مُردہ ہندوؤں کی نجاست نہ تھی یا اُس زمین کی مٹی جہاں تک اُن کی نجاستیں تھیں کھود کر پھنکوا دی پھر اُس زمین ہی کو نماز کے لئے کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مسجد مدینہ طیبہ بنا فرمائی وہ ایک نخلستان تھا جس میں مشرکین دفن ہوتے تھے، فامر بقبور المشركين حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا مشرکوں کی قبریں کھود کر وہ نجس مٹی پھینک دی گئی پھر وہاں مسجد کریم تعمیر فرمائی کما فی صحیح البخاری وغیرہ۔

(ج5،ص343)

سوال: ایک چبوترہ کو جس میں ہڈیاں تک مشرکین کی نظر آتی ہیں لوگ اُسے چھوڑ کر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کرنے سے خاطی وگنہ گار تو نہ ہوں گے، اُس چبوترہ پر نماز ادا کرنے سے اکثر لوگوں کو اختلاف ہے بلکہ کئی سال ہوئے جب سے چبوترہ

بنایا گیا اکثر مسلمان دوسری جگہ نماز پڑھنے جاتے تھے اس سال سبھوں نے مل کر عیدگاہ پختہ بنوانا شروع کر دی، جیسا ارشاد ہو عمل کیا جائے۔

جواب: شعبان کو یہ سوال آیا تھا جواب دیا گیا کہ اگر چبوترہ کی مٹی میں نجاست کی آمیزش نہیں یا زمین ہی کھود کر اُن نجاستوں سے پاک کر دی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں، اب سوال میں اظہار ہے کہ اس میں مشرکوں کی ہڈیاں تک نظر آتی ہیں ایسی حالت میں اُس پر نماز پڑھنا ہی حرام ہے۔ (ج5،ص345)

سوال: جس مکان میں کوئی شخص شراب پیئے اس میں نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: اگر وہ شخص وہاں اُس وقت شراب پینے میں مشغول نہیں، نہ وہاں شراب کی نجاست ہے تو ایسے وقت وہاں نماز پڑھ لینے میں حرج نہیں اور اگر بالفعل وہ شخص شراب پی رہا ہے تو بلاضرورت وہاں نماز نہ پڑھے کہ شراب خور پر بحکم احادیث صحیحہ لعنتِ الٰہی اُترتی ہے اور محلِ نزولِ لعنت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے اس لئے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قومِ ثمود کی جائے ہلاک میں نماز نہ پڑھی کہ وہاں عذاب نازل ہُوا تھا۔

نیز شراب پیتے وقت شیطان حاضر اور اس کا غلبہ واستیلا ظاہر ہے اور محلِ غلبۂ شیطان میں نماز نہ پڑھنی چاہئے اسی لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ تعریس جب نمازِ فجر سوتے میں قضا ہُوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ نماز آگے چل کر پڑھو کہ یہاں تمہارے پاس شیطان حاضر ہوا تھا حالانکہ وہ فوت قصدی (ارادی) نہ تھا سوتے سے آنکھ بحکمتِ الٰہی نہ کھلی تھی اور اگر وہ مکان ہی شراب خوری کا ہو کہ فساق فجار اپنا یہ مجمع ناجائز وہاں کیا کرتے ہوں جب تو بدرجہ اولیٰ وہاں نماز مکروہ ہے کہ اب وہ مکان حمام سے زیادہ مرجع و ماوائے شیاطین (شیاطین کا ٹھکانہ) ہے اور علماء نے حمام میں کراہت نماز کی یہ وجہ ارشاد فرمائی کہ وہ شیطان کا ماوٰی (ٹھکانہ) ہے۔ (ج5،ص345)

سوال: ایک شخص چارپائی پر بیٹھا ہے یا لیٹا ہے یا سو رہا ہے، اس کے پیچھے جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کوئی شخص چارپائی پر بیٹھا خواہ لیٹا ہے اور اس طرف اس کی پیٹھ ہے تو اس کے پیچھے جانماز بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر اُس طرف پیٹھ کیے سو رہا ہے جب بھی مضائقہ نہیں۔

مگر سوتے کے پیچھے پڑھنے سے احتراز مناسب ہے دو وجہ سے: ایک یہ کہ کیا معلوم اس کے نماز پڑھنے میں وہ اس طرف کروٹ لے اور ادھر اس کا مُنہ ہو جائے، دوسرے محتمل ہے کہ سوتے میں اس سے کوئی ایسی شے صادر ہو جس سے نماز میں اسے ہنسی آجانے کا اندیشہ ہو۔ (ج5،ص346)

سوال: اگر کوئی شخص جنگل میں ہے اور نماز کا وقت ہوگیا تو کھیت یا بنجر ملکیتِ غیر میں نماز پڑھ لے تو نماز ہوگی یا نہیں اور ٹانڈ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: دوسرے کی کھیتی میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، بے اس کی اجازتِ صریح کے گنہگار ہوگا مگر نماز ادا ہوجائیگی اور بنجر (زمین) میں پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، یونہی وہ کھیت جس میں کھیتی نہ ہو۔

ٹانڈ پر نماز نہیں ہوسکتی مگر اس حالت میں کہ وہ مثل تخت کے ہو مثلاً لکڑیاں باندھ کر اُن پر تخت رکھ لیے ہوں یا خود تخت ہی باندھ لیا ہو یا ایسا سخت بُنا ہوا ہو کہ سجدہ میں سر ٹھہر جائے زور کرنے سے زیادہ نیچا نہ جھکے۔ (ج5،ص346)

سوال: چارپائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے کے سبب بندر ہوگئے یہ بات ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اُس پر مستقر ہو جائے یعنی اُس کا دبنا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کریں اس سے زائد نہ دبے ایسی چیز پر نماز جائز ہے خواہ وہ چارپائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاڑی کا کھٹولا یا کوئی شے، اور یہ جو جاہلوں میں بلکہ عورتوں میں مشہور ہے کہ اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے سے مسخ ہوگئے محض غلط و باطل ہے۔ (ج5،ص346)

سوال: قبر پر یا قبر کے سامنے یا قبر کے دائیں بائیں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تفصیلاً جواب ارشاد فرمادیں۔

جواب: اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نماز قبر پر مطلقاً مکروہ و ممنوع ہے بلکہ قبر پر پاؤں رکھنا ہی جائز نہیں۔

اور قبر کی طرف بھی نماز مکروہ و ممنوع ہے جبکہ سترہ نہ ہو اور صحراء یا مسجدِ کبیر میں قبر موضع سجود میں ہو یعنی اتنے فاصلے پر جبکہ یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے اور اپنی نگاہ خاص موضع سجود پر جمی رکھے تو اس پر نظر پڑے کہ نگاہ کا قاعدہ ہے جس محل خاص پر اُسے جمایا جائے اُس سے کچھ دُور آگے بڑھتی ہے مذہب اصح میں بحالتِ مذکورہ جہاں تک نگاہ پہنچے سب موضعِ سجود ہے۔

اور اگر قبر دہنے بائیں یا پیچھے ہے تو اصلاً موجبِ کراہت نہیں۔

بلکہ اگر مزاراتِ اولیائے کرام ہوں اور اُن کی ارواحِ طیبہ سے استمداد کے لئے ان کی قبورِ کریمہ کے پاس دہنے یا بائیں نماز پڑھے تو اور زیادہ موجبِ برکت ہے۔

امام علامہ قاضی عیاض مالکی شرح صحیح مسلم شریف پھر علامہ طیبی شافعی شرح مشکوٰۃ شریف پھر علامہ علی قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں "کانت الیھود والنصاری یسجدون بقبور انبیائھم ویجعلونھا قبلۃ ویتوجھون فی الصلاۃ نحوھا، فقد اتخذوھا اوثانا، فلذلک لعنھم، ومنع المسلمین عن مثل ذلک، اما من اتخذ مسجدافی

جوار صالح، او صلی فی مقبرة، وقصد الاستظهار بروحه، او وصول اثرما من اثر عبادته الیه، لاللتعظیم له والتوجه نحوه، فلا حرج علیه؛ الا تری ان مرقد اسمعیل علیه الصلاة والسلام فی المسجد الحرام عند الحطیم، ثم ان ذلک المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاته "ترجمہ: یہود ونصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، انہیں اپنا قبلہ بنالیتے تھے اور نماز میں انہی کی طرف منہ کرتے تھے، اس طرح انہوں نے قبروں کو بُت بنالیا تھا اس لئے آپ نے ان پر لعنت بھیجی اور مسلمانوں کو ایسے کاموں سے منع کیا، رہا وہ آدمی جو کسی صالح کی قبر کے پاس مسجد بنائے یا مقبرے میں نماز پڑھے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اس صالح انسان کی روح سے تقویت حاصل کرے یا اس کی عبادت کے اثرات میں سے کچھ اثر اس تک بھی پہنچ جائے، اور قبر کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا مقصود نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجدِ حرام میں حطیم کے پاس ہے، اس کے باوجود یہ مسجد ان تمام مقامات سے افضل ہے جنہیں کوئی نمازی، نماز پڑھنے کیلئے تلاش کرتا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج2، ص202، امدادیہ، ملتان)

اور یہ امر کہ سامنے ہونا زیادہ مکروہ ہے اور دہنے بائیں اس سے کم اور پیچھے ہونا اس سے بھی کم کتبِ حنفیہ میں تصویرِ جاندار کی نسبت ہے نہ کہ قبر کی۔

(ج5، ص349)

سوال: بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مقبرہ وقبرستان میں نماز مکروہ ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اُس میں بھی اصل منشائے کراہت قبر ہے اور اس کی تعلیلیں ہمارے علمائے حنفیہ ہی نے تین طور پر کی ہیں ایک تشبہ اہلِ کتاب دوسرے یہ کہ عبادتِ اصنام (بتوں کی عبادت) اسی طرح پیدا ہوئی تیسرے محلِ نجاسات ہونا جیسے شیخ محقق نے اختیار فرمایا۔

ظاہر ہے کہ پہلی دو تعلیلیں صرف اُس صورت کی کراہت بتاتی ہیں کہ نماز قبر کی طرف ہو کہ دہنے بائیں یا قبر کو پیچھے لے کر نہ شبہہ عبادت ہے نہ تشبّہ یہود۔

وانا اقول و باللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں) تحقیق یہ ہے کہ عامہ مقابر میں ہر جگہ مظنۂ قبر ہے مگر یہ کہ کوئی محل ابتدا سے دفن ہونے سے محفوظ رہا ہو اور معلوم ہو کہ یہاں دفن واقع نہ ہوا، ولہذا ہمارے علمانے تصریح فرمائی کہ مقبرہ میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اُس میں چلنا حرام ہے کہ قبورِ مسلمین کی بے ادبی ہوگی۔

پھر قبریں کھودنے میں بطنِ زمین کی مٹی اُوپر آتی ہے اور وہ اکثر وہی ہوتی ہے جو پہلے گلے ہوئے اجسام کی نجاسات سے متنجس ہو چکی اور بند کرنے میں سب مٹی صرف نہیں ہو جاتی تو جا بجا متنجس مٹی کا پھیلا ہونا مظنون ہوتا ہے اور مظنۂ قبر (قبر کا گمان ہونا) ومظنۂ نجاست دونوں کراہت تنزیہہ کیلئے کافی ہیں کہ ظن اگر غالب ہوتا جو فقہیات میں ملحق بیقین ہے تو بوجہِ علت

5

اول حکمِ کراہتِ تحریم ہوتا اور بوجہ علت ثانی بغیر کچھ بچھائے بطلانِ نماز کا حکم دیا جاتا از انجا کہ ظن اس حد کا نہیں صرف کراہت تنزیہہ رہی اور اب یہ حکم حکمِ صلاۃ علی القبر (قبر پر نماز) اور الی القبر (قبر کی طرف نماز) سے جدا پیدا ہوا کہ اس میں پیچھے یا آگے کسی قبر کا معلوم ہونا ضرور نہیں قبورِ معلومہ اگر چہ دہنے بائیں یا پیچھے ہوں جبکہ یہ زمین ایسی ہے جس میں قبر و نجاست کا مظنہ ہے حکمِ کراہت دیا جائے گا یہی محمل ہے اس کلام کا جو علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں زیرِ قول شرنبلالی ''تکرہ الصلاۃ فی المقبرۃ'' نقل فرمایا ''سواء کانت فوقه او خلفه او تحت ماهو واقف علیه'' (برابر ہے کہ مقبرہ اس کے اُوپر ہو یا پیچھے ہو یا جس چیز پر یہ کھڑا ہے اس کے نیچے ہو)۔

اور یہی منشا ہے اطلاقِ متون کا ورنہ اگر مقبرہ میں کوئی جگہ صاف و پاک ہو کہ نہ اُس میں قبر ہو نہ مصلی کا قبر سے سامنا ہو تو وہاں نماز ہرگز مکروہ نہیں خانیہ و منیہ و زاد الفقیر امام ابن الہمام و حلیہ و غنیۃ و بحر الرائق و شرنبلالی علی الدرر و حلبی و طحطاوی و ردالمحتار وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے ''لاباس بالصلاۃ فیها اذاکان فیها موضع اعد للصلاۃ ولیس فیه قبر ولا نجاسة'' مقبرے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر وہاں کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور اس میں قبر اور نجاست نہ ہو۔

زاد الفقیر کی عبارت یہ ہے ''تکرہ الصلاۃ فی المقبرۃ الا ان یکون فیها موضع اعد للصلاۃ لانجاسة فیه ولاقذر فیه'' مقبرے میں نماز مکروہ ہے، لیکن اگر وہاں نماز کے لئے کوئی جگہ تیار کی گئی ہو جس میں نجاست اور گندگی نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

اس تحقیق سے (پتا چلا کہ) قبر پر نماز مطلقاً مکروہ ہے اور قبر کی طرف بھی جبکہ قبر موضعِ سجود میں مطلقاً یا گھر یا مسجدِ صغیر میں جانبِ قبلہ بلا حائل ہو اور اس کے لئے کچھ بہت سے قبور ہونا درکار نہیں، تنہا ایک ہی قبر ہو جب بھی یہی حکم ہے اور قبر دہنے یا بائیں یا پیچھے ہو اور زمین جہاں نماز پڑھتا ہے پاک و صاف ہو تو اصلاً کراہت نہیں، یہ حکم حضرت شیخ محقق نے نہ اپنی طرف سے لکھا نہ علمائے حنفیہ کے قول کے خلاف بلکہ عامۂ کتبِ حنفیہ میں اس کی صاف تصریح ہے جیسا کہ گزرا اور جب اس میں کراہت ہی نہیں تو سُترہ کی کیا حاجت اور مقابر میں جہاں مُردے دفن ہوتے چلے آئے ہیں اور ان میں قبر یا نجاست کا مظنہ ہے نماز مطلقاً مکروہ ہے اگر چہ قبورِ معلومہ پیچھے ہی ہوں مگر اُس صورت میں کہ کوئی زمین پاک صاف معلوم ہو اور اس کے قبلہ میں قبر بلا حائل بمعنی مذکور نہ ہو۔ (ج5،ص356)

باب الاذان والاقامة

سوال: اذان کے بعد صلاۃ کہنا جس طرح یہاں رمضان مبارک میں معمول ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اسے فقہ میں تثویب کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس طرح اطلاع مکرر رائج ہو وہی تثویب ہے خواہ عام طور پر ہو جیسے ''صلاۃ'' کہی جاتی ہے یا خاص طریقہ پر مثلاً کسی سے کہنا اذان ہوگئی یا جماعت کھڑی ہوتی ہے یا امام آ گئے یا کوئی قول یا فعل ایسا جس میں دوبارہ اطلاع دینا ہو وہ سب تثویب ہے اور اس کا اور صلاۃ کا ایک حکم ہے یعنی جائز، جس کی اجازت سے عامۂ کتبِ مذہب ۔۔ مالامال ہیں۔

اور ماہ مبارک رمضان سے اُس کی تخصیص بے جا نہیں کہ لوگ افطار کے بعد کھانے پینے میں مشغول اور نفس آرام کی طرف مائل ہوتے ہیں لہذا تنبیہ بعد تنبیہ مناسب ہوئی۔

(ج5،ص361)

سوال: اذان دینا اندر مسجد کے آپ نے فرمایا تھا مکروہ ہے، میں نے یہاں کے لوگوں سے ذکر کیا اُن لوگوں نے کتاب کا ثبوت چاہا اُمید کہ نام کتاب مع بیانِ مقام کہ فلاں مقام پر لکھا ہے تکلیف فرما کر لکھا جائے اور یہ بھی لکھا جائے کہ کون سا مکروہ ہے؟

جواب: امام فخر الملّۃ والدّین اوزجندی فرماتے ہیں ''ینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج السجد ولا یؤذن فی المسجد'' ترجمہ: اذان مینار پر یا مسجد کے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔

(فتاوی قاضی خان، ج1،ص37، نولکشور لکھنؤ)

امام طاہر بن احمد بخاری فرماتے ہیں ''لا یؤذن فی المسجد'' (مسجد میں اذان نہ دی جائے)۔

(خلاصۃ الفتاوی، ج1،ص49، نولکشور لکھنؤ)

علاّمہ سید احمد مصری نے فرمایا ''یکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القہستانی عن النظم'' (مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی نے نظم سے نقل کیا ہے)

(طحطاوی علی المراقی،ص107، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

اور اس مسئلہ میں نوعِ کراہت کی تصریح کلماتِ علما سے اس وقت نظرِ فقیر میں نہیں ہاں صیغہ ''لا یفعل'' سے متبادر کراہتِ تحریم ہے کہ فقہائے کرام کی یہ عبارت ظاہراً مشیر ممانعت وعدمِ اباحت ہوتی ہے۔

یونہی عبارتِ نظم میں لفظ ''یکرہ'' کہ غالباً کراہت مطلقہ سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے۔ (ج5،ص363)

سوال: پانچوں نمازوں میں بعدِ اذان مؤذن کا لازم کر لینا کہ ہر نمازی کو آواز بلانا اور نمازیوں کا اسی لحاظ سے

اذان پر خیال نہ رکھنا بلکہ بعدِ اذان کے بُلانے سے آنا اس صورت میں بلانا مؤذن کا بعد اذان کے چاہئے یا نہیں؟

جواب: جب نمازی اذان سے آجاتے ہوں تو بلاوجہ بعدِ اذان ہر شخص کو جُدا جدا بلانے کا التزام کرنا جس سے اُنہیں اذان پر آنے کی عادت جاتی رہے نہ چاہئے فان فیه علی هذا التقدیر اخلاء للاذان عمایقصد به (کیونکہ ایسی صورت میں اذان کا مقصد فوت ہوجاتا ہے)۔ (ج5،ص365)

سوال: امام کے انتظار میں وقت میں تاخیر کرنا مقتدیوں کو درست ہے یا نہیں؟

جواب: وقتِ کراہت تک انتظارِ امام میں ہرگز تاخیر نہ کریں، ہاں وقتِ مستحب تک انتظار باعثِ زیادت اجر و تحصیلِ فضیلت ہے پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقت مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہوگی کہ سب اُس پر راضی ہیں تو جہاں تک تاخیر ہو اُتنا ہی ثواب ہے کہ یہ سارا وقت اُن کا نماز ہی میں لکھا جائیگا۔ وقد صحّ عن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم انتظار النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی مضی نحو من شطر اللیل وقداقرهم علیه النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وقال انکم لن تزالوا فی صلاة ما انتظرتم الصلاة '' یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات گئے تک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کرتے حتی کہ رات کا ایک حصہ گزر جاتا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکے اس عمل کی تصویب فرمائی اور ارشاد فرمایا: جتنا وقت تم نماز کا انتظار کرتے ہو یہ سارا وقت تم نماز میں ہی ہوتے ہو۔ (صحیح مسلم، ج1،ص234، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ورنہ اوسط درجہ تاخیر میں حرج نہیں جہاں تک کہ حاضرین پر شاق نہ ہو۔ (ج5،ص365)

سوال: جس شخص کی جماعت پانے کی وجہ سے فجر کی سنتیں رہ جائیں وہ جماعت کے فوراً بعد سنت ادا کرے، درست ہے یا نہیں؟

جواب: سنتِ فجر کہ تنہا فوت ہوئیں یعنی فرض پڑھ لیے سُنتیں رہ گئیں اُن کی قضا کرے تو بعد بلندیٔ آفتاب پیش از نصف النہار شرعی کرے طلوعِ شمس سے پہلے اُن کی قضا ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع و ناجائز ہے، لقول رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لاصلاة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ، کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: صبح کے بعد کوئی نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہوجائے۔ (صحیح بخاری، ج1،ص83، قدیمی کتب خانہ، کراچی)(ج5،ص366)

سوال: کیا مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کا اقامت کہنا ناجائز ہے؟

جواب: ناجائز نہیں، ہاں خلاف اولیٰ ہے اگر مؤذن حاضر ہو اور اسے گراں گزرے ورنہ اتنا بھی نہیں۔ (ج5،ص366)

سوال: خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اُس کا جواب دینا اور جب وہ خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دُعا کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: ہرگز نہ چاہیے یہی احوط (زیادہ محتاط) ہے۔۔ہاں یہ جوابِ اذان یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفظ اصلاً نہ ہوتو کوئی حرج نہیں۔

اورامام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذان دے یا دعا کرے بلاشبہہ جائز ہے وقد صح کلا الامرین عن سیدالکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی صحیح البخاری وغیرہ (صحیح بخاری وغیرہ میں ہے یہ دونوں امور سیدِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں)۔

(ج5،ص368)

سوال: بارش کے لیے اذان دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست ہے اذلا حظرمن الشرع (کیونکہ اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں)،اذان ذکرِ الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی،اور ذکرِ الٰہی باعثِ نزولِ رحمتِ الٰہی (ہے)۔

(ج5،ص370)

سوال: دفعِ وبا کے لئے اذان دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست ہے،فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ نسیم الصبافی ان الاذان یحول الوبالکھا۔

(ج5،ص370)

سوال: بعدِ دفنِ میت قبر پر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے،فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ ایذان الاجر فی اذان القبرلکھا۔ (ج5،ص370)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں اذان دہنے ہاتھ کو ہونا چاہئے کہ دہنے ہاتھ کو فضیلت ہے اور بعض کہتے ہیں بلکہ بائیں ہاتھ کو،اس میں شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: اذان منارہ پر کہی جائے جس طرف واقع ہو یا بیرونِ مسجد جدھر زیادہ نافع ہو،مثلاً ایک جانب کوئی موضع رفیع زائد (کوئی جگہ زیادہ بلند) ہے یا اُس طرف مسلمانوں کی آبادی دُور تک ہے تو اُسی سمت ہونی چاہئے کہ اصل مقصودِ اذان تبلیغ واعلام ہے،جس طرف یہ مقصود زیادہ پایا جاوے وہی افضل ہے باقی دہنے بائیں کی کوئی تخصیص شرع مطہر سے ثابت نہیں۔

مع ہذا (اس ساتھ یہ بھی) کہہ سکتے ہیں کہ دونوں جانبیں دَہنی اور دونوں بائیں ہیں کہ جو قبلہ رُو کھڑا ہو اس کی دَہنی طرف کعبہ معظمہ ومسجد کی بائیں ہے اور اُس کی (اپنی) بائیں کعبہ ومسجد کی دَہنی تو جب دونوں طرف نفع برابر ہو دونوں یکساں ہیں۔

(ج5،ص370)

سوال: اذان واقامت کس جانب کو چاہئے؟

جواب: جس مسجد میں اذان کے لئے منارہ بنا ہو جب تو اُس کی جہت خود معین ہے اُس منارہ پر اذان دینا چاہئے

خواہ وہ کسی جانب ہو۔

اور جہاں نہ ہو تو نظرِ فقہی میں انسب یہ کہ جس طرف حاجت زائد ہو اُسی جانب کو اختیار کرے مثلاً ایک جانب مسلمان زیادہ رہتے ہیں یا اُس طرف مکان اُن کے دُور ہیں تو وہی جانب اذان کے لئے انسب ہے۔

اور اقامت کی نسبت بھی تعیینِ جہت کہ دہنی جانب ہو یا بائیں فقیر کی نظر سے نہ گزری بلکہ ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ امام خود اذان و اقامت کہے۔

اور علماء جائز رکھتے ہیں کہ جہاں اذان ہُوئی وہیں اقامت بھی کہی جائے، اور ظاہر ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہے پھر جب بیانِ افضلیت پر آتے ہیں تو اسی قدر فرماتے ہیں کہ اقامت کا مسجد میں ہونا بہتر ہے اور یہاں لفظ کو مطلق چھوڑتے ہیں تخصیصِ جہت کچھ نہیں کرتے۔

ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ محاذاتِ امام (امام کے بالکل پیچھے) پھر جانبِ راست مناسب ہے۔ (ج5ص371)

سوال: مسجد میں بارش کے لئے اذان کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد کے اندر وقتی اذان کہنا مکروہ ہے، مگر اذان بغرضِ طلب باراں یا دفعِ وبا (بارش طلب کرنے یا دفعِ بلا کے لئے اذان) بہ نیت اذان و اعلان وطلب مرد مان نہیں ہوتی بلکہ بہ نیت ذکر (ہوتی ہے) اور ذکر مسجد میں جائز ہے پھر اولیٰ یہ ہے کہ بیرونِ مسجد فیصل وغیرہ پر ہو۔ (ج5ص373)

سوال: اذان میں کانوں میں انگلیاں رکھ کر ان کو ہلانا اور گھمانا کیسا ہے؟

جواب: اذان میں انگلیاں کان میں رکھنا مسنون ومستحب ہے مگر ہلانا اور گھمانا حرکتِ فضول ہے۔ (ج5ص373)

سوال: بے وضو اذان کہنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: جائز ہے بایں معنے (اس معنیٰ پر) کہ اذان ہو جائے گی مگر چاہئے نہیں، حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، ولہذا علامہ شرنبلالی نے نظر بحدیث (حدیث کی وجہ سے) کراہت اختیار فرمائی۔ (ج5ص373)

سوال: کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے؟

جواب: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلماتِ شہادت یوں کہے اشھد انی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابنِ حجر نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ج5ص375)

سوال: نمازِ جنازہ کی ابتداء کب سے ہوئی؟

جواب: جنازہ کی ابتداء، سیدنا آدم علیہ السلام کے دور سے ہے۔ (ج5ص375)

سوال: اسلام میں نمازِ جنازہ کے وجوب کا حکم کب سے ہے؟ مدینہ منورہ میں لازم ہوئی یا مکہ مکرمہ میں؟ سب سے پہلے کس کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی؟ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس صحابی کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی؟ اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام کیا ہے؟

جواب: اسلام میں وجوبِ نمازِ جنازہ کا حکم مدینہ منورہ میں نازل ہوا، امام واقدی نے حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''آپ کا وصال بعثت کے دسویں سال شعب ابی طالب سے خروج کے بعد ہُوا اور آپ کو حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ان کی لحد میں اترے اور اس وقت میت پر جنازہ کا حکم نہیں تھا۔''

اور امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں واقدی کے حوالے سے کہا ہے کہ ان کا وصال ہجرت کے بعد نویں مہینے کے آخر میں ہُوا، اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور بقول واقدی یہ شوال کا مہینہ تھا، بغوی نے کہا کہ ہجرت کے بعد سب سے پہلے اسی صحابی کا وصال ہوا، اور یہ پہلے صحابی کی میت تھی جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ (ج5ص375)

سوال: زید نے ہندہ سے مسجد کے اندر زنا کیا نعوذ باللّٰہ من ذلك اب زید مسجد میں مؤذن رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ زید کو مسجد میں رکھنے کے واسطے کوشش اور حجت کرتے ہیں اُن کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: نسأل اللّٰه العافية (ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں) اگر یہ امر ثابت ہے تو ظاہر کہ زید اخبثِ فساق وفجار سے ہے اور فاسق کی اذان اگرچہ اقامتِ شعار کا کام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اُس سے حاصل نہیں ہوتا، نہ فاسق کی اذان پر وقتِ روزہ ونماز میں اعتماد جائز۔ لہٰذا مندوب (مستحب) ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے، تو جب تک یہ شخص صدقِ دل سے تائب نہ ہوا سے ہرگز مؤذن نہ رکھا جائے مسجد سے جُدا کر دینا ضرور ہے۔

اور جو اُس کی حمایت میں فضول حجت کرتے ہیں امرِ ناحق کے مددگار بنتے ہیں اُنہیں باز آنا چاہئے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ خیانت کرنے والوں کا وکیل نہ بن۔ (ج5ص376)

سوال: بروزِ جمعہ بعض مسجدوں میں لوگوں نے بعدِ اذان کے صلاۃ (اذان کے بعد نماز کے لئے اعلان) کا معمول بنا رکھا ہے اکثر آدمی اذان سُن کر مسجد میں فوراً حاضر نہیں ہوتے صلاۃ کے منتظر رہتے ہیں جب اذان سے کچھ دیر کے بعد صلاۃ ہوتی ہے تو مسجد میں حاضر ہوتے ہیں یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: صلاۃ جائز ہے مگر جُمُعَہ کے دن اذانِ اوّل سُن کر نہ آنا حرام ہے۔ اگر صلاۃ کی وجہ سے یہ سُستی ہو جُمُعَہ کے دن صلاۃ کا ترک کرنا ضرور ہے۔ (ج5ص378)

سوال: جُمُعَہ کے دن دونوں اذان بآ وازِ بلند چاہئے یا اوّل بآ وازِ بلند اور ثانی پست کر کے؟

جواب: دونوں اذانیں پوری آواز سے خوب بلند کہی جائیں جس طرح اذان میں سنّت ہے، آج کل جو عوام دوسری اذان کو کہ خطبہ کے وقت ہوتی ہے پست آواز سے مثلِ تکبیر کے کہہ لیتے ہیں محض جہالت ہے اس سے سنّت ادا نہیں ہوتی، اصل اذان زمانہ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و زمانہ صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں یہی تھی، پہلی اذان امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زائد فرمائی ہے کما ثبت في الصحيحين و غيرهما (جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں ثابت ہے)۔ (ج5ص378)

سوال: اگر نمازیوں کو نماز کے وقت سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ان کی اجازت سے یا بغیر اجازت اُن کے مکانوں پر جا کر فجر کی نماز کے واسطے بتاکید جگا دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نماز کے لئے جگانا موجبِ ثواب ہے مگر وقت سے اتنا پہلے جگانے کی کیا حاجت ہے البتہ ایسے وقت جگائے کہ استنجاء و وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر سُنّتیں پڑھے اور تکبیر اولیٰ میں شامل ہو جائے۔ (ج5ص378)

سوال: اذانِ فجر صبح کاذب میں کہنا چاہئے یا صبح صادق میں؟

جواب: ہمارے مذہب میں اذان قبلِ وقت (صبح صادق سے پہلے) جائز نہیں اگرچہ فجر کی ہو۔ (ج5ص379)

سوال: عیدین میں بلانے کے لئے کیا کیا جائے؟

جواب: عیدین میں "الصلوٰة جامعة" کہا جائے۔ (ج5ص379)

سوال: نماز میں آنے والوں کا وقتِ آخر تک انتظار کرنا کیسا ہے؟

جواب: آخر وقت تک انتظار کرنا بایں معنے کہ وقتِ کراہت آجائے مطلقاً مکروہ ہے اور وقتِ استحباب تک اگر قوم حاضر ہے اور شخص منتظر (جس شخص کا انتظار کیا جا رہا ہو) مردِ شریر نہیں جس سے خوفِ ایذا ہو اور انتظار حاضرین پر ثقیل ہوگا تو قدرِ سنّت سے زیادہ انتظار مکروہ ہے اور اگر ابھی لوگ حاضر ہی نہیں یا منتظر سے ترکِ انتظار میں خوفِ ایذا ہے یا سب حاضرین انتظار پر بدل (دل سے) راضی ہیں تو حرج نہیں اور بقدرِ سنّت تو انتظار ہمیشہ ہی (کرنا) چاہئے جب تک وقتِ کراہت نہ آئے، انتظار مسنون (ہے)۔ (ج5ص379)

سوال: اذان کے کتنی دیر بعد جماعت کا وقت ہونا چاہئے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ چار رکعت کی مقدار ہونا چاہئے، کیا

کر حی علی الفلاح کہتے ہیں اور اس طرح اذان دینے کو افضل کہتے ہیں۔

جواب: یہ محض غلط وخلافِ سنّت ہے۔ دونوں حی علی الصلاۃ ایک ساتھ، پھر دونوں حی علی الفلاح ایک ساتھ پڑھنے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں بعض علما نے مُنہ پھیرنے میں یہ طریقہ رکھا ہے کہ ایک بار دہنی طرف کہے حی علی الصلاۃ پھر اسی کو بائیں طرف کہے، پھر ایک بار دہنی طرف کہے حی علی الفلاح پھر اسی کو بائیں طرف کہے۔ مگر صحیح وہی ہے کہ دونوں بار حی علی الصلاۃ دہنی طرف کہہ کر دونوں بار حی علی الفلاح بائیں طرف کہے۔ (ج5ص382)

سوال: اذان کے بعد کسی خاص شخص کو نماز کے لئے بلانا بالخصوص کسی متکبر کو، درست ہے یا نہیں؟

جواب: بعد اذان کے سلطانِ اسلام وقاضی شرع وعالم دین کی خدمتوں میں مؤذن دوبارہ اطلاع کے واسطے مؤدبانہ حاضر ہو یہی سنّت ہے باقی لوگوں میں اگر سامنے سے گزریں تو کہہ دینا کہ نماز کو آؤ جماعت تیار ہے، یا مسجد کو جاتے راہ میں جو ملیں اُنہیں تاکید کرتے آنا مضائقہ نہیں رکھتا مگر گھر پر آدمی بھیج کر بلانے کی حاجت نہیں خصوصاً خودی والے متکبر کو کہ متکبر شرعاً مستحقِ توہین ہے نہ لائقِ رعایت جبکہ مظنۂ فتنہ (فتنہ کا گمان) نہ ہو۔ (ج5ص384)

سوال: یہاں یہ دستور ہے کہ نماز پنجگانہ وعیدین ونمازِ جنازہ میں صلاۃ پکارتے ہیں یہ صلاۃ (اذان کے بعد جماعتِ نماز کے لئے اعلان) پکارنا کیسا ہے؟ یہاں چند صاحبان صلاۃ پکارنا بدعت یعنی ناجائز سمجھتے ہیں۔

جواب: عیدین میں الصّلاۃ جامعۃ (نماز کی جماعت تیار ہے) بآواز بلند دوبار پکارنا مستحب ہے۔

سوائے مغرب ہر نماز میں صلاۃ پکارنا یعنی دوبارہ اعلان کرنا ائمہ متاخرین نے مستحب رکھا ہے بلکہ درمختار میں سب نمازوں کی نسبت لکھا ''یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ'' متعارف طریقہ پر تمام نمازوں میں ہر ایک کے لئے اذان و اقامت کے درمیان تثویب کہنی چاہئے۔

نمازِ جنازہ میں حرمین شریفین میں دستور ہے کہ مؤذن بآوازِ بلند کہتے ہیں ''الصلاۃ علی المیت یرحمکم اللّٰہ'' (میت پر نمازِ جنازہ ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے) اور یہ سب اس آیہ کریمہ کے تحت میں داخل ہے کہ ﴿مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ﴾ ترجمہ: اس سے کس کی بات بہتر جو اللہ کی طرف بُلائے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من دعا الی الھدٰی فلہ اجرہ واجر من تبعہ'' جو کسی نیک بات کی طرف بُلائے اُس کے لئے اُس کا خود اپنا اجر ہے اور جتنے اُس نیک فعل میں شریک ہوں ان سب کا ثواب ہے، اور انکے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔ (صحیح مسلم، ج2ص341، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور زعمِ بدعت کا رَد ہزار بار ہو چکا، ہر نَو پیدا (نئی پیدا ہونے والی) بات ناجائز نہیں ورنہ خود مدرسے بنانا، کتابیں

تصنیف کرنا، صرف ونحو وغیرہما علوم کہ زمانۂ رسالت میں نہ پڑھے جاتے تھے، پڑھنا پڑھانا سب حرام ہو جائے اور اسے کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا خود یہ اہلِ بدعت ہزارہا جدید باتیں کرتے ہیں کہ زمانۂ رسالت میں اس ہیئت کذائی سے (موجودہ صورت میں) موجود نہ تھیں، بعد کو حادث ہوئیں مگر اپنے لئے جو چاہیں حلال کر لیتے ہیں۔ (ج5ص384)

سوال: زید اقامت سے پہلے باآواز بلند درود شریف پڑھتا ہے، یہ کیسا ہے؟ عمرو نہیں پڑھتا اور زید عمرو پر اصرار کرتا ہے کہ تم بھی پڑھو، مجھے تمہارا اقامت سے پہلے درود شریف نہ پڑھنا ناپسند ہے، زید کا یہ اصرار کرنا کیسا ہے؟

جواب: درود شریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آوازِ اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزءِ اقامت نہ معلوم ہو، رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا، یہ زید کی زیادتی ہے۔

سوال: اگر رمضان میں صبح کی اذان لوگوں کو سحری کے وقت کے اختتام سے آگاہی کے واسطے صبح صادق نکلنے سے آٹھ یا دس منٹ پہلے دے دی جایا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؟

جواب: اذان وقت سے پہلے دینی مطلقاً ناجائز وممنوع ہے۔

ختمِ سحری کے لئے صلاۃ وغیرہ کوئی اور اصطلاح مقرر کر سکتے ہیں اور وہ بھی چار پانچ منٹ سے زیادہ وقتِ صبح سے مقدم نہ ہو کہ تاخیرِ سحور سنت اور اس میں برکت ہے اور زیادہ اول سے منع کر دینا فتوائے باطل وبدعت وخلافِ شریعت ہے، پھر یہ بھی اس کے لئے ہے جو وقت صحیح جانتا ہو نہ (کہ) وہ (جو) آج کل کی عام جنتریوں میں چھپا یا چھپتا ہے کہ اکثر باطل وضلالت ہے اُنہیں میں سے میرٹھ کی ''دوامی جنتری'' بھی سراپا غلط وبطالت ہے۔ (ج5ص386)

سوال: سنتِ جُمُعَہ پڑھنے کے لئے گجرات کے بعض مقام میں جو ایک صلاۃ جُمُعَہ کی سنتیں پڑھنے کے واسطے مؤذن بلند آواز سے روز جُمُعَہ کے پکارتا ہے اور بغیر صلاۃ سنت قبل الجمعہ پکارنے کے سنت قبل الجمعہ کی لوگ نہیں پڑھتے اور اس صلاۃ سنت قبل جُمُعَہ کا مسجد میں جمع ہو کر انتظار کرتے ہیں تاکہ مؤذن یہ صلاۃ سنت کی پکارے تو سنتِ قبل جُمُعَہ پڑھیں الفاظ یہ ہیں ''الصلاۃ سنة قبل الجمعة الصلاۃ رحمکم اللہ'' (جُمُعَہ سے پہلی سنتیں ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے) کیا ان الفاظ سے صلاۃ کہنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنّت ہے یا مستحب ہے اور یہ صلاۃ سنت قبل الجمعہ اگر کوئی شخص نہ پکارے اور سُنتیں جُمُعَہ کی پڑھ لے تو سنتیں ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ اور نہ پکارنے سے مرتکب گناہ کا ہوگا یا نہیں؟ نمازِ جُمُعَہ اور سنتِ جُمُعَہ میں بھی نہ پکارنے سے قصور لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور نہ کہنے والا مذہب امام اعظم کا مقلد رہتا ہے یا وہابی نجدی ہو کر اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

جواب: تثویب (اذان کے بعد نماز کے لئے پکارنا) جسے ہمارے علمائے متاخرین نے نظر بحالِ زمانہ جائز رکھا اور

مستحب و مستحسن سمجھا وہ اعلام بعد اعلام (اعلان کے بعد اعلان) ہے اور اس کے لئے کوئی صیغہ معین نہیں بلکہ جو اصطلاح مقرر کرلیں اگر چہ انہیں لفظوں سے کہا "الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللّٰہ تعالیٰ" (نماز جُمعہ سے پہلے سنت نماز ادا کرلو اللہ تم پر رحم فرمائے) تو اس وجہ پر کہنا زیرِ مستحب داخل ہوسکتا ہے۔

مگر اس پر اور باتیں جو اضافہ کیں بے اصل و باطل ہیں:

(1) جب تک یہ صلاۃ نہ پکاری جائے سنتِ جُمعہ نہ پڑھنا۔

(2) مسجد میں جمع ہوکر اس پکارنے کا منتظر رہنا گویا سنتِ قبل الجمعہ کو اذان مؤذن کا محتاج کررکھا ہے کہ وہ صلاۃ پکار کر اجازت دے تو پڑھیں یہ بدعت ہے۔

(3) بغیر اس کے یہ سمجھا کہ سُنّتیں نہ ہوں گی۔

(4) نہ پکارنے کو گناہ جاننا۔

(5) نہ پکارنے سے نمازِ جُمعہ میں قصور سمجھنا۔

(6) نہ پکارنے والے کو تقلیدِ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باہر خیال کرنا۔

(7) معاذ اللہ اسے وہابی و بے ایمان گمان کرنا یہ (سات میں سے آخری) پانچوں اعتقادِ باطل وضلال ہیں، ان کے معتقدین پر توبہ فرض قطعی ہے اور ان ساتوں رسوم وخیالاتِ باطلہ کا ہدم و اعدام لازم ہے۔ (ج5،ص387)

سوال: نمازِ جُمعہ میں اذان کے بعد صلاۃ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اذان کے بعد صلاۃ تثویب ہے اور تثویب کو علماء نے ہر نماز میں مستحب رکھا ہے۔ (ج5،ص389)

سوال: ایک بار اذان ہوچکی، کسی دُوسرے شخص نے لاعلمی میں پھر اذان پڑھنا شروع کردی درمیان میں کسی ہمسایہ نے اطلاع دی کہ پڑھی جاچکی ہے اب یہ شخص معاً رک جائے یا اذان کو پُورا پڑھے؟

جواب: اگر مسجد مسجدِ محلہ ہے جہاں کے لئے امام و جماعت متعین ہے اور جماعت اولیٰ ہوچکی اور اب کچھ لوگ جماعت کو آئے اور ان کو اذان کی خبر نہ تھی اور شروع کی اور اطلاع ہوئی تو معاً رک جائے اور اگر مسجدِ عام ہے، مثلاً مسجدِ بازار وسرا واسٹیشن وجامع تو ہرگز نہ رُکے اذان پُوری کرے ممانعت جہالت ہے اور اگر مسجدِ محلّہ یا عام ہے اور جماعت اولیٰ ابھی نہ ہُوئی تو اختیار ہے چاہے رک جائے یا پُوری کرے اور اتمام (پوری کرنا) اولیٰ ہے۔ (ج5،ص396)

سوال: اقامت صف کے دہنی جانب کہی جائے یا بائیں، اس میں کوئی فضیلت دہنے بائیں کی ہے یا نہیں؟

جواب: اقامت امام کی محاذات میں (بالکل پیچھے) کہی جائے یہی سنت ہے وہاں جگہ نہ ملے تو دہنی طرف لفضل

الیمین علی الشمال (کیونکہ دائیں جانب کو بائیں پر فضیلت ہے) ورنہ بائیں طرف لحصول المقصود بکل
(کیونکہ مقصود ہر حال میں حاصل ہوتا ہے)۔ (...60)

سوال: جُمُعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی یا باہر؟ نیز خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازے پر ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد شریف میں ہے" عن السائب بن یزید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر" سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جُمُعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسے ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ (سنن ابی داؤد، ج 1، ص 155 ...)

اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو، اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیانِ جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔

یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ بعض صاحب جو" بین یدیہ "(اذان کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہونے) سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں غلط ہے، دیکھو حدیث میں" بین یدی "ہے اور ساتھ ہی" علی باب المسجد "(مسجد کے دروازے پر) ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چہرہ انور کے مقابل مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی بس اسی قدر" بین یدیہ "کے لئے درکار ہے۔ (ج 5، ص 398)

سوال: فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر دینے کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

جواب: بیشک فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے۔

(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے متعدد کتب احناف کے حوالے دیئے، جس میں سے دو درج ذیل ہیں)

فتاوٰی قاضی خان میں ہے" لا یؤذن فی المسجد "ترجمہ: مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔

(فتاوٰی قاضی خان، ج 1، ص 37 نولکشور لکھنؤ)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے" یکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القھستانی عن النظم "ترجمہ: یعنی نظم امام زندویسی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ (طحطاوی علی مراقی، ج 1، ص 107 نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) (ج 5، ص 398)

سوال: اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی

اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں اسی پر عمل لازم ہے یا رسم ورواج پر، اور جو رسم ورواج حدیث شریف واحکامِ فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث وفقہ کا حکم ہے یا رسم ورواج پر اڑا رہنا؟

جواب: ظاہر ہے کہ حکمِ حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اڑا رہنا مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہیے۔ (ج5،ص400)

سوال: نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو اُن سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہوگئی ہو؟

جواب: ظاہر ہے جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام فقہ کے خلاف نکلی ہو وہی نئی بات ہے اُسی سے بچنا چاہیے نہ کہ سنت وحکمِ حدیث وفقہ سے۔ (ج5،ص400)

سوال: مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف، اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار مؤذنوں کے فعل اگرچہ خلافِ شریعت وحدیث وفقہ ہوں؟

جواب: مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد حرام شریف مطاف ہی تک تھی مسلک متقسط علی قاری میں ہے "المطاف هو ما كان في زمنه صلى الله تعالى عليه وسلم مسجد" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں مسجد حرام مطاف تک ہی تھی۔

(المسلک المتقسط ،ص332، دارالکتاب العربیہ، بیروت)

تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد ومحل اذان تھا اور مسجد جب بڑھالی جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لئے مقرر تھی بدستور مستثنیٰ رہے گی ولہذا مسجد اگر بڑھا کر کنواں اندر کرلیا وہ بند نہ کیا جائے گا جیسے زمزم شریف، حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا ہرگز جائز نہیں۔

تو مکہ معظمہ میں اذان ٹھیک محل پر ہوتی ہے۔

مدینہ طیبہ میں خطیب سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ایک بلند مکبّرہ پر کہتے ہیں، طریق ہند کے تو یہ بھی خلاف ہوا اور وہ جو "بين يديه" وغیرہ سے منبر کے متصل ہونا سمجھتے تھے اس سے بھی رد ہوگیا تو ہندی فہم وطریقہ [illegible] حرم محترم سے جدا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ مکبّرہ قدیم سے ہے یا بعد کو حادث ہوا اگر قدیم ہے تو مثل منارہ ہوا کہ وہ اذان کے لئے مستثنیٰ ہے، اس کی نظیر موضعِ وضو وچاہ (کنواں) ہیں کہ قدیم سے جدا کردیئے ہوں نہ اس میں حرج نہ اس میں کلام، اور اگر حادث ہے تو

اس پر اذان کہنا بالائے طاق پہلے یہی ثبوت دیجئے کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کر دینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے قطعِ صف بلاشبہہ حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من قطع صفاً قطعه الله'' (جو صف کو قطع کرے اللہ اُسے قطع کر دے) رواه النسائي والحاكم بسند صحيح عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما۔

(سنن النسائی، ج1، ص94، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

نیز علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا نہ یہ کہ مکبّرہ کہ چار جگہ سے جگہ گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے بالجملہ اگر وہ جائز طور پر بنا تو مثل منارہ ہے جس سے مسجد میں اذان ہونا نہ ہوا اور ناجائز طور پر ہے تو اسے ثبوت میں پیش کرنا کیا انصاف ہے۔

اب ہمیں افعالِ مؤذنین سے بحث کی حاجت نہیں مگر جوابِ سوال کو گزارش کہ ان کا فعل کیا حجت ہو حالانکہ خطیب خطبہ پڑھتا ہے اور یہ بولتے جاتے ہیں جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لیتا ہے یہ بآواز ہر نام پر رضی اللہ عنہ کہتے جاتے ہیں جب وہ سلطان کا نام لیتا ہے یہ بآواز دُعا کرتے ہیں اور یہ سب بالاتفاق ناجائز ہے صحیح حدیثیں اور تمام کتابیں ناطق (دلالت کرتی) ہیں کہ خطبہ کے وقت بولنا حرام ہے۔

پھر کسی عاقل کے نزدیک اُن کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے نہ وہ علماء ہیں نہ علماء کے زیرِ حکم۔ (ج5، ص400)

سوال: سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں؟ کیا سنت اُس وقت مُردہ کہلائے گی جب اُس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے؟

جواب: بیشک احادیث میں سنت زندہ کرنے کا حکم اور اُس پر بڑے ثوابوں کے وعدے ہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من احیا سنتي، فقد احبني، ومن احبني كان معي في الجنة'' اللهم ارزقنا۔ جس نے میری سنت زندہ کی بیشک اُسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ سے محبت ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اے اللہ! ہمیں یہ رفاقت عطا فرما۔ رواه السجزي في الابانة والترمذي بلفظ من احب (اسے سجزی نے ابانۃ میں روایت کیا اور ترمذی نے ''من احب'' کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔) (جامع الترمذی، ج2، ص92، امین کمپنی، دہلی)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من احیا سنة من سنتي قد اميتت بعدي فان له من الاجر مثل اجور من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيئاً'' رواه الترمذي ورواه ابن ماجة عن عمرو بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه۔ جو میری کوئی سنت زندہ کرے کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دی ہو جتنے اس پر عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔ (جامع الترمذی، ج2، ص92، امین کمپنی، دہلی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من تمسك بسنتي عن فسادا متي فله اجر مائة شهيد'' رواه البيهقي في الزهد۔ جو فسادِ اُمت کے وقت میری سنت مضبوط تھامے اسے سَو شہیدوں کا ثواب ملے۔

اور ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنت کی جائے گی جو مُردہ ہوگئی اور سنت مُردہ جبھی ہوگی کہ اُس کے خلاف رواج پڑ جائے۔

(ج5،ص402)

سوال: علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنتِ مردہ زندہ کریں، اگر ہے تو کیا اُس وقت اُن پر یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم تھے، اگر یہ اعتراض ہو سکے گا تو سنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہوگی؟

جواب: احیاءِ سنت علما کا تو خاص فرضِ منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لئے حکم عام ہے ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے شہر یا کم از کم اپنی اپنی مساجد میں اس سنت (یعنی مسجد سے باہر اذان دینے) کو زندہ کریں اور سَو سَو شہیدوں کا ثواب لیں اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے یوں ہو تو کوئی سنت زندہ ہی نہ کر سکے۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی سُنتیں زندہ فرمائیں اس پر ان کی مدح ہُوئی نہ کہ الٹا اعتراض کہ تم سے پہلے تو صحابہ و تابعین تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (ج5،ص403)

سوال: جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اُس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائیگا یا نہیں؟

جواب: حوض کہ بانیِ مسجد نے قبلِ مسجدیت بنایا اگرچہ وسطِ مسجد میں ہو وہ اور اُس کی فصیل ان احکام میں خارج از مسجد ہے لانه موضع اعد للوضوء كما تقدم (کیونکہ یہ جگہ وضو کیلئے بنائی گئی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے)۔

سوال: جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہئے؟

جواب: لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اسے گوشۂ محراب میں رکھ کر محاذات ہو جائے گی اور اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار ہے تو اُسے قیامِ مؤذن کے لائق تراش کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں۔

(ج5،ص403)

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں جُمعہ کی اذانیں کہاں ہوتی تھیں، آیا پہلی اذان جو ہوتی ہے وہ کہاں ہوتی تھی اور دوسری جو اس زمانہ میں وقتِ خطبہ خطیب کے سامنے قریب منبر ہوتی ہے وہ کہاں ہوتی تھی اور اگر حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی "اذان علی باب المسجد" ہوتی تھی تو دوسری جو خطیب کے سامنے قریب منبر ہوتی ہے، کس کے حکم سے شروع ہوئی؟

جواب: زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صرف ایک اذان ہوتی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے حضور کے سامنے مواجہہ اقدس میں مسجد کریم کے دروازے پر۔

زمانہ اقدس میں مسجد شریف کے صرف تین دروازے تھے ایک مشرق کو جو حجرہ شریفہ کے متصل تھا جس میں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اس کی سمت پر اب بابِ جبریل ہے، دوسرا مغرب میں جس کی سمت پر اب باب الرحمۃ ہے، تیسرا شمال میں جو خاص محاذیِ منبر اطہر تھا، اس دروازے پر اذانِ جُمُعَہ ہوتی تھی کہ منبر کے سامنے بھی ہوئی اور مسجد سے باہر بھی۔

زمانہ صدیق اکبر وعمر فاروق وابتدائے خلافتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی ایک اذان ہوتی رہی جب لوگوں کی کثرت ہوئی اور شتابی (جلدی) حاضری میں قدرے کسل واقع ہوا (سستی واقع ہوئی) امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اذان شروع خطبہ سے پہلے بازار میں دلوانی شروع کی، مسجد کے اندر اذان کا ہونا ائمہ نے منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے اور خلافِ سنت ہے، یہ نہ زمانہ اقدس میں تھا نہ زمانہ خلفائے راشدین نہ کسی صحابی کی خلافت میں، نہ تحقیق معلوم کہ یہ بدعت کب سے ایجاد ہوئی نہ ہمارے ذمہ اس کا جاننا ضرور، بعض کہتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک مروانی بادشاہ ظالم کی ایجاد ہے واللہ تعالیٰ اعلم بہر حال جبکہ زمانہ رسالت وخلافت ہائے راشدہ میں نہ تھی اور ہمارے ائمہ کی تصریح ہے کہ مسجد میں اذان نہ ہو مسجد میں اذان مکروہ ہے تو ہمیں سنت اختیار کرنا چاہئے بدعت سے بچنا چاہئے اس تحقیقات سے پہلے کہ سنت پہلے کس نے بدلی، اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو توفیق دے کہ اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی سنت اور اپنے فقہائے کرام کے احکام پر عامل ہوں اور ان کے سامنے رواج کی آڑ نہ لیں۔

(ج5ص405)

سوال: اذان جو خارجِ مسجد کہنا مسنون ہے، اگر اس سنت کو قائم کرنے میں فتنہ ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: یہاں دو چیزیں ہیں ایک اتیانِ معروف واجتناب منکر (نیک کام کرنا اور برائی سے بچنا)، دوسرے امر بالمعروف ونھی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا)۔

مسجد میں اذان دینا ممنوع ہے اور اس میں دربارِ الٰہی کی بے ادبی ہے تو جو مسجد اپنی ہے اس میں خود مخالفتِ سنتِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وارتکاب بے ادبیِ دربارِ عزت کا مؤاخذہ اس کی ذات پر ہے اور جو مسجد پرائی ہے اوروں کا اس میں اختیار ہے اُس کا مواخذہ اُن پر ہے اس کے ذمے صرف انکار رکھا گیا ہے کہ ازالہ منکر پر قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کردے اور اس میں

بھی فتنہ وفساد ہوتو دل سے بُرا جانے، پھراُن کے فعل کا اس سے مطالبہ نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾

ترجمہ: کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ، وذلک اضعف الایمان" "تم میں سے جب کوئی بُرائی دیکھے تو ہاتھ سے اُسے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

(سنن النسائی، ج 2، ص 265، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

اور جس طرح یہ دوسروں کو حکمِ شرع ماننے پر مجبور نہیں کرسکتا یوں ہی دوسرے حکمِ شرع کی مخالفت پر اسے مجبور نہیں کرسکتے، یہ اپنے نزدیک جو طریقہ اپنے رب کی عبادت اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباعِ سنت کا اپنی کتبِ دینیہ سے جانتا ہے دوسرا اگر اس میں مزاحمت کرے گا اور فتنہ وفساد اُٹھائے گا تو اس کا ذمہ دار وہ دوسرا ہوگا حکومت ہر مفسد کا ہاتھ پکڑنے کو موجود ہے اُس کے ذریعہ سے بندوبست کراسکتا ہے، ہاں اگر یہ صورت بھی ناممکن ہوتی اور مفسدوں کا خوف حدِ مجبوری تک پہنچاتا تو حالتِ اکراہ تھی اس وقت اس پر مؤاخذہ نہ ہوتا۔

بالجملہ دوسروں کو حکم کرنا اُن کی سرکشی وفتنہ پردازی کے وقت مطلقاً ساقط ہوجاتا ہے کما نص علیہ فی الھندیۃ وغیرھا اور خود عمل کرنا اس وقت ساقط ہوگا جب یہ بذریعہ حکومت بھی بندوبست نہ کرسکے اور حقیقی مجبوری ہوکر استطاعت اصلاً نہ رہے۔

باوصفِ قدرت بندوبست واستعانت بحکومت (حکومت کے ذریعے بندوبست کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود) مجرد (صرف) خوف یا کاہلی یا خودداری یا رورعایت یا نئی تہذیب یا صلح کل کی پالیسی سے اتباعِ شرع چھوڑ بیٹھنا جائز نہیں ہوسکتا۔

اسے یوں خیال کریں کہ مفسدین آج اس امر کے لئے کہتے ہیں کل کو اگر انہوں نے خود نماز پر فتنہ اٹھایا تو کیا نماز بھی چھوڑ دے گا، نہیں نہیں بلکہ اس پر خیال کرے کہ مفسدوں نے کہا کہ اپنا مکان خالی کردو ورنہ ہم فساد کرتے ہیں یا اپنی جائداد کا ہبہ نامہ لکھ دو ورنہ ہم فتنہ اٹھاتے ہیں (تو) اس وقت اُن کا کچھ بندوبست کرے گا یا چپکے سے جائداد ومکان چھوڑ بیٹھے گا، جو جب کرے گا وہ اب کرے اور اتباعِ احکامِ شرع کو مکان وجائداد سے ہلکا نہ جانے، ہاں دوسروں کے سر چڑھنے اور فتنہ فساد کے اُٹھانے کی اجازت نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ ترجمہ: فتنہ قتل سے بدتر ہے۔ (ج 5، ص 406)

سوال: اذانِ ثانی جُمعہ خارجِ مسجد صحن کے نیچے جوتے اتارنے کی جگہ اگر کہی جائے تو اس میں کچھ حرج ہے یا بابِ

6/6

مسجد پر ہی ہونا ضروری ہے؟

جواب: صحنِ مسجد کے نیچے جو جگہ خلعِ نعال (جوتے اتارنے) کی ہے خارجِ مسجد ہے اُس میں اذان بے تکلف مطابقِ سنّت ہے علی الباب ہونا کچھ ضرور نہیں۔ (ج5،ص408)

سوال: جُمعہ کی اذانِ ثانی محراب میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ محراب خارجِ مسجد ہے اسی وجہ سے اس میں امام کا کھڑا ہونا جائز نہیں، کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: محرابِ مسجد وہ طاق ہے کہ دیوارِ قبلہ کے وسط میں بنتا ہے اس میں اذان ہونے کے کوئی معنی نہیں نہ اس میں محاذاتِ خطیب (خطیب کے سامنا) ہو۔ ان میں امام کا کھڑا ہونا ناجائز نہیں ہاں خلافِ سنّت ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ زمینِ مسجد نہیں بلکہ اس لئے کہ امام اور جملہ مقتدیوں کا درجہ بدلا ہوا ہونا خلافِ سنّت ہے کمافی شرح النقایة (جیسا کہ شرح نقایہ میں ہے)۔ (ج5،ص408)

سوال: ہماری مسجد میں جو شخص نمازِ جُمعہ پڑھاتے ہیں وہ خطبہ کے وقت اذان مسجد کے اندر دلوایا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری اذان جُمعہ کی خطبہ کے وقت خلیفہ ہشام نے مسجد کے اندر لوگوں سے دلوانا شروع کی ہے وہ بدعتِ حسن ہے یعنی وہ بدعت سیئہ نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمیشہ اذان کا مسجد کے دروازہ پر ہونا ثابت نہیں ہے اس وجہ سے جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں ان کو منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ بدعتِ حسن کرتے ہیں، اس کی یہ باتیں درست ہیں یا نہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مسجد کے اندر اذان دلوانا کبھی ایک بار کا بھی ثابت نہیں، جو لوگ اس کا دعوٰی کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افترا کرتے ہیں، ہشام سے بھی اس (جُمعہ کی) اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ہرگز ثابت نہیں البتہ پہلی اذان کے نسبت بعض نے لکھا ہے کہ اُسے ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا اور اس کے بھی یہ معنی نہیں کہ مسجد کے اندر دلوائی بلکہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پہلی اذان دلواتے تھے ہشام نے مسجد کے منارہ پر دلوائی، رہی یہ دوسری اذانِ خطبہ، اس کی نسبت تصریح ہے کہ ہشام نے اس میں کچھ تغیر نہ کیا اُسی حالت میں باقی رکھی جیسی زمانہ رسالت وزمانہ خلافت میں تھی۔

ہاں وہ جمہور مالکیہ کہ اذان ثانی کو امام کی محاذات میں (سامنے) ہونا بدعت کہتے ہیں اور اس کا بھی منارہ پر ہی ہونا سنّت بتاتے ہیں، اُن میں بعض کے کلام میں واقع ہوا کہ سب میں سے پہلے اذانِ ثانی امام کے روبرو ہشام نے کہلوائی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں یہ اذان بھی محاذاتِ امام نہ ہوتی تھی منارہ ہی پر تھی، پھر اس سے کیا ہوا، غرض ہشام بیچارے سے بھی ہرگز اس کا ثبوت نہیں کہ اس نے اذانِ خطبہ مسجد کے اندر منبر کے برابر کہلوائی ہو جیسی اب کہی جانے

لگی اس کا کچھ پتا نہیں کہ کس نے یہ ایجاد نکالی۔

اوراگر ہشام سے ثبوت ہوتا بھی تو اس کا قول وفعل کیا حجت تھا، وہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام باقر کے بھائی سیدنا امام زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کرایا سُولی دلوائی اور اس پر یہ شدید ظلم کہ نعش مبارک کو دفن نہ ہونے دیا برسوں سُولی پر رہی جب ہشام مرگیا تو نعش مبارک دفن ہُوئی ان برسوں میں بدن مبارک کے کپڑے گل گئے تھے قریب تھا کہ بے ستری ہو اللہ عزوجل نے مکڑی کو حکم فرمایا کہ اس نے جسم مبارک پر ایسا جالا تان دیا کہ بجائے تہبند ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعض صالحین نے دیکھا کہ امامِ مظلوم زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سولی سے پشتِ اقدس لگائے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کچھ کیا جاتا ہے میرے بیٹوں کے ساتھ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنّت کے خلاف ایسے ظالم کی سنّت پیش کرنا اور پھر امام اعظم وغیرہ ائمہ پر اس کی تہمت دھرنا کہ ان اماموں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کی سنّت چھوڑ کر ظالم بادشاہ کی سنّت قبول کرلی، کیسا صریح ظلم اور ائمہ کرام کی شان میں کیسی بڑی گستاخی ہے اللہ عزوجل پناہ دے، اس کے بدعتِ حسنہ ہونے کا دعوٰی محض باطل و بے اصل ہے۔ (چند وجوہ سے):

(1) بدعتِ حسنہ سنّت کو بدلا نہیں کرتی اور اس نے سنّت کو بدل دیا۔

(2) مسجد میں اذان دینی مسجد و دربارِ الٰہی کی گستاخی و بے ادبی ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں ادب میں طریقۂ معہودہ فی الشاہد (حالیہ معروف طریقے) کا اعتبار ہوتا ہے۔

اب دیکھ لیجئے کہ درباروں میں درباریوں کی حاضری پکارنے کا کیا دستور ہے، کیا عین دربار میں کھڑے ہوکر چوبدار چلاتا ہے کہ دربار یو چلو، ہرگز نہیں، بے شک ایسا کرے تو بے ادب گستاخ ہے جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ یہی کچہریاں دیکھ لے، کیا ان میں مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضریاں کمرہ کے اندر پکاری جاتی ہیں یا کمرہ سے باہر جاکر، کیا اگر چپڑاسی خاص کمرہ کچہری میں کھڑا ہوا حاضریاں پکارے چلائے تو بے ادب گستاخ بنا کر نہ نکالا جائے گا؟ افسوس جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کرسکتے احکم الحاکمین جل جلالہ کے دربار میں روا رکھو۔

(3) مسجد میں چلّانے سے خود حدیث میں ممانعت ہے اور فقہا نے یہ ممانعت ذکرِ الٰہی کو بھی عام رکھی جب تک شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہو۔

نہ کہ اذان کہ یہ تو خالص ذکر بھی نہیں کما فی البنایة شرح الهدایة للامام العینی (جیسا کہ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تصریح کی ہے)۔

(4) بلکہ شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا جس کے لئے مساجد کی بنا نہ ہو صحیح مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد، فلیقل لاردها اللّٰہ علیك، فان المساجد لم تبن لهذا" جو گمی ہوئی چیز کو مسجد میں دریافت کرے اس سے کہو اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے، مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔ (صحیح مسلم، ج 1، ص 210، قدیمی کتب خانہ)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار میں ہے "کرہ انشاد ضالة" (مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش مکروہ ہے)۔

تو اگر کسی کا مصحف شریف گم ہو گیا اور وہ تلاوت کے لئے ڈھونڈتا اور مسجد میں پوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں، اگر اذان دینے کے لئے مسجد کی بنا ہوتی تو ضرور حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کے لئے بنی زمانہ اقدس میں اُسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو، یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا۔

(5) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ کبھی کبھی سنت کو ترک فرماتے کہ اس کا وجوب نہ ثابت ہو ترک کا جواز معلوم ہو جائے ولہذا علمانے سنت کی تعریف میں "مع الترك احیانا" ماخوذ کیا کہ ہمیشہ کیا مگر کبھی کبھی ترک بھی فرمایا اور یہاں اصلاً ایک بار بھی ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو جو مدعی ہو ثبوت دے۔

(6) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ فرمایا۔ اور حنفیہ کے یہاں مطلق کراہت سے غالباً مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جب تک اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور بیانِ خلاف پر دلیل درکنار اس کے موافق دلیل موجود ہے کہ یہ گستاخی دربار معبود ہے۔

(7) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے سے بصیغہ نفی منع فرمایا کہ صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہے۔ فقہا کا یہ صیغہ غالباً اُس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ان وجوہ پر نظرِ انصاف کے بعد مجموع سے کم از کم اتنا ضرور ثابت کہ مسجد کے اندر اذان بدعت سیئہ ہے ہرگز حسنہ نہیں۔

(ج 5، ص 409)

سوال: اذان میں جس وقت مؤذن حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح کہے تو سامع کو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہئے؟

جواب: حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح دونوں کے جواب میں لا حول ولاقوۃ الا باللّٰہ کہنا چاہئے، اور

بعض اوّل کے جواب میں یہی لاحول اوردوم کے جواب میں ماشاء اللّٰہ کان و مالم یشأ لم یکن (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا) کہتے ہیں، اورافضل یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے جواب میں کہے حی علی الصلاۃ لاحول و لاقوۃ الا باللّٰہ اور حی علی الفلاح کے جواب میں کہے حی علی الفلاح لاحول و لاقوۃ الاباللّٰہ ماشاء اللّٰہ کان و مالم یشألم یکن۔

سوال: اذان میں حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح کے وقت مؤذن دائیں بائیں رُخ کرتا ہے آیا اقامت میں بھی دائیں بائیں رُخ کرنا سنّت ہے یا نہیں؟

جواب :علماء نے اقامت میں بھی دہنے بائیں منہ پھیرنے کا حکم دیا ہے اور بعض نے اسے اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ کچھ لوگ اِدھر اُدھر منتظرِ اقامت ہوں۔ (ج5،ص413)

سوال:اشھد ان محمدارسول اللّٰہ جواذان واقامت میں واقع ہے اُس میں انگوٹھوں کا چُومنا جو مستحب ہے اگر کوئی شخص باوجود قائل ہونے استحباب کے احیاناً (کبھی کبھی) عمداً ترک کرے تو وہ شخص قابلِ ملامت ہے یا نہیں؟

جواب: جبکہ مستحب جانتا ہے اور فاعلون پر اصلاً ملامت روانہیں جانتا فاعلون پر ملامت کرنے والوں کو بُرا جانتا ہے تو خود اگر احیاناً کرے احیاناً نہ کرے ہرگز قابلِ ملامت نہیں فان المستحب ھذا شانہ (کہ مستحب کا درجہ و مقام یہی ہے)۔

(ج5،ص414)

سوال: حضورپُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سُن کر انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر لگانا کیسا ہے؟

جواب: جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ کوئی ممانعتِ شرعی نہ ہو مثلاً حالتِ خطبہ میں یا جس وقت قرآن مجید سُن رہا ہے یا نماز پڑھ رہا ہے ایسی حالتوں میں اجازت نہیں، باقی سب اوقات میں جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ بہ نیتِ محبت و تعظیم ہو اور تفصیل ہمارے رسالہ منیر العین میں ہے۔ (ج5،ص415)

سوال: اذان کے وقت انگوٹھے چُومنا اس کا جو طریقہ ہو اور دعا وغیرہ اور جس جس موقع پر کیا جائے بیان فرمادیں؟

جواب: جب مؤذن پہلی بار اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ کہے یہ کہے صلی اللّٰہ علیك یارسول اللّٰہ جب دوبارہ کہے یہ کہے قرۃ عینی بك یارسول اللّٰہ اور ہر بار انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں سے لگالے آخر میں کہے اللھم متّعنی بالسمع و البصر (اے اللہ! میری آنکھوں اور سمع کو نفع عطا فرما)۔ (ج5،ص415)

سوال: ہمارے یہاں دستور ہے کہ نمازِ عیدین سے پہلے دو شخص کھڑے ہو کر کانوں میں انگلیاں دے کر الصلوۃ یرحمکم اللّٰہ الصلوۃ کئی مرتبہ پڑھتے ہیں آیا یہ فعل جائز ہے یا بدعت، رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فعل منقول ہے یا

نہیں؟

جواب: جائز ہے کہ منع نہیں اگر چہ منقول نہ ہو جیسے تثویب۔

نہیں نہیں بلکہ خود صاحب شریعت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے منقول کہ عیدین میں مؤذن کو حکم فرماتے کہ الصلاۃ جامعۃ پکارے۔روی الامام الشافعی عن الزھری قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم یامر المؤذن فی العیدین فیقول الصلاۃ جامعۃ ''امام شافعی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عیدین کے لئے مؤذن کو حکم دیتے تھے،تو وہ کہتے تھے الصّلوۃ جامعۃ (جماعتِ نماز تیار ہے)۔ (الام الامام الشافعی،ج1،ص235،دارالمعرفہ،بیروت)

لا جرم (بالیقین) علمائے کرام نے بالاتفاق عیدین میں صلاۃ پکارنا مستحب فرمایا۔۔وہ الفاظ کہ سائل نے ذکر کئے الصلاۃ یرحمکم اللّٰہ (نماز پڑھو اللہ تم پر رحم کرے) انہیں کے معنی میں ہیں پس بدعت نہیں مستحب ہیں۔ (ج5،ص415)

سوال: رسولِ خدا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود شریف ہم پڑھتے ہیں لیکن ہاتھوں کو چومتے نہیں،ایک شخص کہتا ہے کہ جو ہاتھ نہ چومے وہ مردود و ملعون ہے،اب گزارش ہے کہ ہاتھ چومنا کیسا ہے؟ اگر چومنا منع ہے تو وہ شخص کہ جو نہ چومنے والوں کو کلماتِ مندرجہ بالا کہتا ہے اُس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نامِ اقدس اذان میں سُن کر انگوٹھے چومنا مستحب ہے اچھا ہے ثواب ہے کما فی کنز العباد و جامع الرموز وردالمحتار وغیرھا (جیسا کہ کنز العباد،جامع الرموز اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے) مگر فرض واجب نہیں کہ نہ کرنے سے گناہ ہو اور صرف اس قدر پر مردود و ملعون کہنا سخت باطل و مردود ہے ہاں جو بر بنائے وہابیت اسے بُرا جان کر نہ چومے تو وہابی ضرور مردود و ملعون ہے۔ (ج5،ص417)

سوال: تکبیر مؤذن کا حق ہے اس کی اجازت کے بغیر دوسرا نہ کہے،بعض اساتذہ کے حوالے سے میں نے یہ سنا ہے کہ اگر امام غیر مؤذن کو کہہ دے ''تکبیر پڑھ'' تو بھی بلا کراہت یہ جائز ہے،کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

جواب: اگر مؤذن موجود ہے تو اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا تکبیر نہ کہے اور امام کے لئے بھی مناسب نہیں کہ شرعی عذر کے بغیر کسی دوسرے کو تکبیر کے لئے کہے،شرعی عذر مثلاً اس کی اقامت لحن (غلطی) پر مشتمل ہو،اجازتِ مؤذن کے بغیر اقامت کہنا مناسب نہیں کہ شاید وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔ (ج5،ص418)

سوال: زید کہتا ہے کہ عید اور جُمعہ کے موقع پر اگر مکبر اجازتِ امام کے بغیر تکبیر (یعنی پیچھے آواز پہنچانے کے لئے بلند آواز سے) کہہ دے تو اس کے قول پر عمل جائز نہیں اور اس کی تکبیر پر رکوع و سجدہ کرنے والے کی نماز باطل ہُوئی،کیا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں، ضرورت کے موقع پر تبلیغ (پیچھے آواز پہنچانا) جائز ہے اگرچہ امام اجازت نہ دے بلکہ وہ منع بھی کردے تب بھی جائز ہے۔ (ج5،ص418)

سوال: جب جماعت کے لئے تکبیر کہی جائے تو امام اور مقتدیوں کو تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا جب حی علی الفلاح مکبّر کہے تب کھڑے ہوں اور مقتدی و امام اس میں یعنی قیام و قعود میں مساوی ہیں یا ہر ایک کے واسطے جداگانہ حکم ہے، مثلاً جو کہے کہ مقتدی بیٹھے رہیں اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں لیکن امام فوراً جب تکبیر شروع ہو کھڑا ہو جائے اس کا قول صحیح ہے یا غلط؟

جواب: حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں جس نے کہا امام فوراً کھڑا ہو جائے غلط کہا، حوالہ وہ دے۔ (ج5،ص418)

سوال: اس مسئلہ میں کہ مسجد کے حجرہ میں امام ہو اور تکبیر مکبّر شروع کردے اب امام حجرہ سے روانہ ہو ختمِ تکبیر سے پہلے حی علی الفلاح کے وقت یا بعدِ ختمِ تکبیر مصلّے پر پہنچ جائے، اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

جواب: اس صورت میں کوئی حرج نہیں نہ امام مکبّر کا پابند ہو سکتا ہے بلکہ مکبر کو امام کی پابندی چاہئے حدیث میں ہے ''المؤذن املك بالاذان والامام املك بالاقامة'' (اذان کا اختیار مؤذن کو ہے اور اقامت کا اختیار امام کو)۔

(کنز العمال، ج7،ص694،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اور اگر وہ تکبیر ہوتے میں چلا تو اُسے بیٹھنے کی بھی حاجت نہیں مصلّے پر جائے اور حی علی الفلاح یا ختمِ تکبیر پر تکبیر تحریمہ کہے، یوں ہی بعدِ خطبہ اُسے اختیار ہے، کہیں منقول نہیں کہ خطبہ فرما کر تکبیر ہونے تک جلوس فرماتے یہ حکم قوم کے لئے (ہے)۔ (ج5،ص419)

سوال: تکبیر سے پہلے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور کچھ لوگ کھڑے ہوں تو کیا تکبیر شروع ہوتے ہی سب کو کھڑا ہو جانا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے، اگر بیٹھے رہیں تو کس لفظ پر کھڑا ہونا چاہئے، اگر تکبیر شروع ہوتے ہی فوراً کھڑے ہو جائیں، کچھ حرج تو نہیں؟

جواب: تکبیر کھڑے ہو کر سُننا مکروہ ہے، یہاں تک کہ علما نے فرمایا ہے کہ اگر تکبیر ہو رہی ہے اور مسجد میں آیا تو بیٹھ جائے اور جب مکبّر حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت سب کھڑے ہو جائیں۔ (ج5،ص419)

سوال: مسجد میں بلا اذان جماعتِ نماز درست ہے یا نہیں؟ اور تنگ وقت کی وجہ سے صرف تکبیر جماعت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

جواب: بلا اذان جماعتِ اولیٰ مکروہ و خلافِ سنّت ہے، ہاں وقت ایسا تنگ ہو گیا ہو کہ اذان کی گنجائش نہ ہو تو مجبورا

نہ خود ہی چھوڑی جائے گی۔

(ج5،ص419)

سوال: اذان سنّت ہے یا واجب؟

جواب: جُمعہ و جماعتِ پنجگانہ کے لئے اذان سنّتِ مؤکدہ وشعارِ اسلام وقریب بواجب ہے۔

(ج5،ص420)

سوال: تکبیر واجب ہے یا سنّت؟

جواب: یوں ہی تکبیر بھی۔

(ج5،ص420)

سوال: اذان نابالغ دے تو جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: نابالغ اگر عاقل ہے اور اس کی اذان اذان سمجھی جائے تو جائز ہے۔

(ج5،ص420)

سوال: مصلّی پر امام نہ ہو تو تکبیر جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: جب امام مسجد میں بہ تہیہ نماز آئے تو تکبیر کہہ سکتے ہیں اگر چہ مصلّے تک نہ پہنچے۔

(ج5،ص420)

سوال: زید بہت ہی پکا سُنّی ہے اہلسنّت کے طریقہ پر قدم بقدم چلتا ہے ایک ذرّہ بھی وہابیت کا نقص نہیں پایا جاتا وہابیوں سے متنفر رہتا ہے الغرض عقائد میں کسی قسم کی خرابی نہیں ایسے شخص کو بکر وہابی و کافر کہتا ہے چونکہ بکر نے زید کو بوقتِ اذان کے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نامِ مبارک پر انگشت کو بوسہ لیتے ہوئے اور درود شریف بآوازِ بلند پڑھتے ہوئے نہ دیکھا، زید کہتا ہے کہ اذان کا جواب دینا اور درود شریف حضور کے نام مبارک پر اس وقت پڑھنا دل میں چاہئے لہذا میں دل میں پڑھتا ہوں اور جوابِ اذان دیتا ہوں اور زید انگشت چُومنے سے انکار بھی نہیں کرتا ہے۔

جواب: اگر یہ بیان واقعی ہے تو زید کو وہابی کہنا جائز نہیں اور اسے خارج از اسلام ٹھہرانا سخت اشد کبیرہ ہے بکر پر توبہ فرض ہے اور اس وقت درود شریف دل میں پڑھنے سے اگر زید کی مراد یہ ہے کہ زبان سے نہ پڑھا جائے تو غلط ہے زبان سے پڑھنا لازم ہے اور بآواز ہونا مستحب ہے کہ اوروں کو بھی ترغیب وتذکیر ہو اور اس پر درود شریف نہ پڑھنے کی بدگمانی نہ ہو۔

سوال: تکبیر کے شروع ہونے کے وقت امام ومقتدی کو کھڑا رہنا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے؟

جواب: امام کے لئے اس میں کوئی خاص حکم نہیں، مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سُنیں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں، کھڑے کھڑے تکبیر سُننا مکروہ ہے یہاں تک کہ عالمگیری میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت میں مسجد میں آئے کہ تکبیر ہو رہی ہو فوراً بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو اور اس میں راز مکبر کے اس قول کی مطابقت ہے کہ قد قامت الصلاۃ، ادھر اس نے حی علی الفلاح کہا کہ آؤ مراد پانے کو، جماعت کھڑی ہوئی اس نے کہا قد قامت الصلاۃ جماعت قائم ہوگئی۔

(ج5،ص420)

سوال: اذان کے بعد اور جماعت سے ذرا قبل الصلوٰۃ و السلام علیک یارسول اللہ الصلوٰۃ و السلام علیک یاحبیب اللہ پڑھنا آواز بلند چاہئے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ صلاۃ وسلام پڑھنے سے اذان کی حیثیت گھٹتی ہے کوئی ضرورت نہیں ہے جواب سے مشرف فرمایا جائے۔

جواب: پڑھنا چاہئے اور صلاۃ وسلام سے اذان کی حیثیت بڑھتی ہے کہ وہ اعلام (اعلان) کے لئے تھی اور یہ اسی کی ترقی ہے۔ (ج5،ص421)

سوال: ایک شخص وہابی ہے یا ان کا ہم خیال ہے اگر وہ اذان دے سُنّی کی مسجد میں تو اس کا جواب سُنّی دے یا نہیں؟ اور جب سُنّی اس مسجد میں نماز کے کیلئے جائے تو اپنی اذان کہے یا اس کی اذان پر اکتفا کرے اور دوسری اذان نہ کہے؟

جواب: اسمِ جلالت پر کلمہ تعظیم اور نامِ رسالت پر درود شریف پڑھیں گے اگر چہ یہ اسمائے طیبہ کسی کی زبان سے ادا ہوں، مگر وہابی کی اذان اذان میں شمار نہیں جواب کی حاجت نہیں، اور اہلسنت کو اُس پر اکتفا کی اجازت نہیں بلکہ ضرور دوبارہ اذان کہیں، درمختار میں ہے"ویعاداذان کافر وفاسق"(کافر اور فاسق کی اذان لوٹائی جائے)۔ (ج5،ص421)

سوال: صلاۃ جو بعدِ اذان بلفظ الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھی جاتی ہے، زید کہتا ہے کہ یہ فعل نہ فرض ہے نہ واجب، نہ مستحب، بلکہ قرآن شریف اور حدیث شریف کے باہر ہے اور شارعِ اسلام کے خلاف ہے۔ زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کو امام بنانا چاہئے یا نہیں؟

جواب: مخالف جھوٹا ہے اور شریعتِ مطہرہ پر افترا کرتا ہے ثبوت دے شرع مطہر نے اسے کہاں منع فرمایا ہے کہ خلافِ شرع کہتا ہے، ہاں وہ فرداً مستحب ہے اور اصلاً فردِ فرض ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلٰٓـئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ بیشک اللہ اور اس کے سب فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر، اے ایمان والو! درود بھیجو ان پر اور خوب سلام عرض کرو (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

رب عزوجل کا حکم مطلق ہے اس میں کوئی استثناء فرمادیا ہے کہ مگر اذان کے بعد نہ بھیجو، جب پڑھا جائے گا اسی حکمِ الٰہی کا امتثال (اتباع) ہوگا فلہذا ہر بار درود پڑھنے میں ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے کہ سب اُسی مطلق فرض کے تحت میں داخل ہے تو جتنا بھی پڑھیں گے فرض ہی میں شامل ہوگا نظیر اس کی تلاوتِ قرآن کریم ہے کہ ویسے تو فرض ایک ہی آیت ہے اور اگر ایک رکعت میں سارا قرآن عظیم تلاوت کرے تو سب فرض ہی میں داخل ہوگا اور فرض ہی کا ثواب ملے گا سب ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (پس پڑھ قرآن سے جو تمہیں آسان ہے) کے اطلاق میں ہے آج کل ایسا انکار کرنے والے کوئی نہیں مگر وہابیہ اور وہابیہ کے پیچھے نماز باطلِ محض ہے۔ (ج5،ص422)

سوال: بروقتِ جماعت کے قبل جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو زید کہتا ہے کہ امام و مقتدی بیٹھ کر سُنیں، عمرو کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر سُننا چاہئے اور یہ رواج قدیم ہے اور یہ نئے مولویوں کی فتنہ انگیزی کی بات ہے۔

جواب: مسئلہ شرعیہ کو نئے مولویوں کی فتنہ انگریزی کہنا اگر براہِ جہالت نہ ہو کلمۂ کفر ہے کہ توہینِ شریعت ہے مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سُنیں جب مکبّر حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت کھڑے ہوں کہ اس کے اس قول کی مطابقت ہو جو وہ اس کے بعد کہے گا کہ قدقامت الصلاۃ جماعت کھڑی ہوئی یہاں تک کہ اگر تکبیر ہو رہی ہے اور اس وقت کوئی شخص باہر سے آیا تو یہ خیال نہ کرے کہ چند کلمات رہ گئے ہیں پھر کھڑا ہونا ہوگا بلکہ فوراً بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو۔

(ج5،ص422)

سوال: لوگ مسجد میں اذان کہہ دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد کی داہنی طرف یعنی جنوب کو اذان ہو اور مسجد کی بائیں طرف یعنی شمال کو تکبیر کہی جائے اور اور یہ بھی سُنا ہے کہ جماعت پر حق سبحانہ کی رحمت اول امام پر اور بعد اس کے صف اول کی داہنی جانب سے تمام پر شروع ہوتی ہے پھر دوسری تیسری صفوں پر آخر تک، صف کا دایاں بایاں کون سا ہوگا؟

جواب: مسجد میں اذان کہنا مطلق منع ہے۔

اذان کے لئے کوئی دہنی بائیں جانب مقرر نہیں، منارہ پر ہو جس طرف ہو اور جہاں منارہ یا کوئی بلندی نہیں وہاں فصیلِ مسجد پر اُس طرف ہو جدھر مسلمانوں کی آبادی زائد ہے اور دونوں طرف آبادی برابر ہو تو اختیار ہے جدھر چاہیں دیں۔

تکبیر میں مناسب یہ ہے کہ امام کے محاذی ہو ورنہ امام کی دہنی جانب کہ مسجد کی بائیں جانب ہوگی ورنہ جہاں بھی جگہ ملے۔

رحمتِ الٰہی پہلے امام پر اُترتی ہے پھر صفِ اول میں جو امام کے محاذی ہو پھر صف اول کے دہنے پر پھر بائیں صف پر پھر دوم میں امام کے محاذی پھر دوم کے دہنے پھر بائیں پر اسی طرح آخر صفوں تک۔ امام کا دہنا مسجد کا بایاں ہوتا ہے مسجد میں عمارت ہو یا نہ ہو کہ مسجد تابع کعبہ معظمہ ہے۔ (ج5،ص423)

سوال: مسجدوں کے دروازوں پر گھنٹہ لگا کر پنجوقتہ نمازوں کے وقت پر بجانا مشابہتِ کفار ہے یا نہیں؟

جواب: یہ سخت حرام اور ناپاک وملعون فعل کفار ملعونین سے پورا پورا تشبہ ہے۔ (ج5،ص424)

سوال: ایک مؤذن روزہ نہیں رکھتا کتنی ہی بار امام سے لڑنے پر آمادہ ہُوا امام سے کہا زیادہ بات کرے گا تو پٹک کر نالی میں ڈال دوں گا، ایک نمبر کا لالچی، گانے والا بھانڈ بھی، مسخرا، چور بھی، مسجد کے چار قفل چوری کیے، امام پر بہتان لگاتا ہے کہ تم مسجد کی لالٹین کا تیل چوری کرتے ہو حالانکہ کبھی نہیں دیکھا امام کہتا ہے اگر ثبوت مل جائے تو میرا ہاتھ کاٹ دو، بے حیا لڑاکا

فسادی ہے ایک روزہ دار مسافر کو بھی بہکاتا تھا لہذا اس مؤذن کے متعلق فتوے سے مطلع فرمائیں۔

جواب: اگر یہ باتیں واقعی ہیں تو وہ مؤذن سخت فاسق فاجر ہے اُسے مؤذن بنانے کی ہرگز اجازت نہیں اُسے معزول کرنالازم، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الامام ضامن والمؤذن مؤتمن" (امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے) رواہ ابوداود والترمذی وابن حبان والبیھقی عن ابی ھریرۃ واحمد عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسند صحیح (اسے ترمذی، ابن حبان اور بیہقی نے سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔ (جامع الترمذی، ج1،ص29، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور ظاہر ہے کہ فاسق امین نہیں ہوسکتا ولہذا مقصودِ اذان کہ اعلام باوقات نماز وسحری وافطار ہے فاسق کی اذان سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ (ج5،ص424)

سوال: مسجد میں نمازِ جماعت کے لئے اذانِ پنجوقتہ کیا اہمیت رکھتی ہے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ دو چار شخص جماعت سے نماز پڑھیں تو اذان ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد میں پانچوں وقت جماعت سے پہلے اذان سنّتِ مؤکدہ قریب بواجب ہے اور اس کا ترک بہت شنیع، یہاں تک کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کسی شہر کے لوگ اذان دینا چھوڑ دیں تو میں ان پر جہاد کروں گا، شہر میں اگر کچھ لوگ مکان یا دُکان یا میدان میں اذان نہ کہیں تو حرج نہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اذان الحی یکفینا" محلّہ کی اذان ہمیں کفایت کرتی ہے۔

یوں ہی مسافر کو ترکِ اذان کی اجازت ہے لیکن اگر اقامت بھی ترک کرے گا تو مکروہ ہوگا۔ (ج5،ص426)

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ نماز سے قبل صلاۃ پکارنا اور اذان ثانی باہر مسجد کے کہنا وہابیہ کا کام ہے اُس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نماز سے پہلے صلاۃ پکارنا مستحسن ہے حرمین شریفین وتمام بلاد دارالاسلام میں رائج ہے، اسے وہابیہ کا کام کہنا عجیب ہے وہابیہ ہی اسے بُرا کہتے ہیں، اذانِ ثانی امام کے سامنے منبر کے محاذی مسجد کے باہر ہونا ہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت ہے، صدیق اکبر کی سنّت ہے، فاروق اعظم کی سنّت ہے، اُسے وہابیہ کا کام کہنا محض جہالت وحماقت ہے اگر یہ شخص جاہل ہے کسی احمق سے سُنی سنائی ایسی کہتا ہے اُس کے مذہب میں کوئی فتور نہیں اور فاسق معلن بھی نہیں اور اس کی طہارت وقرأت صحیح ہے تو ان شرائط کے ساتھ اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں۔ (ج5،ص426)

سوال: اذان میں کلمہ اشھد ان محمداً رسول اللہ سن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟

جواب: حضور پُرنور شفیع یوم النشور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چُوم کرآنکھوں سے لگانا قطعاً جائز، جس کے جواز پر مقامِ تبرع میں دلائل کثیرہ قائم۔

اور خود اگر کوئی دلیلِ خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لئے دلیل کافی تھا، جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اُس کے ذمہ ہے کہ قائلِ جواز (جواز کا قول کرنے والا) متمسک باصل (اصل کے ساتھ دلیل پکڑنے والا) ہے اور متمسک باصل محتاجِ دلیل نہیں، پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشادِ علما وعملِ قدیم سلف صلحا سب کچھ موجود۔

علمائے محدثین نے اس باب میں حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر وحضرت ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا امام حسن وحسین وحضرت نقیب اولیائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا ابوالعباس خضر علی الحبیب الکریم علیہم جمیعا الصلاۃ والتسلیم وغیرہم اکابرِ دین سے حدیثیں روایت فرمائیں جس کی قدرے تفصیل امام علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مستطاب مقاصدِ حسنہ میں ذکر فرمائی اور جامع الرموز شرح نقایہ، مختصر الوقایۃ وفتاوی صوفیہ وکنز العباد وردالمحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتبِ فقہ میں اس فعل کے استحباب واستحسان کے صاف تصریح آئی۔ (ج5،ص430)

(مذکورہ بالا فرمان رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" کے شروع میں تھا اور اس کے آخر میں فرماتے ہیں)

حق اس میں اس قدر کہ فعلِ مذکور بحکم احادیث وبہ تصریحِ کتبِ فقہیہ مستحب ومندوب وامید گاہ فضلِ مطلوب وثواب مرغوب جو کتبِ علما وعملِ قدما وترغیب وارد پر نظر رکھ کر اُسے عمل میں لائے اُس پر ہرگز کچھ مواخذہ نہیں بلکہ ثواب مروی کی اُمید وار حسنِ ظن وصدقِ نیت باعث فضل جاوید۔

اور جو اُسکے مکروہ وممنوع وبدعت بتائے مبطل وخاطی علمائے کرام مقتدایان عام جب کسی منکر کو دیکھیں اُس کے سامنے ضرور ہی کریں کہ بد مذہب کا رد اور اُس کے دل پر غیظ اشد ہو جس طرح ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو نہر سے افضل مگر معتزلی منکرِ حوض کے سامنے حوض سے (وضو کرنا) بہتر (ہے)۔

جب ترکِ افضل اس نیت سے افضل (یعنی نہر میں وضو حوض میں وضو کرنے سے افضل تھا مگر معتزلی کہ حوض سے وضو کا انکار کرتا ہے اس کے جلانے کی نیت سے افضل یعنی نہر سے وضو کو ترک کرنا افضل ٹھہرا) تو مستحب ومندوب تو آپ ہی افضل۔
(ج5،ص579)

سوال: انگوٹھے چومنے کے بارے میں کچھ روایات اور اقوال ائمہ وفقہاء ارشاد فرمادیجئے۔

جواب: امام سخاوی المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ میں فرماتے ہیں "مسح العینین بباطن انملتی

السبابتین بعد تقبیلهما عندسماع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول اللّٰہ مع قوله اشهد ان محمدا عبده ورسوله رضیت باللّٰہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم نبیا ذکره الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه انه لماسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول اللّٰہ قال هذا وقبل باطن الانملتین السبابتین و مسح عینیه فقال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ عَلَیْهِ شَفَاعَتِیْ وَلَا یَصِحُّ ''یعنی مؤذن سے اشھد انّ محمداً رسول اللّٰہ سُن کر انگشتانِ شہادت کے پورے جانبِ باطن سے چُوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دُعا پڑھنا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْناً وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا، اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب اس جناب نے مؤذن کو اشھد انّ محمداً رسول اللّٰہ کہتے سُنا یہ دُعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چُوم کر آنکھوں سے لگائے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوجائے، اور یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت نام رکھتے ہیں۔

(المقاصد الحسنۃ، ص 384، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(امام سخاوی علیہ الرحمہ نے) پھر فرمایا ''عن الخضر علیه السلام انه قال من قال حین یسمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول اللّٰہ، مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبداللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، ثم یقبل ابهامیه ویجعلهما علی عینیه لم یرمد ابدا ''یعنی حضرت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کی کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص مؤذن سے اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ سن کر مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے پھر دونوں انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔ (المقاصد الحسنۃ، ص 384، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

پھر فرمایا ''وحکی الشمس محمد بن صالح نالمدنی امامها و خطیبها فی تاریخه عن المجد احد القدماء من المصریین، انه سمعه یقول من صلیعلی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اذاسمع ذکره فی الاذان، وجمع اصبعیه المسبحة والابهام وقبلها و مسح بهما عینیه لم یرمد ابدا ''یعنی شمس الدین محمد بن صالح مدنی مسجد مدینہ طیبہ کے امام وخطیب نے اپنی تاریخ میں مجد مصری سے کہ سلف صالح میں تھے نقل کیا کہ میں نے اُنہیں فرماتے سُنا جو شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سُن کر کلمہ کی اُنگلی اور انگوٹھا ملائے اور انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے اُس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔ (المقاصد الحسنۃ، ص 384، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

پھر فرمایا ''قال ابن صالح وانا وللّٰہ الحمد والشکر منذسمعة منهمااستعملته، فلم ترمد عینی وارجوان

عافیتهما تدوم وانی اسلم من العمی ان شاء الله تعالی ''یعنی امام ابن صالح نے فرمایا اللہ کے لئے حمد و شکر ہے جب سے میں نے یہ عمل اُن دونوں صاحبوں سے سُنا اپنے عمل میں رکھا آج تک میری آنکھیں نہ دُکھیں اور اُمید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہ ہوں گا اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

(المقاصد الحسنۃ، ص 384، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

شرح نقایہ میں ہے ''واعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة الثانية "صلى الله عليك يارسول الله" وعند الثانية منها "قرة عيني بك يارسول الله" ثم يقال "اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفرى الابهامين على العينين" فانه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكون قاعداً لهالى الجنة كذافى كنزالعباد ''یعنی خبردار ہو بیشک مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشهد ان محمداً رسول الله سنے صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ الله کہے اور دوسری بار قُرَّةَ عَيْنِيْ بِكَ يَارَسُوْلَ الله پھر انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَر کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اُسے جنت میں لے جائیں گے، ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔

(جامع الرموز، ج 1، ص 125، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس، ایران) (ج 5، ص 432)

سوال: زید کہتا ہے کہ ''انگوٹھے چومنے کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں ان کے بارے میں مقاصدِ حسنہ میں ہے ''لا يصح فى المرفوع من كل هذا الشئ'' یعنی بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں''

جـــواب: خادمِ حدیث پر روشن کہ اصطلاحِ محدثین میں نفیِ صحت نفیِ حسن کو بھی مستلزم نہیں نہ کہ نفیِ صلاح وصلوحِ تمسک، نہ کہ دعوٰیِ وضع کذب۔

تو عند التحقیق ان احادیث پر جیسے باصطلاحِ محدثین حکمِ صحت صحیح نہیں یونہی حکمِ وضع وکذب بھی ہرگز مقبول نہیں بلکہ بتصریحِ ائمہ فن کثرتِ طُرق سے جبرِ نقصان متصور (فنِ حدیث کے ائمہ کے تصریح فرمانے کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کثرتِ طرق کی وجہ سے ضعیف احادیث کی کمی پوری ہوگئی)،

اور عملِ علماً وقبولِ قُدما حدیث کے لئے قوی، (اس انگوٹھے چومنے والی حدیث کو علماء کے عمل اور ائمہ متقدمین کے قبول نے قوی بنا دیا)،

دیگر اور نہ سہی تو فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول،

اور اس سے بھی گزرے تو بلاشبہہ یہ فعل اکابرِ دین سے مروی ومنقول،

اور سلف صالح میں حفظِ صحتِ بصر (صحتِ بصارت کی حفاظت) وروشنائی چشم (آنکھوں کی روشنی) کے لئے مجرب اور معمول،

ایسے محل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہوتو اسی قدر سند کافی بلکہ اصلاً نقل بھی نہ ہوتو صرف تجربہ وافی کہ آخر اس میں کسی حکم شرعی کا ازالہ نہیں، نہ کسی سنتِ ثابتہ کا خلاف، اور نفع حاصل تو منع باطل،

بلکہ انصاف کیجئے تو محدثین کا نفی صحت کو احادیثِ مرفوعہ (وہ حدیث جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول فعل یا تقریر منقول ہو) سے خاص کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ احادیثِ موقوفہ (جو کسی صحابی پر موقوف ہوں) کو غیر صحیح نہیں کہتے پھر یہاں حدیث موقوف کیا کم ہے، ولہٰذا مولٰنا علی قاری نے عبارتِ مذکورہ کے بعد فرمایا "قلت واذاثبت رفعه الى الصديق رضى الله تعالىٰ عنه فيكفي للعمل به لقوله عليه الصلاة والسلام عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين" یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی اس فعل کا ثبوت عمل کو بس ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنّت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (الاسرار المرفوعہ ص 210، دار الکتب العلمیہ بیروت)

تو صدیق سے کسی شے کا ثبوت بعینہٖ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثبوت ہے اگر چہ بالخصوص حدیث مرفوع درجہ صحت تک مرفوع نہ ہو۔ (ج 5، ص 431)

اس جواب کا مفہوم وخلاصہ درج ذیل ہے:

(1) ان احادیث کے بارے میں علماء کا یہ فرمانا کہ یہ صحیح نہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ احادیث موضوع (گڑھی ہوئی) ہیں، بلکہ ضعیف ہونا بھی لازم نہیں آتا کیونکہ صحیح کے نیچے درجہ صحیح لغیرہ کا ہے، اس کے بعد حسن کا درجہ ہے، اس کے بعد حسن لغیرہ کا درجہ ہے اور جس طرح صحیح دلیل بنتی ہے اسی طرح اس کے نیچے باقی تین قسمیں بھی بالاتفاق دلیل بن سکتی ہیں۔

(2) اور بالفرض اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہیں تو کثرتِ طرق (ایک سے زیادہ اسناد ہونے) کی وجہ سے حسن لغیرہ ہوگئیں ہیں، اور یہ بھی بالاتفاق دلیل بن سکتی ہیں۔

(3) اگر بالفرض اس کو کثرتِ طرق کی وجہ سے قوت نہ بھی ملتی تب بھی علماء کے عمل نے اس کو قوت دے دی، کیونکہ علماء کا کسی حدیث پر عمل کرنا اس کو قوی بنا دیتا ہے۔

(4) اگر بالفرض یہ احادیث ضعیف ہیں اور کثرتِ طرق اور عملِ علماء ان کو قوت نہ بھی دیتے تب بھی انگوٹھے چومنے والے مسئلے میں ان کو دلیل بنایا جاسکتا ہے کیونکہ یہ فضائلِ اعمال سے ہے اور فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بھی بالاجماع مقبول ہوتی ہے۔

(5) اگر بالفرض انگوٹھے چومنے کے بارے میں کوئی روایت نہ بھی ہوتی تب بھی یہ عمل مستحب ہی ہوتا کہ اکابر ائمہ وعلماء سے مروی ومنقول ہے اور جسے مسلمان بالخصوص علماء وائمہ اچھا سمجھ کر کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہی ہے جیسا

کہ حدیث پاک میں ہے "ماراہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسنا" یعنی جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(6) اگر یہ سب نہ بھی ہوتا تب بھی اس کے جواز کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اسلاف میں سے منقول ہے کہ یہ عمل بصارت کے لئے مفید ہے اور مجرب (تجربہ شدہ) ہے اور اس میں کسی شرعی حکم کا خلاف لازم نہیں آرہا۔

(7) بلکہ محدثین کا یہ فرمانا کہ "اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں" تو اس سے پتا چلا کہ انہوں نے حدیث موقوف کی صحت کی نفی نہ کی۔ (مرفوع حدیث کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول فعل یا تقریر ہو اور حدیث موقوف کا مطلب ہے کہ کسی صحابی کا قول فعل یا تقریر ہو) جب حدیث موقوف صحیح اس بارے میں موجود ہے تو وہ بھی دلیل بن سکتا ہے۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ حدیث صحیح نہ ہونے کا معنی یہ نہیں کہ غلط ہے، تو پھر اس کا کیا معنی ہے؟

جواب: محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت و دشوار اور موانع وعلائق کثیر و بسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور اِن سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے، ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرمادیتے ہیں "یہ حدیث صحیح نہیں" یعنی اس درجہ عُلیا کو نہ پہنچی۔

اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حَسَن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حَسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتبِ صحاح بلکہ عند التحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد (سند پکڑنے) واحتجاج (حجت پکڑنے) کی پُوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اُسے صحیح نہیں کہتے برابر اُس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں۔

حلیہ شرح منیہ میں ہے "علی المشی علی مقتضی الاصطلاح الحدیثی لایلزم من نفی الصحة نفی الثبوت علی وجه الحسن" یعنی اصطلاحِ علمِ حدیث کی رُو سے صحت کی نفی حسن ہو کر ثبوت کی نافی نہیں۔

سند الحفاظ امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اذکارِ امام نووی کی تخریجِ احادیث میں فرماتے ہیں "من نفی الصحة لاینتفی الحسن" یعنی صحت کی نفی سے حدیث کا حسن ہونا منتفی نہیں ہوتا"

یہی امام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں "ھذا القسم من الحسن مشارك للصحیح فی الاحتجاج به وان کان دونه" یعنی حدیث حسن لذاتہ اگرچہ صحیح سے کم درجہ میں ہے مگر حجت ہونے میں صحیح کی شریک ہے۔

تو یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ صحتِ حدیث سے انکار نفی حسن میں بھی نص نہیں جس سے قابلیت احتجاج منتفی ہو نہ کہ صالح ولائقِ اعتبار نہ ہونا نہ کہ محض باطل وموضوع ٹھہرنا جس کی طرف کسی جاہل کا بھی ذہن نہ جائیگا کہ صحیح وموضوع دونوں ابتداء وانتہاء کے کناروں پر واقع ہیں، سب سے اعلیٰ صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور وسط میں بہت اقسامِ حدیث ہیں درجہ بدرجہ۔

(ج5،ص436)

سوال: حدیث کے مراتب اوران کے احکام ارشادفرمادیجئے۔

جواب: مرتبہ صحیح کے بعدحسن لذاتہٖ بلکہ صحیح لغیرہ پھرحسن لذاتہ، پھرحسن لغیرہ، پھرضعیف بضعف قریب اس حد تک کہ صلاحیتِ اعتبار باقی رکھے جیسے اختلاطِ راوی یاسُوءِ حفظ یا تدلیس وغیرہا،اوّل کے تین بلکہ چاروں قسم کوایک مذہب پر اسم ثبوت متناول (شامل) ہےاوروہ سب حجّ بہاہیں (یعنی ان سے دلیل پکڑی جاسکتی ہے)اورآخرکی قسم صالح، یہ متابعات وشواہد میں کام آتی ہےاورجابر (نقصان پورا کرنے والے) سے قوّت پاکرحسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہوجاتی ہے،اُس وقت وہ صلاحیت احتجاج وقبول فی الاحکام کا زیورگرانبہا (قیمتی زیور) پہنتی ہے، ورنہ دربارۂ فضائل (فضائل میں) تو آپ ہی مقبول وتنہا کافی ہے۔

پھردرجہ ششم میں ضعف قوی ووہن شدید (شدید کمزوری) ہے جیسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونابشرطیکہ،ہنوزسرحدِ کذب سے جُدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکناراعتبار کے بھی لائق نہیں، ہاں فضائل میں مذہبِ راجح پر مطلقاًاوربعض کے طور پر بعد انجبار بعدد مخارج وتنوع طرق (کثرتِ طرق سے نقصان پورا ہونے کی صورت میں) منصب قبول وعمل پاتی ہے،کماسَنُبَیِّنُہ اِن شاءاللّٰہ تعالیٰ (اِن شاءاللہ تعالیٰ عنقریب ان کی تفصیلات آرہی ہیں)

پھردرجہ ہفتم میں مرتبہ مطروح ہے جس کا مدار وضاع کذاب یامتہم بالکذب پر ہو، یہ بدترین اقسام ہے بلکہ بعض محاورات کے رُو سے مطلقاًاورایک اصطلاح پراس کی نوعِ اشد یعنی جس کا مدارکذب پرہوعین موضوع، یانظرِ تدقیق میں یوں کہیے کہ ان اطلاقات پرداخلِ موضوع حکمی ہے۔

ان سب کے بعددرجہ موضوع کا ہے، یہ بالاجماع نہ قابلِ انجبار (ایسی نہیں ہے کہ اس کا نقصان پوراہوسکے)، نہ فضائل وغیرہا کسی باب میں لائقِ اعتبار، بلکہ اُسے حدیث کہناہی توسع وتجوز (مجازاً) ہے،حقیقۃً حدیث نہیں محض مجعول وافتراہے، والعیاذ باللہ تبارک وتعالیٰ۔ وسيرد عليك تفاصيل جل ذلك ان شاء الله العلى الاعلیٰ (اس کی روشن تفاصیل ان شاءاللہ تعالیٰ آپ کے لئے بیان کی جائیں گی)

خیر بات دُور پڑتی ہے کہنااس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں تو انکارِصحت سے اثباتِ وضع

ماننا زمین وآسمان کے قلابے ملانا ہے، بلکہ نفی صحت اگر بمعنی نفیِ ثبوت ہی لیجئے یعنی اُس فرقہ محدثین کی اصطلاح پر جس کے نزدیک ثبوت صحت وحسن دونوں کوشامل، تاہم اُس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ صحیح وحسن نہیں نہ کہ باطل وموضوع ہے کہ حسن موضوع کے بیچ میں بھی دُور دراز میدان پڑے ہیں۔ (ج5،ص440)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں حدیث صحیح نہ ہونے سے مراد موضوع ہونا ہے۔

جواب: امام ابنِ حجر عسقلانی القول المسدد فی الذب عن مسند احمد میں فرماتے ہیں ''لا یلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا'' یعنی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

علی قاری موضوعات میں فرماتے ہیں ''لا یلزم عن عدم الصحة وجود الوضع کمالایخفی '' یعنی کھلی ہوئی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

اسی (موضوعات) میں روزِ عاشورہ سُرمہ لگانے کی حدیث پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا حکم ''لا یصح ھذا الحدیث '' (یہ حدیث صحیح نہیں) نقل کر کے فرماتے ہیں ''قلت لا یلزم من عدم صحته ثبوت وضعه وغایته انه ضعیف '' یعنی میں کہتا ہوں اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں، غایت یہ کہ ضعیف ہو۔

تنبیہ: بحمداللہ تعالیٰ یہاں سے ان متکلمین طائفہ منکرین کا جہل شنیع وزور فظیع (قبیح دھوکہ) بوضوح تام (مکمل وضاحت کے ساتھ) طشت از بام (ظاہر) ہوگیا، جو کلماتِ علما مثل مقاصد حسنہ ومجمع البحار وتذکرۃ الموضوعات ومختصر المقاصد وغیرہا سے احادیث تقبیلِ ابہامین (انگوٹھے چومنے کی احادیث) کی نفی صحت نقل کر کے بے دھڑک دعوٰی کر دیتے ہیں کہ اُن کے کلام سے بخوبی ثابت ہوا کہ جو احادیث انگوٹھے چُومنے میں لائی جاتی ہیں سب موضوع ہیں اور یہ فعل ممنوع وغیر مشروع ہے، سبحان اللہ کہاں نفیِ صحت کہاں حکمِ وضع، کیا مزہ کی بات ہے کہ جہاں درجات متعددہ ہوں وہاں سب میں اعلیٰ کی نفی سے سب میں ادنیٰ کا ثبوت ہوجائیگا، مثلاً زید کو کہیے کہ بادشاہ نہیں تو اُس کے معنی یہ ٹھہریں کہ نانِ شبینہ کو محتاج ہے، یا متکلمین طائفہ کو کہیے کہ اولیا نہیں تو اس کا مطلب یہ قرار پائے کہ سب کافر ہیں ولکن الوھابیة قوم یجھلون۔ (ج5،ص441)

سوال: جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اُسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل وموضوع بلکہ علما کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادح صحت (صحت میں عیب ڈالنے والی) ومانع حجیت بھی ہے یا نہیں، تفصیل مقام یہ کہ مجہول کی تین قسمیں ہیں:

اول مستور، جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

دوم مجہول العین، جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔

سوم مجہول الحال، جس کی عدالت ظاہری و باطنی کچھ ثابت نہیں۔

قسم اوّل یعنی مستور تو جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے، یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

اور دو قسم باقی کو بعض اکابر حجت جانتے جمہور مورثِ ضعف (باعثِ ضعف) مانتے ہیں۔

بلکہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بھی بہت محققین کی طرف نسبت فرمایا مقدمہ منہاج میں فرماتے ہیں ''المجھول اقسام مجھول العدالة ظاهراً و باطنا، ومجھولھا باطنا مع وجودھا ظاھرا وھو المستور، ومجھول العین، فاما الاول فالجمھور علی انه لایحتج به، وامّا الاخران فاحتج بھما کثیرون من المحققین ''مجہول کی کئی اقسام ہیں، ایک یہ کہ راوی کی عدالت ظاہر و باطن میں غیر ثابت ہو، دُوسری قسم عدالت باطناً مجہول مگر ظاہراً معلوم ہو، اور یہ مستور ہے، اور تیسری قسم مجہول العین ہے، پہلی قسم کے بارے میں جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ قابلِ قبول نہیں اور دوسری دونوں اقسام سے اکثر محققین استدلال کرتے ہیں۔

بہر حال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہِ طعن سے بھی ہے یا نہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ جس حدیث کا راوی مجہول ہو خواہی نخواہی باطل و مجعول ہو، بعض متشددین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علماء نے فوراً رد و ابطال فرما دیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ، مولانا علی قاری رسالہ فضائل نصف شعبان فرماتے ہیں'' جھالة بعض الرواة لاتقتضی کون الحدیث موضوعاً وکذا نکارہ الالفاظ، فینبغی ان یحکم علیه بانه ضعیف، ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الاعمال ''یعنی بعض راویوں کا مجہول یا الفاظ کا بے قاعدہ ہونا یہ نہیں چاہتا کہ حدیث موضوع ہو، ہاں ضعیف کہو، پھر فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔

موضوعاتِ کبیر میں استاذ المحدثین امام زین الدین عراقی سے نقل فرمایا'' انه لیس بموضوع وفی سندہ مجھول '' (یہ موضوع نہیں اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے)۔

سند میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن و اعلیٰ ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں، تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ، امام جلیل جلال الدین سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی۔ (ج5،ص443)

سوال: حدیثِ منقطع (جس حدیث کی سند میں کوئی راوی ساقط ہو) کا کیا حکم ہے؟

جواب: اسی طرح سند کا منقطع ہونا مستلزمِ وضع نہیں، ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک تو انقطاع سے صحت

وجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔ امام محقق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں "ضعف بالانقطاع وھو عندنا کالارسال بعدعدالۃ الرواۃ وثقتھم لایضر" اسے انقطاع کی بناء پر ضعیف قرار دیا ہے جوکہ نقصان دہ نہیں کیونکہ راویوں کے عادل وثقہ ہونے کے بعد منقطع ہمارے نزدیک مرسل کی طرح ہی ہے۔

امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں "لایضر ذلك فان المنقطع کالمرسل فی قبولہ من الثقات" یہ بات نقصان نہیں دیتی کیونکہ منقطع قبولیت میں مرسل کی طرح ہے جبکہ ثقہ سے مروی ہو۔

اور جو اُسے قادح (جو انقطاع کو عیب ڈالنے والا) جانتے ہیں وہ بھی صرف مورثِ ضعف مانتے ہیں نہ کہ مستلزم موضوعیت، مرقاۃ شریف میں امام ابن حجر مکی سے منقول "لایضر ذلك فی الاستدلال بہ ھھنا لان المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعاً" یعنی یہ امر یہاں کچھ استدلال کو مضر نہیں کہ منقطع پر فضائل میں تو بالاجماع عمل کیا جاتا ہے۔ (ج5،ص448)

سوال: ضعیف حدیث میں تعددِ طرق سے نقصان پورا ہو جاتا ہے، تو کیا تعددِ طرق سے مبہم کا بھی نقصان پورا ہو جاتا ہے؟

جواب: تعددِ طرق سے مبہم کا جبر نقصان (نقصان پورا) ہوتا ہے ولہذا تصریح فرمائی کہ حدیثِ مبہم کا طرقِ دیگر سے جبر نقصان ہو جاتا ہے۔

حدیث مبہم دوسری حدیث کی مقوی ہو سکتی ہے بلکہ وہ خود حدیثِ دیگر کو قوت دینے کی لیاقت رکھتی ہے۔ استاذ الحفاظ قوۃ الحجاج پھر خاتم الحفاظ تعقبات میں فرماتے ہیں "رجالہ ثقات الا ان فیہ مبھما لم یسم فان کان ثقۃ فھو علی شرط الصحیح، وان کان ضعیفا فھو عاضد للمسند المذکور" اس کے رجال ثقہ ہیں مگر اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام معلوم نہیں ہے پس اگر وہ ثقہ ہے تو یہ صحیح کے شرائط پر ہے اور اگر وہ ثقہ نہیں تو ضعیف ہے مگر سندِ مذکور کو تقویت دینے والی ہے۔
(ج5،ص452)

سوال: کیا حدیث کے راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے حدیث کو موضوع نہیں کہہ سکتے؟

جواب: ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف (بے تکی بات) ہے۔

علماء کی تصریح ہے کہ مجرد (صرف) ضعفِ رواۃ کے سبب حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے، شمس ذہبی اپنی تاریخ پھر خاتم الحفاظ تعقبات میں فرماتے ہیں "صنف ابن الجوزی کتاب الموضوعات فاصاب فی ذکر الاحادیث مخالفۃ للنقل والعقل، ومما لم یصب فیہ اطلاقہ الوضع علی احادیث بکلام بعض الناس فی رواتھا، کقولہ فلان ضعیف اولیس بالقوی اولین ولیس ذلك الحدیث ممایشھد القلب ببطلانہ ولافیہ مخالفۃ ولامعارضۃ

لکتاب ولاسنة ولااجماع ولاحجة بانه موضوع سوی کلام ذلك الرجل فی رواته وهذا عدوان ومجازفة
"ترجمہ: ابن جوزی نے کتاب الموضوعات لکھی تو اس میں انہوں نے ایسی روایات کی نشان دہی کر کے بہت ہی اچھا کیا جو عقل ونقل کے خلاف ہیں، لیکن بعض روایات پر وضع کا اطلاق اس لئے کر دیا کہ ان کے بعض راویوں میں کلام تھا، یہ درست نہیں کیا، مثلاً راوی کے بارے میں یہ قول کہ فلاں ضعیف ہے یا وہ قوی نہیں یا وہ کمزور ہے یہ حدیث ایسی نہیں کہ اس کے بطلان پر دل گواہی دے نہ اس میں مخالف ہے نہ یہ کتاب وسنت اور اجماع کے معارض ہے اور نہ ہی یہ اس بات پر حجت ہے کہ یہ روایت موضوع ہے ماسوائے راویوں میں اس آدمی کے کلام کے اور یہ زیادتی وتخمین (اندازہ) ہے۔

پھر کسی ہلکے سے ضعف کی خصوصیت نہیں، بلکہ سخت سخت اقسام جرح میں جن کا ہر ایک جہالت راوی سے بدرجہا بدتر ہے، یہی تصریح ہے کہ اُن سے بھی موضوعیت لازم نہیں، مثلاً راوی کی اپنی مرویات میں ایسی غفلت کہ دوسرے کی تلقین قبول کرلے یعنی دوسرا جو بتادے کہ تُو نے یہ سُنا تھا وہی مان لے، پر ظاہر کہ یہ شدتِ غفلت سے ناشی اور غفلت کا طعن فسق سے بھی بدتر اور جہالت سے تو چار درجہ زیادہ سخت ہے۔

امام الشان نے نخبۃ الفکر میں اسبابِ طعن کی دس قسمیں فرمائیں:

(1) کذب: کہ معاذ اللہ قصداً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرے۔

(2) تہمت کذب: کہ جو حدیث اُس کے سوا دوسرے نے روایت نہ کی، مخالفِ قواعدِ دینیہ ہو یا اپنے کلام میں جھوٹ کا عادی ہو۔

(3) کثرت غلط (4) غفلت (5) فسق (6) وہم (7) مخالفتِ ثقات (8) جہالت (9) بدعت (10) سوءِ حفظ

اور تصریح فرمائی کہ ہر پہلا دوسرے سے سخت تر ہے۔

پھر علماء فرماتے ہیں ایسے غافل شدید الطعن کی حدیث بھی موضوع نہیں، اواخر تعقبات میں ہے "فیہ یزید بن ابی زیاد وکان یلقن فیتلقن، قلت، ھذا لایقتضی الحکم بوضع حدیثه" "اس میں ابن ابوزیاد ہے اسے تلقین کی جاتی تو وہ تلقین کو قبول کر لیتا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ قول اس کی وضع حدیث کا تقاضا نہیں کرتا۔"

(ج5،ص453)

سوال: کیا منکر الحدیث اور متروک الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں؟

جواب: یوں ہی منکر الحدیث (کی حدیث بھی موضوع نہیں)۔ تعقبات میں ہے "قال البخاری منکر الحدیث، فغایة امر حدیثه ان یکون ضعیفا" "بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کی حدیث ضعیف ہوگی۔"

ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف متہم بالوضع یا کذاب دجال کا مرتبہ ہے، اس پر بھی

علماء نے تصریح فرمائی کہ متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہی ہے موضوع نہیں، امام حجر اطراف العشرۃ پھر خاتم الحفاظ لآ لی میں فرماتے ہیں ''زعم ابن حبان وتبعه ابن الجوزی ان هذا المتن موضوع، ولیس کماقال، فان الراوی وان کان متروکا عندالاکثر ضعیفا عندالبعض، فلم ینسب للوضع ''ابن حبان نے یہ زعم کیا اور ابن جوزی نے ان کی اتباع میں کہا کہ یہ متن موضوع ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اگرچہ راوی اکثر کے نزدیک متروک اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن یہ وضع کی طرف منسوب نہیں ہے۔

حدیث چلہ صوفیہ کرام قدست اسرارہم کہ ''من اخلص للّٰہ تعالیٰ اربعین یوما ظھرت ینابیع الحکمة من قلبه علیٰ لسانه ''جس شخص نے چالیس ۴۰ دن اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاص کیا اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ (التعقبات علی الموضوعات، ص 37، مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل شیخوپورہ)

ابنِ جوزی نے بطریق عدیدہ (بہت سارے طریقوں سے) روایت کر کے اس کے رواۃ میں کسی کے مجہول، کسی کے کثیر الخطا، کسی کے مجروح، کسی کے متروک ہونے سے طعن کیا، تعقبات میں سب کا جواب یہی فرمایا کہ ''مافیھم متھم بکذب ''یہ سب کچھ سہی پھر اُن میں کوئی متہم بکذب تو نہیں کہ حدیث کو موضوع کہہ سکیں۔

سبحان اللہ! جب انتہا درجہ کی شدید جرحوں سے موضوعیت ثابت نہیں ہوتی، تو صرف جہالت راوی یا انقطاع سند کے سبب موضوع کہہ دینا کیسی جہالت اور عدل وعقل سے انقطاع کی حالت ہے ولکن الوھابیة قوم یجھلون (لیکن وہابیہ جاہل قوم ہے)۔

یہ ارشادات تو ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے تھے، ایک قول وہابیہ کے امام شوکانی کا بھی لیجئے، موضوعات ابوالفرج میں یہ حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس ۴۰ برس کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جنون وجذام وبرص کو اس سے پھیر دیتا ہے اور پچاس ۵۰ سال والے پر حساب میں نرمی اور ساٹھ ۶۰ برس والے کو توبہ وعبادت نصیب ہوتی ہے، ہفتاد (ستر) ۷۰ سالہ کو اللہ عزوجل اور اُس کے فرشتے دوست رکھتے ہیں، اسی ۸۰ برس والے کی نیکیاں قبول اور برائیاں معاف، نوے ۹۰ برس والے کے سب اگلے پچھلے گناہ مغفور ہوتے ہیں، وہ زمین میں اللہ عزوجل کا قیدی کہلاتا ہے اور اپنے گھر والوں کا شفیع کیا جاتا ہے۔

بطریق عدیدہ روایت کر کے اُس کے راویوں پر طعن کئے کہ یوسف بن ابی ذرہ راوی مناکیر لیس بشیء ہے اور فرج ضعیف منکر الحدیث کہ واہی (جو حقیقت میں حدیث نہ ہو ان) حدیثوں کو صحیح سندوں سے ملا دیتا ہے اور محمد بن عامر حدیثوں کو پلٹ دیتا ہے ثقات سے وہ روایتیں کرتا ہے جو اُن کی حدیث سے نہیں اور عرزمی متروک اور عباد بن عباس مستحق ترک اور عزرہ کو یحییٰ بن معین نے ضعیف بتایا اور ابوالحسن کوفی مجہول اور عائذ ضعیف ہے۔

شوکانی نے ان سب مطاعن کو نقل کرکے کہا ''هذا غاية ماابدى ابن الجوزى دليلا على ماحكم به من الوضع، وقد افرط وجازف فليس مثل هذه المقالات توجب الحكم بالوضع بل اقل احوال الحديث ان يكون حسنا لغيره ''یعنی ابن جوزی نے جو اس حدیث پر حکمِ وضع کیا اُس کی دلیل میں انتہا درجہ یہ طعن پیدا کیے اور بے شک وہ حد سے بڑھے اور بیباکی کو کام میں لائے کہ ایسے طعن حکمِ وضع کے موجب نہیں، بلکہ کم درجہ حال اس حدیث کا یہ ہے کہ حسن لغیرہ ہو۔

(ج5ص455تا460)

سوال: حدیث کا موضوع ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟

جواب: موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون (1) قرآن عظیم (2) سنتِ متواترہ (3) یا اجماعِ قطعی قطعیات الدلالۃ (4) یا عقلِ صریح (5) یا حسنِ صحیح (6) یا تاریخِ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔

(7) یا معنی شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پُر نور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ (بے وقوفی) یا مدحِ باطل یا ذمِ حق پر مشتمل ہونا۔

(8) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمالِ کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے کذب وبطلان پر گواہی مستنداً الی الحس (جس کا تعلق حس سے ہو) دے۔

(9) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور ومستفیض ہو جاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔

(10) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔

یہ دس (10) صورتیں تو صریح ظہور ووضوحِ وضع کی ہیں۔

(11) یا یوں حکمِ وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع (کرے) اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظِ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(12) یا ناقل رافضی حضرات اہلبیت کرام علی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اُس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: لحمك لحمى ودمك دمى (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خون میرا خون)۔

اقول (میں کہتا ہوں یعنی امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) انصافاً یوں ہی وہ مناقب امیر معاویہ وعمرو بن العاص

رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں... یونہی نواصب نے مناقب امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حدیثیں گھڑیں کما ارشد الیہ الامام الذاب عن السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی (جیسا کہ اس کی طرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی نے رہنمائی فرمائی جو سنّت کا دفاع کرنے والے ہیں)۔

(13) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کردی ہے۔

(14) یا تمام کتب وتصانیفِ اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(15) یا راوی خود اقرارِ وضع کردے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعوی سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخِ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں۔ (ج5،ص460)

سوال: جو حدیث ان سب سے خالی ہو کیا اس پر حکمِ وضع نہیں لگا سکتے؟

جواب: رہا یہ کہ جو حدیث ان سب سے خالی ہو اس پر حکمِ وضع کی رخصت کس حال میں ہے، اس باب میں کلمات علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(1) تفردِ محض یعنی بے امورِ مذکورہ کے اصلاً حکمِ وضع کی راہ نہیں اگرچہ راوی وضاع (حدیث گڑھنے والا)، کذاب ہی پر اُس کا مدار ہو، امام سخاوی نے اسی پر جزم فرمایا، فرماتے ہیں "مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولو کان بعد الاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحر تام الاستقراء غیر مستلزم لذلک بل لابد معہ من انضمام شیء مماسیاتی" یعنی اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علمِ حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل ومحیط ہو، تفتیشِ حدیث میں استقصائے تام کرے اور باانہمہ حدیث کا پتا ایک راوی کذاب بلکہ وضاع کی روایت سے جدا کہیں نہ ملے تاہم اس سے حدیث کی موضوعیت لازم نہیں آتی جب تک امورِ مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔

(2) کذاب وضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافترا کرنا ثابت ہو، صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریقِ ظن نہ بروجہ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بکذب ووضع ہو، یہ مسلک امام الشان وغیرہ علماء کا ہے۔ نخبہ ونزھہ میں فرماتے ہیں "الطعن

اما ان یکون لکذب الراوی بان یروی عنه مالم یقله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم متعمد الذلک او تہمته بذلک، الاول ھوالموضوع، والحکم علیه بالوضع انما ھو بطریق الظن الغالب لابالقطع، اذقد یصدق الکذوب، والثانی ھو المتروک "یعنی یا تو کذبِ راوی کی وجہ سے ہوگا مثلاً اس نے عمداً اپنی بات روایت کی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی یا اس پر ایسی تہمت ہو، پہلی صورت میں روایت کو موضوع کہیں گے اور اس پر وضع کا حکم یقینی نہیں بلکہ بطورِ ظنِ غالب ہے کیونکہ بعض اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے، اور دوسری صورت میں روایت کو متروک کہتے ہیں۔

(3) بہت علماء جہاں حدیث پر سے حکمِ وضع اٹھاتے ہیں وجہ رد میں کذب کے ساتھ تہمتِ کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب، کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔

بالجملہ اس قدر پر اجماعِ محققین ہے کہ حدیث جب اُن دلائل وقرائن قطعیہ وغالبہ سے خالی ہو اور اُس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اُسے موضوع کہنا ممکن نہیں جو بغیر اس کے حکم بالوضع کردے یا مشدد مفرط (حد سے بڑھ کر شدت کرنے والا) ہے یا مخطی غالط (خطاو غلطی کرنے والا) یا متعصب مغالط۔ (ج5،ص462تا468)

سوال: کسی حدیث کی کئی سندیں ہوں، ان میں سے کسی ایک سند کے بارے میں کسی محدث کا قول وضع یا ضعف کا ہو تو اس روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے، جو حدیث فی نفسہٖ ان (مذکورہ) پندرہ دلائل سے منزّہ ہو محدث اگر اُس پر حکمِ وضع کرے تو اس سے نفسِ حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اُس سند پر جو اُس وقت اس کے پیشِ نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ (بہت ساری موجودہ سندوں) سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث اگرچہ فی نفسہٖ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع و باطل اور نہ صرف موضوع بلکہ اصالۃً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل۔

ائمۂ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کا حکمِ وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے، ناواقفوں کی فہم سخیف ہے، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے" ابراھیم بن موسیٰ المروزی عن مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما حدیث "طلب العلم فریضة "قال احمد بن حنبل "ھذا کذب" یعنی بھذا الاسناد والا فالمتن له طرق ضعیفة " (ابراہیم بن موسیٰ المروزی مالک سے، یہ نافع سے، یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ "طلب العلم فریضة "اس حدیث کو امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کذب فرمایا، اس سے مراد یہ ہے کہ

خاص اس سند سے کذب ہے، ورنہ اصل حدیث تو کئی سندوں ضعاف سے وارد ہے)۔

اور سُنئے حدیث ''صلاۃ بسواك خیرمن سبعین صلاۃ بغیر سواك'' (مسواک کے ساتھ نماز بے مسواک کی ستر نمازوں سے بہتر ہے) ابونعیم نے کتاب السواک میں دو جید و صحیح سندوں سے روایت کی، امام ضیاء نے اسے صحیح مختارہ اور حاکم نے صحیح مستدرک میں داخل کیا اور کہا شرطِ مسلم پر صحیح ہے۔ (اس کے باوجود) ابن عبدالبر نے تمہید میں امام ابن معین سے اُس کا بطلان نقل کیا، علامہ شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ میں اسے ذکر کر کے فرماتے ہیں ''قول ابن عبدالبر فی التمهید عن ابن معین انه حدیث باطل، هو بالنسبة لماوقع له من طرقه'' یعنی امام ابن معین کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث باطل ہے اُس سند کی نسبت ہے جو انہیں پہنچی۔

ورنہ حدیث تو باطل کیا معنے ضعیف بھی نہیں، اقل درجہ حسن ثابت ہے۔ (ج5، ص468)

سوال: انگوٹھے چومنے کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں، کیا ان میں بیان کردہ موضوع احادیث کی پندرہ علامات میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی؟

جواب: احادیثِ تقبیل ابہامین (انگوٹھے چومنے کی احادیث) کو وضع و بطلان سے اصلاً کچھ علاقہ نہیں، اُن پندرہ عیبوں سے اس کا پاک ہونا تو بدیہی اور یہ بھی صاف ظاہر کہ اس کا مدار کسی وضاع، کذاب یا متہم بالکذب پر نہیں۔ پھر حکمِ وضع محض بے اصل وواجب الدفع، ولہذا علمائے کرام نے صرف ''لا یصح'' فرمایا یہاں تک کہ وہابیہ کے امام شوکانی نے بھی با آنکہ ایسے مواقع میں سخت تشدد اور بہت مسائل میں بے معنی تفرد کی عادت ہے، فوائد مجموعہ میں اسی قدر پر اقتصار کیا اور موضوع کہنے کا راستہ نہ ملا، اگر بالفرض کسی امامِ معتمد کے کلام میں حکمِ وضع واقع ہُوا ہوتو وہ صرف کسی سند خاص کی نسبت ہوگا نہ اصل حدیث پر جس کے لئے کافی سندیں موجود ہیں جنہیں وضع واضعین سے کچھ تعلق نہیں کہ جہالت وانقطاع اگر ہیں تو مورثِ ضعف نہ کہ مثبت وضع۔

(ج5، ص472)

سوال: ایک حدیث متعدد طریقوں سے روایت کی گئی ہو اور وہ سارے کے سارے ضعیف ہوں تو اس حدیث کا کیا حکم ہے؟

جواب: حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایت شدت وقوت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکامِ حلال وحرام میں حجت ہوجاتی ہے۔ مرقاۃ میں ہے'' تعدد الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن'' متعدد روایتوں سے آنا حدیثِ ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔

موضوعات کبیر میں فرمایا "تعدد الطرف ولوضعفت یرقی الحدیث الی الحسن "طرقِ متعددہ اگرچہ ضعیف ہوں حدیث کو درجہ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔

محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں "لو تم تضعیف کلھا کانت حسنة لتعدد الطرق و کثرتھا "اگر سب کا ضعف ثابت ہو بھی جائے تاہم حدیث حسن ہوگی کہ طرق متعدد و کثیر ہیں۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں امام ابوبکر بیہقی سے ناقل "ھذہ الاسانید وان کانت ضعیفة لکنھا اذاضم بعضھا الیٰ بعض احدثت قوة" یہ سندیں اگر چہ سب ضعیف ہیں مگر آپس میں مل کر قوت پیدا کریں گی۔

جہالت راوی بلکہ ابہام بھی اُنہیں کم درجہ کے ضعفوں سے ہے جو تعددِ طرق سے منجبر ہوجاتے ہیں اور حدیث کو رتبہ حسن تک ترقی سے مانع نہیں آتے، یہ حدیثیں جابر و منجبر دونوں ہونے کے صالح ہیں۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں "فی اسنادہ جھالة لکنه اعتضد فصار حسنا "اس کی اسنا میں جہالت مگر تائید پاکر حسن ہوگئی۔ (ج5،ص472)

سوال: ضعیف روایت تعددِ طرق سے قوت پاجاتی ہے، اس کے لئے کم از کم کتنے طرق چاہئیں؟

جواب: حصولِ قوت کیلئے کچھ بہت سے ہی طرق کی حاجت نہیں صرف دو (۲) بھی مل کر قوت پاجاتے ہیں، تیسیر میں فرمایا "ضعیف لضعف عمرو بن واقد لکنه یقوی بوروده من طریقین "یعنی حدیث تو اپنے راوی عمرو بن واقد متروک کے باعث ضعیف ہے مگر دو سندوں سے آکر قوت پا گئی۔

اُسی میں حدیث "اکرموا المعزی وامسحوا برغامها فانها من دواب الجنة "(بکری کی عزت کرو اور اس سے مٹی جھاڑو کیونکہ وہ جنتی جانور ہے) (الجامع الصغیر، ج2،ص91، دار المعرفة، بیروت)

بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید بن نوفلی کے سبب تضعیف کی پھر اس کے شاہد بروایت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا "اسنادہ ضعیف لکن یجبرہ ماقبله فیتعاضدان "سند اس کی بھی ضعیف ہے لیکن پھر پہلی سند اس کی تلافی کرتی ہے تو دو مل کر قوی ہوجائیں گے۔ (ج5،ص475)

سوال: کیا اہل علم کے عمل سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہوجاتی ہے؟

جواب: اہلِ علم کے عمل کر لینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو۔ مرقاۃ میں ہے "رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم، قال النووی واسنادہ ضعیف نقله میرك، فکأن الترمذی یرید تقویة الحدیث بعمل اھل العلم، والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ کماقال الشیخ محی الدین ابن العربی انه

بلغنی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انہ من قال لاالہ الااللہ سبعین الفا، غفراللہ تعالیٰ لہ، ومن قیل لہ غفرلہ ایضا، فکنت ذکرت التہلیلۃ بالعدد المروی من غیران انوی لاحد بالخصوص، فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیہم شاب مشہور بالکشف، فاذاہو فی اثناء الاکل اظہر البکا، فسألتہ عن السبب، فقال اری امی فی العذاب، فوہبت فی باطنی ثواب التہلیلۃ المذکورۃ لہا فضحک وقال انی اراہا الان فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ وصحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث "یعنی امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اہلِ علم کا اس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عملِ اہلِ علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم، اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لاالہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لیے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو، میں نے لاالہ الااللہ اتنے بار پڑھا تھا اُس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا اُن میں ایک جوان کے کشف کا شہرہ تھا کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا میں نے سبب پوچھا کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں، میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اُس کی ماں کو بخش دیا فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اُسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں، امام محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اُس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

امام سیوطی تعقبات میں فرمایا "قد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اہل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علی مثلہ" متعدد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اُس کے لئے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج3، ص83، امدادیہ ملتان) (ج5 ص475)

سوال: کس درجہ کی بات کس طرح کی حدیث سے ثابت ہوتی ہے؟

جواب: جن باتوں کا ثبوت حدیث سے پایا جائے وہ سب ایک پلّہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلیٰ درجہ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اُس کا ثبوت نہیں دے سکتے، احاد (وہ احادیث جو خبر واحد ہوں) اگرچہ کیسے ہی قوت سند ونہایت صحت پر ہوں اُن کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔

عقائد میں حدیث احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں، یہ اصول عقائدِ اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں "خبر الواحد علی تقدیر اشتمالہ علیٰ جمیع الشرائط المذکورۃ فی اصول الفقہ لایفید الا الظن ولاعبرۃ بالظن فی باب الاعتقادات" حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ

دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

مولانا علی قاری منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں ''الاحاد لاتفید الاعتماد فی الاعتقاد '' (احادیث احاد دربارہ اعتقاد نا قابلِ اعتماد)۔

دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لئے اگرچہ اُتنی قوت درکار نہیں، پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیئے۔ جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خُوبی بیان ہوئی کہ اُنہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحتِ حدیث میں کلام کرکے اسے پایۂ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشی (یہ چیز فرقِ مراتب نہ جاننے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے)، جیسے بعض جاہل بول اُٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ اُن کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیزو (دوستو) مسلم (مانا) کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم (مضبوط) ہے۔

امام ابوزکریا نووی اربعین پھر امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں ''قد اتفق الحفاظ ولفظ الاربعین قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال ولفظ الحرز لجواز العمل به فی فضائل الاعمال بالاتفاق '' یعنی بیشک حفاظِ حدیث وعلمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں ''الضعیف غیر الموضوع یعمل به فی فضائل الاعمال '' یعنی فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے گا بس اتنا چاہیئے کہ موضوع نہ ہو۔

کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہلِ حق سے موافق ہیں، مولوی خرم علی رسالہ دعائیہ میں لکھتے ہیں ''ضعاف درفضائلِ اعمال وفیما نحن فیه باتفاق علما معمول بهااست الخ '' فضائل اعمال میں اور جس میں ہم گفتگو کررہے ہیں اس میں باتفاقِ علماء ضعیف حدیثوں پر عمل درست ہے۔

اُسی میں حدیث فضیلتِ شبِ برات کی تضعیف امام بخاری سے نقل کرکے کہا ''یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن عمل کرنا حدیثِ ضعیف پر فضائلِ اعمال میں باتفاق جائز ہے''

(ج5،ص477)

سوال: کیا واقعی فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ہے؟

جواب: فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے حدیثِ ضعیف ثبوتِ استحباب کے لئے بس ہے۔ امام شیخ الاسلام ابوزکریا نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہ فرماتے ہیں"قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً" محدثین وفقہا وغیرہم علما نے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ومستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

مولانا علی قاری موضوعاتِ کبیر میں حدیث مسح گردن کا ضعف بیان کر کے فرماتے ہیں"الضعیف یعمل بہ فی الفضائل الاعمال اتفاقاولذا قال ائمتنا ان مسح الرقبۃ مستحب او سنۃ" فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے اسی لئے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنّت ہے۔

امام جلیل سیوطی فرماتے ہیں"استحبہ ابن الصلاح وتبعہ النووی نظر الی ان الحدیث الضعیف یتسامح بہ فی فضائل الاعمال "تلقین کو امام ابن الصلاح پھر امام نووی نے اس نظر سے مستحب مانا کہ فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (اللہ کی توفیق سے میں کہتا ہوں) بلکہ فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کے معنی ہی یہ ہیں کہ استحباب مانا جائے ورنہ نفس جواز تو اصالتِ اباحت وانعدامِ نہی شرعی سے آپ ہی ثابت، اس میں حدیثِ ضعیف کا کیا دخل ہوا تو لاجرم ورودِ حدیث کے سبب جانبِ فعل کو مترجح ماننے کہ حدیث کی اسناد محقق اور اس پر عمل ہونا صادق ہو اور یہی معنی استحباب ہے۔ (ج5ص481)

سوال: فضائل کے معاملے میں ضعیف احادیث کا مقبول ہونا کیا احادیث سے بھی ثابت ہے؟

جواب: جان برادر اگر چشمِ بینا (دیکھنے والی آنکھ) اور گوشِ شنوا (سننے والا کان) ہے تو تصریحاتِ علما درکنار خود حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیثِ کثیرہ ارشاد فرماتی آئیں کہ ایسی جگہ حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے اور تحقیقِ صحت وجودتِ سند میں تعمق (تہہ تک پہنچنا) وتدقیق (زیادہ غور وفکر کرنا) راہ نہ پائے ولکن الوھابیۃ قوم یعتدون۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین فرماتے ہیں"من بلغہ عن اللّٰہ عزوجل شیء فیہ فضیلۃ فاخذ بہ ایمانا بہ ورجاء ثوابہ اعطاہ اللّٰہ تعالیٰ ذلک وان لم یکن کذلک "جسے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اُس کے ثواب کی اُمید سے اُس بات پر عمل

کرے اللہ تعالیٰ اُسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگرچہ خبر ٹھیک نہ ہو۔ (کنز العمال، ج 15، ص 791، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

دارقطنی کی حدیث میں یوں ہے "اعطاہ اللّٰہ ذلك الثواب وان لم یکن مابلغه حقا" اللہ تعالیٰ اسے وہ ثواب عطا کرے گا اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی حق نہ ہو۔ (کتاب الموضوعات، ج 3، ص 153، دار الفکر، بیروت)

ابنِ حبان کی حدیث میں یہ لفظ ہیں "کان منی اولم یکن" (چاہے وہ حدیث مجھ سے ہو یا نہ ہو)۔

(کتاب الموضوعات، ج 3، ص 153، دار الفکر، بیروت)

ابنِ عبداللہ کے لفظ یوں ہیں "وان کان الذی حدثه کاذبا" (اگرچہ اس حدیث کا راوی جھوٹا ہو)۔

(مکارم الاخلاق، ج 3، ص 153، دار الفکر، بیروت)

امام احمد وابنِ ماجہ وعقیلی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ماجاء کم عنی من خیر قلته اولم اقله فانی اقوله وماجاء کم عنی من شرفانی لا اقول الشر" تمہیں جس بھلائی کی مجھ سے خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو میں اسے فرماتا ہوں اور جس بُری بات کی خبر پہنچے تو میں بُری بات نہیں فرماتا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج 2، ص 367، دار الفکر، بیروت)

خلعی اپنے فوائد میں حمزہ بن عبدالمجید رحمہ اللہ تعالیٰ سے راوی "رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فی النوم فی الحجر فقلت بابی انت وامّی یارسول اللّٰه انه قدبلغنا عنك انك قلت من سمع حدیثا فیه ثواب فعمل بذلك الحدیث رجاء ذلك الثواب اعطاه اللّٰه ذلك الثواب وان كان الحدیث باطلا فقال ای ورب هذه البلدة انه لمنی و انا قلته" میں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں حطیم کعبہ معظمہ میں دیکھا عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہمیں حضور سے حدیث پہنچی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص کوئی حدیث ایسی سُنے جس میں کسی ثواب کا ذکر ہو وہ اُس حدیث پر بامید ثواب عمل کرے اللہ عزوجل اسے وہ ثواب عطا فرمائے گا اگرچہ حدیث باطل ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم اس شہر کے رب کی بے شک یہ حدیث مجھ سے ہے اور میں نے فرمائی ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ابو یعلی اور طبرانی معجم اوسط میں سیدنا ابی حمزہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من بلغه عن اللّٰه تعالیٰ فضیلة فلم یصدق بها لم ینلها" جسے اللہ تعالیٰ سے کسی فضیلت کی خبر پہنچے وہ اسے نہ مانے اُس فضل سے محروم رہے۔ (مسند ابو یعلی، ج 3، ص 387، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ سعودی عرب)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہوا کہ جسے اس قسم کی خبر پہنچی کہ جو ایسا کرے گا یہ فائدہ پائے گا اُسے چاہئے نیک نیتی سے اس پر عمل کرلے اور تحقیق صحتِ حدیث ونظافتِ سند کے پیچھے نہ پڑے وہ ان شاء اللہ اپنے حسنِ نیت سے اس نفع کو پہنچ ہی جائیگا۔

اقول یعنی جب تک اُس حدیث کا بطلان ظاہر نہ ہو کہ بعدِ ثبوتِ بطلان رجاء وامید کے کوئی معنے نہیں۔

اور وجہ اس عطائے فضل کی نہایت ظاہر کہ حضرت حق عزوجل اپنے بندہ کے ساتھ اُس کے گمان پر معاملہ فرماتا ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل وعلا سے روایت فرماتے ہیں کہ مولیٰ سبحانہ، وتعالیٰ فرماتا ہے کہ "انا عند ظن عبدی بی" (میں اپنے بندہ کے ساتھ وہ کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے)۔ رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ۔ (صحیح مسلم، ج2، ص354، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

جب اُس نے اپنی صدقِ نیت سے اس پر عمل کیا اور رب عزجلالہ سے اُس نفع کی امید رکھی تو مولیٰ تبارک وتعالیٰ اکرم الاکرمین ہے اُس کی اُمید ضائع نہ کرے گا اگرچہ حدیث واقع میں کیسی ہی ہو۔ (ج5، ص486)

سوال: کیا عقل فضائل میں حدیث ضعیف کے مقبول ہونے کو مانتی ہے؟

جواب: عقل اگر سلیم ہو تو ان نصوص ونقول کے علاوہ وہ خود بھی گواہ کافی ہے کہ ایسی جگہ ضعیف حدیث معتبر اور اس کا ضعف مغتفر (اس کا ضعف مٹ جاتا ہے) کہ سند میں کتنے ہی نقصان ہوں آخر بطلان پر یقین تو نہیں فان الکذوب قد یصدق (بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے) تو کیا معلوم کہ اس نے یہ حدیث ٹھیک ہی روایت کی ہو۔ مقدمہ امام ابوعمر تقی الدین شہرزوری میں ہے "اذاقالوا فی حدیث انہ غیر صحیح فلیس ذلک قطعا بانہ کذب فی نفس الامراذ قد یکون صدقا فی نفس الامر وانما المراد بہ انہ لم یصح اسنادہ علی الشرط المذکور" محدثین جب کسی حدیث کو غیر صحیح بتاتے ہیں تو یہ اس کے فی الواقع کذب پر یقین نہیں ہوتا اس لئے کہ حدیث غیر صحیح کبھی واقع میں سچی ہوتی ہے اس سے تو اتنی مراد ہوتی ہے کہ اُس کی سند اس شرط پر نہیں جو محدثین نے صحت کے لئے مقرر کی۔

تقریب وتدریب میں ہے "اذاقیل حدیث ضعیف، فمعناہ لم یصح اسنادہ علی الشرط المذکور لاانہ کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب" کسی حدیث کو ضعیف کہا جائے تو معنی یہ ہیں کہ اس کی اسناد شرطِ مذکور پر نہیں نہ یہ کہ واقع میں جھوٹ ہے ممکن ہے کہ جھوٹے نے سچ بولا ہو۔

تصحیح وتضعیف صرف بنظرِ ظاہر ہیں واقع میں ممکن کہ ضعیف صحیح ہو وبالعکس۔

محقق فتح میں فرماتے ہیں "ان وصف الحسن والصحیح والضعیف انما ھو باعتبار السند ظنا امافی الواقع فیجوز غلط الصحیح وصحۃ الضعیف" حدیث کو حسن یا صحیح یا ضعیف کہنا صرف سند کے لحاظ سے ظنی طور پر ہے واقع میں جائز ہے کہ صحیح غلط اور ضعیف صحیح ہو۔

اقول (میں کہتا ہوں یعنی امام اہلسنت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ بہت احادیث جنہیں محدثین کرام اپنے طور

پر ضعیف و نامعتبر ٹھہرا چکے علمائے قلب، عرفائے رب، ائمہ عارفین، سادات مکاشفین قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارھم الجلیلہ ونور قلوبنا بانوارھم الجمیلہ انہیں مقبول و معتمد بناتے اور بصیغ جزم و قطع حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اور ان کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے جنہیں علما اپنے زبر و دفاتر میں کہیں نہ پاتے، اُن کے یہ علوم الہیہ بہت ظاہر بینوں کو نفع دینا درکنار اُلٹے باعثِ طعن و وقیعت و جرح و اہانت ہوجاتے، حالانکہ العظمۃ للہ و عباداللہ ان طاعنین سے بدرجہا اتقی اللہ واعلم باللہ واشد توقیا فی القول عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (حالانکہ وہ ان طعن کرنے والوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے، سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط کرنے والے) تھے۔

میزان مبارک میں حدیث ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم '' میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔ کی نسبت فرماتے ہیں ''ھذا الحدیث و ان کان فیہ مقال عندالمحدثین فھو صحیح عند اھل الکشف '' اس حدیث میں اگرچہ محدثین کو گفتگو ہے مگر وہ اہلِ کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

کشف الغمہ عن جمیع الامہ میں ارشاد فرمایا ''کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول من صلی علی طھر قلبہ من النفاق، کمایطھر الثوب بالماء، و کان صلی اللہ تعالیٰ یقول من قال صلی اللہ علی محمد فقد فتح علی نفسہ سبعین بابا من الرحمۃ، والقی اللہ محبتہ فی قلوب الناس فلایبغضہ الامن فی قلبہ نفاق، قال شیخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ھذا الحدیث والذی قبلہ رویناھما عن بعض العارفین عن الخضر علیہ الصلاۃ والسلام عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھما عندنا صحیحان فی اعلیٰ درجات الصحۃ وان لم یثبتھما المحدثون علی مقتضی اصطلاحھم '' حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے جو مجھ پر درود بھیجے اس کا دل نفاق سے ایسا پاک ہوجائے جیسے کپڑا پانی سے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے جو کہے ''صلی اللہ علیٰ محمد '' اس نے ستّرہ دروازے رحمت کے اپنے اوپر کھول لیے، اللہ عزوجل اُس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ اُس سے بغض نہ رکھے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق ہوگا۔ ہمارے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ حدیث اور اس سے پہلی ہم نے بعض اولیاء سے روایت کی ہیں انہوں نے سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام، اُنہوں نے حضور پُر نور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ واکمل السلام سے یہ دونوں حدیثیں ہمارے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں اگرچہ محدثین اپنی اصطلاح کی بنا پر اُنہیں ثابت نہ کہیں۔ (کشف الغمۃ، ج 1، ص 345، دار الفکر، بیروت)

بالجملہ اولیاء کے لئے سوا اس سندِ ظاہری کے دوسرا طریقہ ارفع و اعلیٰ ہے ولہذا حضرت سیدی ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقدس سرہ السامی اپنے زمانہ کے منکرین سے فرماتے ''قد اخذتم علمکم میتا عن میت واخذنا علمنا عن الحی الذی

8/8

لاَیموت''تم نے اپنا علم سلسلہ اموات سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم حی لا یموت سے لیا ہے۔

خاتمِ حفاظ الحدیث امام جلیل جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ العزیز پچھتر بار بیداری میں جمالِ جہاں آرائے حضور پُرنور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہرہ ور ہوئے بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تحقیقاتِ حدیث کی دولت پائی بہت احادیث کی کہ طریقہ محدثین پر ضعیف ٹھہر چکی تھیں تصحیح فرمائی۔

یہ نفیس وجلیل فائدہ کہ بمناسبت مقام بحمد اللہ تعالیٰ نفع رسانی برادرانِ دین کے لئے حوالہ قلم ہوا لوحِ دل پر نقش کر لینا چاہے کہ اس کے جاننے والے کم ہیں اور اس لغزش گاہ میں پھسلنے والے بہت قدم۔

بات دُور پہنچی، کہنا یہ تھا کہ سند پر کیسے ہی طعن وجرح ہوں اُن کے سبب بطلانِ حدیث پر جزم نہیں ہوسکتا ممکن کہ واقع میں حق ہو اور جب صدق کا احتمال باقی تو عاقل جہاں نفع بے ضرر کی اُمید پاتا ہے اُس فعل کو بجالاتا ہے دین ودنیا کے کام اُمید پر چلتے ہیں پھر سند میں نقصان دیکھ کر ایکدست اس سے دست کش ہونا کس عقل کا مقتضی ہے کیا معلوم اگر وہ بات سچی تھی تو خود فضیلت سے محروم رہے اور جھوٹی ہوتو فعل میں اپنا کیا نقصان۔

(ج5،ص479تا494)

سوال: کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ حدیثِ ضعیف احکام میں معتبر ہو؟

جواب: (حدیث ضعیف کی قبولیت کا) کچھ فضائلِ اعمال ہی میں انحصار نہیں بلکہ عموماً جہاں اُس پر عمل میں رنگِ احتیاط ونفعِ بے ضرر کی صورت نظر آئے گی بلا شبہہ قبول کی جائے گی جانب فعل میں اگر اس کا ورود استحباب کی راہ بتائے گا جانب ترک میں تنزع (بچنے) وتورع (تقوی) کی طرف بلائے گا کہ آخر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا''کیف وقد قیل''(کیونکر نہ مانے گا حالانکہ کہا تو گیا)۔

(صحیح بخاری، ج1،ص19، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں''دع مایریبك الی مالا یریبك''جس میں شبہہ پڑتا ہو وہ کام چھوڑ دے اور ایسے کی طرف آ جس میں کوئی دغدغہ نہیں۔

(مسند احمد بن حنبل، ج1،ص200، دارالفکر، بیروت)

ظاہر ہے کہ حدیثِ ضعیف اگر مورثِ ظن نہ ہو مورثِ شبہہ سے تو کم نہیں تو محلِ احتیاط میں اس کا قبول عین مرادِ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق ہے، احادیث اس باب میں بکثرت ہیں، ازاں جملہ حدیث اجل واعظم کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''من اتقی الشبھات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کالراعی حول الحمی یوشك ان ترتع فیہ الاوان لکل ملك حمی الاوان حمی اللّٰہ محارمہ''جو شبہات سے بچے اُس نے اپنے دین وآبرو کی حفاظت کر لی اور جو شبہات میں پڑے حرام میں پڑ جائے گا جیسے رمنے (چراگاہ) کے گرد چرانے والا نزدیک ہے کہ رمنے کے اندر چرائے، سُن لو ہر بادشاہ کا ایک رمنا ہوتا ہے، سُن لو اللہ عزوجل کا رمنا وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام فرمائیں۔

(فتح الباری، ج 1، ص 13، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام ابنِ حجر مکی نے فتح المبین میں ان دونوں حدیثوں کی نسبت فرمایا ''رجوعهما الیٰ شیء واحد وهو النهی التنزیهی عن الوقوع فی الشبهات ''یعنی حاصل مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ شبہہ کی بات میں پڑنا خلافِ اولیٰ ہے جس کا مرجع کراہت تنزیہہ۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ وَ اِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ﴾ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے اور اگر سچا ہوا تو تمہیں پہنچ جائے گی کچھ نہ کچھ وہ مصیبت جس کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے۔

سوال: کیا اس بارے علماء کرام کے بھی ارشادات ہیں؟

جواب: لاجرم علمائے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ دربارۂ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جبکہ جانب احتیاط میں ہو۔

امام نووی نے اذکار پھر شمس سخاوی نے فتح المغیث پھر شہاب خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا ''اما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والاطلاق وغیر ذلك فلایعمل فیها الا بالحدیث الصحیح او الحسن الاان یکون فی احتیاط فی شیء من ذلك کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراهة بعض البیوع او الا نکحة فان المستحب ان یتنزه عنه ولکن لایجب ''یعنی محدثین وفقہاوغیرہم علماء فرماتے ہیں کہ حلال وحرام بیع نکاح طلاق وغیرہ احکام کے بارہ میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائیگا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیثِ ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں ہاں واجب نہیں۔

امام جلیل جلال سیوطی تدریب میں فرماتے ہیں ''ویعمل بالضعیف ایضا فی الاحکام اذاکان فیه احتیاط ''حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائیگا جبکہ اُس میں احتیاط ہو۔

ایک حدیثِ ضعیف میں بدھ کے دن پچھنے لگانے سے ممانعت آئی ہے کہ ''من احتجم یوم الاربعاء ویوم السبت فاصابه برص فلایلومن الانفسه ''جو بدھ یا ہفتہ کے روز پچھنے لگائے پھر اُس کے بدن پر سپید (سفید) داغ ہو جائے تو اپنے ہی آپ کو ملامت کرے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں ''سمعت ابی یقول سمعت ابا عمرو محمد بن جعفر بن مطر النیسابوری قال قلت یوما ان هذا الحدیث لیس بصحیح فافتصدت یوم الاربعاء فاصابنی البرص فرأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

ایک صاحب محمد بن جعفر بن مطر نیشاپوری کو فصد کی ضرورت تھی بدھ کا دن تھا خیال کیا کہ حدیثِ مذکور تو صحیح نہیں فصد لے لی فوراً برص ہوگئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور سے فریاد کی، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایاك والاستهانة بحديثی، (خبردار میری حدیث کو ہلکانہ سمجھنا) انہوں نے توبہ کی، آنکھ کھلی تو اچھے تھے۔ فقلت تبت يارسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فانتبهت وقد عافانی الله تعالىٰ وذهب ذلك عنی

امام ابن عساکر روایت فرماتے ہیں ابو معین حسین بن حسن طبری نے پچھنے لگانے چاہے، ہفتہ کا دن تھا غلام سے کہا حجام کو بلا لا، جب وہ چلا حدیث یاد آئی پھر کچھ سوچ کر کہا حدیث میں تو ضعف ہے، غرض لگائے، برص ہوگئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کی، فرمایا: ایاك والاستهانة بحديثی (دیکھ میری حدیث کا معاملہ آسان نہ جاننا)۔ انہوں نے منت مانی اللہ تعالیٰ اس مرض سے نجات دے تو اب کبھی حدیث کے معاملہ میں سہل انگاری نہ کروں گا صحیح ہو یا ضعیف، اللہ عزوجل نے شفا بخشی۔

یوں ہی ایک حدیثِ ضعیف میں بدھ کے دن ناخن کتروانے کو آیا کہ مورثِ برص (سفید داغ کا سبب) ہوتا ہے، بعض علما نے کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا حدیث صحیح نہیں، فوراً مبتلا ہوگئے، خواب میں زیارتِ جمال بے مثال حضور پُرنور محبوبِ ذی الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے، شافی کافی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے اس سے نفی فرمائی ہے؟ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی تھی، ارشاد ہوا: تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی، یہ فرما کر حضور مبرء الاکمہ والابرص محی الموتیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس کہ پناہِ دو جہان و دستگیر بیکساں ہے، ان کے بدن پر لگا دیا، فوراً اچھے ہوگئے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سُن کر مخالفت نہ کرونگا۔

سُبحان اللہ! جب محلِ احتیاط میں احادیثِ ضعیفہ خود احکام میں مقبول و معمول، تو فضائل تو فضائل ہیں، اور ان فوائد نفیسہ جلیلہ مفیدہ سے بحمد اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم کے نزدیک وہ مطلب بھی روشن ہوگیا کہ ضعیف حدیث اُس کی غلطی واقعی کو مستلزم نہیں، دیکھو یہ حدیثیں بلحاظِ سند کیسی ضعاف تھیں اور واقع میں اُن کی وہ شان کہ مخالفت کرتے ہیں فوراً تصدیقیں ظاہر ہوئیں، کاش منکرانِ فضائل کو بھی اللہ عزوجل تعظیمِ حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توفیق بخشے اور اُسے ہلکا سمجھنے سے نجات دے، آمین!۔

(ج5، ص494 تا 501)

سوال: زید کہتا ہے کہ حدیثِ ضعیف پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث بھی موجود

ہو؟

جواب: بذریعۂ حدیثِ ضعیف کسی فعل کے لئے محلِ فضائل میں استحباب یا موضعِ احتیاط میں حکمِ تنزہ (کسی کام سے بچنے سے کا حکم) ثابت کرنے کے لئے زنہار زنہار (ہرگز ہرگز) اصلاً اس کی حاجت نہیں کہ بالخصوص اس فعلِ معین کے باب میں کوئی حدیث صحیح بھی وارد ہوئی ہو، بلکہ یقیناً قطعاً صرف ضعیف ہی کا ورود ان احکامِ استحباب وتنزہ کے لئے ذریعۂ کافیہ ہے، افاداتِ سابقہ کو جس نے ذرا بھی بگوشِ ہوش (ہوش کے کانوں سے) استماع (سنا) کیا ہے اُس پر یہ امر شمس (سورج) وامس (گذری کل) کی طرح واضح وروشن۔ مگر ازانجا کہ مقام مقامِ افادہ ہے ایضاحِ حق (حق کو واضح کرنے) کے لئے چند تنبیہات کا ذکر مستحسن۔

اوّلاً کلماتِ علمائے کرام میں باآنکہ طبقۃً فطبقۃً اُس جوش وکثرت سے آئے، اس تقییدِ بعید (دور کی قید) کا کہیں نشان نہیں تو خواہی نخواہی مطلق کو از پیشِ خویش مقید کرلینا کیونکر قابلِ قبول۔

ثانیاً بلکہ ارشاداتِ علما صراحۃً اس کے خلاف، مثلاً عبارت از کار وغیرہا خصوصاً عبارتِ امام ابن الہمام جو نصِ تصریح ہے کہ ثبوتِ استحباب کو ضعیف حدیث کافی۔

ثالثاً علمائے فقہ وحدیث کا عملدر آمدِ قدیم وحدیث اس قید کے بطلان پر شاہدِ عدل (عادل گواہ ہے)، جابجا انہوں نے احادیثِ ضعیفہ سے ایسے امور میں استدلال فرمایا ہے جن میں حدیث صحیح اصلاً مروی نہیں۔

مثلاً نمازِ نصف شعبان کی نسبت علی قاری علیہ الرحمہ (کا ضعیف حدیث سے استدلال کرنا)۔

(اسی طرح) بدھ کو ناخن تراشنے کی نسبت خود نسیم الریاض وطحاوی کے اقوال زیورِ گوش سامعین ہوئے۔

(امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے یہاں اس کی دس مثالیں ارشاد فرمائیں اور ارشاد فرمایا) یہ دس ۱۰ تو یہیں موجود ہیں اور خوفِ اطالت (طوالت کا خوف) نہ ہو تو سو دو سو ایک ادنٰی نظر میں جمع ہوسکتے ہیں۔

خامساً اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں) اس شرطِ زائد کا اضافہ اصل مسئلہ اجماعیہ کو محض لغو ومہمل کردے گا کہ اب حاصل یہ ٹھہرے گا کہ احکام میں تو مقتضائے حدیثِ ضعیف پر کاربندی اصلاً جائز نہیں اگرچہ وہاں حدیث صحیح موجود ہو اور ان کے غیر میں بحالتِ موجودِ صحیح (صحیح کی موجودگی میں) صحیح ورنہ قبیح۔

اگر صحیح نہ آتی ضعیف بیکار تھی آتی تو وہی کفایت کرتی بہرحال اس کا وجود وعدم یکساں (ہونا نہ ہونا برابر) پھر معمول بہ ہونا کہاں!

اور شک نہیں کہ خود صحیح کے ہوتے ضعیف سے اخذ (استدلال) اور اس کی طرف اضافت چہ معنی (کیا معنی رکھتی ہے)،

مثلاً کوئی کہے چراغ کی روشنی میں کام کی اجازت تو ہے مگر اس شرط پر کہ نورِ آفتاب بھی موجود ہو۔ سبحان اللہ جب مہر نیمروز (نصف دن کا سورج) خود جلوہ افروز تو چراغ کی کیا حاجت اور اس کی طرف کب اضافت! اسے چراغ کی روشنی میں کام کرتا کہیں گے یا نورِ شمس میں۔ (ج5،ص501)

سوال: آپ فرمارہے ہیں کہ ضعیف حدیث حجت ہے حالانکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ضعیف احادیث احکام حلال وحرام میں قابلِ استدلال نہیں۔

جواب: حدیثِ ضعیف سے فضائلِ اعمال میں استحباب یا محلِ احتیاط میں کراہت تنزیہ یا امر مباح کی تائید اباحت پر استناد کرنا اُسے احکام میں حجت بنانا اور حلال وحرام کا مثبت ٹھہرانا نہیں کہ اباحت تو خود بحکم اصالت ثابت اور استحباب تنزہ (بچنے کا مستحب ہونا) قواعدِ قطعیہ شرعیہ وارشادِ اقدس ''کیف وقد قیل'' وغیرہ احادیث صحیحہ سے ثابت جس کی تقریر سابقاً زیورِ گوش سامعان ہوئی (سامعین کے کانوں کی زینت بنی)، حدیثِ ضعیف اس نظر سے کہ ضعفِ سند مستلزم غلطی نہیں ممکن کہ واقع میں صحیح ہو صرف امید واحتیاط پر باعث ہوئی، آگے حکمِ استحباب وکراہت اُن قواعد وصحاح نے افادہ فرمایا اگر شرع مطہر نے جلبِ مصالح (مصالح کے حصول) وسلبِ مفاسد (مفاسد کو دور کرنے) میں احتیاط کو مستحب نہ مانا ہوتا ہرگز ان مواقع میں احکام مذکورہ کا پتا نہ ہوتا تو ہم نے اباحت، کراہت، مندوبیت (استحباب) جو کچھ ثابت کی دلائلِ صحیحہ شرعیہ ہی سے ثابت کی نہ حدیث ضعیف سے۔

اگر دلائلِ شرعیہ سے ایک امرِ کلی کی حرمت ثابت ہو اور کوئی حدیثِ ضعیف اُس کے کسی فرد کی طرف بُلائے مثلاً کسی حدیث مجروح میں خاص طلوع وغروب یا استوا کے وقت بعض نماز نفل کی ترغیب آئی تو ہرگز قبول نہ کی جائے گی کہ اب اگر ہم اُس کا استحباب یا جواز ثابت کریں تو اسی حدیثِ ضعیف سے ثابت کریں گے اور وہ صالح اثبات نہیں یونہی اگر دلائلِ شرعیہ مثبتِ ندب یا اباحت ہوں اور ضعاف میں نہی آئی اسی وجہ سے مفیدِ حرمت نہ ہوگی مثلاً مقرر اوقات کے سوا کسی وقت میں ادائے سنن یا معین رشتوں کے علاوہ کسی رشتہ کی عورت سے نکاح کو کوئی حدیث ضعیف منع کرے حرمت نہ مانی جائے گی ورنہ ضعاف کی صحاح پر ترجیح لازم آئے بحمد اللہ یہ معنی ہیں کلامِ علماء کے کہ حدیث ضعیف در بارۂ احکامِ حلال وحرام معمول بہ نہیں۔

اصل یہ ہے کہ مثبت وہ جو خلافِ اصل کسی شئے کو ثابت کرے کہ جو بات مطابقِ اصل ہے خود اسی اصل سے ثابت، ثابت کیا محتاجِ اثبات ہوگا ولہذا شرع مطہر میں گواہ اس کے مانے جاتے ہیں جو خلافِ اصل کا مدعی ہو اور ماورائے دماء وفروج ومضار وخبائث تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے تو ان میں کسی فعل کے جواز پر حدیثِ ضعیف سے استناد کرنا حلت غیر ثابتہ کا اثبات نہیں بلکہ ثابتہ کی تائید ہے۔ (ج5،ص521)

سوال: کیا فضائلِ اعمال میں ہر قسم کی ضعیف حدیث مقبول ہے؟

جواب: ایسے مواقع میں ہر حدیثِ ضعیف غیر موضوع کام دے سکتی ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں یعنی امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں)

اوّلاً جمہور علماء کے عامہ کلمات مطالعہ کیجئے تو وہ مواقع مذکورہ میں قابلیتِ عمل کیلئے کسی قسم ضعف کی تخصیص نہیں کرتے، صرف اتنا فرماتے ہیں کہ موضوع نہ ہو۔

زرقانی شرح مواہب میں ہے ''عادة المحدثين التساهل في غير الاحكام و العقائد مالم يكن موضوعاً'' (محدثین کی عادت ہے کہ غیر احکام وعقائد میں تساہل (نرمی) کرتے ہیں اس میں جو موضوع نہ ہو)۔

علاّمہ حلبی سیرۃ الانسان العیون میں فرماتے ہیں ''لايخفى ان السير تجمع الصحيح و السقيم و الضعيف والبلاغ والمرسل والمنقطع والمعضل دون الموضوع وقدقال الامام احمد و غيره من الائمة اذارويناً في الحلال والحرام شددنا واذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا '' واضح رہے کہ اصحاب سیر ہر قسم کی روایات جمع کرتے ہیں صحیح، غیر صحیح، ضعیف، بلاغات، مرسل، منقطع اور معضل وغیرہ، لیکن موضوع روایت ذکر نہیں کرتے۔ امام احمد اور دیگر محدثین کا قول ہے کہ جب ہم حلال وحرام کے بارے میں احادیث روایت کرتے ہیں تو شدت کرتے ہیں اور جب ہم فضائل وغیرہ کے بارے میں روایات لاتے ہیں تو ان میں نرمی برتتے ہیں۔

ثانیاً کلبی کا نہایت شدید الضعف ہونا کسے نہیں معلوم اُس کے بعد صریح کذاب وضّاع ہی کا درجہ ہے ائمہ شان نے اُسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کیا۔

باایںہمہ (اس کے باوجود) عامہ کتبِ سیر وتفاسیر اس (کلبی) کی اور اس کی امثال کی روایات سے مالامال ہیں ،علمائے دین ان امور میں اُنہیں بلانکیر نقل کرتے رہے ہیں۔

ثالثاً امام واقدی ہمارے علماء کے نزدیک ثقہ ہیں، امام واقدی کو جمہور اہلِ اثر نے چنیں وچناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتبِ فن میں مسطور، لاجرم تقریب میں کہا ''متروك مع سعة علمه ''علمی وسعت کے باوجود متروک ہے، اگرچہ ہمارے علماء کے نزدیک اُن کی توثیق ہی راجح ہے۔

باایںہمہ (اس کے باوجود) یہ جرح شدید ماننے والے بھی انہیں سیر ومغازی واخبار کا امام مانتے اور سلفاً وخلفاً ان کی روایات سیر میں ذکر کرتے ہیں كمالايخفى على من طالع كتب القوم (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے قوم کی کُتب کا مطالعہ کیا ہے)۔

رابعاً ہلال بن زید بن یسار بصری عسقلانی کو ابنِ حبان نے کہا روی عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ اشیاء موضوعۃ (انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے موضوع روایات نقل کی ہیں) حافظ الشان نے تقریب میں کہا متروک (ہے)۔

(اس کے باوجود ایک مقام پر حافظ الشان نے کہا) حدیث فضائلِ اعمال کی ہے سوائے طعن ہلال کے باعث موضوع کہنا ٹھیک نہیں، امام احمد کا طریق معلوم ہے کہ احادیثِ فضائل میں تساہل فرماتے ہیں۔

خود امام الشان ہی نے ہلال کو متروک کہا خود ہی متروک کو اتنا شدید الضعف بتایا خود ہی ایسے شدید الضعف کی روایت کو دربارۂ فضائل مستحق تساہل رکھا اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی کہ ضعف کیسا ہی شدید ہو جب تک سرحدِ کذب و وضع تک نہ پہنچے حافظ الشان کے نزدیک بھی فضائل میں قابلِ نرمی و گوارائی ہے۔

خامساً اور سُنیے وضو کے بعد اِنّا انزلنا پڑھنے کی حدیثوں کا ضعف نہایت قوت پر ہے۔ امام الشان سے اس بارہ میں سوال ہُوا وہی جواب فرمایا کہ فضائلِ اعمال میں ضعاف پر عمل روا ہے۔

سادساً یہ حدیث کہ چاند گہوارہ میں عرب کے چاند عجم کے سورج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے باتیں کرتا، حضور کو بہلاتا، انگشت مبارک سے جدھر اشارہ فرماتے اُسی طرف جھک جاتا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ، امام ابو عثمٰن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن صابونی نے کتاب المائتین، خطیب نے تاریخ بغداد، ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی اُس کا مدار احمد بن ابراہیم حلبی شدید الضعف پر ہے۔

باوجود اس کے امام صابونی نے فرمایا "ھذا حدیث غریب الاسناد والمتن وھو فی المعجزات حسن" (اس حدیث کی سند بھی غریب اور متن بھی غریب بااینہمہ معجزات میں حسن ہے)۔

اُن کے اس کلام کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبرٰی، امام احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔

سابعاً حدیث "الدیك الابیض صدیقی وصدیق صدیقی وعدو عدواللّٰہ وکان رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یبیتہ معہ فی البیت" (مرغ سپید میرا خیر خواہ اور میرے دوست کا خیر خواہ، اللہ تعالٰی کے دشمن کا دشمن ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُسے شب کو مکان خوابگاہ اقدس میں اپنے ساتھ رکھتے تھے)۔ (کتاب الموضوعات، ج3، ص4، دار الفکر، بیروت)

علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا "باسناد فیہ کذاب" (اس کی سند میں کذاب ہے)۔

باوصف اس کے فرمایا "فیندب لنا فعل ذلك تاسیا بہ" جبکہ حدیث میں ایسا وارد ہوا تو ہمیں باقتدائے حضور پُرنور

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مرغ سپید کو اپنی خوابگاہ میں ساتھ رکھنا مستحب ہے۔

مثالیں اس کی اگر تتبع کیجئے بکثرت لیجئے۔

ثامناً احادیث و دلائل مذکورہ افادات سابقہ بھی اسی اطلاق کے شاہد عدل ہیں خصوصاً حدیث وان کان الذی حدثه به کاذبا (اگر چہ جس نے اسے بیان کیا کاذب ہو) ظاہر ہے کہ احتمال صدق و نفع بے ضرر ہر ضعیف میں حاصل تو فرق زائل بالجملہ یہی قضیہ دلیل ہے اور یہی کلام و عمل قوم سے مستفاد۔ (ج5،ص524تا529)

سوال: ایک ہی چیز کے بارے میں ایک سے زیادہ موضوع احادیث ہوں، تو کیا وہ کارآمد ہو جاتی ہیں؟

جواب: موضوع حدیث کسی طرح کارآمد نہیں ہے اور کثرتِ طرق کے باوجود اس کا عیب ختم نہیں ہوسکتا کیونکہ شر کی زیادتی سے شر مزید بڑھتا ہے، نیز موضوع معدوم چیز کی طرح ہے اور معدوم چیز نہ قوی ہوسکتی ہے اور نہ قوی بنائی جاسکتی ہے۔

(ج5،ص534)

سوال: شاہ ولی اللہ نے کتب احادیث کے چار طبقات بیان کئے ہیں پہلا طبقہ میں بخاری و مسلم کو، دوسرے میں ترمذی، ابوداؤد، نسائی وغیرہ کو، تیسرے میں مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی، طبرانی وغیرہ کو اور چوتھے طبقہ میں کتب ابونعیم، تصانیفِ خطیب بغدادی وغیرہ کو شمار کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ طبقہ رابعہ کی احادیث اس قابل نہیں کہ ان سے عقیدہ و عمل سے استدلال کیا جاسکے۔ اس وجہ سے غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی ساری احادیث بے اصل ہیں۔

جواب: کسی حدیث کا کتب طبقۂ رابعہ سے ہونا موضوعیت بالائے طاق، ضعفِ شدید درکنار مطلق ضعف کو بھی مستلزم نہیں، اُن میں حسن، صحیح، صالح، ضعیف، باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں، ہاں بوجہ اختلاط (صحیح وضعیف ملی ہونے کی وجہ سے) وعدمِ بیان (اور ان کے ضعف وصحت کو بیان نہیں کیا) کہ عادتِ جمہور محدثین ہے، ہر حدیث میں احتمالِ ضعف قدیم، لہذا غیرِ ناقد (صحیح وضعیف کو پرکھنے والے کے علاوہ) کو بے مطالعہ کلماتِ ناقدین اُن سے عقائد واحکام میں احتجاج (کا حق) نہیں پہنچتا، قولِ شاہ عبدالعزیز صاحب این احادیث قابلِ اعتماد نیستند که در اثبات عقیده یا عملے بآنها تمسک کرده شود (یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں کہ ان سے عقیدہ و عمل میں استدلال کیا جاسکے) کے یہی معنی ہیں، نہ یہ کہ ان کتابوں میں جتنی حدیثیں ہیں سب واہی ساقط ہیں یا موضوع و باطل اور اصلاً در بارہ فضائل بھی ایراد واستناد کے ناقابل، کوئی ادنٰی ذی فہم و تمیز بھی ایسا ادعا نہ کرے گا نہ کہ شاہ صاحب سا فاضل، ہاں متکلمانِ طائفہ وہابیہ اپنی جہالتیں جس کے سر چاہیں دھریں۔

اولاً خود شاہ صاحب اثباتِ عقیدہ و عمل کا انکار فرمارہے ہیں اور وہ فضائل اعمال میں تمسک (استدلال) کے منافی

نہیں۔

ثانیاً تصانیفِ خطیب وابونعیم بھی طبقۂ رابعہ میں ہیں اور شاہ صاحب بستان المحدثین میں امام ابونعیم کی نسبت فرماتے ہیں ''از نوادر کتب او کتاب حلیۃ الاولیاء ست کہ نظیر آں در سلام تصنیف نشدہ ''ان کی تصانیف میں سے حلیۃ الاولیاء ایسے نوادرات میں سے ہے جس کی مثل اسلام میں آج تک کوئی کتاب تصنیف نہ ہوئی۔

اسی میں ہے ''کتاب اقتضاء العلم والعمل از تصانیفِ خطیب است بسیار خوب کتابے است درباب خود'' خطیب بغدادی کی کتب میں اقتضاء العلم والعمل اپنے فن میں بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔

سبحان اللہ کہاں شاہ صاحب کا یہ حسنِ اعتقاد اور کہاں ان کے کلام کی وہ بیہودہ مراد کہ وہ کتب سراسر مہمل وناقابل استناد۔

ثالثاً شاہ صاحب مرحوم کے والد شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ میں اسی طبقہ رابعہ کی نسبت لکھتے ہیں ''اصلح ھذہ الطبقۃ ما کان ضعیفاً محتملا'' یعنی اس طبقہ کی احادیث میں صالح تر وہ حدیثیں ہیں جن میں ضعف قلیل قابلِ تحمل ہو۔

ظاہر ہے کہ ضعیف محتمل اور تعدد انجبار سے خود احکام میں حجت ہوجاتی ہے اور فضائل میں تو بالاجماع تنہا ہی مقبول وکافی ہے، پھر یہ حکم بھی بلحاظِ انفراد ہوگا ورنہ ان میں بہت احادیث منجبرہ حسان ملیں گی اور عندالتحقیق یہ بھی باعتبارِ غالب ہے ورنہ فی الواقع ان میں صحاح حسان سب کچھ ہیں۔

رابعاً شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں صریح تصریح کی ہے کہ کتب طبقۂ اربعہ میں نہ صرف ضعیف محتمل بلکہ حسان بھی موجود ہیں اگرچہ لغیرہا کہ وہ بھی بلاشبہ خود احکام میں حجت نہ کہ فضائل۔

خامساً انہی شاہ صاحب نے اسی حجہ میں سنن ابی داؤد وترمذی ونسائی کو [illegible] ـنفِ عبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ وتصانیفِ ابی داؤد طیالسی وبیہقی وطبرانی کو طبقۂ ثالثہ اور کتب ابونعیم کو طبقۂ رابعہ میں گنا۔ ([illegible] الجوامع میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے) ان طبقات ثانیہ وثالثہ ورابعہ سب کو ایک ہی مشق میں گنا اور سـ[illegible] پر یہی حکم فرمایا کہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف سب کچھ ہے۔

سادساً خود شاہ صاحب کی تصانیف تفسیر عزیزی وتحفہ اثناعشریہ [illegible] رہا میں جابجا احاد[illegible]ـثِ طبقہ رابعہ سے بلکہ ان سے بھی اتر کر استناد موجود، اب یا تو شاہ صاحب معاذ اللہ خود کلام اپنا نہ سمجھتے یا یہ سفہاء (وہابیہ بے [illegible]ـف) ناحق تحریفِ معنوی کرکے احادیثِ طبقۂ رابعہ کو مہمل ومعطل ٹھہرانا ان کے سر کیے دیتے ہیں، تمثیلاً چند نقول حاضر ہیں:

تفسیر عزیزی میں ہے ''ثعلبی نے شعبی سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے شعبی سے [illegible] آ کر شکایت کی کہ مجھے درد گردہ

ہے،انہوں نے فرمایا تو اساس القرآن پڑھ کر جائے درد پر دم کر، اس نے عرض کیا کہ اساس القرآن کیا ہے؟ فرمایا سورۃ الفاتحہ۔
(تفسیر عزیزی ص59 لال کنواں دہلی)

تفسیر عزیزی میں ہے ''حافظ خطیب بغدادی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا ابھی ایک شخص آئے گا کہ میرے بعد اس سے بہتر شخص اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں فرمایا اس کی شفاعت روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی شفاعت کی طرح ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ (تفسیر عزیزی ص306 لال کنواں دہلی)
(ثعلبی، حافظ بغدادی کی کتب طبقۂ رابعہ سے تعلق رکھتی ہیں)۔

تحفہ اثنا عشریہ میں ہے ''شیعہ اور سُنّی دونوں کے ہاں روایاتِ صحیحہ میں ثابت ہے کہ یہ معاملہ حضرت ابوبکر پر نہایت شاق گزرا، لہذا آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے دروازے پر حاضر ہوئے اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفارشی بنایا تاکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوجائے، روایاتِ اہلسنّت مدارج النبوۃ، الوفاء، بیہقی اور شروح مشکوٰۃ میں موجود ہیں بلکہ شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر اس واقعہ کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا کے گھر کے باہر دھوپ میں کھڑے ہوگئے اور معذرت کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوگئیں۔
(تحفہ اثنا عشریہ ص278، سہیل اکیڈمی، لاہور)

سابعاً طرفہ تر یہ کہ شاہ صاحب نے تصانیفِ حاکم کو بھی طبقہ رابعہ میں گنا حالانکہ بلاشبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صحاح وحسان ہیں بلکہ اُس میں صدہا حدیثیں برشرطِ بخاری ومسلم صحیح ہیں قطع نظر اس سے کہ تصانیفِ شاہ صاحب میں کتبِ حاکم سے کتنے اسناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی ازالۃ الخفاء وقرۃ العینین تو مستدرک سے تو دہ تو دہ احادیث نہ صرف فضائل بلکہ خود احکام میں مذکور۔

لطیف تر یہ ہے کہ خود ہی بستان المحدثین میں امام الشان ابوعبداللہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں ''انصاف یہ ہے کہ مستدرک میں اکثر احادیث ان دونوں بزرگوں (بخاری ومسلم) یا ان میں سے کسی ایک کے شرائط پر ہیں بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ تقریباً نصف کتاب اس قبیل سے ہے اور تقریباً اس کا چوتھائی ایسا ہے کہ ظاہراً ان کی اسناد صحیح ہیں لیکن ان دو (بخاری ومسلم) کی شرائط پر نہیں اور باقی چوتھائی واہیات اور مناکیر بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں اس لئے میں نے اس کے خلاصہ جو کہ تلخیص ذہبی سے مشہور ہے، میں اس بارے میں خبردار کیا ہے''

تنبیہ: بحمداللہ ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ اس طبقہ والوں کی احادیث متروکہ سلف کو جمع کرنے والے بزعم ناقص قدر ہیں

کہ جن احادیث کے ایراد (اپنی کتابوں میں وارد کرنے) سے اُنہوں نے احتراز کیا انہوں نے درج کیں نہ یہ کہ انہوں نے ... یہ سب متروکِ سلف ہے مجرد عدمِ ذکر کو اس معنے پر محمول کرنا کہ ناقص سمجھ کر بالقصد ترک کیا ہے محض جہالت ورنہ افرادِ بخاری (جو احادیث صرف امام بخاری نے ذکر کیں) متروکاتِ مسلم ہوں اور افرادِ مسلم متروکاتِ بخاری اور ہر کتاب متاخر کی وہ حدیث کہ کتبِ سابقہ میں نہ پائی گئی تمام سلف کی متروک مانی جائے، مصنفین میں کسی کو دعوائے استیعاب نہ تھا۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ تھیں صحیح بخاری میں کُل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔

ثامناً شاہ صاحب نے لکھا ''امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام حاکم کی تصحیح پر کوئی کفایت نہ کرے تاوقتیکہ اس پر میری تعقبات وتلخیصات کا مطالعہ نہ کرلے۔

شاہ صاحب اس کلامِ امام ذہبی کو نقل کرکے فرماتے ہیں" اس لیے محدثین نے یہ ضابطہ مقرر کردیا ہے کہ مستدرک حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے کے بعد اعتماد کیا جائے گا"

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ وجہ بے اعتمادی یہی اختلاطِ صحیح وضعیف ہے اگرچہ اکثر صحیح ہی ہوں جیسے مستدرک میں تین ربع کتاب کی قدر احادیثِ صحیحہ ہیں نہ کہ سب کا ضعیف ہونا، چہ جائے ضعفِ شدید یا بطلانِ محض کہ کوئی جاہل بھی اس کا ادعا نہ کرے گا اور اس بے اعتمادی کے یہی معنی اگر خود لیاقتِ نقد رکھتا ہو آپ پرکھے ورنہ کلامِ ناقدین کی طرف رجوع کرے بے اس کے حجت نہ سمجھ لے۔

اب انصافاً یہ حکم نہ صرف کتبِ طبقۂ رابعہ بلکہ ثانیہ ثالثہ سب پر ہے کہ جب منشا اختلاطِ صحیح وضعیف ہے اور وہ سب میں تو حکم تو یہی حکم سب پر لازم آخر نہ دیکھا کہ ائمہ دین نے صاف صاف یہی تصریح سنن ابی داؤد وجامع ترمذی ومسند امام احمد وسنن ابن ماجہ ومصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ ومصنف عبدالرزاق وغیرہا سنن ومسانید کتبِ طبقہ ثانیہ وثالثہ کی نسبت بھی فرمائے۔

امام خاتم الحفاظ کا قول ابھی سُن چکے کہ انہوں نے ان سب کتب کو ایک سلک میں منسلک فرمایا۔

بالجملہ حق یہ کہ مدار اسناد ونظر وانتقاد یا تحقیق نقاد پر ہے نہ فلاں کتاب میں ہونے فلاں میں نہ ہونے پر۔

(ج5، ص538تا547)

سوال: موضوع احادیث کے بارے میں لکھی گئی کتب میں کسی حدیث کے مطلق ذکر سے کیا وہ حدیث موضوع سمجھی جائے گی؟

جواب: کتبِ موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کو بھی مستلزم نہیں (چہ جائیکہ اس کے موضوع ہونے کو مستلزم ہو)۔

اوّل کتابیں کہ بیانِ احادیثِ موضوعہ میں تالیف ہوئیں دو قسم ہیں:

ایک وہ جن کے مصنفین نے خاص ایرادِ موضوعات (موضوع احادیث کو وارد کرنے) ہی کا التزام کیا جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی واباطیلِ جوزقانی وموضوعاتِ صغانی ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحۃً نفی موضوعیت نہ کردی ہو ایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجا ہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے۔

پھر اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعمِ مصنف میں موضوع ہے بہ نظرِ واقع عدمِ صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضعف نہ کہ سقوط نہ کہ بطلان، ان سب کتب میں احادیثِ ضعیفہ درکنار بہت احادیث حسان وصحاح بھر دی ہیں اور محض بے دلیل اُن پر حکمِ وضع لگا دیا ہے جسے ائمہ محققین ونقادِ متقحسین نے بدلائل قاہرہ باطل کردیا جس کا بیان مقدمہ ابن الصلاح وتقریب امام نووی والفیہ امام عراقی وفتح المغیث امام سخاوی وغیرہا تصانیفِ علما سے اجمالاً اور تدریب امام خاتم الحفاظ سے قدرے مفصلاً (جانا جاسکتا ہے)۔

مطالعۂ تدریب سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اور تصانیف درکنار خود صحاح ستہ ومسند امام احمد کی چوراسی حدیثوں کو موضوع کہہ دیا جن کی تفصیل یہ ہے: مسند امام احمد (۳۸)، صحیح بخاری شریف بروایت حماد بن شاکر (۱)، صحیح مسلم شریف (۳)، سنن ابی داؤد (...) جامع ترمذی (۵)، سنن نسائی (۶)، سنن ابن ماجہ (۱۶)۔

دوم وہ جن کا قصد صرف ایرادِ موضوعاتِ واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکمِ وضع کی تحقیق وتنقیح جیسے لآلی امام سیوطی یا نظر وتنقید کے لئے اُن احادیث کا جمع کردینا جن پر کسی نے حکمِ وضع کیا جیسے اُنہیں کا ذیل اللآلی امام ممدوح خطبہ میں فرماتے ہیں "ابن الجوزی اکثر من اخراج الضعیف بل والحسن بل والصحیح کما نبه علی ذلك الائمة الحفاظ وطال ما اختلج فی ضمیری انتقاؤہ وانتقادہ فاورد الحدیث ثم اعقب بکلامه ثم انکان متعقبا بنهت علیه "ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں بہت ضعیف بلکہ حسن بلکہ صحیح حدیثیں روایت کردی ہیں کہ ائمہ حفاظ نے اس پر تنبیہ فرمائی مدت سے میرے دل میں تھا کہ اُس کا خلاصہ کروں اور اُس کا حکم پرکھوں تو اب میں حدیث ذکر کرکے ابن جوزی کا کلام نقل کروں گا پھر اس پر جو اعتراض ہوگا بتاؤں گا۔

پُر ظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع (عنوان) ہی تنہا ایرادِ موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سندِ متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضعف یا سقط یا بطلان کیا نکلتا ہے۔

مثلاً ''لایصح'' (یہ صحیح نہیں) یا ''لم یثبت'' (یہ ثابت نہیں) یا سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضعف معلوم ہُوا، اور اگر ''رفعہ'' کی قید زائد کردی تو صرف مرفوع کا ضعف اور بنظرِ مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہُوا، وعلی ہذا القیاس اور کچھ کلام نہ کیا تو امر محتاجِ نظر و تنقیح رہے گا۔

شوکانی کی کتاب موضوعات مسمّٰی بہ فوائدِ مجموعہ بھی اسی قسمِ ثانی کے ہے خود اُس نے خطبۂ کتاب میں اس معنٰی کی تصریح کی کہ میں اس کتاب میں وہ حدیثیں بھی ذکر کروں گا جنہیں موضوع کہنا ہرگز صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں بلکہ ضُعف بھی خفیف ہے بلکہ اصلاً ضعف نہیں حسن یا صحیح ہیں کہ اہلِ تشدّد کے کلام پر تنبیہ اور اُس کے رَد کی طرف اشارہ ہوجائے۔ (ج5،ص548)

سوال: اگر کوئی ایسی حدیث ہو کہ اس کی سند کسی قابل نہ ہو مگر اس میں جو بات مذکور ہو وہ تجربہ سے ثابت ہو تو کیا وہ فضائل میں معتبر ہوگی؟

جواب: بالفرض اگر ایسی جگہ ضعفِ سند ایسی ہی حد پر ہو کہ اصلاً قابلِ اعتماد نہ رہے مگر جو بات اس میں مذکور ہوئی وہ علماو صلحا کے تجربہ میں آچکی تو علمائے کرام اس تجربہ ہی کو سند کافی سمجھتے ہیں کہ آخر سند کذبِ واقعی کو مستلزم نہ تھا۔

(امام) حاکم نے عمر بن ہارون بلخی (کی سند سے) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے نماز قضائے حاجت کیلئے ایک ترکیب عجیب مرفوعاً روایت کی جس کے آخر میں ہے ''ولاتعلموها السفهاء فانه يدعون بها فيستجابون'' بیوقوفوں کو یہ نماز سکھاؤ کہ وہ اس کے ذریعہ سے جو چاہیں گے مانگ بیٹھیں گے اور قبول ہوگی۔ (الترغیب والترہیب، ج1،ص428،مصطفی البابی،مصر)

ائمۂ جرح وتعدیل نے عمر بن ہارون کو سخت شدید الطعن متروک بلکہ متہم بالکذب تک کہا۔

(اس کے باوجود) مستدرک میں تھا ''احمد بن حرب نے کہا میں نے اس نماز کو آزمایا حق پایا، ابراہیم بن علی دیبلی نے کہا میں نے آزمایا حق پایا، ہم سے ابوزکریا نے کہا میں نے آزمایا حق پایا، حاکم کہتے ہیں خود میں نے آزمایا تو حق پایا۔

لہذا امام حافظ منذری نے فرمایا ''الاعتماد فی مثل هذا على التجربة لاعلى الاسناد'' (ایسی جگہ اعتماد تجربہ پر ہوتا ہے نہ کہ اسناد پر)۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (کے حوالے) سے امامِ اجل سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ الشریف کا ارشاد گذرا کہ میں نے صحتِ حدیث کو اس جوان کی صحتِ کشف سے پہچانا یعنی جب اس کے کشف سے معلوم ہوا کہ حدیث میں جو وعدہ آیا تھا ٹھیک اُترا، معلوم ہُوا کہ حدیث صحیح ہے۔

اب صدرِ رسالہ (رسالہ کے شروع) میں امام سخاوی کے نقول دیکھ لیجئے کہ اس تقبیل ابہامین (انگوٹھے چومنے) کے کتنے تجربے علماو صلحا سے منقول ہوئے ہیں۔ (ج5،ص551)

سوال: اگر فضائل میں کوئی بے سند حدیث کتبِ علماء میں موجود ہو تو کیا قبول ہوگی؟

جواب: علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلماتِ بعض علما میں بلاسند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں اگرچہ طبقہ رابعہ وغیرہا کسی طبقہ حدیث میں اُس کا نام نہ نشان نہ ہو، حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصالِ اقدس کے بعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور والا کو ندا کرکے بابی انت وامی یارسول اللّٰہ میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ کہہ کر حضور کے فضائلِ جلیلہ وشمائل جمیلہ عرض کرنا۔

یہ حدیث امام ابومحمد عبداللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی نے کہ پانچویں صدی کے علماء سے تھے، اور ابوعبداللہ محمد محمد ابن الحاج عبدری مکی مالکی نے کہ آٹھویں صدی کے فضلا سے تھے اپنی کتاب مدخل میں ذکر کی دونوں نے محض بلاسند۔

ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے اس سے زائد اس کا پتا نہ پایا کُتب حدیث میں اصلاً نشان نہ ملا مگر ازانجا کہ مقامِ مقامِ فضائل تھا اسی قدر کو کافی سمجھا، ان نادانوں کی طرح طبقہ رابعہ میں ہونا درکنار اصلاً کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی اُنہیں اُس کے ذکر وقبول سے مانع نہ آیا بلکہ اس سے استناد فرمایا۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ مناہل میں فرماتے ہیں "میں نے یہ حدیث کسی کتاب میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں ایک حدیث طویل کا ذکر کیا ہے، ایسی حدیث کو اتنی ہی سند بہت ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔ (ج5،ص555)

سوال: اگر کسی فعل کے کرنے کے بارے میں موضوع حدیث ہو تو کیا اس سے وہ فعل ممنوع ہو جاتا ہے؟

جواب: حدیث اگر موضوع بھی ہو تو تاہم اس سے فعل کی ممانعت لازم نہیں (کہ) موضوعیتِ حدیث عدمِ حدیث ہے (یعنی حدیث نہیں ہے) نہ حدیثِ عدم (نہ کہ ممانعت کی حدیث)، اُس کا اصل صرف اتنا ہوگا کہ اس بارہ میں کچھ وارد نہ ہوا، نہ یہ کہ انکار ومنع وارد ہوا، اب اصل فعل کو دیکھا جائے گا اگر قواعدِ شرع ممانعت بتائیں ممنوع ہوگا ورنہ اباحتِ اصلیہ پر رہے گا اور بہ نیت حسن حسن ومستحسن ہو جائے گا۔ کماھو شان المباحات جمیعا کمانص علیه عه فی الاشباہ وردالمحتار وانموذج العلوم وغیرھا من معتمدات الاسفار۔ جیسا کہ تمام مباحات کا معاملہ ہے جیسا کہ اس پر اشباہ وردالمحتار اور انموذج العلوم اور ان جیسی دیگر معتمد کتب میں تصریح کی ہے۔

حدیث کے موضوع ہونے سے فعل کیوں ممنوع ہونے لگا موضوع خود باطل ومہمل وبے اثر ہے یا نہی وممانعت کا پروانہ۔

لاجرم علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری فرماتے ہیں "ای حیث کان مخالفا لقواعد الشریعة واما لو کان داخلا

فی اصل عام فلامانع منہ لالجعلہ حدیثا بل لدخولہ تحت الاصل العام ''یعنی جس فعل کے بارے میں حدیث موضوع وارد ہوا ُسے کرنا اُسی حالت میں ممنوع ہے کہ خود وہ فعل قواعدِ شرع کے خلاف ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ کسی اصلِ کلی کے نیچے داخل ہے تو اگر چہ حدیث موضوع ہو فعل سے ممانعت نہیں ہو سکتی نہ اس لئے کہ موضوع کو حدیث ٹھہرائیں بلکہ اس لئے کہ وہ قاعدہ کلیہ کے نیچے داخل ہے۔

علامہ طاہر فتنی آخر مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں ''یہ حدیث کہ جس نے پھول سُونگھا اور مجھ پر درود نہ بھیجا اُس نے مجھ پر ظلم کیا باطل وکذب ہے ایسی ہی وہ حدیث جو گلاب کا پھول سُونگھنے میں آئی۔ میں نے اس باب میں اپنے شیخ حضرت شیخ علی متقی مکّی قدس سرہ الملکی کو لکھا کہ خوشبو سُونگھتے وقت درود پاک کی کچھ اصل ہے؟ انہوں نے ہمارے استاد امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ یا کسی اور عالم کے حوالہ سے جواب تحریر فرمایا کہ ایسے وقت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی کچھ اصل نہیں تاہم ہمارے نزدیک اس میں کوئی کراہت بھی نہیں۔

پھر امام مذکور بعد اس تحقیق کے کہ اُس وقت غافلانہ بے نیت ثواب درود نہ پڑھنا چاہئے ارشاد فرماتے ہیں ''امــا مـن استیقظ عند اخذ الطیب او شمہ الی ماکان علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من محبتہ للطیب واکثارہ منہ فتذکر ذلك الـخلق العظیم فصلی علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حینئذ لماوقر فی قلبہ من جلالتہ واستحقاقہ علی کل امتہ ان یلحظوہ بعین نہایۃ الاجلال عندرؤیۃ شیء من آثارہ اومایدل علیہا فہذا لاکراہۃ فی حقہ فضلا عن الحرمۃ بل ھو ات بـمافیہ اکمل الثواب الجزیل والفضل الجمیل وقد استحبہ العلماء لمن رأی شیئا من اثارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولاشك ان مـن استـحـضر ماذکرتہ عندشمہ الطیب یکون کالرأی لشیء من اثارہ الشریفۃ فی المعنی فلیسن لہ الاکثار من الصلاۃ والسلام علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''ہاں خوشبو لیتے یا سُونگھتے وقت متنبہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے دوست رکھتے اور بکثرت استعمال فرماتے تھے اس خلقِ عظیم کو یاد کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے کہ حضور کی عظمت اور تمام امت پر حضور کا یہ حق ہونا اُس کے دل میں جما کہ جب حضور کے آثارِ شریفہ یا اُن پر دلالت کرنے والی کوئی چیز دیکھیں تو نہایت تعظیم کی آنکھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصوّر کریں تو ایسے کے حق میں حرمت چھوڑ کراہت کیسی، اس نے تو وہ کام کیا جس پر ثوابِ کثیر وفضلِ جمیل پائے گا کہ زیارتِ آثارِ شریفہ کے وقت درود پڑھنا علما نے مستحب رکھا ہے اور شک نہیں کہ جس نے خوشبو سُونگھتے وقت یہ تصور کیا وہ گویا معنیً بعض آثارِ شریفہ کی زیارت کر رہا ہے تو اُسے اس وقت حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام کی کثرت سنت ہے۔ (خاتمہ مجمع بحار الانوار، ج2، ص512، نولکشور لکھنؤ)

دیکھو باآنکہ احادیث موضوع تھیں اور خاص فعل کی اصلاً سند نہیں پھر بھی علما نے جائز رکھا اور بہ نیتِ نیک باعثِ اجر

عظیم وفضلِ کریم قرار دیا۔

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے موضوعاتِ کبیر میں فرمایا ''احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء کلہا باطلۃ'' جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ وضو میں فلاں فلاں عضو دھوتے وقت یہ دُعا پڑھو سب موضوع ہیں۔

بائنہمہ فرمایا ''ثم اعلم انہ لایلزم من کون اذکار الوضوء غیر ثابتۃ عنہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تکون مکروھۃ اوبدعۃ مذمومۃ بل انہا مستحبۃ استحبہا العلماء الاعلام والمشایخ الکرام لمناسبۃ کل عضو بدعاء یلیق فی المقام'' پھر یہ جان رکھ کہ ادعیہ وضو کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ مکروہ یا بدعت شنیعہ ہوں بلکہ مستحب ہیں علمائے عظام واولیائے کرام نے ہر ہر عضو کے لائق دعا اس کی مناسبت سے مستحب مانی ہے۔

اس عبارت سے روشن طور پر ثابت ہوا کہ اباحت تو اباحت موضوعیت حدیث استحبابِ فعل کی بھی منافی نہیں اور واقعی ایسا ہی ہے کہ موضوعیت عدمِ حدیث ہے اور وہ ورود حدیث بخصوص فعل لازم استحباب نہیں کہ اس کے ارتفاع سے اس کا انتفا لازم آئے کمالا یخفی۔

تنبیہ: اس بارہ میں سب احادیث کا موضوع ہونا ابن القیم کا خیال ہے اسی سے مولانا علی قاری نے نقل فرمایا اور ایسا ہی ذہبی نے ترجمہ عباد بن صہیب میں حسبِ عادت حکم کیا گیا مگر عندالتحقیق اُس میں کلام ہے اس باب میں ایک مفصل حدیث ابو حاتم اور ابنِ حبان نے تاریخ میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انصافاً غایت اسکی ضعف ہے اور مقام مقامِ فضائل۔

اقول (میں کہتا ہوں) تحقیقِ مقام یہ ہے کہ عمل بموضوع وعمل بمافی موضوع (موضوع حدیث پر عمل کرنے اور جو کچھ موضوع حدیث میں ہے اس پر عمل کرنے) میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ثانی مطلقاً ممنوع نہیں ورنہ ایجاب وتحریم (کسی چیز کو واجب اور حرام کرنے) کی باگ مفتریان بیباک کے ہاتھ ہو جائے لاکھوں افعال مباحہ جن کے خصوص میں نصوص نہیں وضاعین (حدیث وضع کرنے والے) ان میں سے جس کی ترغیب میں حدیث وضع کر دیں حرام ہو جائے جس سے ترہیب (منع کرنے، ڈرانے) میں گھڑ لیں وہ واجب ہو جائے کہ تقدیر اول پر فعل، ثانی پر ترک مستلزم موافقتِ موضوع ہوگا اور وہ ممنوع۔

لطف یہ کہ اگر ترغیب وترہیب دونوں میں بنادیں تو فعل وترک دونوں کی جان پر بنادیں نہ کرتے بَن پڑے نہ چھوڑتے۔

(ج5،ص561تا571)

سوال: مشائخ کرام وپیرانِ عظام جو اعمال ووظائف بتاتے ہیں، کیا ان کے لئے بھی سند ہونا ضروری ہے؟

اعمالِ مشائخ محتاجِ سند نہیں اعمال میں تصرف وایجادِ مشائخ کو ہمیشہ گنجائش۔

جواب: اعمالِ مشائخ محتاجِ سند نہیں اعمال میں تصرف وایجادِ مشائخ کو ہمیشہ گنجائش۔ ہزاروں عمل اولیائے کرام بتاتے ہیں کہ باعثِ نفع بندگانِ خدا ہوتے ہیں کوئی ذی عقل حدیث سے ان کی سندِ خاص نہیں مانگتا کتب ائمہ وعلماومشائخ واساتذہ شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز اور خود ان بزرگواروں کی تصانیف ایسی صدہا باتوں سے مالا مال ہیں اُنہیں کیوں نہیں بدعت وممنوع کہتے، خود شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے ہیں''اعمالِ تصریفیہ میں نئی نئی ایجاد کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھولنا ایسے ہی ہے جیسے اطباء نسخوں کا استخراج کر لیتے ہیں اس فقیر کو معلوم ہے کہ اول صبح صادق سے سفیدی تک صبح کے مقابل بیٹھنا اور آنکھ کو اس کے نور واجالے کی طرف لگانا اور یا نور کا لفظ بار بار ایک ہزار تک پڑھنا کیفیت ملکیہ کو قوت دیتا ہے اور وسواس سے نجات دلاتا ہے۔

اس میں ہے''چند کرامات تو ایسی ہیں جو کسی ولی سے الاّ ماشاء اللہ جُدا نہیں ہوتیں ان میں سے بعض یہ ہیں فراستِ صادقہ، کشفِ احوال، دلوں کے رازوں سے آگاہی اوران میں سے دُعا وتعویذ، دَم اوراعمالِ تصرفیہ میں برکت ہے یہاں تک کہ سارا جہان ان کے اس فیض سے مستفید ہوتا ہے۔

عزیزو! خدارا انصاف، ذرا شاہ ولی کے''قول الجمیل'' کو دیکھو اور اُن کے والد ومشائخ وغیرہم کے اختراعی اعمال تماشا کرو، دردِ سر کے لئے تختہ پر ریتا بچھانا کیل سے ابجد ہوز لکھنا، چیچک کو نیلے سوت کا گنڈا بنانا، پھونک کر گرہیں لگانا، اسمائے اصحابِ کہف سے استعانت کرنا، انہیں آگ، لُوٹ، چوری سے امان سمجھنا، دیواروں پر اُن کے لکھنے کو آمدِ جن کی بندش جاننا، دفعِ جن کو چار کیلیں گوشہ ہائے مکان میں گاڑنا، عقیمہ کے لئے گلاب اور زعفران سے ہرن کی کھال لکھنا، یہ کھال اس کے گلے کا ہار کرنا، اسقاطِ حمل کو کسم کا رنگا گنڈا نکالنا، عورت کے قد سے ناپنا، گن کر نو گرہیں لگانا، دردِ زہ کو آیاتِ قرآنی لکھ کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا، فرزندِ نرینہ کیلئے ہرن کی کھال اور وہی گلاب وزعفران کا خیال، بچّہ کی زندگی کو اجوائن اور کالی مرچیں لینا، اُن پر ٹھیک دوپہر کو قرآن پڑھنا، لڑکا نہ ہونے کو عورت کے پیٹ پر دائرے کھینچنا، ستر سے کم شمار نہ ہونا، دفعِ نظر کو چھری سے دائرہ کھینچنا، کنڈل کے اندر چھری رکھنا، عائن وساحر کا نام لے کر پکارنا، ناپ کر تین گز ڈورا لینا اُس پر''شہت بہت'' کیا کیا الفاظ غیر معلوم المعنی پڑھنا،''قنطاع النجا'' خدا جانے کون ہے اُسے ندا کرنا، چور کی پہچان کا عمل نکالنا، یٰس پڑھ کر لوٹا گھمانا، بخار کو عیسیٰ وموسیٰ ومحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قسمیں دینا، مصروع کو تانبے کی تختی پر دو اسم کھدوانا، پھر تعیین یہ کہ دن بھی خاص اتوار ہو اُس کی بھی پہلی ہی ساعت میں کار ہو۔

اُس کے سوا صدہا باتیں ہیں ان میں کون سی حدیثِ صحیح یا حسن یا ضعیف ہے، ارے یہ قرونِ ثلاثہ میں کب تھیں، اور جب کچھ نہیں تو بدعت کیوں نہ ٹھہریں، شاہ صاحب اوران کے والد ماجد وفرزندار جمند واساتذہ ومشائخ معاذ اللہ بدعتی کیوں نہ

قرار پائے، یہ سب تو بے سند حلال ونفائس اعمال مگر اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا اُس سے روشنیِ بصر کی اُمید رکھنا کہ اکابر سلف سے ماثور علماء وصلحاء کا دستور کُتبِ فقہ میں مسطور، یہ معاذ اللہ حرام ووبال وموجبِ ضلال، تو کیا بات ہے یہاں نام پاک حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درمیان ہے لہذا وہ دلوں کی دبی آگ بحیلۂ بدعت شعلہ فشاں ہے۔

یہ سب درکنار شاہ صاحب اور ان کے اسلاف واخلاف یہاں تک کہ میاں اسمٰعیل دہلوی تک نے امرِ اعظم دین (دین کے اہم معاملے) تقربِ رب العٰلمین (اللہ رب العلمین کا تقرب پانے میں) یعنی راہِ سلوک میں صدہا نئی باتیں نکالیں طرح طرح کے ایجاد واختراع کی طرحیں ڈالیں اور آپ ہی صاف صاف تصریحیں کیں کہ ان کا پتا سلف صالح میں نہیں خاص ایجادِ بندہ ہیں مگر نیک وخوب وخوش آئندہ ہیں محدثات کو ذریعہ وصول الی اللہ جاننا یا باعثِ ثواب تقربِ رب الارباب ماننا اس پر ان حضرات کو نہ كل بدعة ضلالة (ہر بدعت گمراہی ہے) کا کلیہ یاد آتا ہے نہ من احدث فی امرنا مالیس منه (وہ شخص جس نے ہمارے دین میں کچھ ایجاد کیا جو دین میں سے نہ ہو) یہاں فهو رد (پس وہ مردود ہے) کا خلعت پاتا ہے، مگر شریعت اپنے گھر کی ٹھہری کہ ع من کنم آنچه من خواستم تو مکن آنچه خواستے (میں جو چاہوں گا کروں گا تو جو چاہے نہ کر)۔

(ج5ص571)

سوال: ضعیف احادیث فضائل میں معتبر ہیں، تو کیا کسی کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے بھی کارآمد ہیں؟

جواب: فضیلت وافضلیت میں فرق ہے دربارہ تفضیل (کسی کو افضلیت دینے میں) حدیث ضعیف ہرگز مقبول نہیں۔

اقول جس نے قبولِ ضعاف فی الفضائل کا منشا کہ افاداتِ سابقہ میں روشن بیانوں سے گزرا ذہن نشین کرلیا ہے وہ اس فرق کو بنگاہِ اولین سمجھ سکتا ہے قبولِ ضعاف صرف محلِ نفع بے ضرر میں ہے جہاں اُن کے ماننے سے کسی تحلیل یا تحریم یا اضاعتِ حق غیر غرض مخالفت شرع کا بوجہ من الوجوہ اندیشہ نہ ہو، فضائلِ رجال مثل فضائل اعمال ایسے ہی ہیں، جن بندگانِ خدا کا فضلِ تفصیلی خواہ صرف اجمالی دلائل صحیحہ سے ثابت ہے اُن کی کوئی منقبتِ خاصہ جسے صحاح وثوابت سے معارضت نہ ہو اگر حدیث ضعیف میں آئے اُس کا قبول تو آپ ہی ظاہر کہ اُن کا فضل تو خود صحاح سے ثابت، یہ ضعیف اُسے مانے ہی ہوئے مسئلہ میں تو فائدہ زائدہ عطا کرے گی اور اگر تنہا ضعیف ہی فضل میں آئے اور کسی صحیح کی مخالفت نہ ہو وہ بھی مقبول ہوگی کہ صحاح میں تائید نہ سہی خلاف بھی تو نہیں۔

بخلاف افضلیت کے کہ اس کے معنی ایک کو دوسرے سے عند اللہ بہتر وافضل ماننا ہے یہ جب ہی جائز ہوگا کہ ہمیں خدا

ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے خوب ثابت ومحقق ہو جائے، ورنہ بے ثبوت حکم لگا دینے میں محتمل کہ عنداللہ امر بالعکس (الٹا) ہو تو افضل کو مفضول بنایا، یہ تصریح تنقیص شان (شان گھٹانا) ہے اور وہ حرام تو مفسدہ تحلیل حرام (حرام کو حلال کرنے کا فساد) وتضیع حق غیر (غیر کے حق کو ضائع کرنے کا فساد) دونوں درپیش کہ افضل کہنا حق اس کا تھا اور کہہ دیا اس کو۔

یہ اس صورت میں تھا کہ دلائل شرعیہ سے ایک کی افضلیت معلوم نہ ہو، پھر وہاں کا تو کہنا ہی کیا ہے، جہاں عقائد حقہ میں ایک جانب کی تفضیل محقق ہو اور اس کے خلاف احادیث سقام وضعاف (بیمار اور ضعیف روایات) سے استناد کیا جائے (سند پکڑی جائے)، جس طرح آج کل کے جہال حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تفضیل حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں کرتے ہیں۔ یہ تصریح مضادت شریعت ومعاندت سنت ہے۔ ولہذا ائمہ دین نے تفضیلیہ کو روافض سے شمار کیا۔

بلکہ انصافاً اگر تفضیل شیخین کے خلاف کوئی حدیث صحیح بھی آئے قطعاً واجب التاویل ہے اور اگر بفرض باطل صالح تاویل نہ ہو واجب الرد کہ تفضیل شیخین متواتر واجماعی ہے اور متواتر واجماع کے مقابل احاد ہرگز نہ سنے جائیں گے۔

ولہذا امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث عرض علی عمر بن الخطاب وعلیه قمیص یجرّہ قالوا فما اولت ذلك یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) قال الدین (مجھ پر عمر بن الخطاب کو پیش کیا گیا اور وہ اپنی قیص گھسیٹ کر چل رہے ہیں، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا دین) فرماتے ہیں "اگر ہم یہ تخصیص ان (یعنی فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ مان لیں تو یہ ان اکثر احادیث کے منافی ہے جو تواتر معنوی کے درجہ پر ہیں اور افضلیت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دال ہیں اور احاد کا ان کے ساتھ تعارض ممکن ہی نہیں اور اگر ہم ان دونوں دلیلوں کے درمیان مساوات مان لیں لیکن اجماع اہلسنت وجماعت افضلیت صدیق اکبر پر دال ہے اور وہ قطعی ہے، تو ظن اس کا معارض کیسے ہو سکتا ہے! (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، ج 1، ص 106، دار الکتاب العربیہ بیروت)

الجملہ مسئلہ افضلیت ہرگز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف سن سکیں بلکہ مواقف وشرح مواقف میں تو تصریح کی کہ باب عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح بھی نامسموع۔

حیث قال لیست ھذہ المسألة یتعلق بھا عمل فیلتفی فیھا بالظن الذی ھو کاف فی الاحکام العلمیة بل ھی مسألة علمیة یطلب فیھا الیقین۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اس میں دلیل ظنی کافی ہو جائے جو احکام میں کافی ہوتی ہے بلکہ یہ معاملہ تو عقائد میں سے ہے اس کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے۔ (ج5، ص580)

سوال: صحابہ کرام کے آپس کے معاملات میں تاریخ کی وہ باتیں جن سے ان کی شان گھٹتی ہو، کیا قابل قبول ہیں؟

جواب: مشاجرات صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں۔

بنظرِ واقع سیر میں بہت اکاذیب واباطیل بھرے ہیں کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں)، بہر حال فرقِ مراتب نہ کرنا اگر جنون نہیں تو بدمذہبی ہے بدمذہبی نہیں تو جنون ہے، سیر جن بالائی باتوں کے لئے ہے اُس میں حد سے تجاوز نہیں کر سکتے اُس کی روایاتِ مذکورہ کسی حیض ونفاس کے مسئلہ میں بھی سننے کی نہیں نہ کہ معاذ اللہ اُن واہیات ومعضلات وبے سروپا حکایات سے صحابہ کرام حضور سید الانام علیہ وعلی آلہ وعلیہم افضل الصلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا اعتراض نکالنا اُن کی شانِ رفیع میں رخنے ڈالنا کہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بددین مخالف ومضادِ حق مبین۔

آج کل کے بدمذہب مریض القلب منافق شعار ان جزافاتِ سیر وخرافاتِ تواریخ وامثالہا سے حضراتِ عالیہ خلفائے راشدین وام المومنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہلبیت وصحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کے مطاعن مردودہ اور ان کے باہمی مشاجرات میں موحش ومہمل حکایات بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب وواحض اور بہت الحاقاتِ ملعونہ روافض چھانٹ لاتے اور اُن سے قرآن عظیم وارشاداتِ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم واجماعِ اُمت واساطین ملت کا مقابلہ چاہتے ہیں، بے علم لوگ اُنہیں سُن کر پریشان ہوتے یا فکرِ جواب میں پڑتے ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنی مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کیلئے مسموع نہیں ہو سکتے نہ کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالا مال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

امام حجۃ الاسلام مرشد الانام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں "لاتجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال ان ابن ملجم قتل علیا فان ذلك ثبت متواترا" "کسی مسلمان کو کسی کبیرہ کی طرف بے تحقیق نسبت کرنا حرام ہے، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم شقی خارجی اشقی الآخرین نے امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کیا کہ یہ بتواتر ثابت ہے۔

حاش للہ اگر مورخین وامثالہم کی ایسے حکایات ادنی قابلِ التفات ہوں تو اہل بیت وصحابہ درکنار خود حضراتِ عالیہ انبیاء ومرسلین وملئکہ مقربین صلوات اللہ تعالی وسلامہ علیہم اجمعین سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے کہ ان مہملات مخذولہ نے حضرات سعادتنا ومولینا آدم صفی اللہ وداود خلیفۃ اللہ وسلیمان نبی اللہ ویوسف رسول اللہ سے سید المرسلین محمد حبیب اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم وسلم تک سب کے بارہ میں وہ وہ ناپاک بیہودہ حکایات موحشہ نقل کی ہیں کہ اگر اپنے ظاہر پر تسلیم کی جائیں تو معاذ اللہ اصل ایمان کو رو بیٹھنا ہے۔

ان ہولناک اباطیل کے بعض تفصیل مع رد جلیل کتاب مستطاب شفا شریف امام قاضی عیاض اور اس کی شروح وغیرہا سے ظاہر، لاجرم ائمہ ملت وناصحانِ اُمت نے تصریحیں فرمادیں کہ ان جہال وضلال کے مہملات اور سیر وتواریخ کی حکایت پر ہرگز کان نہ رکھا جائے۔ شفا وشروح شفا ومواہب وشرح مواہب ومدارج شیخ محقق وغیرہا میں بالاتفاق فرمایا، جسے میں صرف

مدارج النبوۃ سے نقل کروں۔

مدارج النبوۃ میں ہے''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم واحترام درحقیقت آپ کے صحابہ کا احترام اوران کے ساتھ نیکی ہے ان کی اچھی تعریف اور رعایت کرنی چاہیے اوران کے لئے دعا وطلبِ مغفرت کرنی چاہئے بالخصوص جس جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے اوراس سے راضی ہوا ہے اس سے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے پس اگران پرطعن وسب کرنے والا (طعنہ وگالی دینے والا) دلائل قطعیہ کا منکر ہے تو کافر ورنہ مبتدع وفاسق، اسی طرح ان کے درمیان جو اختلافات یا جھگڑے یا واقعات ہُوئے ہیں ان پر خاموشی اختیار کرنا ضروری ہے اوران اخبار وواقعات سے اعراض کیا جائے جو مورخین، جاہل راویوں اور گمراہ وغلو کرنے والے شیعوں نے بیان کیے ہیں اور بدعتی لوگوں کے ان عیوب اور برائیوں سے جو خود ایجاد کرکے ان کی طرف منسوب کردئے اوران کے ڈگمگا جانے سے کیونکہ وہ کذب بیانی اور افترا ہے اوران کے درمیان جو محاربات ومشاجرات منقول ہیں ان کی بہتر توجیہ وتاویل کی جائے، اوران میں سے کسی پر عیب یا برائی کا طعن نہ کیا جائے بلکہ ان کے فضائل، کمالات اور عمدہ صفات کا ذکر کیا جائے کیونکہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ان کی محبت یقینی ہے اوراس کے علاوہ باقی معاملات ظنی ہیں اور ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب علیہ السلام کی محبت کے لئے منتخب کرلیا ہے اہل سنت وجماعت کا صحابہ کے بارے میں یہی عقیدہ ہے اس لئے عقائد میں تحریر ہے کہ: صحابہ میں سے ہر کسی کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کیا جائے، اور صحابہ کے فضائل میں جو آیات واحادیث عموماً یا خصوصاً وارد ہیں وہ اس سلسلہ میں کافی ہیں۔ (ج5،ص582)

سوال: مجہول راوی کی تین اقسام ہیں: مجہول العین، مجہول الحال، مستور، جب مطلق مجہول بولا جائے تو اس سے کون مراد ہوگا؟

جواب: مجہول جب مطلق بولا جاتا ہے تو کلام محدثین میں غالباً اُس سے مراد مجہول العین ہے، امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں''جهالة العين وهو غالب اصطلاح اهل هذا الشان في هذا الاطلاق''محدثین جب مطلقاً مجہول کا لفظ بولیں تو اکثر طور پر اس سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔ (ج5،ص595)

سوال: ضعیف احادیث فضائل میں معتبر ہیں، اس سے مراد اعمال حسنہ ہیں یا صرف ثوابِ اعمال؟

جواب: علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ نماز میں سُترہ کو سیدھا اپنے سامنے نہ رکھے بلکہ دہنی یا بائیں ابرو پر ہو کہ حدیث میں ایسا وارد ہوا اور وہ اگرچہ ضعیف ہے مگر ایسے حکم میں مقبول۔

(اسی طرح اگر سترے کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو حدیث میں خط کھینچنے کا حکم ہے، اس بارے میں علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں چنانچہ)

ردالمحتار میں ہے "خط کھینچنا مسنون ہے جیسا کہ امام محمد کی روایت ثانیہ ہے انہوں نے ابوداؤد کی اس حدیث اس سے استدلال کیا: اگر نمازی کے پاس عصا (لکڑی) نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اس بنا پر امام ابن ہمام نے فرمایا: سنت زیادہ لائقِ اتباع ہے۔

ان دونوں نظیروں میں علامہ ابراہیم حلبی اور نظیر اخیر میں علامہ شامی کا ان افعال میں سُترہ کو ابرو کے مقابل رکھنے یا خط کھینچنے کو فضائل سے بتانا اس معنی کی صریح تصریح کر رہا ہے (کہ) فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ فضائل ہیں یعنی وہ اعمال کہ بہتر و مستحسن ہیں نہ خاص ثواب اعمال۔ (ج5، ص597)

سوال: کیا حدیثِ ضعیف سے سنت ثابت ہوسکتی ہے؟

جواب: عبارت ردالمحتار کہ ابھی منقول ہوئی بتا رہی ہے کہ امثال مقام میں نہ صرف استحباب بلکہ سنیت بھی حدیثِ ضعیف سے ثابت ہوسکتی ہے یونہی علی قاری کا ارشاد گزرا کہ حدیثِ ضعیف کے سبب ہمارے علماء نے مسحِ گردن کو مستحب یا سنت مانا۔ (ج5، ص600)

سوال: کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث کو کوئی محدث موضوع یا ضعیف کہے اور دوسرا اس کی نفی کردے؟

جواب: ہم نے (ماقبل میں) بہت نصوص نقل کیے کہ بارہا محدثین کا کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنا ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے۔ ابوداؤد اور نسائی میں ہے "امرأة اتت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومعہا ابنۃ لہا وفی یدابنتہا مسکتان غلیظتان من ذہب فقال أتعطین زکاۃ ہذا قالت لاقال ایسرک ان یسورک اللہ بہما یوم القیمۃ سوارین من نار قال فخلعتہما فالقتہما الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقالت ہما للہ ورسولہ" یعنی ایک بی بی خدمتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اُن کی بیٹی ان کے ساتھ تھیں دختر کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا: کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ عزوجل قیامت میں ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے، اُن بی بی نے کڑے اتار کر ڈال دئے اور عرض کی یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (سنن ابی داؤد، ج1، ص218، آفتاب عالم پریس، لاہور)

جسے امام ابوالحسن ابن القطان وامام ابن الملقن وعلامہ سید میرک نے کہا "اسنادہ صحیح" (اس کی سند صحیح ہے)۔

امام عبدالعظیم منذری نے مختصر میں فرمایا "اسنادہ لامقال فیہ" (اس کی سند میں کچھ گفتگو نہیں)۔

محقق علی الاطلاق نے فرمایا "لاشبہۃ فی صحتہ" (اس کی صحت میں کچھ شبہہ نہیں)۔

(جبکہ) امام ترمذی نے جامع میں روایت کرکے فرمایا "لایصح فی ہذا الباب عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شیء" (اس باب میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ صحیح مروی نہ ہوا) (جامع الترمذی، ج1، ص81، آفتاب عالم پریس، لاہور)

امام منذری نے فرمایا"لعل الترمذی قصد الطریقین الذین ذکرھما والافطریق ابی داؤد لامقال فیہ" (شاید ترمذی ان دو طریق کو کہتے ہیں جو انہوں نے ذکر کیے ورنہ سند ابی داؤد میں اصلاً جائے گفتگو نہیں)۔

اور سُنیے حدیث ردّ شمس کہ حضور پُرنور سید الانوار، ماہِ عرب، مہرِ عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ڈوبا ہُوا آفتاب پلٹ آیا، مغرب ہوکر پھر عصر کا وقت ہوگیا یہاں تک کہ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نمازِ عصر ادا کی جسے طحاوی و امام قاضی عیاض و امام مغلطای و امام قطب خیضری و امام حافظ الشان عسقلانی و امام خاتم الحفاظ سیوطی وغیرہم اجلہ کرام نے حسن و صحیح کہا کماھو مفصل فی الشفاء وشروحہ والمواھب وشرحھا (جیسے شفاء اس کی شروح اور مواہب اور اس کی شرح زرقانی میں تفصیلاً مذکور ہے)

علامہ شامی اپنی سیرت پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں"اماقول الامام احمد وجماعۃ من الحفاظ بوضعہ فالظاھر انہ وقع لھم من طریق بعض الکذابین والافطرقہ السابقۃ یتعذر معھا الحکم علیہ بالضعف فضلا عن الوضع" امام احمد اور حفاظ کی ایک جماعت کا اسے موضوع قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ ان کو یہ روایت ایسے لوگوں کے ذریعے پہنچی ہوگی جو کذاب تھے ورنہ اس کی سابقہ تمام اسانید پر ضعف کا حکم لگانا متعذر ہے، چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے۔

عام تر سُنیے امام ابوالحسن سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں"ومما یجب ان یتنبہ لہ ان حکم المحدثین بالانکار والاستغراب قدیکون بحسب تلک الطریق فلایلزم من ذلک ردمتن الحدیث بخلاف اطلاق الفقیہ ان الحدیث موضوع فانہ حکم علی المتن من حیث الجملۃ" اس سے آگاہ رہنا واجب ہے کہ محدثین کا کسی حدیث کو منکر یا غریب کہنا کبھی خاص ایک سند کے لحاظ سے ہوتا ہے تو اس سے اصل حدیث کا رد لازم نہیں آتا بخلاف فقیہ کے موضوع کہنے کہ وہ بالاجمال اُس متن پر حکم ہے۔ (ج5، ص601)

سوال: وہابیہ کہتے ہیں کہ یہ نہیں کہنا چاہئے کہ "یہ چیز اللہ و رسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے ہے؟

جواب: ابوداؤد و نسائی کی یہ حدیث صحیح عظیم جلیل جس میں اُن بی بی نے کڑوں کے صدقہ کرنے میں اللہ عزوجل کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک بھی ملایا اور حضور نے انکار نہ فرمایا بعینہٖ یہی مضمون صحیح بخاری و صحیح مسلم نے حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں روایت کیا کہ جب ان کی توبہ قبول ہُوئی عرض کی: یارسول اللّٰہ من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللّٰہ والیٰ رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔یارسول اللہ! میری توبہ کی تمامی یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اللہ

کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے صدقہ کردوں۔ (صحیح بخاری، ج2، ص675، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔

یہ حدیثیں حضراتِ وہابیہ کی جان پر آفت ہیں انہیں دو پر کیا موقوف فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے ایک رسالہ ''الامن والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلا'' تالیف کیا اس میں ایسی بہت کثیر وعظیم باتوں کا آیات واحادیث سے صاف وصریح ثبوت دیا مثلاً قرآن وحدیث ناطق ہیں کہ (۱) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) نے دولتمند کردیا، (۲) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) نگہبان ہیں، (۳) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) بے والیوں کے والی ہیں، (۴) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) مالوں کے مالک ہیں، (۵) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) زمین کے مالک ہیں، (۶) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کی طرف توبہ، (۷) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کی دوہائی، (۸) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) دینے والے ہیں، (۹) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) سے دینے کی توقع، (۱۰) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) نے نعمت دی، (۱۱) اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) نے عزت بخشی۔ (۱۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کے حافظ ونگہبان ہیں، (۱۳) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں، (۱۴) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے سب گڑگڑا رہے ہیں، (۱۵) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری زمین کے مالک ہیں، (۱۶) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب آدمیوں کے مالک ہیں، (۱۷) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام امتوں کے مالک ہیں، (۱۸) ساری دنیا کی مخلوق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں ہے، (۱۹) مدد کی کنجیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہیں، (۲۰) نفع کی کنجیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں، (۲۱) جنت کی کنجیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں، (۲۲) دوزخ کی کنجیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں، (۲۳) آخرت میں عزت دینا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں، (۲۴) قیامت میں کل اختیار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہیں، (۲۵) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصیبتوں کو دُور فرمانے والے، (۲۶) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سختیوں کے ٹالنے والے، (۲۷) ابوبکر صدیق وعمر فاروق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بندے، (۲۸) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم نے بیٹا دیا، (۲۹) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم رزق آسان کرتے ہیں، (۳۰) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم بلائیں دفع کرتے ہیں، (۳۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم بلندی مرتبہ دیتے ہیں، (۳۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم تمام کاروبارِ عالم کی تدبیر کرتے ہیں، (۳۳) اولیا کے سبب بلا دُور ہوتی ہے، (۳۴) اولیا کے سبب رزق ملتا ہے، (۳۵) اولیا کے سبب مدد ملتی ہے، (۳۶) اولیا کے سبب مینہ اُترتا ہے، (۳۷) اولیا کے سبب زمین قائم ہے۔

یہ اوران جیسی بیسیوں باتیں صرف قرآن وحدیث سے لکھی ہیں، وہابی صاحب شرک وغیرہ جو حکم لگانا چاہیں اللہ ورسول

کی جناب میں بکیں یا خدا اور سول سے لڑیں اگر لڑ سکیں۔

اس میں یہ بھی روشن دلیلوں سے ثابت کردیا ہے کہ وہابی مذہب نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام، عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام، جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں تک کہ خود رب العزت جل جلالہ کسی کو سخت شنیع الزام لگانے سے نہیں چھوڑا۔ ضمناً یہ بھی واضح دلائل سے بتادیا گیا کہ وہابی صاحبوں کے نزدیک جناب شیخ مجدد صاحب و مرزا جان جاناں صاحب و شاہ ولی اللہ صاحب و شاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن کے اساتذہ و مشائخ یہاں تک کہ خود میاں اسمٰعیل دہلوی سب کے سب پکے مشرک تھے، غرض وہابی مذہب پر شرک امورِ عامہ سے ہے جس سے معاذ اللہ ملائکہ سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر ربِّ جلیل تک، شاہ ولی اللہ سے لے کر ان کے پیروں اُستادوں، شاہ عبدالعزیز صاحب سے خود میاں اسمٰعیل تک کوئی خالی نہیں۔

یہ مختصر رسالہ کہ چار جز سے بھی کم ہے ایک سوتیں ۱۳۰ سے زیادہ فائدوں اور تیس ۳۰ آیتوں اور ستر ۷۰ سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے جو اس کے سوا کہیں مجتمع نہ ملیں گے بحمداللہ تعالیٰ اُس کی نفاست، اُس کی جلالت، اُس کی صولت، اُس کی شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ذلک من فضل اللّٰہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدیّ وان اعمل صلحا ترضہ واصلح فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین . والحمدللّٰہ رب العلمین ٥ یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے، اے میرے رب مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں ان نعمتوں پر تیرا شکر کروں جو تُو نے مجھ اور میرے والدین پر فرمائی ہیں، اور مجھے اچھے اعمال کی توفیق دے جن سے تُو راضی ہوجائے اور میری اولاد کی اصلاح فرما، میں تیری ہی طرف رجوع کرتا اور مسلمانوں میں سے ہُوں، تمام تعریف اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ (ج5ص603)

سوال: وہ کون سے محدثین ہیں جو صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں؟

جواب: محدثین میں بہت کم ایسے ہیں جن کا التزام تھا کہ ثقہ ہی سے روایت کریں جیسے (۱) شعبہ بن الحجاج (۲) امام مالک (۳) امام احمد (۴) یحیٰی بن سعید قطان (۵) عبدالرحمٰن بن مہدی (۶) امام شعبی (۷) بقی بن مخلد (۸) حریز بن عثمٰن (۹) سلیمٰن بن حرب (۱۰) مظفر بن مدرک خراسانی (۱۱) امام بخاری

امام سخاوی فتح المغیث میں فرماتے ہیں ''تتمة من کان لایروی الاعن ثقة الافی النادر الامام احمد وبقی بن مخلد وحریز بن عثمٰن وسلیمٰن بن حرب وشعبة والشعبی وعبدالرحمٰن بن مھدی ومالك ویحیٰی بن سعید القطان وذلك فی شعبة علی المشھور فانه کان یتعنت فی الرجال ولایروی الاعن ثبت، والا فقدقال عاصم بن

علی سمعت شعبة یقول لولم احدثکم الاعن ثقة لم احدثکم عن ثلثة وفی نسخة ثلثین وذلك اعتراف منه بانه یروی عن الثقة وغیرہ فینظر وعلی کل حال فھو لایروی عن متروك ولاعمن اجمع علی ضعفه، واما سفین الثوری فکان یترخص مع سعة علمه وورعه ویروی عن الضعفاء حتی قال فیه صاحبه شعبة لاتحملوا عن الثوری الاعمن تعرفون فانه لایبالی عمن حمل وقال الفلاس قال لی یحیی بن سعید لاتکتب عن معتمر الاعمن تعرف فانه یحدث عن کل '' تمہ ان لوگوں کے بارے میں جو ثقہ کے علاوہ سے روایت نہیں کرتے مگر شاذ ونادر۔ وہ امام احمد، بقی بن مخلد، حریز بن عثمان، سلیمان بن حرب، شعبہ، شعبی، عبدالرحمٰن بن مہدی، مالک اور یحیٰی بن سعید القطان، اور شعبہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں سختی سے کام لیتے ہیں وہ صرف ثبت سے ہی روایت کرتے ہیں ورنہ عاصم بن علی کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر میں تمہیں ثقہ کے علاوہ کسی سے حدیث بیان نہ کرتا تو صرف تین راویوں (بعض نسخوں میں تیس کا ذکر ہے) سے حدیث بیان کرتا۔ یہ ان کا اعتراف ہے کہ میں ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے روایت کرتا ہوں لہذا غور وفکر کرلیا جائے، ہر حال میں وہ متروک سے روایت نہیں کرتے اور نہ اس شخص سے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہو، رہا معاملہ سفیان ثوری کا تو وہ باوجود علمی وسعت اور ورع وتقوٰی کے نرمی کرتے ہوئے رخصت دیتے اور ضعفا سے روایت کرتے ہیں حتی کہ ان کے بارے میں ان کے شاگرد شعبہ نے کہا ہے کہ ثوری سے روایت نہ لومگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم جانتے ہو کیونکہ وہ پروانہیں کرتے کہ وہ کس سے حدیث اخذ کررہے ہیں، فلاس کہتے ہیں کہ مجھے یحیٰی بن سعید نے کہا کہ معتمر سے نہ لکھومگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم خود جانتے ہو کیونکہ وہ ہر ایک سے حدیث اخذ کرتے ہیں۔

اقول انہیں ائمہ محتاطین سے ہیں علم اعلم امام اعظم سیدنا ابوحنیفۃ النعمان انعم اللہ تعالٰی علیہ بانعام الرضوان ونعمہ بانعم الجنان، یہاں تک کہ اگر بعض مختلطین سے روایت فرمائیں تو اخذ قبل التغیر پر محمول ہوگا جس طرح احادیث صحیحین میں کرتے ہیں۔

محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں'' قال محمد بن الحسن رضی اللہ تعالٰی عنه فی کتاب الاٰثار اخبرنا ابوحنیفة ثنالیث بن ابی سلیم عن مجاھد عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه قال لیس فی مال الیتیم زکوٰۃ ولیث کان احد العلماء العباد وقیل اختلط فی اٰخر عمرہ ومعلوم ان اباحنیفة لم یکن لیذھب فیاخذ عنه فی حال اختلاطه ویرویه وھو الذی شدد فی امرالروایة مالم یشددہ غیرہ علیٰ ماعرف'' امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے از لیث بن ابی سلیم از مجاہد از ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں، لیث علمائے عابدین میں سے تھا اور انہیں آخر عمر میں اختلاط ہوگیا اور یہ بات مسلّم ہے کہ امام اعظم ان سے اختلاط کے بعد حدیث اخذ نہیں کرسکتے کیونکہ آپ حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اس کا تصور

بھی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ معلوم ومعروف ہے۔ (ج5،ص635)

سوال: دفن کے وقت جو قبر پر اذان کہی جاتی ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنّت فرمایا، امام ابن حجر مکّی وعلّامہ خیرالملۃ والدین رملی استاذ صاحبِ دُرمختار علیہم رحمۃ الغفار نے اُن کا یہ قول نقل کیا۔

اما المکی ففی فتاواہ وفی شرح العباب وعارض واما الرملی ففی حاشیۃ البحر الرائق ومرض۔ ''ترجمہ: مکّی نے اپنے فتاوٰی اور شرح العباب میں نقل کیا اور اس نے معارضہ کیا، رملی نے حاشیہ البحرالرائق میں نقل کیا اور اسے کمزور کہا۔

حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا، قائلانِ جواز کے لئے اسی قدر کافی، جو مدعیِ ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعوٰی ثابت کرے، پھر بھی مقامِ تبرع میں آکر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بدلائلِ کثیرہ اس کی اصل شرع مطہر سے نکال سکتا ہے۔ (ج5،ص654)

سوال: اس کے کچھ دلائل ارشاد فرما دیجئے۔

جواب: دلیل نمبر(۱)

وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور سوالِ نکیرین ہوتا ہے شیطان رجیم وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادرالاصول میں روایت کرتے ہیں ''اذا سئل المیت من ربك ترای لہ الشیطان فی صورۃ فیشیر الی نفسہ ای انا ربك فلھذا ورد سوال التثبیت لہ حین یسئل'' ترجمہ: جب مُردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ شیطان اُس پر ظاہر ہوتا اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی میں تیرا رب ہُوں، اس لئے حکم آیا کہ میت کے لئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔ (نوادرالاصول، ص323، مطبوعہ دارصادر، بیروت)

اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان ولہ حصاص'' ترجمہ: جب مؤذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص167، قدیمی کتب خانہ کراچی)

صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے۔

اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا۔

(معجم اوسط، ج 8 ص 210 مکتبۃ المعارف، ریاض)

جب ثابت ہولیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلتِ شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور اس میں حکم آیا کہ اُس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشادِ شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد واعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن وحدیث مالا مال۔

دلیل نمبر (۲)

امام احمد وطبرانی وبیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی "قال لمادفن سعد بن معاذ (زاد فی روایۃ) وسوی علیه سبح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسبح الناس معه طویلا ثم کبر وکبرالناس ثم قالوا یارسول الله لم سبحت (زاد فی روایة) ثم کبرت قال لقد تضایق علی هذا الرجل الصالح قبره حتی فرج الله تعالیٰ عنه" ترجمہ: جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کر دی گئی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے، پھر صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اُس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اُس سے دُور کی اور قبر کشادہ فرمادی۔ (مسند احمد بن حنبل، ج 3 ص 360، دارالفکر، بیروت)

علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "ای مازلت اکبر وتکبرون واسبح وتسبحون حتی فرجه الله" ترجمہ: حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُس تنگی سے انہیں نجات بخشی۔ (مرقاۃ، ج 1 ص 211، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

اقول: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہُوا، غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ اور کلمات طیبات زائد ہیں سو اُن کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مضر (نقصان دہ) نہ اس امرِ مسنون کے منافی بلکہ زیادہ مفید ومؤید مقصود ہے کہ رحمتِ الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔

دیکھو یہ بعینہ وہ مسلکِ نفیس ہے جو در بارۂ تلبیہ اجلہ صحابہ عظام مثل حضرت امیر المومنین عمر وحضرت عبداللہ بن عمر وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت امام حسن مجتبیٰ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ملحوظ ہوا اور ہمارے ائمہ کرام نے اختیار فرمایا۔

ہدایہ میں ہے "لاینبغی ان یخل بشیء من هذه الکلمات لانه هو المنقول فلاینقص عنه، ولوزاد فیها جاز

لان المقصود الثناء واظہار العبودیة فلایمنع من الزیادة علیه ''یعنی ان کلمات میں کمی نہ چاہئے کہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں تو اُن سے گھٹائے نہیں اور اگر بڑھائے تو جائز ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی بندگی کا ظاہر کرنا ہے تو اور کلمے زیادہ کرنے سے ممانعت نہیں۔

دلیل نمبر (۳)

بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں مثبت کہ میت کے پاس حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ لاالٰہ الااللّٰہ کہتے رہیں کہ اُسے سُن کر یاد ہو حدیث متواتر میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لقنوا موتاکم لاالٰہ الااللّٰہ'' (اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللّٰہ سکھاؤ)۔ (سنن داؤد، ج2، ص88، آفتاب عالم پریس الاہور)

اب جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے اور اُسے کلمۂ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالیٰ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مُردہ ہے اور اُسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہی کلمہ لا الٰہ الّا اللّٰہ تین جگہ موجود۔

بلکہ اُس کے تمام کلمات جوابِ نکیرین بتاتے ہیں، ان کے سوال تین ہیں (۱) من ربك تیرا رب کون ہے؟ (۲) ما دینك تیرا دین کیا ہے؟ (۳) ما کنت تقول فی ھذا الرجل، تُو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں کیا اعتقاد رکھتا تھا؟

اب اذان کی ابتدا میں اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اشھد ان لاالٰہ الااللّٰہ اشھد ان لاالٰہ الااللّٰہ اور آخر میں اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لاالٰہ الااللّٰہ سوال من ربک کا جواب سکھائیں گے ان کے سننے سے یاد آئیگا کہ میرا رب اللہ ہے۔

اوراشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ سوال ماکنت تقول فی ھذا الرجل کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا۔

اور حیّ علی الصلاۃ حی علی الفلاح جواب مادینك کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاۃ عماد الدین۔

تو بعدِ دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا۔

اب یہ کلام سماعِ موتٰی وتلقینِ اموات کی طرف مجر ہوگا فقیر غفر اللہ تعالیٰ خاص اس مسئلہ میں کتاب مبسوط مسمّی بہ حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات تحریر کر چکا جس میں پچھتّر حدیثوں اور پونے چار سو اقوالِ ائمہ دین وعلمائے کاملین وخود بزرگانِ منکرین سے ثابت کیا کہ مُردوں کا سُننا دیکھنا سمجھنا قطعاً حق ہے اور اس پر اہل سنت وجماعت کا اجماع قائم اور اس کا انکار

نہ کرے گا مگر غبی جاہل یا معاند مبطل ، اور اُسی کی چند فصول میں بحثِ تلقین بھی صاف کردی یہاں اُس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

دلیل نمبر (۴)

حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں''اطفؤا الحریق بالتکبیر ''(آگ کو تکبیر سے بجھاؤ)۔

(معجم اوسط، ج 9، ص 259، مکتبۃ المعارف، ریاض)

حضور پُرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں''اذا رأیتم الحریق فکبروا فانہ یطفیء النار''جب آگ دیکھو اللہ اکبر اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔ (الکامل فی الضعفاء الرجال، ج 4، ص 1469، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں''فکبروا ای قولوا اللہ اکبر، اللہ اکبر وکرروہ کثیرا''''فکبروا'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کثرت کے ساتھ بار بار کہو۔ (التیسیر شرح جامع صغیر، ج 1، ص 100، مکتبہ امام شافعی، ریاض سعودیہ)

مولٰنا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اُس حدیث کی شرح میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قبر کے پاس دیر تک اللہ اکبر فرماتے رہے، لکھتے ہیں''التکبیر علی ھذا لاطفاء الغضب الالٰھی ولھذا اورد استحباب التکبیر عندرؤیۃ الحریق'' اب یہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا غضب الٰہی کے بُجھانے کو ہے ولہذا آگ لگی دیکھ کر دیر تک تکبیر مستحب ٹھہری۔

وسیلۃ النجاۃ میں حیرۃ الفقہ سے منقول''اہلِ قبرستان پر تکبیر کہنے میں حکمت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے ''اذارأیتم الحریق فکبروا''یعنی جب تم کسی جگہ آگ بھڑکتی ہوئی دیکھو اور تم اسے بجھانے کی طاقت نہ رکھتے ہو، تو تکبیر کہو کہ اس تکبیر کی برکت سے وہ آگ ٹھنڈی پڑ جائیگی چونکہ عذاب قبر بھی آگ کے ساتھ ہوتا ہے اور اسے تم اپنے ہاتھ سے بجھانے کی طاقت نہیں رکھتے لہذا اللہ کا نام لو (تکبیر کہو) تاکہ فوت ہونے والے لوگ دوزخ کی آگ سے خلاصی پائیں۔

یہاں سے بھی ثابت کہ قبر مسلم پر تکبیر کہنا فردِ سنت ہے، تو یہ اذان بھی قطعاً سنت پر مشتمل اور زیادات مفیدہ کا مانع سنیت نہ ہونا تقریرِ دلیلِ دوم سے ظاہر۔

دلیل نمبر (۵)

ابن ماجہ وبیہقی سعید بن میتب سے راوی''قال حضرت ابن عمر فی جنازۃ فلما وضعھا فی اللحدقال بسم اللہ وفی سبیل اللہ فلما اخذ فی تسویۃ اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطٰن ومن عذاب القبر ثم قال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''یعنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کیساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اُسے لحد میں رکھا کہا بسم اللہ وفی سبیل اللہ جب لحد برابر کرنے لگے کہا الٰہی! اسے شیطان سے بچا اور عذاب قبر سے امان دے، پھر فرمایا میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سنا۔ (سنن ابن ماجہ، ص 112، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امام ترمذی حکیم قدس سرہ الکریم بسندِ جید عمرو بن مرہ تابعی سے روایت کرتے ہیں ''کانوا یستحبون اذا وضع المیت فی اللحد ان یقولوا اللھم اعذہ من الشیطان الرجیم ''یعنی صحابہ کرام یا تابعین عظام مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو دفن کریں یوں کہیں: اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملّت پر، الٰہی! اسے عذابِ قبر و عذابِ دوزخ اور شیطان ملعون کے شر سے پناہ بخش۔ (نوادر الاصول، ص 323، دار صادر، بیروت)

ابن ابی شیبہ اُستاذ امام بخاری و مسلم اپنے مصنف میں خثیمہ سے راوی ''کانوا یستحبون اذاوضعوا المیت ان یقولوا بسم اللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ وعلٰی ملۃ رسول اللّٰہ اللھم اجرہ من عذاب القبر وعذاب النار ومن شر الشیطان الرجیم ''مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو دفن کریں یوں کہیں: اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملّت پر، الٰہی! اسے عذابِ قبر و عذابِ دوزخ اور شیطان ملعون کے شر سے پناہ بخش۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج 3، ص 329، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

ان حدیثوں سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اس وقت عیاذاً باللہ شیطان رجیم کا دخل ہوتا ہے یونہی یہ بھی واضح ہوا کہ اُس کے دفع کی تدبیر سنّت ہے کہ دعا نہیں مگر ایک تدبیر اور احادیثِ سابقہ دلیل اوّل سے واضح کہ اذان رفعِ شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے تو یہ بھی مقصودِ شارع کے مطابق اور اپنی نظیر شرعی سے موافق ہوئی۔

دلیل نمبر (٦)

ابوداؤد و حاکم و بیہقی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ''کان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ قال استغفروا لاخیکم وسلوا لہ بالتثبت فانہ الان یسأل ''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد کرتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے جوابِ نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔ (سنن ابوداؤد، ج 2، ص 103، آفتاب عالم پریس، لاہور)

سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ''قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یقف علی القبر بعدماسوی علیہ فیقول اللھم نزل بك صاحبنا وخلف الدنیا خلف ظھرہ اللھم ثبت عندالمسألۃ منطقۃ ولاتبتلہ فی قبرہ بمالاطاقۃ لہ بہ ''یعنی جب مُردہ دفن ہوکر قبر درست ہوجاتی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر پر کھڑے ہوکر دعا کرتے الٰہی! ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہُوا اور دنیا اپنے پسِ پشت چھوڑ آیا، الٰہی! سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلا نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔ (الدر المنثور، ج 4، ص 83، منشورات مکتبۃ آیۃ اللہ، ایران)

ان حدیثوں اور احادیثِ دلیلِ پنجم وغیرہ سے ثابت کہ دفن کے بعد دعا سنّت ہے۔

امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہ الشریف دعا بعد دفن کی حکمت میں فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ بجماعت مسلمین ایک لشکر تھا کہ آستانہ شاہی پر میت کی شفاعت وعذر خواہی کیلئے حاضر ہُوا اور اب قبر پر کھڑے ہوکر دُعا یہ اس لشکر کی مدد ہے کہ یہ وقت میت کی مشغول کا ہے کہ اُسے اُس نئی جگہ کا ہول اور نکیرین کا سوال پیش آنے والا ہے۔ (نوادر الاصول، ص 323، دار صادر، بیروت)

نقلہ المولی جلال الملۃ والدین السیوطی رحمہ اللہ تعالی فی شرح الصدور (امام جلال الدین سیوطی نے اسے شرح الصدور میں نقل کیا ہے)۔

اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہاں استحبابِ دعا کا عالم میں کوئی عالم منکر ہو۔ امام آجری فرماتے ہیں "یستحب الوقوف بعد الدفن قلیلا والدعاء للمیت" "مستحب ہے کہ دفن کے بعد کچھ دیر کھڑے رہیں اور میت کے لئے دُعا کریں۔

(نوادر الاصول، ص 323، دار صادر، بیروت)

طرفہ یہ کہ امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے مائۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے فتح القدیر و بحرالرائق ونہر الفائق وفتاوٰی عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہوکر دُعا سنّت سے ثابت ہے اور براہِ بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دُعا بلکہ بہترین دُعا سے ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی ہے اور ہر ذکرِ الٰہی دعا، تو وہ بھی اسی سنتِ ثابتہ کی ایک فرد ہُوئی پھر سنّیت مطلق سے کراہت فرد پر استدلال عجب تماشا ہے۔

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکٰوۃ میں فرماتے ہیں "کل دعا ذکر و کل ذکر دعا" (ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دُعا ہے)۔ (مرقاۃ، ج 5، ص 112، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں "افضل الدعاء الحمدللّٰہ" (سب دعاؤں سے افضل دُعا الحمدللہ ہے)۔

(جامع الترمذی، ج 2، ص 174، آفتاب عالم پریس، لاہور)

صحیحین (بخاری ومسلم) میں ہے ایک سفر میں لوگوں نے بآوازِ بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو انکم لاتدعون اصم ولاغائبا انکم تدعون سمیعاً بصیرا (تم کسی بہرے یا غائب سے دُعا نہیں کرتے سمیع بصیر سے دعا کرتے ہو)۔ (صحیح مسلم، ج 2، ص 346، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

دیکھو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی کی تعریف اور خاص کلمہ اللہ اکبر کو دعا فرمایا تو اذان کے بھی ایک دُعا اور فرد مسنون ہونے میں کیا شک رہا۔

دلیل نمبر (۷)

یہ تو واضح ہولیا کہ بعدِ دفن میت کے لئے دُعا سنّت ہے اور علماء فرماتے ہیں آدابِ دعا سے ہے کہ اُس سے پہلے کوئی

عملِ صالح کرے۔

امام شمس الدین محمد بن الجزری کی حصن حصین شریف میں ہے "اداب الدعاء منها تقديم عمل صالح و ذكره عند الشــدة" م ت د۔ ترجمہ: آدابِ دُعا میں سے ہے کہ اس سے پہلے عمل صالح ہو اور ذکرِ الٰہی مشکل وقت میں ضرور کرنا چاہئے مسلم، ترمذی، ابوداؤد۔ (حصن حصین، ص 14، نولکشور، لکھنؤ)

علامہ علی قاری حرزِ ثمین میں فرماتے ہیں "یہ ادب حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کہ ابوداؤد و ترمذی، ونسائی وابن ماجہ وابن حبان نے روایت کی، ثابت ہے۔

اور شک نہیں کہ اذان بھی عملِ صالح ہے تو دُعا پر اُس کی تقدیم مطابق مقصود و سنت ہُوئی۔

دلیل نمبر (۸)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ثنتان لا ترد الدعاء عند النداء وعند البأس" دو دعائیں رد نہیں ہوتیں ایک اذان کے وقت اور ایک جہاد میں جب کفار سے لڑائی شروع ہو۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج 1، ص 198، دار الفکر، بیروت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اذا نادى المنادى فتحت ابواب السماء واستجيب الدعا" جب اذان دینے والا اذان دیتا ہے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج 1، ص 546، دار الفکر، بیروت)

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اذان اسبابِ اجابت دعا سے ہے اور یہاں دعا شارع جل وعلا کو مقصود تو اُس کے اسباب اجابت کی تحصیل قطعاً محمود۔

دلیل نمبر (۹)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "يغفر الله للمؤذن منتهى اذانه ويستغفرله كل رطب ويابس سمع صوته" اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے مؤذن کیلئے اُتنی ہی وسیع مغفرت آتی ہے اور جس تر و خشک چیز کو اس کی آواز پہنچتی ہے اذان دینے والے کے لئے استغفار کرتی ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج 2، ص 136، دار الفکر، بیروت)

(امام اہلسنت علیہ الرحمہ مذکورہ بالا حدیث پانچ طرق سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں) یہ پانچ حدیثیں ارشاد فرماتی ہیں کہ اذان باعثِ مغفرت ہے اور بیشک مغفور کی دُعا زیادہ قابل قبول و اقرب با جابت ہے، اور خود حدیث میں وارد کہ مغفوروں سے دُعا منگوانی چاہئے، امام احمد مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اذا لقيت الحاج فسلم عليه وصافحه ومره ان يستغفرلك قبل ان يدخل بيته فانه مغفورله" جب تُو حاجی سے ملے اُسے سلام کر اور مصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اُس سے اپنے لئے استغفار کرا کہ وہ مغفور ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ج 2 ص 128، دار الفکر، بیروت)

پس اگر اہلِ اسلام بعد دفنِ میت اپنے میں کسی بندہ صالح سے اذان کہلوائیں تا کہ بحکم احادیث صحیحہ ان شاء اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کی مغفرت ہو پھر میت کے لئے دعا کرے کہ مغفور کی دُعا میں زیادہ رجائے اجابت ہو تو کیا گناہ ہُوا بلکہ عین مقاصدِ شرع سے مطابق ہوا۔

دلیل نمبر (۱۰)

اذان ذکرِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی دافعِ عذاب۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مامن شیء انجی من عذاب اللّٰہ من ذکر اللّٰہ" کوئی چیز ذکرِ خدا سے زیادہ عذابِ خدا سے نجات بخشنے والی نہیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج 5 ص 239، دار الفکر، بیروت)

خود اذان کی نسبت وارد، جہاں کہی جاتی ہے وہ جگہ اُس دن عذاب سے مامون ہو جاتی ہے، طبرانی معاجیم ثلٰثہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اذا اذن فی قریۃ امنہا اللّٰہ من عذابہ فی ذلک الیوم" جب کسی بستی میں اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن اسے اپنے عذاب سے امن دے دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر، ج 1 ص 257، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

و شاھدہ عندہ فی الکبیر من حدیث معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کی شاہد وہ روایت ہے جو معجم کبیر میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اور بیشک اپنے بھائی مسلمان کے لئے ایسا عمل کرنا جو عذاب سے منجی ہو شارع جل وعلا کو محبوب و مرغوب۔

مولٰنا علی قاری رحمہ الباری شرح عین العلم میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے اور تسبیح و دعائے رحمت و مغفرت کرنے کی وصیت فرما کر لکھتے ہیں "فان الاذکار کلھا نافعۃ لہ فی تلک الدار" (کہ ذکر جس قدر ہیں سب میت کو قبر میں نفع بخشتے ہیں)۔

(شرح عین العلم، ص 332، مطبع اسلامیہ، لاہور)

یارب مگر اذان ذکرِ محبوب نہیں یا مسلمان بھائی کو نفع ملنا شرعاً مرغوب نہیں۔

دلیل نمبر (۱۱)

اذان (میں) ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باعثِ نزولِ رحمت۔

اوّلاً حضور کا ذکر عین ذکرِ خدا ہے امام ابن عطا پھر امام قاضی عیاض وغیرہما ائمہ کرام تفسیر قولہ تعالیٰ ﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ میں فرماتے ہیں "جعلتک ذکراً من ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی" میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد

کیا جو تمہارا ذکر کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ (نسیم الریاض شرح الشفاء، ج1، ص125، دارالفکر، بیروت)

اور ذکر الٰہی بلاشبہہ رحمت اُترنے کا باعث، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح حدیث میں ذکر کرنے والوں کی نسبت فرماتے ہیں "حفتهم الملئكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة" انہیں ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور اُن پر سکینہ اور چین اُترتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج2، ص345، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ثانیاً ہر محبوبِ خدا کا ذکر محلِ نزولِ رحمت ہے۔

امام سفیٰن بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة" (نیکوں کے ذکر کے وقت رحمتِ الٰہی اترتی ہے)

ابوجعفر بن حمدان نے ابوعمرو بن نجید سے اسے بیان کر کے فرمایا "فرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأس الصلحين" (تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو سب صالحین کے سردار ہیں)۔

پس بلاشبہہ جہاں اذان ہوگی رحمتِ الٰہی اُترے گی اور بھائی مسلمان کے لئے وہ فعل جو باعثِ نزولِ رحمت ہو شرع کو پسند ہے کہ نہ ممنوع۔

دلیل نمبر (۱۲)

خود ظاہر اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ مُردے کو اُس نئے مکان تنگ و تاریک میں سخت وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے الامارحم ربي ان ربي غفور رحيم (مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے یقیناً میرا رب بخشش فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

اور اذان دافعِ وحشت و باعثِ اطمینانِ خاطر ہے کہ وہ ذکرِ خدا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (سُن لو خدا کے ذکر سے چین پاتے ہیں دل)۔

ابو نعیم و ابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "نزل ادم بالهند فاستوحش فنزل جبرئيل عليه الصلاة والسلام فنادى بالاذان" جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام جنت سے ہندوستان میں اُترے انہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اُتر کر اذان دی۔ (حلیۃ الاولیاء، ج2، ص107، دارالکتاب العربیہ، بیروت)

پھر ہم اس غریب کی تسکین خاطر و دفعِ توحش کو اذان دیں تو کیا بُرا کریں۔

حاشا بلکہ مسلمان خصوصاً ایسے بے کس کی اعانت حضرت حق عزوجل کو نہایت پسند، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الله فى عون العبد ماكان العبد فى عون اخيه" اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمانوں

کی مدد میں ہے۔ (صحیح مسلم، ج2، ص107، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''من کان فی حاجة اخیه کان اللّٰه فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج اللّٰه عنه بھاکربة من کرب یوم القیٰمة'' جو اپنے بھائی مسلمان کے کام میں ہو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دُور کرے اللہ تعالیٰ اس کے عوض قیامت کی مصیبتوں سے ایک مصیبت اس پر سے دور فرمائیگا۔

(صحیح البخاری، ج1، ص330، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

دلیل نمبر (۱۳)

مسند الفردوس میں حضرت جناب امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ''قال رأنی النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم حزینا فقال یاابن ابی طالب انی اراك حزینا فمر بعض اهلك یؤذن فی اذنك فانه درء الهم'' یعنی مجھے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا ارشاد فرمایا: اے علی! میں تجھے غمگین پاتاہوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے، اذان غم و پریشانی کی دافع ہے۔ (مرقاۃ، ج2، ص149، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

مولیٰ علی اور مولیٰ علی تک جس قدر اس حدیث کے راوی ہیں سب نے فرمایا ''فجربته فوجدته کذلك'' (ہم نے اسے تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا) ذکرہ ابن حجر کمافی المرقاۃ (اس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے کیا، جیسا کہ مرقات میں ہے)۔

اور خود معلوم اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ میت اُس وقت کیسے حزن و غم کی حالت میں ہوتا ہے مگر وہ خاص عباد اللہ اکابر اولیاء اللہ جو مرگ کو دیکھ کر مرحباًبحبیب جاء علی فاقة (خوش آمدید اس محبوب کو جو بہت دیر سے آیا) فرماتے ہیں۔

تو اس کے دفع غم والم کے لئے اگر اذان سُنائی جائے کیا معذور شرعی لازم آئے حاشاللہ بلکہ مسلمان کا دل خوش کرنے کے برابر اللہ عزوجل کو فرائض کے بعد کوئی عمل محبوب نہیں۔ طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ان احب الاعمال الی اللّٰه تعالیٰ بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم'' بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ محبوب مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

(المعجم الکبیر، ج4، ص71، المکتبة الفیصلیہ، بیروت)

اُنہی دونوں (طبرانی معجم کبیر اور معجم اوسط) میں حضرت امام ابن الامام سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ان موجبات المغفرة ادخالك السرور علی اخیك المسلم'' بیشک موجباتِ مغفرت سے ہے تیرا اپنے بھائی مسلمان کو خوش کرنا۔ (المعجم الکبیر، ج3، ص83، المکتبة الفیصلیہ، بیروت)

دلیل نمبر (۱۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا﴾اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو بکثرت ذکر کرنا۔

حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں''اکثروا ذکراللّٰہ حتی یقولوا مجنون ''اللہ کا ذکر اس درجہ ذکر بکثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔اخرجہ احمد وابویعلی وابن حبان والحاکم والبیھقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صححہ الحاکم وحسنہ الحافظ ابن حجر (اسے احمد،ابویعلی،ابن حبان،حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح اور حافظ ابن حجر نے حسن قرار دیا ہے)۔

(مسند احمد بن حنبل،ج3،ص68،دارالفکر،بیروت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''اذکراللّٰہ عندکل حجر وشجر ''ہر سنگ وشجر کے پاس اللہ کا ذکر کر۔

(المعجم الکبیر،ج20،ص159،المکتبۃ الفیصلیہ،بیروت)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں''لم یفرض اللّٰہ علی عبادہ فریضۃ الاجعل لھا حدا معلوما ثم عذر اھلھا فی حال العذر غیر الذکر فانہ لم یجعل لہ حدا انتھی الیہ ولم یعذر احدا فی ترکہ الامغلوبا علی عقلہ وامرھم بہ فی الاحوال کلھا ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی فرض مقرر نہ فرمایا مگر یہ کہ اُس کے لئے ایک حد معین کردی پھر عذر کی حالت میں لوگوں کو اُس سے معذور رکھا سوا ذکر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کوئی حد نہ رکھی جس پر انتہا ہو اور نہ کسی کو اس کے ترک میں معذور رکھا مگر وہ جس کی عقل سلامت نہ رہے اور بندوں کو تمام احوال میں ذکر کا حکم دیا۔

(تفسیر البغوی،ج5،ص265،مصطفی البابی،مصر)

اُن کے شاگرد امام مجاہد فرماتے ہیں''الذکر الکثیران لایتناھی ابدا''(ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی ختم نہ ہو)۔

(ایضا،ج5،ص266)

تو ذکرِ الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب ومرغوب ومطلوب ومندوب ہے جس سے ہرگز ممانعت نہیں ہوسکتی جب تک کسی خصوصیتِ خاصہ میں کوئی نہی شرعی نہ آئی ہو اور اذان بھی قطعاً ذکرِ خدا ہے پھر خدا جانے کہ ذکرِ خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے، ہمیں حکم ہے کہ ہر سنگ درخت کے پاس ذکرِ الٰہی کریں،قبرِ مومن کے پتھر کیا اس کے حکم سے خارج ہیں خصوصاً بعد دفن ذکر خدا کرنا تو خود حدیثوں سے ثابت اور بتصریح ائمہ دین مستحب ولہذا امام اجل ابوسلیمان خطابی دربارہ تلقین فرماتے ہیں''لانجد لہ حدیثا مشھورا ولاباس بہ اذ لیس فیہ الا ذکراللّٰہ تعالیٰ قولہ وکل ذلك حسن ''ہم اس میں کوئی مشہور حدیث نہیں پاتے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اس میں نہیں ہے مگر خدا کا ذکر اور یہ سب کچھ محمود ہے۔

دلیل نمبر (۱۵)

امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں "یستحب ان یقعد عندالقبر بعد الفراغ ساعة قدر ماینحر جزور ویقسم لحمها، ویشتغل القاعدون بتلاوة القران والدعاء للمیت والوعظ وحکایات اھل الخیر، واحوال الصالحین "مستحب ہے کہ دفن سے فارغ ہوکرایک ساعت قبر کے پاس بیٹھیں اتنی دیر کہ ایک اُونٹ ذبح کیا جائے اور اُس کا گوشت تقسیم ہو اور بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لئے دُعا اور وعظ ونصیحت اور نیک بندوں کے ذکر وحکایت میں مشغول رہیں۔

شیخ محقق مولنا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں زیرحدیث امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ فقیر نے دلیل ششم میں ذکر کی، فرماتے ہیں "قدسمعت عن بعض العلماء انه یستحب ذکر مسئلة من المسائل الفقهیة "یعنی تحقیق میں نے بعض علما سے سُنا کہ دفن کے بعد قبر کے پاس کسی مسئلہ فقہ کا ذکر مستحب ہے۔

اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ میں اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ باعثِ نزولِ رحمت ست (نزولِ رحمت کا سبب ہے)۔

اورفرماتے ہیں "مناسب حال ذکر مسئله فرائض ست "(ذکرِ مسئلہ فرائض مناسب حال ہے)۔

اورفرماتے ہیں "اگر ختمِ قرآن کنند اولی وافضل باشد "(اگر قرآن پاک ختم کریں تو یہ اولیٰ وبہتر ہے)۔

جب علمائے کرام نے حکایاتِ اہل خیر وتذکرہ صالحین وختم قرآن وبیان مسئلہ فقہیہ وذکر فرائض کو مستحب ٹھہرایا حالانکہ ان میں بالخصوص کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ وجہ صرف وہی کہ میت کو نزولِ رحمت کی حاجت اوران امور میں امیدِ نزول رحمت تو اذان کہ بشہادتِ احادیث موجب نزولِ رحمت ودفعِ عذاب ہے کیونکر جائز بلکہ مستحب نہ ہوگی۔

بحمداللہ یہ پندرہ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہوئیں ناظر منصف جانے گا کہ ان میں اکثر تو محض استخراجِ فقیر ہیں اور باقی کے بعض مقدمات اگرچہ بعض اجلّہ اہل سنّت وجماعت رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں مذکور مگر فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے تکمیل ترتیب وتسجیلِ تقریب سے ہر مقدمہ منفردہ کو دلیل کامل اور ہر مذکور ضمنی کو مقصودِ مستقل کردیا۔

ہم پر اُن اکابر کا شکر واجب جنھوں نے اپنی تلاش وکوشش سے بہت کچھ متفرق کو یکجا کیا اور اس دشوار کام کو ہم پر آسان کردیا۔ (ج5،ص654تا671)

سوال: قبر پر اذان دینے میں کتنے فائدے ہیں؟ مختصر تحریر فرمادیں۔

جواب: ہمارے کلام پر مطلع ہونے والا عظمتِ رحمتِ الٰہی پر نظر کرے کہ اذان میں اِن شاءاللہ الرحمٰن اُس میت اور

ان احیا (زندوں) کے لئے کتنے منافع ہیں، سات فائدہ میت کیلئے:

(۱) بحولہ تعالیٰ (اللہ کی عطا سے) شیطان رجیم کے شر سے پناہ۔ (۲) بدولتِ تکبیر عذاب نار سے امان۔

(۳) جوابِ سوالات کا یاد آ جانا۔ (۴) ذکرِ اذان کے باعث عذابِ قبر سے نجات پانا۔

(۵) بہ برکتِ ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزولِ رحمت۔ (۶) بدولتِ اذان دفعِ وحشت۔

(۷) زوالِ غم و سرور و فرحت۔

اور پندرہ احیا کے لئے، سات تو یہی، سات منافع اپنے بھائی مسلمان کو پہنچانا کہ ہر نفع رسانی جدا حسنہ ہے اور ہر حسنہ کم سے کم دس ۱۰ نیکیاں، پھر نفع رسانی مسلم کی منفعتیں خدا ہی جانتا ہے۔

(۸) میت کے لئے تدبیر دفعِ شیطان سے اتباعِ سنّت۔ (۹) تدبیر آسانی جواب سے اتباعِ سنّت۔

(۱۰) دعاءعندالقبر سے اتباعِ سنت۔ (۱۱) بقصدِ نفعِ میت قبر کے پاس تکبیریں کہہ کر اتباعِ سنّت۔

(۱۲) مطلق ذکر کے فوائد ملنا جن سے قرآن وحدیث مالا مال۔

(۱۳) ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب رحمتیں پانا۔

(۱۴) مطلق دُعا کے فضائل ہاتھ آنا جسے حدیث میں مغزِ عبادت فرمایا۔

(۱۵) مطلق اذان کے برکات ملنا جنہیں منتہائے آواز تک مغفرت اور ہر تر وخشک کی استغفار وشہادت اور دلوں کو صبر وسکون وراحت ہے۔

اور لُطف یہ کہ اذان میں اصل کلمے سات ہی ہیں:

اللّٰہ اکبر، اشھد ان لاالہ الااللّٰہ، اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح ، اللّٰہ اکبر لاالہ الااللّٰہ۔

اور مکررات کو گنیے تو پندرہ ہوتے ہیں، میت کے لئے وہ سات فائدے اور احیا کے لئے پندرہ، انہیں سات اور پندرہ کے برکات ہیں۔ والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین۔

تعجب کرتا ہوں کہ حضرات مانعین نے میت واحیا کو ان فوائدِ جلیلہ سے محروم رکھنے میں کیا نفع سمجھا ہے ہمیں تو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے "من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ" تم میں سے جس سے ہو سکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو کوئی نفع پہنچائے تو لازم ومناسب ہے کہ پہنچائے۔ (الصحیح لمسلم، ج2، ص224، قدیمی کتب خانہ کراچی)

پھر خدا جانے اس اجازت کلی کے بعد جب تک خاص جزئیہ کی شرع میں نہی نہ ہو ممانعت کہاں سے کی جاتی ہے۔

سوال: کیا قبر پر اذان دینے والا ان پندرہ فائدوں کی نیت کر سکتا ہے؟

جواب: حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "نیة المومن خیر من عمله" (مسلمان کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے)۔ (المعجم الکبیر، ج6، ص185، مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

اور بیشک جو علم نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لئے کئی کئی نیکیاں کر سکتا ہے مثلاً جب نماز کے لئے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بیشک اُس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دُوسرے پر گناہ محو کریں گے مگر عالم نیت اس ایک ہی فعل میں اتنی نیتیں کر سکتا ہے:

(۱) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں۔ (۲) خانۂ خدا کی زیارت کروں گا۔ (۳) شعارِ اسلام ظاہر کرتا ہوں۔

(۴) داعی اللہ کی اجابت کرتا ہوں۔ (۵) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں۔ (۶) مسجد سے خس و خاشاک وغیرہ دُور کروں گا۔

(۷) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتی بہ پر اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں اور ایک ساعت کا بھی ہو سکتا ہے جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کر لے انتظارِ نماز و ادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔

(۸) امرِ الٰہی ﴿خذوا زینتکم عند کل مسجد﴾ (اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ) (کے) امتثال (پیروی) کو جاتا ہوں۔

(۹) جو وہاں علم والا ملے گا اُس سے مسائل پوچھوں گا دین کی باتیں سیکھوں گا۔

(۱۰) جاہلوں کو مسئلہ بتاؤں گا دین سکھاؤں گا۔ (۱۱) جو علم میں میرے برابر ہوگا اُس سے علم کی تکرار کروں گا۔

(۱۲) علماء کی زیارت۔ (۱۳) نیک مسلمانوں کا دیدار۔ (۱۴) دوستوں سے ملاقات۔

(۱۵) مسلمانوں سے میل۔ (۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے اُن سے بکشادہ پیشانی مل کر صلہ رحم۔

(۱۷) اہلِ اسلام کو سلام۔ (۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا۔ (۱۹) اُن کے سلام کا جواب دُوں گا۔

(۲۰) نماز جماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا۔

(۲۱،۲۲) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام عرض کروں گا بسم اللّٰہ الحمد للّٰہ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ۔

(۲۳،۲۴) دخول و خروج میں حضور و آلِ حضور و ازواجِ حضور پر درود بھیجوں گا، اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمّد وعلیٰ اٰل سیدنا محمّد وعلیٰ ازواج سیدنا محمّد۔

(۲۵) بیمار کی مزاج پُرسی کروں گا۔ (۲۶) اگر کوئی غمی والا ملا تعزیت کروں گا۔

(۲۷) جس مسلمانوں کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للّٰہ کہا اُسے یرحمک اللّٰہ کہوں گا۔

(۲۸،۲۹) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کروں گا۔ (۳۰) نمازیوں کے وضو کو پانی دُوں گا۔

(۳۱،۳۲) خود مؤذن ہے یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان و اقامت کہوں گا اب اگر یہ کہنے نہ پایا دُوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت پر اذان و اقامت کا ثواب پا چکا، ﴿فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسے اجر عطا فرمائے گا۔

(۳۳) جو راہ بھولا ہوگا راستہ بتاؤں گا۔ (۳۴) اندھے کی دستگیری کروں گا۔
(۳۵) جنازہ مِلا تو نماز پڑھوں گا۔ (۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔
(۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی تو حتی الوسع صلح کراؤں گا۔
(۳۸،۳۹) مسجد میں جاتے وقت دہنے اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباعِ سنت کروں گا۔
(۴۰) راہ میں جو لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا الی غیر ذلك من نیات کثیرۃ۔

تو دیکھئے کہ جو ان ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وہ صرف حسنۂ نماز کے لئے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس ۴۰ حسنات کے لئے جاتا ہے تو گویا اُس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم پہلے اگر ہر قدم ایک نیکی تھا اب چالیس ۴۰ نیکیاں ہوگا۔

اسی طرح قبر پر اذان دینے والے کو چاہئے کہ ان پندرہ نیتوں کا تفصیلی قصد کرے تا کہ ہر نیت پر جُدا گانہ ثواب پائے اور ان کے ساتھ یہ بھی ارادہ کہ مجھے میت کے لئے دُعا کا حکم ہے اس کی اجابت کا سبب حاصل کرتا ہوں اور نیز اُس سے پہلے عمل صالح کی تقدیم چاہئے یہ ادب دعا بجالاتا ہوں۔

الی غیر ذلك ممایستخرجه العارف النبیل واللّٰہ الہادی الیٰ سواء السبیل (ان کے علاوہ دوسری نیتیں جن کو عارف اور عمدہ رائے استخراج کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے)۔

بہت لوگ اذان تو دیتے ہیں مگر ان منافع و نیات سے غافل ہیں وہ جو کچھ نیت کرتے ہیں اُسی قدر پائیں گے۔ فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی (اعمال کا ثواب نیتوں سے ہی ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی) (مشکوۃ المصابیح ص 11 مطبوعہ مجتبائی دہلی) (ج 5 ص 673)

سوال: منکرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو نماز کے لئے ہوتی ہے۔

جواب: جہال منکرین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلام نماز کے لئے ہے یہاں کون سی نماز ہوگی جس کے لئے اذان کہی جاتی ہے مگر یہ ان کی جہالت انہیں کو زیب دیتی ہے وہ نہیں جانتے کہ اذان میں کیا کیا اغراض و منافع ہیں اور شرع مطہر نے نماز کے سوا کن کن مواضع میں اذان مستحب فرمائی ہے ازاں جملہ گوشِ مغموم (غمزدہ کے کان) میں اور دفع وحشت کو کہنا تو یہیں گزرا اور بچّے کے کان میں اذان دینا سنا ہی ہوگا ان کے سوا اور بہت مواقع ہیں جن کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ نسیم الصبا میں ذکر کی۔ (ج 5 ص 676)

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بچے کے کان میں جواذان دینے کا احادیث میں آیا وہ اس لئے کہ اس کی نماز بعدِ موت ہوتی ہے۔

جواب: بعض احمق جاہل گوشِ مولود (بچے کے کان) کی اذان سے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس اذان کی نماز تو بعد موتِ مولود ہوتی ہے یعنی نمازِ جنازہ، یہ اذان جو قبر پر کہو گے اس کی نماز کہاں ہے؟ اذانِ گوشِ مولود کو نمازِ جنازہ کی اذان بتانا جیسی جہالت فاحشہ ہے خود ظاہر ہے مگر ان کا جواب ترکی بہ ترکی یہ ہے کہ نمازِ جنازہ جس طرح صرف قیام سے ہوتی ہے جو ادنیٰ افعال نماز ہے ایک نماز روزِ محشر صرف سجود سے ہوگی جو اعلیٰ افعالِ نماز ہے جس دن کشفِ ساق ہوگا اور مسلمان سجدے میں گریں گے منافق سجدہ نہ کر سکیں گے جس کا بیان قرآن عظیم سورہ ق شریف میں ہے قبر کی اذان اس نماز کی اذان ہے۔ (ج 5 ص 676)

تلخیص فتاوی رضویہ

(جلد 6)

مؤلف

استاذ الفقہ والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

نماز کی شرطوں کا بیان

سترعورت

سوال: تہبند اگر ایسے باریک کپڑے کا ہے کہ اس میں سے بدن کی سرخی یا سیاہی نمایاں ہے تو اُس تہبند سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: درمختار میں ہے" ساتر لا يصف ما تحته "ترجمہ: چھپانے والی چیز وہ ہے جو اپنے اندر کی چیز کو ظاہر نہ کرے۔ (درمختار، ج 1 ص 122 مجتبائی دہلی)

ردالمحتار میں ہے"بان لایری منه لون البشرة"ترجمہ: بایں طور پر کہ اس سے جسم کا رنگ دکھائی نہ دے۔

(ردالمحتار، ج 1 ص 302 مصطفیٰ البابی مصر)

یہاں سے معلوم ہُوا کہ عورتوں کا وہ دُوپٹہ جس سے بالوں کی سیاہی چمکے مفسدِ نماز ہے۔ (ج6 ص29)

سوال: مرد کے بدن میں کتنے اعضاء ایسے ہیں جن کو چھپانا ضروری ہے؟

جواب: یہ تو معلوم ہے کہ مرد کے لئے ناف سے زانو تک عورت ہے۔ ناف خارج، گھٹنے داخل، مگر جدا جدا اعضاء بیان کرنے میں یہ نفع ہے کہ ان میں ہر عضو کی چوتھائی پر احکام جاری ہیں، مثلاً:

(۱) اگر ایک عضو کی چہارم کھل گئی اگر چہ اس کے بلاقصد ہی کھلی ہو اور اس نے ایسی حالت میں رکوع یا سجود یا کوئی رکن کامل ادا کیا تو نماز بالاتفاق جاتی رہی۔

(۲) اگر صورتِ مذکورہ میں پورا رکن تو ادا نہ کیا مگر اتنی دیر گزر گئی جس میں تین بار سُبحان اللہ کہہ لیتا تو بھی مذہبِ مختار پر جاتی رہی۔

(۳) اگر نمازی نے بالقصد ایک عضو کی چہارم بلاضرورت کھولی تو فوراً نماز جاتی رہی اگر چہ معاً چھپالے، یہاں ادائے رکن یا اُس قدر دیر کی کچھ شرط نہیں۔

(۴) اگر تکبیر تحریمہ اُسی حالت میں کہی کہ ایک عضو کی چہارم کھلی ہے تو نماز سرے سے منعقد ہی نہ ہوگی اگر چہ تین تسبیحوں کی دیر تک مکشوف نہ رہے۔

(۵) ان سب صورتوں میں اگر ایک عضو کی چہارم سے کم ظاہر ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی اگر چہ نیت سے سلام تک انکشاف رہے اگر چہ بعض صورتوں میں گناہ وسوئے ادب (بے ادبی) بیشک ہے۔

(۶) اگر ایک عضو دو جگہ سے کھلا ہو مگر جمع کرنے سے اس عضو کی چوتھائی نہیں ہوتی تو نماز ہو جائے گی اور چوتھائی ہو جائے تو بتفاصیل مذکورہ نہ ہوگی۔

(۷) متعدد عضووں مثلاً دو میں سے اگر کچھ کچھ حصہ کھلا ہے تو سب جسمِ مکشوف (ظاہر ہونے والا جسم) ملانے سے ان دونوں میں جو چھوٹا عضو ہے اگر اس کی چوتھائی تک نہ پہنچے تو نماز صحیح ہے ورنہ بتفصیلِ سابق باطل مثلاً ران وزیرِ ناف سے کچھ کچھ کپڑا الگ ہے تو دونوں کی قدرِ منکشف اگر زیرِ ناف کی چہارم کو پہنچے نماز نہ ہوگی اگر چہ مجموعہ ران کی چوتھائی کو بھی نہ پہنچے کہ ان دونوں میں زیرِ ناف چھوٹا عضو ہے اور سرین اور زیرِ ناف میں انکشاف ہے تو مجموعہ سرین کے ربع تک پہنچنا چاہیے اگر چہ زیرِ ناف کی چوتھائی نہ ہو کہ ان میں سرین عضوِ اصغر (چھوٹا عضو) ہے اسی طرح تین یا چار یا زیادہ اعضا میں انکشاف ہو تو بھی اُن میں سب سے چھوٹے عضو کی چہارم تک پہنچنا کافی ہے اگر چہ اکبر یا اوسط یا خفیف حصہ ہو۔

میں نے ان مسائل میں ہر جگہ اقوی ارجح (زیادہ راجح) واحوط (زیادہ محتاط) قول کو اختیار کیا کہ عمل کے لئے بس ہے۔

بالجملہ ان احکام سے معلوم ہو گیا کہ صرف اجمالاً اس قدر سمجھ لینا کہ یہاں سے یہاں تک سترِ عورت ہے ہرگز کافی نہیں بلکہ اعضاء کو جدا جدا پہچاننا ضروری ہے۔

اور وہ علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی محشیانِ درمختار رحمۃ اللہ علیہم نے مرد میں آٹھ گنئے:

(۱) ذکر مع اپنے سب پرزوں یعنی حشفہ وقصبہ وقلفہ کے ایک عضو ہے یہاں تک کہ مثلاً صرف قصبہ کی چوتھائی یا فقط حشفہ کا نصف کھلنا مفسد نماز نہیں، اگر باوجود علم وقدرت ہو تو گناہ و بے ادبی ہے اور ذکر کے گرد سے کوئی پارہ جسم اس میں شامل نہ کیا جائے گا، یہی صحیح ہے یہاں تک کہ صرف ذکر کی چوتھائی کھلنی مفسدِ نماز ہے۔

(۲) انثیین یعنی بیضے کہ دونوں مل کر ایک عضو ہے یہی حق ہے یہاں تک کہ ان میں ایک کی چہارم بلکہ تہائی کھلنی بھی مفسد نہیں۔ پھر یہاں بھی صحیح یہی ہے کہ ان کے ساتھ ان کے حول (اردگرد) سے کچھ ضم (ملایا) نہ کیا جائے گا، یہ دونوں تنہا عضو مستقل ہیں۔

(۳) دُبر یعنی پاخانہ کی جگہ، اُس سے بھی صرف اس کا حلقہ مراد، یہی صحیح ہے اور اسی پر اعتماد۔

(۴،۵) الیتین یعنی دونوں چُوتڑ (سرین)، ہر چوتڑ مذہب صحیح میں جدا عورت ہے کہ ایک کی چوتھائی کھلنی باعثِ فساد ہے۔

(۶،۷) فخذین یعنی دونوں رانیں کہ ہر ران اپنی جڑ سے جسے عربی میں رکب ورفغ ومغبن اور فارسی میں پیغولۂ ران اور اردو میں جڈھا کہتے ہیں، گھٹنے کے نیچے تک ایک عضو ہے، ہر گھٹنا اپنی ران کا تابع اور اس کے ساتھ مل کر ایک عورت ہے،

یہاں تک کہ اگر صرف گھٹنے پورے کھلے ہوں تو صحیح مذہب پر نماز صحیح ہے کہ دونوں مل کر ایک ران کے ربع کو نہیں پہنچتے، ہاں خلافِ ادب وکراہت ہونا جدا بات ہے۔

(۸) کمر باندھنے کی جگہ ناف سے اور اس کی سیدھ میں آگے پیچھے دہنے بائیں چاروں طرف پیٹ کمر کولہوں کا جو ٹکڑا باقی رہتا ہے وہ سب مل کر ایک عورت ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں) یہاں دو مقام تحقیق طلب ہیں:

مقام اول: آیا عورتِ ہشتم (آٹھویں عضوِ ستر) میں پیٹ کا وہی نرم حصہ جو ناف کے نیچے واقع ہے جسے ہندی میں پیڑو کہتے ہیں تینوں طرف یعنی کروٹوں اور پیٹھ سے اپنے محاذی بدن کے ساتھ صرف اسی قدر داخل ہے ذکر کے متصل وہ سخت بدن جو بال اُگنے کا مقام ہے جسے عربی میں عانہ کہتے ہیں اس میں شامل نہیں یہاں تک کہ صرف مقدارِ اول کی چوتھائی کھلنی مفسدِ نماز نہ ہو اگرچہ عانہ کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو چہارم سے کم رہے یا عانہ سمیت ناف سے نیچے جس قدر جسم رانوں اور ذکر اور چوتڑوں کے شروع تک باقی رہا سب مل کر ایک عورت ہے۔ یہاں تک کہ افسادِ نماز کے لئے اس مجموع کی چوتھائی درکار ہو اور مقدارِ اول کا ربع کفایت نہ کرے۔

جتنی کتب فقہ اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں اُن میں کہیں اس تنقیح کی طرف توجہ خاص نہ پائی اور بنظرِ ظاہر کلماتِ علما مختلف سے نظر آتے ہیں مگر بعدِ غور وتعمق اظہر واشبہ امر ثانی ہے یعنی یہ سب بدن مل کر ایک ہی عورت ہے، تو یوں سمجھئے کہ چار اطراف بدن میں اس سے ملے ہوئے جو عضو ہیں مثلاً ران وسرین وذکر، اُن کا آغاز تو معلوم ہی ہے ان سے اُوپر اُوپر ناف کے کنارۂ زیریں اور سارے دور میں اس کنارے کی سیدھ تک جسم باقی رہا اس سب کا مجموعہ عضوِ واحد ہے۔

اور اسی طرف علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی کا کلامِ مذکور ناظر کہ انہوں نے عانہ عضو جداگانہ نہ ٹھہرایا ورنہ تقدیرِ اوّل پر اس قدر ٹکڑا اس میں داخل نہ تھا اور اس کا ران وذکر میں داخل نہ ہونا خود ظاہر، تو واجب تھا کہ اس پارۂ جسم یعنی عانہ کو نواں عضو شمار فرماتے، اس مقام کی تحقیقِ کامل بقدرِ قدرت فقیر غفراللہ تعالٰی نے اپنے رسالۂ مذکورہ "الطرۃ فی ستر العورۃ" میں ذکر کی یہاں ان شاء اللہ تعالٰی اسی قدر کافی کہ عانہ اور عانہ سے اوپر ناف تک سارا جسم جسمِ واحد ہے حقیقۃً وحساً وحکماً سب طرح متصل، تو اسے دو عضو مستقل ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں۔

مقام دوم: وہ بدن جو دُبر وانثیین کے درمیان ہے اس گنتی میں نہ آیا، نہ اُسے عورت ہشتم کے توابع سے قرار دے سکتے ہیں کہ بیچ میں دو مستقل عورتیں یعنی ذکر وانثیین فاصل ہیں۔۔۔ نہ یہ صحیح کہ اسے دو حصے کر کے دُبر وانثیین میں شامل مانیے کہ مذہب صحیح پر تنہا انثیین عضو کامل ہیں یونہی صرف حلقۂ دُبر عضوِ مستقل ہے کہ اُن کے گرد سے کوئی جسم ان کے ساتھ نہ ملایا جائے گا۔

جب ثابت ہولیا کہ یہ جسم یعنی مابین الدبر والانثیین (دبر اور انثیین کے درمیان موجود حصہ) اُن آٹھوں عورتوں سے کسی میں شامل اور کسی کا تابع نہیں ہوسکتا اور وہ بھی قطعاً ستر عورت میں داخل تو واجب کہ اُسے عضو جدا گانہ شمار کیا جائے، مرد میں عدد اعضائے عورت نو قرار دیا جائے اور کتب مذکورہ میں اُس کا عدم ذکر ذکرِ عدم نہیں کہ آخر اُن میں نہ استیعاب (احاطہ کرنے) کی طرف ایماء (اشارہ) نہ کسی تعداد کا ذکر، وہ ستر عورت کی دونوں حدیں ذکر فرما چکے اور اتنے اعضا کے استقلال وانفراد پر بھی تصریحیں کر گئے تو جو باقی رہا لاجرم عضو مستقل قرار پائے گا۔ (ج6،ص29تا38)

سوال: آزاد عورت کے بدن میں کتنے اعضاء ستر ہیں؟

جواب: زنِ آزاد کا سارا بدن سر سے پاؤں تک سب عورت (چھپانے کی چیز) ہے مگر منہ کی ٹکلی اور دونوں ہتھیلیاں کہ یہ بالاجماع (ستر نہیں) اور عبارت خلاصہ سے مستفاد کہ ناخن پا (پاؤں کے ناخنوں) سے ٹخنوں کے نیچے جوڑ تک پشتِ قدم بھی بالاتفاق عورت نہیں، تلووں اور پشتِ کف دست (ہاتھ کی پشت) میں اختلافِ تصحیح ہے، اصلِ مذہب یہ کہ وہ دونوں بھی عورت ہیں تو اس تقدیر پر صرف پانچ ٹکڑے مستثنیٰ ہوئے، منہ کی ٹکلی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں پشتِ پا (قدموں کی پشت)۔ ان کے سوا سارا بدن عورت ہے۔

اور وہ تیس ۳۰ عضووں پر مشتمل کہ اُن میں جس عضو کی چوتھائی کھلے گی نماز کا وہی حکم ہوگا جو ہم نے پہلے فتوے میں اعضاءِ عورتِ مرد کی نسبت لکھا۔

وہ تیس عضو یہ ہیں:

(۱) سر یعنی طول میں پیشانی کے اُوپر سے گردن کے شروع تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک جتنی جگہ پر عادۃً بال جمتے ہیں۔

(۲) بال یعنی سر سے نیچے جو لٹکے ہوئے بال ہیں وہ جدا عورت ہیں۔

(۳،۴) دونوں کان۔

(۵) گردن جس میں گلا بھی شامل ہے۔

(۶،۷) دونوں شانے یعنی جانبِ پشت کے جوڑ سے شروع بازو کے جوڑ تک۔

(۸،۹) دونوں بازو یعنی اُس جوڑ سے کہنیوں سمیت کلائی کے جوڑ تک۔

(۱۰،۱۱) دونوں کلائیاں یعنی کہنی کے اُس جوڑ سے گٹوں کے نیچے تک۔

(۱۲،۱۳) دونوں ہاتھوں کی پشت۔

(۱۴) سینہ یعنی گلے کے جوڑ سے دونوں پستان کی زیریں تک۔

(۱۶،۱۵) دونوں پستانیں جبکہ اچھی طرح اُٹھ چکی ہوں یعنی اگر ہنوز بالکل نہ اُٹھیں یا خفیف نوخاستہ ہیں کہ ٹوٹ کر سینہ سے جُدا عضو کی صورت نہ بنی ہوں تو اس وقت تک سینہ ہی کے تابع رہیں گی الگ عورت نہ گنی جائیں گی اور جب اُبھار کی اُس حد پر آجائیں کہ سینہ سے جدا عضو قرار پائیں تو اس وقت ایک عورت سینہ ہوگا اور دو عورتیں یہ، اور وہ جگہ کہ دونوں پستان کے بیچ میں خالی ہے اب بھی سینہ میں شامل رہے گی۔

(۱۷) پیٹ یعنی سینہ کی حد مذکور سے ناف کے کنارۂ زیریں (نیچے والے کنارے) تک، ناف پیٹ ہی میں شامل ہے۔

(۱۸) پیٹھ یعنی پیٹ کے مقابل پیچھے کی جانب محاذات سینہ کے نیچے سے شروع کمر تک جتنی جگہ ہے۔

(۱۹) اُس کے اُوپر جو جگہ پیچھے کی جانب دونوں شانوں کے جوڑوں اور پیٹھ کے بیچ سینہ کے مقابل واقع ہے ظاہراً جدا عورت ہے، ہاں بغل کے نیچے سینہ کی زیریں حد تک دونوں کروٹوں میں جو جگہ ہے اُس کا اگلا حصہ سینہ میں شامل ہے اور پچھلا اس سترھویں عضو یا شانوں میں اور زیر سینہ سے شروع کمر تک جو دونوں پہلو ہیں ان کا اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں داخل ہوگا۔

(۲۱،۲۰) دونوں سرین یعنی اپنے بالائی جوڑ سے رانوں کے جوڑ تک۔

(۲۲) فرج۔

(۲۳) دُبر۔

(۲۵،۲۴) دونوں رانیں یعنی اپنے بالائی جوڑ سے زانوؤں کے نیچے تک دونوں زانو بھی رانوں میں شامل ہیں۔

(۲۶) زیرِ ناف کی نرم جگہ اور اس سے متصل و مقابل جو کچھ باقی ہے یعنی ناف کے کنارۂ زیریں سے ایک سیدھا دائرہ کمر پر کھینچیے اس دائرے کے اوپر اوپر تو سینہ تک اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں شامل تھا اور اس کے نیچے نیچے دونوں سرین اور دونوں رانوں کے شروع جوڑ اور دُبر فرج بالائی (اوپر والے) کنارے تک جو کچھ حصہ باقی ہے سب ایک عضو ہے عانہ یعنی بال جمنے کی جگہ بھی اسی میں داخل ہے۔

(۲۸،۲۷) دونوں پنڈلیاں یعنی زیر زانو سے ٹخنوں تک۔

(۳۰،۲۹) دونوں تلوے۔

تنبیہ اوّل: ملاحظہ حلیہ وغنیہ و بحر و ردالمحتار و غیرہا سے ظاہر کہ قدمِ حرہ (آزاد عورت کے قدم) میں ہمارے علماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اختلافِ شدید مع اختلافِ تصحیح ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً عورت ہے، امام اقطع نے شرح قدوری اور امام قاضی خان نے

اپنے فتاوٰی میں اس کی تصحیح اور حلیہ میں بدلیلِ احادیث اسی کی ترجیح کی، امام اسبیجابی و امام مرغینانی نے اسی کو اختیار فرمایا۔

بعض کے نزدیک اصلاً عورت نہیں، امام برہان الدین نے ہدایہ اور امام قاضی خان نے شرح جامع صغیر اور امام نسفی نے کافی میں اسی کی تصحیح فرمائی، اسی کو محیط میں اختیار کیا اور دُرِ مختار میں معتمد اور مراقی الفلاح میں اصح الروایتین (دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح) کہا، کنز وغیرہ اکثر متون کتاب الصلوٰۃ میں اسی طرف ناظر ہیں۔

بعض کے نزدیک بیرونِ نماز عورت ہیں نماز میں نہیں، یعنی اجنبی کو ان کا دیکھنا حرام مگر نماز میں کھل جانا مفسد نہیں۔ اختیار شرح مختار میں اسی کی تصحیح فرمائی۔

پھر کلامِ خلاصہ وغیر ہا سے مستفاد کہ یہ اختلافات صرف تلووں میں ہیں پشتِ قدم بالاتفاق عورت نہیں، مگر کلام علامہ قاسم و حلیہ و غنیۃ وغیر ہا سے ظاہر کہ وہ بھی مختلف فیہ ہے اور شک نہیں کہ بعض احادیث اس کے عورت ہونے کی طرف ناظر کما یظھر بمراجعۃ الحلیۃ و غیرھا (جیسا کہ حلیہ وغیرہ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہو جائے گا)۔

تو اگر زیادتِ احتیاط کی طرف نظر جائے تو نہ صرف تلووں بلکہ ٹخنوں کے نیچے سے ناخنِ پا تک سارے پاؤں کو عورت سمجھا جائے، یوں بھی شمار اعضا تیس ۳۰ ہی رہے گا اور اگر آسانی پر عمل کریں تو سارے پاؤں عورت سے خارج ہو کر اعضاء اٹھائیس ہی رہیں گے۔ آدمی ان معاملات میں مختار ہے جس قول پر چاہے عمل کرے۔

تنبیہ دوم: پشتِ دست (ہاتھ کی پشت) اگر چہ اصلِ مذہب میں عورت ہے مگر من حیث الدلیل (دلیل کے اعتبار سے) یہی روایت قوی ہے کہ گٹوں سے نیچے ناخن تک دونوں ہاتھ اصلاً عورت نہیں۔

تو روایت قوی پر دو پشتِ دست نکال کر اٹھائیس ہی عضو عورت رہے، اور اگر بنظرِ آسانی اس قولِ مصحح پر عمل کر کے تلوے بھی خارج رہیں تو صرف چھبیس ہی ہیں اور اصلِ مذہب پر تیس ۳۰۔ (ج6ص39تا46)

نیت کا بیان

سوال: یہ کہنا کہ نماز خدائے تعالٰی کی پڑھتا ہوں جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب اس کہنے کو منع کرتے ہیں۔

جواب: بلاشبہ جائز ہے ان صاحب کے منع کرنے کے اگر یہ معنی ہیں کہ نیت کرتے وقت زبان سے یہ الفاظ نہ کہے جائیں تو ایک قولِ ضعیف و نا معتمد ہے، عامۂ کتب میں جوازِ تلفظ بہ نیت (نیت کو زبان سے کہنے کے جواز) بلکہ اس کے استحباب (مستحب ہونے) کی تصریح فرمائی۔

اور اگر یہ مراد نماز کو اللہ عزوجل کی طرف اضافت کرنا منع ہے تو سخت جہل اشنع (بہت شنیع جہالت) ہے، یہ صاحب بھی ہر نماز میں التحیات للہ والصلوات کہتے ہوں گے (کہ سب مجرے اور سب نمازیں اللہ کی ہیں) پر ظاہر کہ یہاں اضافت بھی لامیہ ہے، بالجملہ اس منع کی کوئی وجہ اصلاً نہیں۔ (ج6، ص46)

سوال: فرائض اور واجبات کی نیت میں لفظ "آج" یا "اس" کا اضافہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ مثلاً یوں کہنا کہ نیت کرتا ہوں فرض آج کے ظہر یا عصر یا اس ظہر یا عصر کی، اور اگر نہیں کرے گا تو نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب: نیت قصدِ قلبی کا نام ہے تلفظ اصلاً ضروری نہیں نہایت کار (زیادہ سے زیادہ) مستحب ہے تو لفظ اس یا آج درکنار سرے سے کوئی حرفِ نیت زبان پر نہ لایا تو ہرگز کسی طرح کا حرج بھی نہیں۔

قصدِ قلبی کی علمائے کرام نے یہ تحدید (حد بندی) فرمائی کہ نیت کرتے وقت پوچھا جائے کہ کون سی نماز پڑھنا چاہتا ہے تو فوراً بے تامل بتادے۔۔ اور شک نہیں کہ جو شخص نمازِ وقتی میں یہ بتادے گا کہ مثلاً نمازِ ظہر کا ارادہ وہ یہ بھی بتادے گا کہ آج کی ظہر شاید یہ صورت کبھی واقع نہ ہو کہ نیت کرتے وقت دریافت کئے سے یہ تو بتادے کہ ظہر پڑھتا ہوں اور یہ سوچتا رہے کہ کب کی، تو قصدِ قلب میں تعیین نوعی نماز کے ساتھ تعیین شخصی بھی ضروری ہوتی ہے اور اسی قدر کافی ہے، ہاں اگر کوئی شخص بالقصد ظہر غیر معین کے نیت کرے یعنی کسی خاص ظہر کا قصد نہیں کرتا بلکہ مطلق ظہر پڑھتا ہوں چاہے وہ کسی دن کی ہو تو بلاشبہ اُس کی نماز نہ ہوگی۔

فان التعیین فی الفرض فرض بالوفاق وانما الخلف فی عدم اللحاظ لا لحاظ العدم (فرائض میں تعیینِ وقت بالاتفاق فرض ہے عدمِ لحاظ میں اختلاف ہے لحاظِ عدم میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔ (ج6، ص47)

سوال: بعض اوقات فوت شدہ نمازیں زیادہ تعداد میں ہونے کی وجہ سے نیت اسی طرح کی جاتی ہے کہ "ظہر" پڑھتا ہوں، تعیین نہیں کی جاتی کہ کون سے دن کی ظہر، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: تعددِ فوائت خصوصاً کثرت کی حالت میں یہ صورت ضرور ہو سکتی بلکہ بہت عوام سے واقع ہوتی ہے کہ ظہر کی

نیت کر لی اور یہ تعیین کچھ نہیں کہ کس دن تاریخ کی ظہر یہاں باوصفِ اختلافِ تصحیح مذہب اصح واحوط یہی ہے کہ دن کی تخصیص نہ کی تو نماز ادا ہی نہ ہوگی۔

مگر طولِ مدت یا کثرتِ عدد میں تعیینِ روز کہاں یاد رہتی ہے لہذا علماء نے اس کا سہل طریقہ یہ رکھا ہے کہ سب سے پہلی یا سب سے پچھلی ظہر یا عصر کی نیت کرتا رہے جب ایک پڑھ لے گا تو باقی میں جو سب سے پہلی یا پچھلی ہے وہ ادا ہوگی۔

اوراگر فائتہ (فوت شدہ نماز) ایک ہی ہے تو نیت فائتہ کرنے ہی میں تعیین یوم خود ہی آ گئی۔ (ج6،ص48)

قبلہ کا بیان

سوال: مسجد میں محراب کا رخ بالکل قبلہ کی سیدھ میں نہیں بلکہ قبلہ سے کچھ پھرا ہوا ہے جو کہ ۴۵ درجے سے کم ہے نمازی اسی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب تک ۴۵ درجے انحراف نہ ہو نماز بلاشبہ جائز ہے۔ قبلۂ تحقیقی کو منہ کرنا نہ فرض نہ واجب صرف سنت مستحبہ ہے لہذا مسجد میں نماز بلاشبہ جائز ہے اور اس میں اصلاً نقصان نہیں۔ (ج6،ص57)

(صورتِ مذکورہ میں نماز تو ہو جائے گی مگر سنتِ مستحبہ کے ترک کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہوگی لہذا اگر معلوم ہے کہ محراب یا مسجد کی سمتِ قبلہ سے منحرف ہے تو مسجد ومحراب کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ سمتِ قبلہ کا لحاظ کیا جائے، چنانچہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں)

مسجد ہی کے رُخ پر نماز پڑھی جائے ضرور صحیح ہو جائے گی مگر بعدِ اطلاع قبلہ سے اتنا انحراف مکروہ وخلاف سنت ہے، لہذا سمتِ مسجد کا خیال نہ کریں بلکہ سمتِ قبلہ کا۔ (ج6،ص60)

سوال: شہر علی گڑھ کی عیدگاہ کہ صدہا سال سے بنی ہوئی ہے اور حضراتِ علماء متقدمین (پہلے کے علماء) بلاکراہت اس میں عیدین کی نمازیں پڑھتے پڑھاتے رہے، آج کل نئی روشنی والوں نے اپنے قیاسات اور انگریزی آلات سے یہ تحقیق کی ہے کہ سمتِ قبلہ سے منحرف ہے لہذا اس کو توڑ کر سمت ٹھیک کرنا مسلمانانِ شہر پر استطاعت کی صورت میں لازم اور فرض ہے ورنہ نماز اس میں مکروہ تحریمی ہے، اور ۱۰ دسمبر کو ایک فتوی چھاپا جس کی عبارت یہ ہے "اگر وہاں کے مسلمانوں میں اس قدر مالی طاقت ہے کہ اس کو شہید کر کے ٹھیک سمتِ قبلہ پر بنا سکتے ہیں تو ان کے ذمے فرض ہے کہ وہ ایسا ہی کریں اگر ان میں ٹھیک سمت قبلہ بنانے کی طاقت نہیں تو ان کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اس مسجد یا عیدگاہ میں ٹھیک سمتِ قبلہ کی خطوط کھینچ لیں اور اُن خطوط پر کھڑے ہو کر نماز پڑھا کریں، چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے "ومن کان غائبا ففرضه اصابة جهتها هو الصحيح لان التكليف بحسب الوسع" "جو شخص کعبہ سے دور ہو اس پر نماز کے دوران سمتِ کعبہ کی طرف رُخ کرنا فرض ہے یہی صحیح ہے کیونکہ تکلیف حسبِ طاقت ہوتی ہے۔

کتبِ معتبرہ سے یہ ارشاد فرمائیں کہ اسکا سمتِ قبلہ درست کرنا ضروری ہے یا کیا؟

جواب: فتوائے مذکورہ محض باطل اور حلیۂ صدق وصحت (سچ اور صحت کے زیور) سے عاطل (خالی) اور منصبِ افتاء پر نرا اجترا بلکہ شریعتِ مطہرہ پر کُھلا افتراء ہے۔

اولاً (پہلی بات تو یہ ہے کہ) اگر بفرضِ باطل یہ عیدگاہ جہتِ قبلہ سے بالکل خارج ہوتی بلکہ مشرق و مغرب بدل گئے ہوتے جب بھی یہ جبروتی حکم کہ بحالتِ استطاعت اسے توڑ کر ٹھیک سمت قبلہ بنانا فرض ہے دل سے نئی شریعت ایجاد ... حالت پر غایت یہ کہ اگر بے انہدام (بغیر گرائے) کوئی چارہ کار ممکن نہ تھا مسجد ہونا مطلوب ہوتا ٹھیک سمت پر بنا ... بانا، عیدگاہ میں کوئی عمارت ہونا ہی سرے سے خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرض کیا نہ واجب نہ سنت، زمانہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مصلائے عید کف دست میدان (ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح خالی میدان) تھا جس میں اصلاً کسی عمارت کا نام نہ تھا، جب حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ عید کو تشریف لے جاتے مواجہہ اقدس میں (سامنے) سُترہ کے لئے ایک نیزہ نصب کردیا جاتا، زمانہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں بھی یونہی رہا، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے سب مواضع میں تبرک کے لئے مسجدیں بنا (تعمیر) کیں ظاہراً انہیں کے وقت میں مصلائے عید میں بھی عمارت بنی۔

صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے "ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ترکزلہ الحربۃ قدامہ یوم الفطر والنحر ثم یصلی" ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے عید الفطر کے موقع پر نیزہ نصب کیا جاتا پھر آپ نماز پڑھاتے۔ (صحیح بخاری ج 1 ص 133 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

سنن ابن ماجہ میں وصحیح ابن خزیمہ ومستخرج اسمٰعیلی میں زائد کیا "وذلک ان المصلی کان فضاء لیس فیہ شیء یستتربہ" ترجمہ: یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ عیدگاہ فضا میں تھی وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے سُترا بنایا جاسکے۔

(سنن ابن ماجہ ص 93 مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

افسوس کہ نئی روشنی کا یہ فرض، زمانہ رسالت، زمانہ خلافت سب میں متروک رہا۔

ثانیاً (دوسری بات یہ کہ) اس عیدگاہ کی عمارت موجودہ سے دین الٰہی کو کوئی ایسا ضرر شدید پہنچتا ہے جس کے سبب اس کا ڈھانا فرض ہو یا نہیں، اگر نہیں تو بحالِ استطاعتِ مالی اس کا ہدم (گرانا) کیوں فرض ہوا اور اگر ہاں تو بحالِ عدمِ استطاعتِ مالی کیوں فرض نہیں، استطاعتِ مالی بنانے کو چاہئے، ڈھانے میں ایسا کیا درکار ہے جس سے مسلمانانِ شہر عاجز ہوں۔

ثالثاً (تیسری بات یہ کہ) خطوطِ سمتِ قبلہ ڈال لینے سے کاربراری (کام ہوجانا) ممکن اور وہ ضرر مندفع (ختم ہوجاتا) ہے یا نہیں، اگر نہیں تو بحالِ عدمِ استطاعت یہ لغو حرکت کیوں فرض ہوئی اور کس نے فرض کی، اور اگر ہاں تو بحالِ استطاعت یوں کاربراری کس نے حرام کی کہ بالتعیین ڈھادینا ہی فرض ہوگیا۔

رابعاً (چوتھی بات یہ کہ) یہ عیدگاہ سمت (قبلہ) سے یکسر (بالکل) خارج ہے یا حدودِ جہت کے اندر ہے اگرچہ عین

محاذات سے منحرف ہے برتقدیرِ اول اس میں نماز مکروہ تحریمی کیوں ہوئی باطلِ محض ہونی لازم تھی، برتقدیرِ ثانی اس کا ڈھانا کیوں فرض ہوا جبکہ وہ حدودِ مشروع کے اندر ہے۔

خامساً (پانچویں بات یہ کہ) علماء کرام کا حکم تو یہ ہے کہ جہت سے بالکل خروج ہو تو نماز فاسد اور حدودِ جہت میں بلا کراہت جائز کہ آفاقی (مکہ سے باہر والے) کا قبلہ ہی جہت ہے نہ کہ اصابتِ عین (یعنی عین سامنے منہ کرنا ضروری نہیں ہے صرف جہتِ قبلہ کو منہ کرنا کافی ہے))۔

☆ جب تک ۴۵ درجے انحراف نہ ہو جہتِ قبلہ باقی رہتی ہے۔☆

ہاں حتی الوسع (جتنا ہو سکے) اصابتِ عین سے قرب مستحب۔

اور ترکِ مستحب مستلزمِ کراہتِ تنزیہ بھی نہیں کراہت تحریم تو بڑی چیز۔

تو اس میں نماز مکروہ تحریمی ٹھہرانا نئی روشنی کی محض ظلماتی ساخت ہے۔

سادساً (چھٹی بات یہ کہ) عبارتِ ہدایہ کہ فتویٰ مذکورہ نے نقل کی اس کے مُدعا سے اصلاً مس نہیں رکھتی بلکہ حقیقۃً وہ اس کا رد ہے، عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غیر مکی کو ہرگز ضرور نہیں کہ اس کی توجہ عین کعبہ معظمہ کی طرف ہو بلکہ اس جہت کی طرف منہ ہونا بس ہے جس میں کعبہ واقع ہے تکلیف بقدرِ وسعت اور طاعت بحسبِ طاقت ہے اس سے خود ثابت ہوا کہ غیر مکہ مکرمہ میں اتنا انحراف کہ جہت سے خارج نہ کرے مضر (نقصان دہ) نہیں اور اسکی تصریح نہ صرف ہدایہ بلکہ عامۂ کتبِ مذہب میں ہے، پھر مسافتِ بعیدہ میں ایک حد تک کثیر انحراف بھی جہت سے باہر نہ کرے گا اور درحقِ نماز (نماز کے حق میں) قلیل ہی کہلائے گا اور جتنا بُعد (فاصلہ) بڑھتا جائیگا انحراف زیادہ گنجائش پائے گا۔

سابعاً اکابر نے بھی فرمایا کہ جو مسجد مدتوں سے بنی ہو اور اہلِ علم و عامۂ مسلمین اس میں بلا نکیر نمازیں پڑھتے رہے ہوں جیسا کہ عیدگاہ مذکورہ کی نسبت سوال میں مسطور ہے اگر کوئی فلسفی اپنے آلات وقیاسات کی رُو سے اس میں شک ڈالا چاہے اُس کی طرف التفات نہ کیا جائے گا کہ صدہا سال سے علماء وسائر مسلمین کو غلطی پر مان لینا نہایت سخت بات ہے۔

بلکہ تصریح فرماتے ہیں کہ ایسی قدیم محرابیں خود ہی دلیلِ قبلہ ہیں جن کے بعد تحری کرنے اور اپنا قیاس لگانے کی شرعاً اجازت نہیں، ایسی تشکیک بعض مدعیانِ ہیأت نے بعض محرابات نصب کردہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی پیش کی حالانکہ بالیقین صحابہ کرام کا علم زائد تھا اُس کے بعد فلسفی ادعا کا سننا بھی حلال نہیں۔

ہاں بتحقیق معلوم ہو کہ فلاں محراب کسی جاہل ناواقف نے یُونہی جزافاً (اندازے سے) قائم کردی ہے تو البتہ اُس پر اعتماد نہ ہوگا۔ علامہ خیر الدین رملی استاذِ صاحبِ دُرمختار رحمہما اللہ تعالیٰ فتاوی خیریہ میں فرماتے ہیں "نحن علی علم بان الصحابة

رضی اللہ عنہم اعلم من غیرھم فاذاعلمنا انھم وضعوا محرابالایعارضھم من ھودونھم واذاعلمنا ان محراباوضع من غیرھم بغیر علم لانعتمدہ واذالم نعرف شیئا وعلمنا کثرۃ المارین و توالی المصلین علی مرور السنین علمنا بالظاھر وھوالصحۃ ''ترجمہ: ہمیں یقین ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیگر تمام افرادِ امت سے زیادہ علم رکھتے تھے، جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ یہ محراب صحابہ نے قائم کئے ہیں تو ان کے مقابل کسی دوسرے کی بات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا (لہذا اس محراب پر اعتماد کیا جائے گا) اور جب ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ صحابہ کے علاوہ کسی جاہل ناواقف نے یہ محراب بنائی تو اس پر ہم اعتماد نہیں کریں گے، اور اگر کسی محراب کے بارے میں ہمیں کچھ معلومات نہ ہوں صرف اتنا جانتے ہوں کہ یہاں کئی سالوں سے کثیر راہ گیر اور نمازی مسلسل نماز پڑھتے رہے ہیں تو ہم اسی ظاہر صورت پر عمل کریں گے اور یہی درست ہے۔

(فتاوی خیریہ، ج1، ص9، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت)

پھر علماء کے یہ ارشادات اس بارے میں تھے جو فنِ ہیأت کا ماہر کامل عامل فاضل ثقہ عادل ہو یہ نئی روشنی والے نہ فقہ سے مس نہ ہیأت سے خبر، اور دین ودیانت کا حال روشن تر، ان کی بات کیا قابلِ التفات۔ (اس کے بعد امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے نئی روشنی والوں کی ہیأت دانی کی دھجیاں بکھیریں، اور ثابت کیا کہ عیدگاہ مذکورہ ضرور حدودِ جہت کے اندر ہے)۔

(ج6، ص70تا72)

مقاماتِ نماز کا بیان

سوال: امام کا محراب اور در (دو ستونوں کے بیچ) میں کھڑا ہونا کیسا؟ نیز مقتدیوں کا در میں کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب: امام کا بے ضرورت محراب میں کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر ہوں یہ بھی مکروہ، ہاں پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کراہت نہیں اور امام کا در میں کھڑا ہونا بھی مکروہ مگر اسی طرح پاؤں باہر اور سجدہ در میں ہو تو کراہت نہیں۔

بشرطیکہ در کی کرسی بلند نہ ہو ورنہ اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کے موضع (جگہ) سے چار گرہ سے زیادہ اونچی ہوئی تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی اور چار گرہ یا کم بلندی ممتاز ہوئی تو کراہت سے خالی نہیں۔

☆ چار گرہ نصف ذراع ہے اور ذراع سے مراد ایک ہاتھ یعنی کہنی سے لے کر بڑی (درمیانی) انگلی کی نوک تک ☆

اور بے ضرورت مقتدیوں کا در میں صف قائم کرنا یہ سخت مکروہ کہ باعث قطعِ صف ہے اور قطعِ صف ناجائز، ہاں اگر کثرتِ جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی در میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ یونہی اگر مینہ کے باعث پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو یہ ضرورت ہے والضرورات تبیح المحظورات (سخت ضرورت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے)۔ (ج6ص131)

سوال: اکیلے نماز پڑھنے والے کا محراب یا در میں کھڑا ہونا کیسا؟

جواب: اس کے لئے ضرورت، بے ضرورت محراب میں، در میں مسجد کے کسی حصہ میں کھڑا ہونا اصلاً کراہت نہیں رکھتا۔ (ج6ص132)

سوال: مقتدیوں کے ستونوں کے درمیان کھڑے ہونے کی ممانعت پر دلائل اور ممانعت کی وجہ بیان فرمادیں؟

جواب: سنن ابنِ ماجہ میں ہے ''عن معویة بن قرة عن ابیه رضی الله تعالیٰ عنه قال کنا ننهی ان نصف بین السواری علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ونطرد عنها طردا'' ترجمہ: قرہ بن ایاس مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں دو ستونوں کے بیچ صف باندھنے سے منع فرمایا جاتا اور وہاں سے دھکے دے کر ہٹائے جاتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ ص71، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا ''لاتصفوا بین الاساطین واتموا الصفوف'' ستونوں کے بیچ میں صف نہ باندھو اور صفیں پوری کرو۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری، ج 4، ص 286، المطبعۃ المنیریہ بیروت)

اور اس کی وجہ قطع صف ہے اگر تینوں دروں میں لوگ کھڑے ہوئے تو ایک صف کے تین ٹکڑے ہوئے اور یہ ناجائز ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من قطع صفا قطعه الله" جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔

(سنن ابی داؤد، ج 1، ص 97، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور)

اور بعض دروں میں کھڑے ہوئے بعض خالی چھوڑ دے جب بھی قطع صف ہے کہ صف ناقص چھوڑ دی، کاٹ دی پوری نہ کی، اور اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اتموا الصفوف" ترجمہ: صفوں کو مکمل کرو۔

(صحیح مسلم، ج 1، ص 182، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور اگر اس وقت زائد لوگ نہ ہوں تو آنے سے کون مانع ہے (یعنی بعد میں تو آسکتے ہیں) تو یہ ممنوع کا سامان مہیا کرنا ہے اور وہ بھی ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿تلک حدود الله فلا تقربوها﴾ ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں پس ان کو توڑنے کے قریب مت جاؤ۔

اور دروں میں مقتدیوں کے کھڑے ہونے کو قطع صف نہ سمجھنا محض خطا ہے۔ علمائے کرام نے صاف تصریح فرمائی کہ اس میں قطع صف ہے۔ صحیح بخاری میں ہے "باب الصلاة بين السواري في غير جماعة" (باب جماعت کے علاوہ ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کا)۔

امام علامہ محمود عینی کہ اجلۂ ائمۂ حنفیہ سے ہیں اُس شرح میں فرماتے ہیں "قيد بغير جماعة لان ذلك يقطع الصفوف و تسوية الصفوف في الجماعة مطلوبة بعينه" "بغیر جماعت کی قید اس لئے ہے کہ یہ (نمازی کا دو ستونوں کے درمیان ٹھہرنا) صفوں کو توڑتا ہے حالانکہ صفوں کا مکمل و برابر ہونا جماعت میں مطلوب ہے۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری، 4، ص 284، المطبعۃ المنیریہ بیروت) (ج 6، ص 133)

سوال: نمازی اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو اسے دو ستونوں کے درمیان کھڑے ہونے میں حرج نہیں اس پر کیا دلیل ہے؟

جواب: عمدۃ القاری میں ہے "اذ كان منفردا لا باس في الصلاة بين الساريتين اذا لم يكن في جماعة" جب تنہا نماز ادا کر رہا ہو تو دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کرنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جماعت میں نہ ہو۔

(عمدۃ القاری، ج 4، ص 284، المطبعۃ المنیریہ بیروت)

خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کعبہ معظمہ تشریف لے گئے، دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی کما في ثبت في الصحاح عن ابن عمر عن بلال رضي الله تعالى عنهم، ترجمہ: جیسا کہ صحاح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت بلال

رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ج6ص136)

سوال: نمازی اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو اسے محراب میں کھڑے ہونے میں حرج نہیں اس پر کیا دلیل ہے؟

جواب: (امام کے لئے محراب میں کھڑے ہونے کی) جو وجوہ کراہت علما نے لکھے ہیں یعنی شبہ اختلافِ مکانِ امام و جماعت (امام اور جماعت کا مکان مختلف ہونے کا شبہ) یا اشتباہِ حال (امام کا حال مقتدیوں پر مشتبہ ہو جانا) یا تشبہ اہلِ کتاب ان میں سے کوئی وجہ منفرد کے لئے متحقق نہیں۔ (ج6ص136)

سوال: ریل اور کشتی پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: فرض اور واجب جیسے وتر و نذر اور ملحق بہ یعنی سنتِ فجر چلتی ریل میں نہیں ہو سکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے، پڑھ لے پھر بعدِ استقرار (ٹھہرنے کے بعد) اعادہ کرے۔

تحقیق یہ ہے کہ استقرار بالکلیہ (زمین پر مکمل جماؤ) ولو بالوسائط (اگرچہ واسطوں کے ساتھ ہو) زمین یا تابع زمین پر کہ زمین سے متصل باتصال قرار ہو، ان نمازوں میں شرطِ صحت ہے مگر بہ تعذر (ہاں عذر میں معاف ہے)۔

☆ یاد رہے کہ عذر کی دو صورتیں ہیں اگر عذر من جہۃ اللہ تعالی ہو تو اعادہ کی حاجت نہیں اور عذر من جہۃ العباد (بندوں کی طرف سے) ہو تو اعادہ کرنا پڑے گا☆

ولہذا (اسی وجہ سے) دابہ (جانور) پر بلا عذر جائز نہیں اگرچہ (جانور) کھڑا ہو کہ دابہ تابع زمین نہیں۔

ولہذا (اسی وجہ سے) گاڑی پر جس کا جُوا بیلوں پر رکھا ہے اور گاڑی ٹھہری ہوئی ہے جائز نہیں کہ بالکلیہ زمین پر استقرار نہ ہُوا ایک حصہ غیر تابع زمین پر ہے۔

ولہذا چلتی کشتی سے اگر زمین پر اتر نا میسر ہو کشتی میں پڑھنا جائز نہیں بلکہ عند التحقیق اگرچہ کشتی کنارے پر ٹھہری ہو مگر پانی پر ہو زمین تک نہ پہنچی ہو اور کنارے پر اُتر سکتا ہے کشتی میں نماز نہ ہوگی اس کا استقرار پانی پر ہے اور پانی زمین سے متصل باتصال قرار نہیں جب استقرار کی حالتوں میں نمازیں جائز نہیں ہوتیں جب تک استقرار زمین پر اور وہ بھی بالکلیہ نہ ہو تو چلنے کی حالت میں کیسے جائز ہو سکتی ہیں کہ نفسِ استقرار ہی نہیں بخلاف کشتی رواں جس سے نزول متیسر نہ ہو کہ اسے اگر روکیں گے بھی تو استقرار پانی پر ہوگا نہ کہ زمین پر، لہذا سیر و وقوف (چلنا اور ٹھہرنا) برابر، لیکن اگر ریل روک لی جائے تو زمین ہی پر ٹھہرے گی اور مثل تخت ہو جائیگی، انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لئے روکی جاتی ہے اور نماز کے لئے نہیں تو منع من جہۃ العباد ہُوا اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعدِ زوالِ مانع اعادہ کرے۔ (ج6ص136)

سوال: جو نمازیں حالتِ مجبوری و معذوری میں بیٹھ کر پڑھی گئیں جیسے سفرِ حج میں جہاز کے اندر کہ سخت حالتِ طغیانی

میں تھا اور تین دن تک برابر عظیم طغیانی میں رہا ایسی حالت میں قیام نہایت دشوار اور غیر ممکن تھا اور نیز خوف جان تھا پس ایسی حالت میں جتنی نمازیں پڑھی گئی ہیں اُن کا اعادہ حالتِ قرار وا قامت میں واجب ولازم وضروری ہے یا نہیں؟ نیز وہ نمازیں کہ اونٹ پر شغدف وغیرہ میں قافلہ کے چلنے کی حالت میں بیٹھ کر پڑھی گئی ہیں کیونکہ بڈھے آدمی کو اُتارنے چڑھانے والا نہ تھا اور اُترنے کی صورت میں قافلے سے پیچھے رہ جانے کا اندیشہ تھا جس سے خوفِ جان ومال ہوتا ہے پس ان صورتوں میں جو نمازیں اونٹ کی سواری پر اور حالت طغیانی میں جہاز پر بیٹھ کر مجبوراً پڑھی گئیں اُن سب کا اعادہ بصورتِ اقامت واطمینان کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: ان کا اعادہ نہیں۔ (ج6،ص141)

طریقۂ نماز کا بیان

سوال: عورتیں قیام کی حالت میں کہاں پر ہاتھ باندھیں؟

جواب: علماء احناف کے نزدیک حکم یہ ہے کہ عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں، اس مسئلہ پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے علماء کے جم غفیر (بڑے گروہ) نے یہ بات اپنی اپنی کتب میں بغیر اختلاف کے نقل کی ہے۔ (ج6، ص144)

سوال: کیا کسی حدیث میں یہ آیا کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے؟

جواب: حدیث میں اگر یہ نہیں آیا کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے تو یہ بھی نہیں آیا کہ عورت سینے پر ہاتھ نہ باندھے ۔۔ میں اللہ کی توفیق کے سہارے پر کہتا ہوں اور اس مسئلہ کو مستند احادیث سے ثابت کرنے کے رنگ میں پیش کرتا ہوں تقریر اس کی یہ ہے کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟ اس سلسلہ میں سیدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو صورتیں مروی ہیں، ایک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی، اس سلسلہ میں متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں، ان ہی میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے امام ابوبکر ابن شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا، حضرت وائل فرماتے ہیں "رأیت رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی صلاۃ تحت السرہ" ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنا سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج1، ص390، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

امام علامہ قاسم ابن قطلو بغا حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "سندہ جید و رواتہ کلھم ثقات" ترجمہ: اس حدیث کی سند بہت اچھی ہے اور اس کے تمام راوی قابلِ بھروسہ ہیں۔

اور دوسری حدیث سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ہے جسے امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور حدیث بھی حضرت وائل سے ہی روایت ہے، وہ کہتے ہیں "صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ" ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر سینے پر رکھا" (صحیح ابن خزیمہ، ج1، ص243، المکتب الاسلامی، بیروت)

ان دونوں حدیثوں کی تاریخ معلوم نہیں کہ کون سی حدیث پہلے کی ہے اور کون سی حدیث بعد کی، لیکن دونوں حدیثیں مستند اور مقبول ہیں، مجبوراً ایک کو ترجیح دینا پڑھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نماز کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرتے ہیں اور ان دونوں صورتوں میں زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں جائیں تو مردوں کے سلسلہ میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی حدیث کو ترجیح دی گئی۔

اور عورتوں کے سلسلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ کو عورتوں کا زیادہ سے زیادہ پردہ میں ہونا پسند ہے جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں فرمایا ''خیر صفوف الرجال اولها و شرها اخرها و خیر صفوف النساء اخرها و شرها اولها، اخرجه الستة الاالبخاری عن ابی هریرة ۔ترجمہ: مردوں کی پہلی صف سب سے افضل ہے اور آخری سب سے کم تر اور عورتوں کی آخری صف سب سے افضل اور اول سب سے کمتر۔ اس حدیث پاک کو کتب ستہ میں بخاری کے علاوہ سب نے روایت کیا۔ (سنن ابی داؤد، ج 1، ص 99، آفتاب عالم پریس، لاہور)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ''صلاة المرأة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها ۔ترجمہ: عورت کا دالان میں نماز پڑھنا صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھڑی میں نماز پڑھنا دالان میں۔ (سنن ابی داؤد، ج 1، ص 84، آفتاب عالم پریس، لاہور)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ''اخروهن من حیث اخرهن الله اخرجه عبدالرزاق فی المصنف ''ترجمہ: کہ صفوں میں عورتوں کو پیچھے کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے کیا ہے، اس کو عبدالرزاق نے مصنف میں ذکر کیا۔

(المصنف لعبدالرزاق، ج 3، ص 149، المکتب الاسلامی، بیروت)

ابوداؤد نے المراسیل میں یزید بن حبیب سے روایت کیا ''ان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی بعض الارض فان المرأة لیست فی ذالك كرجل '' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گذرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ اس مسئلہ میں عورت کا حکم مرد کی طرح نہیں ہے۔ (کتاب المراسیل، ص 55، المطبعة العلمیہ، لاہور)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''اذا صلت المرأة فلتحتفر '' جب عورت نماز پڑھے تو سرین کے بل بیٹھے۔

(الصحاح، ج 3، ص 874، دارالعلم للملایین، بیروت)

مصنف عبدالرزاق میں ہے ''ان عائشة رضی الله تعالی عنها كانت تؤم النساء فی الشهر رمضان فتقوم وسطا '' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان کے مہینے میں عورتوں کی امامت فرماتی تھیں اور درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔

(مصنف عبدالرزاق، ج 3، ص 141، المکتب الاسلامی، بیروت)

خلاصہ کلام یہ کہ عورت چھپانے کی چیز ہے اور اس کے کاموں میں بھی پردہ کا خیال رکھا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ عورت کا سینے پر ہاتھ باندھنے میں زیادہ پردہ ہے اور حیا کے بھی زیادہ قریب ہے، اور ان کی تعظیم بھی ستر اور پردہ ہی سے ہے کیونکہ مقولہ ہے ''تعظیم ادب سے ہے اور ادب حیا سے ہے اور حیا پردے سے ہے'' لہٰذا ان تمام حدیث کی روشنی میں عورتوں کے

زیادہ لائق یہی ہے کہ وہ سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ دونوں مسئلے حدیث سے ثابت ہیں، اس کی مثال قعدے میں بیٹھنے کا مسئلہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قعدے میں دو طرح بیٹھنا ثابت ہے ا۔سیدھے پیر کو کھڑا کرنا اور الٹے پیر پر بیٹھنا ۲۔سرین کے بل بیٹھنا، ہمارے علماء نے مردوں کے لئے پہلی صورت کو اختیار کیا اس لئے کہ اس میں زیادہ مشقت ہے اور جتنی مشقت زیادہ اتنا ثواب بھی زیادہ۔اور عورتوں کے لئے دوسری صورت کو اختیار کیا اس لئے کہ اس میں زیادہ پردہ ہے اور وہ شرعاً مطلوب ہے۔ (ج6،ص144 تا 149)

سوال: التحیات میں شہادت والی انگلی سے اشارہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''کان اذاجلس فے الصلوٰۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ کلھا واشار باصبعہ التی تلی الابھام ''یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تشہد میں اپنا داہنا ہاتھ دہنی ران پر رکھا اور سب انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے پاس انگلی سے اشارہ فرمایا۔ (صحیح مسلم، ج1،ص216،قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے روایت ہے، فرماتے ہیں ''قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الاشارۃ بالاصبع اشد علی الشیطان من الحدید ''یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگلی سے اشارہ کرنا شیطان پر دھاردار ہتھیار سے زیادہ سخت ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج2،ص119،مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

انہی سے روایت ہے، فرماتے ہیں ''عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ھی مذعرۃ للشطان ''یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شیطان کے دل میں خوف ڈالنے والا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، ج2،ص132، دار صادر، بیروت)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقد فی جلوس التشھد الخنصر والبنصر ثم حلق الوسطی بالابھام و اشار بالسبابۃ ''یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جلسہ تشہد میں چھوٹی انگلی اور اُس کی برابر والی کو بند کیا پھر بیچ کی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنایا اور انگشتِ شہادت سے اشارہ فرمایا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، ج2،ص131،مطبوعہ دار صادر، بیروت)

اور اس باب میں احادیث وآثار بکثرت وارد، ہمارے محققین کا بھی یہی مذہب صحیح ومعتمد علیہ ہے۔

اور اس مسئلہ میں ہمارے تینوں ائمہ کرام سے روایتیں وارد جس نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اُس میں عدم روایت یا روایتِ عدم کا زعم کیا محض ناواقفی یا خطائے بشری پر مبنی تھا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب المشیخہ میں دربارۂ اشارہ ایک حدیث رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کر کے فرماتے ہیں ''فنفعل مافعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونصنع ماصنعہ وھو قول ابی حنیفۃ وقولنا۔ذکرہ العلامۃ الحلبی فی الحلیۃ عن البدائع ''یعنی پس ہم کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے کیا اور عمل کرتے ہیں اس پر جو حضور کا فعل تھا اور وہ مذہب ہے امام ابو حنیفہ کا اور ہمارا۔

(بدائع الصنائع، ج 1، ص 214، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

بالجملہ اشارہ مذکورہ کی خوبی میں کچھ شک نہیں، احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اقوال ہمارے مجتہدین کرام کے اسی کو مفید، بعد اس کے اگر کتبِ متاخرین مثل تنویر الابصار و ولوالجیہ و تجنیس وخلاصہ و بزازیہ و واقعات وعمدۃ المفتی ومنیۃ المفتی وتبیین وکبریٰ ومضمرات و ہندیہ وغیرہا عامۂ فتاوٰی میں عدم اشارہ کی ترجیح وتصحیح منقول ہو تو قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتی علماء نے ان اقوال پر التفات نہ فرمایا اور خلافِ عقل ونقل ٹھہرایا۔ (ج 6، ص 150)

سوال: رفع یدین حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا یا نہیں اور کب تک کیا؟ کیا یہ بات ثابت ہے کہ ہمیشہ آپ نے کیا؟ مسلمانوں کو کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہرگز کسی حدیث میں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ رفع یدین فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا خلاف ثابت ہے، نہ احادیث میں اسکی مدت مذکور۔

ہاں حدیثیں اس کے فعل وترک دونوں میں وارد ہیں، سنن ابی داؤد وسنن نسائی وجامع ترمذی وغیرہا میں ایسی سند سے جس کے رجال صحیح مسلم ہیں بطریق عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، فرماتے ہیں ''الا اخبر کم بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد ''ترجمہ: کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، یہ کہہ کر نماز کو کھڑے ہوئے تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھائے پھر نہ اُٹھائے۔ (سنن النسائی، ج 1، ص 123، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

ترمذی نے کہا ''حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفہ ''ترجمہ: حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن ہے اور یہی مذہب تھا متعدد علماء منجملہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتابعین کرام وامام سفیان وعلمائے کوفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا۔ (جامع الترمذی، ج 1، ص 35، امین کمپنی، کراچی)

مسند امام الائمہ مالک الازمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ میں ہے ''حدثنا حماد عن ابراھیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لایرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ ولا یعود لشیء من ذلک ''ہمیں حماد نے ابراہیم سے علقمہ واسود سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع یدین فرماتے پھر کسی جگہ ہاتھ نہ اُٹھاتے۔ (مسند الامام اعظم، ص 50، نور محمد کتب خانہ، کراچی)

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں "حدثنا ابی بکرۃ قال ثنا قال سفیان عن المغیۃ قال قلت لابراھیم حدیث وائل انہ رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یرفع یدیہ اذاافتتح الصلاۃ واذارکع واذارفع رأسہ من الرکوع فقال ان کان وائل رأہ مرۃ یفعل ذلک فقد رأہ عبداللہ خمسین مرۃ لا یفعل ذلک" مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابراہیم نخعی سے حدیث وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت دریافت کیا کہ انھوں نے حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے نماز شروع کرتے اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین فرمایا، ابراہیم نے فرمایا وائل نے اگر ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا تو عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پچاس بار دیکھا کہ حضور نے رفع یدین نہ کیا۔ (شرح معانی الآثار ج 1 ص 154 ایچ ایم سعید کراچی)

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاۃ" کیا ہوا کہ میں تمہیں رفع یدین کرتے دیکھتا ہوں گویا تمہارے ہاتھ چنچل گھوڑوں کی دُمیں ہیں قرار سے رہو نماز میں۔ (صحیح مسلم ج 1 ص 181 ایچ ایم سعید کراچی)

اصول کا قاعدہ متفق علیہا ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا۔

اور حاظر (منع کرنے والی دلیل) مبیح (مباح کرنے والی دلیل) پر مقدم ہے۔

ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے احادیث ترک پر عمل فرمایا حنفیہ کو ان کی تقلید چاہئے، شافعیہ وغیرہم اپنے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی پیروی کریں کوئی محل نزاع نہیں۔

ہاں وہ حضرات (جو) تقلیدِ ائمہ دین کو شرک وحرام جانتے اور باآنکہ علمائے مقلدین کا کلام سمجھنے کی لیاقت نصیب اعداء اپنے لئے منصب اجتہاد مانتے اور خواہی نخواہی تفریقِ کلمہ مسلمین واثارت فتنہ بین المومنین (مومنین کے درمیان فتنہ پیدا) کرنا چاہتے بلکہ اسی کو اپنا ذریعۂ شہرت وناموری سمجھتے ہیں اُن کے راستے سے مسلمانوں کو بہت دور رہنا چاہئے۔

مانا کہ احادیث رفع ہی مرجع ہوں تاہم آخر رفع یدین کسی کے نزدیک واجب نہیں، غایت درجہ (زیادہ سے زیادہ) اگر ٹھہرے گا تو ایک امرِ مستحب ٹھہرے گا کہ کیا تو اچھا، نہ کیا تو کچھ برائی نہیں، مگر مسلمانوں میں فتنہ اُٹھانا دو گروہ کر دینا، نماز کے مقدمے انگریزی گورنمنٹ تک پہنچانا شاید اہم واجبات سے ہوگا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔

خود ان صاحبان میں بہت لوگ صد ہا گناہِ کبیرہ کرتے ہوں گے انھیں نہ چھوڑنا، اور رفع یدین نہ کرنے پر ایسی شورشیں کرنا کچھ بھلا معلوم ہوتا ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہدایت فرمائے آمین۔ (ج 6 ص 153)

سوال: احناف کے نزدیک قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کے فاصلہ کتنا ہونا چاہئے، چار انگل یا کم وبیش؟ شوافع کے نزدیک کیا ہے، میں نے کعبۃ اللہ میں دیکھا کہ شافعیہ ایک ہاتھ کے فرق سے نماز میں پاؤں کشادہ رکھتے ہیں، کیا یہ ٹھیک ہے؟

جواب: چار ہی انگل کا فاصلہ رکھنا چاہئے یہی ادب اور یہی سنت ہے اور یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

امام علامہ جمال الدین یوسف اردبیلی شافعی نے بھی کتاب الانوار میں کہ اجل معتمداتِ مذہب شافعی سے ہے اسی چار انگل فصل (فاصلہ) کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔

ہاں سید علامہ شیخ زکریا انصاری شافعی قدس سرہ نے شرح روض الطالب میں بالشت بھر کا فاصلہ تحریر فرمایا۔

مگر ایک ہاتھ کا فرق نہ کسی مذہب کی کتاب میں نظر سے گزرا نہ کسی طرح قابلِ قبول ہوسکتا ہے کہ بداہۃً طرز وروشِ ادب وخشوع سے جدا ہے، جن شافعیہ نے ایسا کیا غالباً کوئی عذر ہوگا یا شاید ناواقفی کی بنا پر کہ مکہ معظمہ کا ہر متنفس تو عالم نہیں اعتبار اقوال وافعالِ علماء کا ہے۔ (ج6،ص155)

سوال: نفل نماز بیٹھ کر ادا کرے تو رکوع کس طرح ادا کریں یعنی سرین اُٹھیں یا نہیں؟

جواب: رکوع میں قدرِ واجب تو اسی قدر ہے کہ سر جھکائے اور پیٹھ کو قدرے خم دے مگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسکا درجۂ کمال وطریقۂ اعتدال یہ ہے کہ پیشانی جھک کر گھٹنوں کے مقابل آجائے اس قدر کے لئے سرین اٹھانے کی حاجت نہیں، تو قدرِ اعتدال سے جس قدر زائد ہوگا وہ عبث وبیجا میں داخل ہو جائے گا۔

اور نماز میں جو ایسا فعل کیا جائے گا لا اقل (کم از کم) ناپسند ومکروہ تنزیہی ہوگا۔ (ج6،ص157)

سوال: ایک شخص بیماری کے عذر کی وجہ سے نماز کھڑے ہوکر نہیں پڑھ سکتا لیکن اس قدر طاقت اس کو ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہی ہوکر کہہ لے اور باقی بیٹھ کر رکوع وسجود کے ساتھ ادا کرے، تو اس صورت میں آیا اس کو ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہی ہوکر کہے اور پھر بیٹھ جائے یا سرے سے بیٹھ کر نماز شروع کرے؟

جواب: صورتِ مستفسرہ میں بیشک اُس پر لازم کہ تحریمہ کھڑے ہوکر باندھے جب قدرت نہ رہے بیٹھ جائے۔ یہی صحیح ہے، بلکہ ائمہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے اس کا خلاف اصلاً منقول نہیں۔

پھر اگر اس کا خلاف کیا یعنی باوجود قدرت تحریمہ بھی بیٹھ کر باندھی نماز نہ ہوئی۔

فقیر غفر اللہ لہ کو اللہ تعالیٰ تحقیقِ حق القا کرے علما تصریح فرماتے ہیں کہ تحریمہ کے لیے قیام شرط ہے اگر بیٹھ کر بلکہ اتنا جھکا

ہے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچیں تحریمہ باندھے ہرگز صحیح نہ ہوگی اور تحریمہ شرطِ نماز ہے کہ بے اس کے نماز باطل، تو جبکہ تحریمہ کے لئے قیام کرسکتا اور نہ کیا شرطِ تحریمہ فوت ہوئی تو تحریمہ صحیح نہ ہوئی تو نماز ادا نہ ہوئی۔

آج کل بہت جہال ذرا سی بے طاقتی مرض یا کبرسن (بیماری یا بڑی عمر کی معمولی سی کمزوری) میں سرے سے بیٹھ کر فرض پڑھتے ہیں حالانکہ

اولاً ان میں بہت ایسے ہیں کہ ہمت کریں تو پورے فرض کھڑے ہوکر ادا کرسکتے ہیں اور اس ادا سے نہ ان کا مرض بڑھے نہ کوئی نیا مرض لاحق ہو نہ گر پڑنے کی حالت ہو نہ دورانِ سر (سر چکرانا) وغیرہ کوئی سخت الم شدید (شدید درد) ہو صرف ایک گونہ مشقت و تکلیف ہے جس سے بچنے کو صراحۃً نمازیں کھوتے ہیں ہم نے مشاہدہ کیا ہے وہی لوگ جنھوں نے بحیلۂ ضعف و مرض (کمزوری اور مرض کے حیلہ سے) فرض بیٹھ کر پڑھے اور وہی باتوں میں اتنی دیر کھڑے رہے کہ اُتنی دیر میں دس بارہ رکعت ادا کرلیتے ایسی حالت میں ہرگز قعود (بیٹھ کر نماز پڑھنے) کی اجازت نہیں بلکہ فرض ہے کہ پورے فرض قیام سے ادا کریں۔

ثانیاً مانا کہ انھیں اپنے تجربہ سابقہ خواہ کسی طبیب مسلمان حاذق عادل مستور الحال غیر ظاہر الفسق کے اخبار (خبر دینے سے) خواہ اپنے ظاہرِ حال کے نظرِ صحیح سے جو کم ہمتی و آرام طلبی پر مبنی نہ ہو بظن غالب معلوم ہے کہ قیام سے کوئی مرض جدید یا مرض موجود شدید و مدید (طویل) ہوگا مگر یہ بات طولِ قیام میں ہوگی تھوڑی دیر کھڑے ہونے کی یقیناً طاقت رکھتے ہیں تو ان پر فرض تھا کہ جتنے قیام کی طاقت تھی اُتنا ادا کرتے یہاں تک کہ اگر صرف اللہ اکبر کھڑے ہوکر کہہ سکتے تھے تو اتنا ہی قیام میں ادا کرتے جب وہ غلبۂ ظن کی حالت پیش آتی تو بیٹھ جاتے یہ ابتدا سے بیٹھ کر پڑھنا بھی ان کی نماز کا مفسد ہُوا۔

ثالثاً ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ بقدر تکبیر بھی کھڑے ہونے کی قوت نہیں رکھتا مگر عصا کے سہارے سے یا کسی آدمی خواہ دیوار یا تکیہ لگا کر کل یا بعض قیام پر قادر ہے تو اس پر فرض ہے کہ جتنا قیام اس سہارے یا تکیہ کے ذریعے سے کرسکے بجالائے کُل تو کُل یا بعض تو بعض ورنہ صحیح مذہب میں اس کی نماز نہ ہوگی۔

یہ سب مسائل خوب سمجھ لئے جائیں باقی اس مسئلہ کی تفصیل تام (پوری تفصیل) و تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے جس پر اطلاع نہایت ضرور و اہم کہ آجکل ناواقفی سے جاہل تو جاہل بعض مدعیانِ علم بھی ان احکام کا خلاف کرکے ناحق اپنی نمازیں کھوتے اور صراحۃً مرتکبِ گناہ و تارکِ صلوٰۃ ہوتے ہیں۔ (ج6،ص158)

سوال: الحمدللہ کے بعد جو سورۃ پڑھی جائے اُس سے پہلے بھی بسم اللہ شریف پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں یہ ناجائز ہے اس لئے کہ ضم سورت (سورت ملانا) واجب ہے اور بسم اللہ شریف پڑھنے سے ضم نہ ہوا فصل (فاصلہ) ہوگیا، یہ قول ان کا کیسا ہے؟

جواب: ہمارے علمائے محققین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کتبِ معتمدہ میں روشن تصریحیں فرمارہے ہیں کہ ابتدائے سورت پر بھی بسم اللہ شریف پڑھنی مطلقاً مستحب ومستحسن ہے، خواہ نماز سریہ ہو یا جہریہ۔

اور صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا ناجائز ہونا درکنار ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کوئی اس کی کراہت کا بھی قائل نہیں بلکہ سب ائمہ کرام بالاتفاق اسے خوب بہتر جانتے ہیں اختلاف صرف سنیت میں ہے کہ جس طرح سرِّ فاتحہ پر بسم اللہ شریف بلاشبہہ سنت ہے یونہی سرِّ سورت پر بھی سنت ہے یا مستحب۔ امام محمد کے نزدیک سرّیہ میں سنت ہے۔ اور مذہب امام نفی استنان (سنت ہونے کی نفی) ہے اور اس پر فتوی۔۔ بہرحال اس کی خُوبی وحُسن پر ہمارے سب ائمہ کا اتفاق ہے پھر اس کے بعد زید وعمرو کو اپنی رائے لگانے اور اتفاقِ ائمہ کرام کے خلاف اجتہاد کرنے کی گنجائش (نہیں)۔

اور وہ بات بھی کچھ ٹھکانے کی ہو جس نے چند حروف فقہ کے پڑھے یا کسی عالم کی صحبت پائی وہ خوب جانتا ہے کہ ضمِ سورت جو واجب ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ خاص سورت ہی ملانی واجب ہے یہاں تک کہ بعدِ فاتحہ وسطِ سورت سے کسی رکوع کا پڑھنا ناجائز وموجب ترکِ واجب ٹھہرے کہ سورت بمعنی معروف کا ملانا اُس پر بھی صادق نہیں بلکہ اس سے مراد قرآنِ عظیم کی بعض آیات ملانا ہے کہ خواہ سورت ہو یا نہ ہو بسم اللہ شریف خود ایک آیتِ قرآن عظیم ہے تو اس کا ملانا قرآن عظیم ہی کا ملانا ہُوا نہ کسی غیر کا، جو صاحب اتنا بھی خیال نہ فرمائیں اُنھیں احکامِ شریعت میں رائے زنی کیا مناسب ہے۔ (ج6،ص162)

سوال : کیا مسائل صرف ظاہر الروایہ میں محصور ہیں؟ اور کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز سنت ہو اور متون میں نہ ہو صرف کسی شرح میں ہو؟

جواب : مسائل ظاہر الروایہ میں محصور نہیں نہ ظاہر الروایہ خواہ متونوں میں عدم ذکر ذکر عدم، متون مختصرات ہیں اور غالباً نقل ظواہر پر مقتصر، زیادتِ

شراحِ معتمدین اگر مسلم نہ ہوں تو مذہب کا ایک حصۂ قلیلہ ہاتھ میں رہ جائے تتبع بتائے گا کہ سنن درکنار بعض واجبات و فرائض ومفسدات ونواقض تک عامۂ متون میں نہیں، رہی دلیل وہ مجتہد کے پاس ہے، نہ ہمارا عدم وجدان (نہ پانا) وجدان عدم (عدم کا پانا ہے)، ہمارے لئے نصوصِ فقہیہ بس ہیں۔ (ج6،ص167)

سوال: بعض لوگ قومہ وجلسہ میں دیر تک ٹھہرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

جواب : قومہ وجلسہ کے اذکار طویلہ نوافل پر محمول ہیں ولہذا ہمارے ائمہ فرائض میں انھیں مسنون نہیں جانتے اور شک نہیں کہ فرائض میں تطویلِ فاحش (زیادہ طوالت) خلافِ سنت ہے اور امام کے لئے تو قطعاً ممنوع جبکہ مقتدیوں میں کسی پر بھی گراں ہو۔

ہاں منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والا) بعض کلماتِ ماثورہ بڑھائے تو حرج بھی نہیں، یونہی امام بھی جبکہ مقتدی محصور (محدود) اور سب راضی ہوں، رہا مقتدی وہ آپ ہی اتباعِ امام کرے گا، اگر امام کہے، کہے ورنہ نہیں۔ (ج6،ص170)

سوال: نماز میں دونوں سجدے فرض ہیں یا ایک فرض اور دوسرا واجب؟ اگر یہ مسئلہ اختلافیہ ہے تو قول قوی اور راجح کون سا ہے؟ ایک مدرسے کے بعض مدرسین کا کہنا ہے کہ پہلا سجدہ فرض اور دوسرا واجب ہے۔

جواب: باجماعِ امت دونوں سجدے فرض ہیں، اصلاً اس میں کسی عالم کا خلاف نہیں کہ قوی و راجح بتایا جائے، اس کا منکر اجماعِ امت کا منکر ہے۔۔ (اس پر متعدد دلائل دینے کا بعد امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) غرض مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہے مقدس مدرسین سے بنظرِ خیر خواہی گزارش کہ فرض قطعی و اجماعِ امت کا انکار سہل (آسان) نہیں لہذا اگر مناسب جانیں کلمہ و اسلام و نکاح کی تجدید فرمالیں آئندہ احتیاط۔ (ج6،ص171-179)

سوال: زید نماز میں بحالت رکوع و سجود الصاق کعبین کرتا (رکوع اور سجود میں اپنے دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملاتا) ہے عمرو کہتا ہے کہ یہ فعل وہابیوں کا ہے حرام ہے اور واجب الترک ہے۔ حنفی لوگ اس فعل کو جائز سمجھیں یا مکروہ تحریمی؟

جواب: حاشا اللہ نہ یہ فعل وہابیہ کا ہے نہ حرام نہ واجب الترک بلکہ رکوع میں الصاقِ کعبین غنیۃ شرح منیہ و جامع الرموز و مجتبی شرح قدوری و درمختار و حاشیہ حموی و فتح اللہ المعین و طحطاوی علی مراقی الفلاح و علی درمختار و غیرہا میں سنّت لکھا۔

اور سجدہ میں الصاقِ کعبین کو علامہ سیّد ابو مسعود الازہری نے حواشی کنز میں سنّت بتایا۔

ہاں دربارۂ سجود یہ صرف انھیں کا بیان ہے اگرچہ علامہ طحطاوی نے اُن کا اتباع کیا۔

اور بعض متاخرین علما نے دربارۂ رکوع بھی سنیت میں کلام کیا۔

وله فی ذلك رسالة عندی واقصی مایقال هنا ان عامة كتب المذهب خالية عنه وانما انه بينه الزاهدی والباقون انما تبعوه و قد بينت فی كتابی "كفل الفقيه الفاهم "ان الغرابة لاتندفع بكثرة الناقلين اذالم يكن مرجعهم الا واحدا لاسيما مثل الزاهدی ، ترجمہ: اس مسئلہ سے متعلق میرے پاس ایک رسالہ ہے، زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وُہ یہ ہے کہ عامۂ کتبِ مذہب اس سے خالی ہیں صرف زاہدی نے اسے بیان کیا اور باقی فقہاء نے ان کی اتباع کی ہے اور میں نے اپنی کتاب "کفل الفقیہ الفاھم" میں یہ بیان کیا ہے کہ کثرتِ ناقلین کی وجہ سے غرابت ختم نہیں ہو جاتی جبکہ ان سب کا مرجع ایک ہو خصوصاً زاہدی جیسا آدمی۔ (ج6،ص179)

بہر حال اسے حرام و فعلِ وہابیہ کہنا نادانی ہے۔

☆ الصاقِ کعبین کے بارے میں ملفوظات میں ہے "عرض: درمختار کبیری صغیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ رکوع میں دونوں

ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ارشاد: لم یثبت کہیں ثابت نہیں دس بارہ کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے اور سب کا منتہیٰ زاہدی ہے''

(الملفوظ، حصہ 4،ص 57،مطبوعہ لکھنؤ)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں'' مجھے خیال ہے کہ بہار شریعت میں اسی درمختار کے حوالہ دے میں نے الصاق کو سنن میں شمار کیا تھا مگر اعلیٰ حضرت قبلہ نے اسے نکال دیا'' (فتاوی امجدیہ، حصہ 1،ص 80،مکتبہ رضویہ کراچی)

سوال:امام کے پیچھے سبحانك اللهم کب تک پڑھ سکتے ہیں؟ مقتدی سبحان ختم نہ کرنے پایا تھا کہ امام نے قرأت شروع کردی تو کیا اسے ناتمام چھوڑ کر خاموش ہو جائے؟

ایک وہابی واعظ نے سبحانك اللهم کے بارے میں ایک شخص سے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر امام نے قرأت شروع کردی ہو اور اب کوئی شخص اگر جماعت میں شامل ہو تو اس کو چاہئے کہ سبحانك اللهم اس طرح پڑھے کہ جہاں جہاں امام سانس لینے کی غرض سے ذرا بھی رکے اس وقت ایک ایک کلمہ بول کر کے سبحانك اللهم پڑھ لیا جائے مثلاً جب اوّل مرتبہ رکا تو فوراً کہے سبحنك اللهم پھر جب دوسری مرتبہ ٹھہرا تو کہے وبحمدك پھر جب تیسری بار سانس لے تو کہنا چاہئے وتبارك اسمك ،غرض اسی طرح ختم کرلیا جائے ایسا ہر نماز میں کر سکتے ہیں سوائے مغرب کے۔

اور عشاء میں تیسری یا چوتھی رکعت میں بھی پڑھ سکتے ہیں خواہ دوسری ہی رکعت میں شامل ہوں، کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے؟ بغیر سبحانك اللهم کے نماز ہو جاتی یا نہیں؟

جواب:سبحانك اللهم اسی وقت پڑھ سکتے ہیں کہ امام قرأت با آواز شروع نہ کرلے جب قرأت جہری شروع کردی اب خاموش رہنا اور سننا فرض ہے،وہ جو وہابی نے بتایا کہ امام کی ٹھہرنے کی جگہ ایک ایک دو دو لفظ کہہ کر پورا کرے ضعیف وغیر مختار (قول ہے)۔

اور جسے استثناء کیا کہ ایسا ہر نماز میں کر سکتے ہیں مگر مغرب میں نہیں یہ محض باطل اور اسکی اپنی ایجاد ہے جس روایتِ ضعیفہ میں یہ طریقہ ہے اس میں مغرب میں بھی ایسا ہی ہے اور مذہب صحیح میں کہ اس کی اجازت نہیں فجر و مغرب و عشا کسی میں ایسا نہیں۔

اور اس کا یہ کہنا بھی محض غلط ہے کہ جو دوسری رکعت میں شامل ہوا وہ تیسری یا چوتھی رکعت میں سبحانك پڑھ سکتا ہے ،سبحانك اللهم کی جگہ ابتدائے نماز ہے جب دُوسری میں ملا تو تیسری یا چوتھی ابتدائے نماز کب ہے کہ اس میں سبحانك پڑھے، ہاں وہ جو ایک رکعت رہ گئی، بعد سلامِ امام جب اسے پڑھنے کے کھڑا ہو اس کی ابتداء میں پڑھے کہ یہ اس کی پہلی رکعت ہے۔

سبحانك پڑھنا سنت ہے بغیر اس کے نماز ہو جاتی ہے مگر بلا ضرورت ترکِ سنت کی اجازت نہیں اور عادت ڈالنے

سے گناہگار ہوگا اور جو مثلاً پہلی رکعتِ جہریہ میں ملا اور قرأت شروع ہوجانے کے باعث سبحانك نہ پڑھ سکا اس پر کوئی الزام نہیں کہ اس نے یہ ترک ادائے فرض خاموشی کے لئے بحکم شرع کیا۔ (ج6،ص182)

سوال :دونوں سجدوں کے درمیان میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ امام، مقتدی ،منفرد سب کا حکم بیان فرمادیں نیز نوافل میں کیا حکم ہے؟

جواب:اَللّٰھُمَّ اغفرلی کہنا امام ومقتدی ومنفرد سب کو مستحب ہے اور زیادہ طویل دعا سب کو مکروہ ہاں منفرد کو نوافل میں مضائقہ نہیں۔ (ج6،ص182)

سوال :حضور مجھے کسی ایسے درود شریف کی جو سب درودوں سے افضل ہو اجازت عطا فرمائیں، مجھے درود شریف یا کلمہ شریف یا استغفار پڑھنے کا نہایت شوق ہے، کیا درود شریف راہ چلتے پڑھا جاسکتا ہے؟

جواب :سب درودوں سے افضل درود وہ ہے جو سب اعمال سے افضل یعنی نماز میں مقرر کیا گیا ہے درود شریف راہ چلتے بھی پڑھنے کی اجازت ہے جہاں نجاست پڑی ہو وہاں رُک جائے اور بہتر یہ ہے ایک وقت معین کر کے ایک عدد مقرر کر لے اُس قدر باوضو دوزانو ادب کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے روزانہ عرض کیا کرے جس کی مقدار سَو بار سے کم نہ ہو زیادہ جس قدر نبھا سکے بہتر ہے۔

علاوہ اس کے اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے باوضو بے وضو ہر حال میں درود جاری رکھے، اور اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک صیغۂ خاص کا پابند نہ ہو بلکہ وقتاً فوقتاً مختلف صیغوں سے عرض کرتا رہے تاکہ حضورِ قلب میں فرق نہ ہو، درود شریف اور کلمہ طیبہ اور استغفار ان سب کی کثرت نہایت محبوب ومطلوب ہے، کلمہ طیبہ کو افضل الذکر فرمایا اور یہ کہ اللہ عزّ وجل تک اُس کے پہنچنے میں روک نہیں اور استغفار کے لئے فرمایا شادمانی ہے اُسے جو اپنے نامہ اعمال میں استغفار بکثرت پائے اور اپنے تمام اوقات کو درود شریف میں صرف کردینے کو فرمایا کہ ایسا کرے گا تو اللہ تیرے سب کام بنادے گا اور تیرے گناہ معاف فرمادے گا۔ (ص۱۸۳)

سوال: کیا مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت نہیں؟

جواب :مقتدی کو قرآن مجید پڑھنا مطلقاً جائز نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذاکبر فکبروا اذاقرأفانصتوا" ترجمہ: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب تکبیر تحریمہ کہے تم تکبیر کہو جب قرأت کرے خاموش رہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج2، ص326، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''مجھے تمنا ہے کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں آگ ہو''
عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''قدرت پاتا تو اسکی (امام کے پیچھے پڑھنے والے کی) زبان کاٹ دیتا''

(ج6،ص183)

سوال: آمین با آوازِ بلند کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: آمین با آواز بلند کہنا نماز میں مکروہ وخلافِ سنت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ ترجمہ: تم اپنے رب کو عاجزی اور تواضع سے آہستہ آہستہ پکارو۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا آمین فان الملئکۃ تقول امین وان الامام یقول امین'' ترجمہ: جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ ملائکہ اور امام اسے کہہ رہے ہیں۔

(سنن النسائی، ج1، ص113، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور) (ج6، ص184)

سوال: بجائے بیس رکعت تراویح کے آٹھ رکعت پڑھے تو درست ہے؟

جواب: تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں سنّت مؤکدہ کا ترک بد (برا) ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین عضوا علیھا بالنواجذ'' ترجمہ: تم پر میری اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت لازم ہے اسے اپنی داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لو۔ (سنن ابی داؤد، ج2، ص279، آفتاب عالم پریس، لاہور)

دوسری حدیث میں ہے ''انہ سیحدث بعدی اشیاء وان من احبھا الی لما احدث عمر'' ترجمہ: میرے بعد بہت سی اشیاء ایجاد ہوں گی ان میں سے مجھے وہ سب سے زیادہ پسند ہیں جو عمر ایجاد کریں گے۔

(کنز العمال، ج12، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت) (ج6، ص185)

سوال: تین وتر کے بجائے ایک وتر پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: ایک رکعت وتر خواہ نفل باطل محض ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری فعل تین رکعت وتر ہے۔ وانما یوخذ بالاخر فھو الاخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کے آخری عمر کے اعمال پر عمل کیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہی ہے۔

اتنا یاد رہے کہ یہاں ان مسائل (امام کے پیچھے قرأت، آمین بلند آواز سے کہنے، آٹھ تراویح اور ایک وتر پڑھنے) میں مخالفت کرنے والے غیر مقلدین وہابیہ ہیں جن پر بوجوہِ کثیرہ ان کے ضالہ کے سبب کفر لازم، جس کی قدرے تفصیل ہمارے رسالہ الکوکبۃ الشھابیۃ میں ہے وہ کہ مسلمان ہی نہیں اُنھیں ایسے فروعی مسائلِ اسلامی میں دخل دینے کا کیا حق، اُن سے تو اصول

پر گرفت کی جائے گی کہ مقتدی فاتحہ پڑھے نہ پڑھے آمین جہر سے کہے یا آہستہ، تراویح آٹھ رکعت ہوں یا بیس، وتر ایک ہو یا تین، یہ تو سب اس پر موقوف ہیں کہ نماز بھی صحیح ہو جس کا اسلام صحیح نہیں اس کی نماز کیسے صحیح ہو سکتی ہے وہ ان مسائل میں اس طرف عمل کرے تو اُس کی نماز باطل، اُس طرف عمل کرے تو باطل، پھر لایعنی فضول زق زق سے کیا فائدہ! اور مسلمان کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ نہ ان سے ملنا جائز، نہ اُن کی بات سننی جائز، نہ اس کے پاس بیٹھنا جائز۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ ترجمہ: اور جب کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ایاکم و ایاھم لا یضلو نکم ولا یفتنونکم" ترجمہ: تم ان سے سخت بچو کہ نہ وہ تمھیں گمراہ کریں نہ ہی فتنہ میں ڈالیں۔ (صحیح مسلم، ج1، ص10، نور محمد اصح المطابع، کراچی) (ج6، ص185)

سوال: ایک امام صاحب رکوع سے فارغ ہو کر سمع اللہ لمن حمدہ کو سجدہ کے قریب جا کر ختم کر کے اس کے ساتھ ہی اللہ اکبر کہتا ہے، آپ سے عرض ہے کہ امام کا یہ فعل کیسا؟ اور اس صورت میں مقتدی ربنا لک الحمد کہاں پر کہیں، کھڑے کھڑے یا امام کے ساتھ سجدے میں جا کر؟

جواب: سنت یہ ہے کہ سمع اللہ کا سین رکوع سے سر اُٹھانے کے ساتھ کہیں اور حمدہ کی "ہ" سیدھا ہونے کے ساتھ ختم، اسی طرح ہر تکبیرِ انتقال میں حکم ہے کہ ایک فعل سے دوسرے فعل کو جانے کی ابتداء کے ساتھ اللہ اکبر کا الف شروع ہو اور ختم کے ساتھ ختم ہو۔

امامِ مذکور جو اس طرح کرتا ہے دو باتیں خلافِ سنت کرتا ہے، (ایک یہ کہ) سمع اللہ لمن حمدہ کا سجدہ کو جاتے ہوئے ختم کرنا اور (دوسرا یہ کہ) سجدہ کو جانے کی تکبیر سجدہ کو جھکنے کی ابتداء سے شروع نہ کرنا، ان وجوہ سے نماز دو کراہتوں سے مکروہ ہوتی ہے، اسے سمجھایا جائے کہ خلافِ سنت نہ کرے۔ اگر نہ مانے اور اس سے بہتر امام سنّی صحیح العقیدہ صحیح القرأۃ صحیح الطہارۃ مل سکے تو اس کو بدل دیا جائے۔

مقتدی خلافِ سنت میں اسکی پیروی نہ کریں بلکہ رکوع سے سر اٹھانے کے ساتھ اللھم ربنا لک الحمد کا الف اور جو صرف ربنا لک الحمد پڑھتا ہو وہ ربنا کی ر شروع کریں اور سیدھے ہو جانے کے ساتھ حمد کی دال ختم ہو جائے تو پھر سجدہ کو جانے کے ساتھ اللہ اکبر کا الف شروع کریں اور اللہ کے لام کو بڑھائیں جب سر رکھنے کے قریب پہنچیں تو اللہ کی ہ اور عین سر زمین پر پہنچتے وقت اکبر کی ر ختم کریں۔

لام کو بڑھانا اس لئے کہ یہ راستہ طے کرنے میں اگر لام کو نہ بڑھایا تو اکبر سجدے میں پہنچنے سے ختم ہو جائے گا اور یہ

خلافِ سنت ہے یاراستہ پورا کرنے کو اکبر کا الف یاب بڑھائیں گے اور اس سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ یا ر بڑھائیں گے اور یہ غلط وخلافِ سنت۔ (ج6ص188)

سوال :زید کہتا ہے کہ نماز باجماعت جو شخص ادا کرے تو اس پر لازم ہے کہ جب تک امام بعدِ سلام دُعا نہ مانگے وہ بھی دُعا نہ مانگے اگر چہ کیسا ہی ضروری کام ہو خواہ نمازِ فجر ہو یا ظہر ہو یا عصر ہو یا مغرب یا عشاء، اگر امام سے پہلے دُعا مانگ کر مقتدی اُٹھ جائے گا تو وہ گناہگار ہو جائے گا اور امام کی اطاعت سے نکل جائیگا۔

عمرو کہتا ہے کہ اگر امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی امام کی اطاعت سے نکل گیا اب مقتدی کو اختیار ہے کہ دُعائے امام کا انتظار کرے یا نہ کرے، اگر انتظار کیا تو فبہا ورنہ چلے آنے سے گناہگار نہ ہوگا۔ کس کا قول صحیح ہے؟

جواب :عمرو کا قول صحیح ہے ہاں جماعت کے ساتھ دعا میں برکت ہے اس کیلئے انتظار بہتر ہے اور اگر کوئی ضرورت جلدی کی ہو تو جا سکتا ہے کوئی حرج نہیں ورنہ مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بات پسندیدہ نہیں۔ (ج6ص189)

سوال: کھانے پر فاتحہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : کھانے پر فاتحہ پڑھنا درست ہے اس میں کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں، جو نادرست کہے وہ بتائے کہ اللہ ورسول نے اسے منع فرمایا یا تم منع کرتے ہو اگر اللہ ورسول نے منع فرمایا تو بتاؤ اور اگر تم منع کرتے ہو تو تم شارع نہیں اپنا سر کھاؤ۔ (ج6ص189)

سوال: رفع سبابہ (قعدے میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے) کے بارے میں جناب کا کیا عمل ہے؟

جواب: فقیر اور فقیر کے آبائے کرام ومشائخ عظام واساتذہ اعلام قدست اسرارھم کا ہمیشہ معمول باتباعِ احادیث متواترہ وارشادات کتبِ متکاثرہ رفع سبابہ رہا اور اسے سنت جانتا ہے۔ (ج6ص189)

سوال :نماز کے بعد چاروں جہات میں کسی ایک جہت کو متوجہ ہو کر دُعا کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ہندوستان کے لئے ان چار جہتوں میں سے کوئی جہت مخصوص ہے یا نہیں؟

جواب :جہت قبلہ ہر جگہ افضل ہے مگر امام کے لئے کہ بعدِ سلام اسے قبلہ رو رہنا مکروہ ہے دہنے یا بائیں پھر جائے یا مقتدیوں کی طرف منہ کر لے اگر سامنے کوئی نماز نہ پڑھتا ہو۔ (ج6ص190)

سوال: التحیات میں انگلی سے اشارہ کرنے کا طریقہ بیان فرمادیں؟

جواب: جب اشھد پر پہنچے چھنگلیا اور اس کے برابر کی انگلی کی گرہ باندھے اور انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنائے اور ''لا'' پر کلمے کی انگلی اٹھائے اور ''الا'' پر گرا کر ہاتھ کھول دے۔ (ج6ص190)

سوال: جُمعہ کے فرض کی نیت کس طرح کرنا چاہئے؟ اور جُمعہ کے دو فرضوں کے بعد کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں؟

جواب: اتنی نیت کافی ہے کہ آج کے فرضِ جُمعہ اور چاہے دو رکعت بھی کہے اور بعضے یہ بھی بڑھاتے ہیں کہ واسطے ساقط کرنے ظہر کے، اس میں بھی کوئی حرج (نہیں)، نہ حاجت (ہے)۔

فرضِ جُمعہ کے بعد چھ رکعت نماز سنّت پڑھیں، چار پھر دو، اوران میں سنّت بعدِ جُمعہ کی نیت کریں اور پہلی چار میں قبل جُمعہ کی۔ بعد کی سُنّتیں پڑھ کر دو یا جتنے چاہیں نفل پڑھیں، ان سے زائد عام لوگوں کو حاجت نہیں۔ (ج6،ص191)

سوال: نماز میں ہر الحمد شریف سے پہلے اور قل ھو اللہ شریف سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں تو تسمیہ پڑھنا سنّت ہے اور بعد کو اگر سورت یا شروع سورت کی آیتیں ملائے تو ان سے پہلے تسمیہ پڑھنا مستحب ہے پڑھے تو اچھا نہ پڑھے تو حرج نہیں۔ (ج6،ص191)

سوال: ہم اہلِ محلّہ نے بے نمازیوں کی تہدید و تاکید کے لئے ایک کمیٹی بنائی ہے، آپ ارشاد فرمائیں کہ ہم بے نمازیوں کو کیسے سمجھائیں؟

جواب: بہ نرمی سمجھائیں ترکِ نماز و ترکِ جماعت و ترکِ مسجد پر قرآن عظیم واحادیث میں جو سخت وعیدیں ہیں بار بار سُنائیں جن کے دلوں میں ایمان ہے انھیں ضرور نفع پہنچے گا اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اللہ کے کلام واحکام یاد دلاؤ کہ بیشک ان کا یاد دلانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔

اور جو کسی طرح نہ مانیں اُس پر اگر کسی کا دباؤ ہے اس کے ذریعے سے دباؤ ڈالیں اور یوں بھی باز نہ آئے تو اس سے سلام وکلام، میل جول یک لخت ترک کردیں۔ (ج6،ص191)

سوال: زید نماز میں زبان سے قرأت نہیں کرتا بلکہ زبان تالو سے لگا کر دلی خیال کے ساتھ ادا کرتا ہے، قرآن شریف ودرود شریف وغیرہ سب دھیان سے ادا کرتا ہے کہتا ہے کہ قرآن شریف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب پر القا ہوا تھا اسی وجہ سے بمقابلہ زبانی پڑھنے کے دل میں خیال کرنا زیادہ افضل ہے، زید اپنی زبان کو تالو سے لگا کر بالکل معطل اور بیکار کردیتا ہے، زید کہتا ہے کہ یہ مسائل اہلِ ذوق اور اصفیاء کرام کے ہیں، ظاہرین ان مسائل کو نہیں سمجھ سکتے۔ مذکورہ طریقہ پر زید کی نماز ہوتی یا نہیں؟ اور وہ امامت بھی کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: زید نے شریعت پر افترا کیا، صوفیہ کرام پر افترا کیا، اپنی نمازیں سب برباد کیں، اُس کی ایک نماز بھی نہیں ہوئی نہ اسکے پیچھے دوسروں کی ہوئی، اس پر فرض ہے کہ جتنی نمازیں ایسی پڑھی ہوں سب کی قضا کرے اور جتنی نمازیں اوروں نے اس کے پیچھے پڑھی ہیں اُن پر بھی فرض ہے کہ اُن کی قضا کریں۔ قرآن عظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ضرور قلب مبارک

پر نازل ہوا مگر پڑھنے کیلئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا کہ تم لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ نماز میں قرآن پڑھو جتنا آسان ہو۔

اس کا نام پاک ہی قرآن ہے قرآن قرأت سے اور قرأت پڑھنا اور پڑھنا نہ ہوگا مگر زبان سے، دل میں تصور کرنے کو پڑھنا نہیں کہتے، حالتِ جنابت میں قرآن پڑھنا حرام ہے اور تصور منع نہیں۔

نماز میں قرأتِ کلام مجید پر اجماع مسلمین کا خلاف جہنم کا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿
وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ ترجمہ: جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے اور مومنین کی راہ کے علاوہ راہ پر چلتا ہے ہم پھیر دیں گے اسے اس راہ پر جس پر وہ چلا اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

(ج6،ص192)

سوال: مقتدی کو آخری رکعت کے قعدہ میں کیا پڑھنا چاہئے؟

جواب: التحیات، درود، دُعا اگر اسے اوّل سے نماز ملی ہو اور اگر کسی رکعت کے پڑھنے کے بعد شامل ہوا تو امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں التحیات ٹھہر ٹھہر کر اس قدر ترتیل کے ساتھ پڑھے کہ اس کی التحیات امام کے سلام وقت ختم ہو، اور اگر یہ التحیات پڑھ چکا اور امام نے ابھی سلام نہ پھیرا تو پچھلے دونوں کلمۂ شہادت بار بار پڑھتا رہے یہاں تک کہ امام سلام پھیرے۔

(ج6،ص193)

سوال: زید کہتا ہے کہ اگر نماز بیٹھ کر پڑھی جائے تو سجدے میں پاؤں سے سُرین کو نہ اُٹھائے جائیں ورنہ نماز ٹوٹ جائے گی، چنانچہ طحاوی وعینی وہدایہ وغیرہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

جواب: سجدۂ قاعدہ (بیٹھ کر سجدہ کرنے) میں رفع الیتین (سرین کا اٹھنا) مفسدِ صلاۃ ہونا زعمِ باطل ومردود وقبیح ہے اور جن معتبر معتمد کتابوں کا مدعی نے نام لیا ان سب پر محض افترا ہے۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داؤد ونسائی وابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجبهة والیدین والرکبتین واطراف القدمین'' میرے رب نے مجھے حکم فرمایا کہ سات استخوانوں (ہڈیوں) پر سجدہ کروں پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں زانو اور دونوں پاؤں کے

نیچے۔ (صحیح البخاری، ج1،ص112،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

ان میں دونوں سرین ملانا زیادت فی الشرع ہے اور زیادت فی الشرع حرام، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد ''جس شخص نے ہمارے اس امر (شرع) میں بدعت ایجاد کی جو شریعت سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ (صحیح البخاری، ج1،ص371،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

اور زیادت بھی اس ادعا سے کہ فرض ہے اور اسکا ترک مفسدِ نماز اس کے ثبوت کو تو احادیثِ احاد بھی ناکافی ہوتیں۔ نہ کہ وہ کہ جس کا پتا نہ حدیث میں نہ فقہ میں جس پر دلیل درکنار شبہہ تک نہیں ایسی جگہ غیرِ فرض کو فرض بتانا بہت سخت حکم رکھتا ہے۔ (ج6،ص200)

سوال:رکوع کرتے وقت نظر کس جگہ رکھنا چاہئے؟

جواب:رکوع میں قدموں پر نظر ہو۔ (ج6،ص200)

سوال:فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا اور ہاتھوں کو منہ پر ملنا اور چومنا کیسا ہے؟

جواب:نماز کے بعد دُعا مانگنا سنّت ہے اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا اور بعدِ دُعا منہ پر ہاتھ پھیر لینا یہ بھی سنّت سے ثابت ہے مگر چومنا کہیں ثابت نہیں۔ (ج6،ص202)

سوال :الحمد شریف کے بعد امام، مقتدی اور منفرد کو آمین کہنا کیسا؟ اگر نہیں کہنی چاہئے اور نکل جائے تو سجدہ سہو ہوگا یا نہیں؟

جواب :نماز کی ہر رکعت میں امام ومنفرد کو ولا الضالین کے بعد آمین کہنا سنّت ہے، جہری نماز میں مقتدی بھی ہر رکعت میں کہیں اور غیر جہری رکعت یا سری نماز میں ولا الضالین ایسی خفی آواز میں کہا کہ اس کے کان تک پہنچی تو اس وقت بھی یہ آمین کہے ورنہ نہیں اور آمین سے سجدۂ سہو کسی وقت نہیں۔ (ج6،ص202)

سوال :عمامہ کے ساتھ نماز کا ثواب بڑھ جانے پر جو احادیث ہیں ان کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ضعیف ہیں، بلکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ موضوع ہیں۔

جواب :فضل صلاۃ بالعمامۃ (عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت) میں احادیثِ مروی وہ اگرچہ ضعاف ہیں مگر دربارۂ فضائل ضعاف مقبول (فضیلت میں ضعیف احادیث مقبول ہوتی ہیں) اور عندالتحقیق ان پر حکم بالوضع محل کلام (تحقیق یہ ہے کہ ان پر موضوع ہونے کا حکم لگانا درست نہیں)۔

حدیث اوّل: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' ان اللہ عزوجل و ملئکتہ یصلون علی اصحاب العمائم

یوم الجمعة ''یعنی بیشک اللہ عزوجل اور اسکے فرشتے جُمُعَہ میں عمامہ باندھے ہوؤں پر درود بھیجتے ہیں۔

(الجامع الصغیر،ج2،ص270،دارالمعرفۃ،بیروت)

اورد الحديث فی جامعه الصغير ملتزما ان لا يورد فيه موضوعا ،ترجمہ:امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب جامع صغیر میں اسے نقل کیا ہے حالانکہ انہوں نے اس کتاب جامع صغیر میں اس بات کا التزام کر رکھا ہے کہ کوئی موضوع روایت اس میں ذکر نہ کی جائے گی۔

حدیث دوم: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' صلاة تطوع او فريضة بعمامة تعدل خمسا و عشرين صلاة بلا عمامة و جمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة ''یعنی ایک نماز نفل ہو یا فرض عمامہ کے ساتھ پچیس نماز بے عمامہ کے برابر ہے اور ایک جُمُعَہ عمامہ کے ساتھ ستر جُمُعَہ بے عمامہ کے ہمسر۔ (کنزالعمال،ج15،ص306،مکتبۃ التراث الاسلامی،بیروت)

فيه مجاهيل قلت وليس فيهم كذاب ولا وضاع ولا متهم به ولا فيه ما يرده الشرع او يحيله العقل وقد اورده السيوطی فی الجامع الصغير ،ترجمہ:اس میں مجہول راوی ہیں، میں کہتا ہوں ان میں سے کوئی بھی کذاب اور وضّاع (حدیث گھڑنے والا) نہیں اور نہ ہی کوئی متہم بالوضع ہے اور نہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جس کو شریعت رد کرتی ہو یا اسے عقل محال تصور کرتی ہو، اسے امام سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا ہے۔

حدیث سوم: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' الصلاة فی العمامة تعدل بعشرة آلاف حسنة ''یعنی عمامہ میں نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔ (الفردوس،ج2،ص406،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)

هذا ضعيف جدا فيه ابان متروك ، ترجمہ: یہ نہایت ہی ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابان متروک ہے۔ (ج6،ص203)

سوال: بعد سلام امام کو پانچوں وقت کی نماز میں داہنے بائیں پھر کے دُعا مانگنا چاہئے یا صرف فجر وعصر میں؟

جواب: کسی نماز میں امام کو ہرگز نہ چاہئے کہ وہ روبقبلہ بیٹھا رہے انصراف مطلقاً ضرور ہے۔ البتہ ظہر ومغرب وعشاء کے بعد دعا میں زیادہ اطالت نہ ہو اور جبکہ معمولِ مقتدیان ہے کہ تا فراغِ دعا پابندِ امام رہتے ہیں ایسی تطویل کہ کسی مقتدی پر ثقیل ہو مطلقاً منع ہے۔ (ج6،ص203)

سوال: زید کہتا ہے کہ ہر ایک مسلمان مرد وعورت عاقل وبالغ پر جیسے کہ نماز پڑھنا فرض ہے ویسے ہی نماز کے معنی اپنی زبان میں یاد کر لینا بھی فرض ہے پھر نماز پڑھتے وقت جو لفظ زبان عربی میں پڑھا جائے اُس کے معنی کا دل میں سمجھ لینا بھی فرض ہے پس آپ ارشاد فرمائیں کہ جو شخص باوجود طاقت ہونے کے سیکھنے سکھانے میں سستی کرے یا معنی جانتا ہے اور وقت پر بے غوری کرے ایسے شخص کی نماز کا پھل کیا ہوگا دنیا وآخرت میں؟

جواب: ان دونوں باتوں میں کچھ فرض نہیں بغیر ان کے بھی سر سے فرض اُتر جانے کا پھل حاصل ہے۔۔ہاں نماز کا کمال نماز کا نور نماز کی خُوبی فہم وتدبّر وحضورِ قلب پر ہے۔ (ج6،ص205)

سوال: کسی بھی فرض نماز میں بعدِ سلام امام کا قبلہ رو بیٹھے رہنا کیسا؟

جواب: بعدِ سلام قبلہ رُو بیٹھا رہنا ہر نماز میں مکروہ ہے وہ شمال وجنوب ومشرق میں مختار ہے مگر جب کوئی مسبوق اس کے محاذات میں اگر چہ اخیر صف میں نماز پڑھ رہا ہوتو مشرق یعنی جانبِ مقتدیان منہ نہ کرے، بہر حال پھرنا مطلوب ہے اگر نہ پھرا اور قبلہ رُو بیٹھا رہا تو مبتلائے کراہت وتارک سنّت ہوگا۔ (ج6،ص205)

سوال: اکثر دیہات میں نماز پڑھ کر جب اُٹھتے ہیں مصلّے کا کونا اُلٹ دیتے ہیں اس کا شرعاً کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"الشیاطین یستمتعون بثیابکم فاذانزع احدکم ثوبہ فلیطوہ حتی ترجع الیھا انفاسھا فان الشیطان لایلبس ثوبا مطویا"شیطان تمہارے کپڑے اپنے استعمال میں لاتے ہیں تو کپڑا اتار کر تہہ کر دیا کرو کہ اس کا دم راست (سیدھا) ہو جائے کہ شیطان تہہ کئے کپڑے نہیں پہنتا۔

(کنز العمال، بحوالہ ابن عساکر عن جابر، ج15،ص299، مکتبۃ التراث الاسلامی، بیروت)

معجم اوسط طبرانی کے لفظ یہ ہیں"اطووا ثیابکم ترجع الیھا ارواحھا فان الشیطان اذا وجد الثوب مطویا لم یلبسہ، وان وجدہ منشورا لبسہ"ترجمہ: کپڑے لپیٹ دیا کرو کہ ان کی جان میں جان آ جائے اس لئے کہ شیطان جس کپڑے کو لپٹا ہوا دیکھتا ہے اسے نہیں پہنتا اور جسے پھیلا ہوا پاتا ہے اسے پہنتا ہے۔ (المعجم الاوسط، ج6،ص328، مکتبۃ المعارف، الریاض)

ان احادیث سے اُس کی اصل نکل سکتی ہے اور پورا لپیٹ دینا بہتر ہے۔ (ج6،ص206)

سوال: اگر پیروں کے نیچے کپڑا نہ ہو اور صرف زانو اور سجدہ کی جگہ ہو تو نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: نماز ہو جائے گی اور بہتر اس کا عکس ہے پاؤں کی احتیاط پیشانی سے زیادہ ہے ولہذا اگر انگرکھا یا کرتا بچھا کر نماز پڑھے تو چاہئے کہ گریبان کی جانب پاؤں رکھے اور دامنوں پر سجدہ کرے کہ گریبان بہ نسبت دامن احتمالِ نجاست سے دور ہے۔ (ج6،ص207)

سوال: مکروہ کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اور مطلق مکروہ سے کون سا مکروہ مراد ہوتا ہے؟

جواب: کراہت کا اثر ناپسندی اور اُس کا اوسط درجہ اساءت ہے یعنی بُرا کیا اور اعلیٰ درجہ کراہت تحریم اُس کا اثر گنہگار ومستحقِ عذاب ہونا، مطلق مکروہ غالباً تحریم کا افادہ کرتا ہے اور بلکہ خاص معنی کراہت تنزیہ بھی مستعمل ہوتا ہے۔ (ج6،ص207)

سوال: امام کے لئے تو سنت ہے کہ سلام کے بعد قبلہ رو نہ بیٹھا رہے، مقتدیوں کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب: مقتدیوں کے لئے شرعاً اتنا مستحب ہے کہ نقض صفوف کریں (صفوں کو توڑ دیں) اور نماز کے بعد اُس انتظام پر نہ بیٹھے رہیں جیسے نماز میں تھے پھر بھی سب کو پھر کر بیٹھنے کا حکم نہیں کہ اُس میں حرج ہے۔ (ج6،ص207)

سوال: مقتدیوں کو یہ حکم کیوں نہیں؟

جواب: مقتدی سب ایک حالت پر شریکِ نماز ہوئے تھے اُن میں سے کسی کا آگے پیچھے ہونا کوئی بالخصوص مقصود و مطلوب و لازم نہ تھا بلکہ اتفاقی طور پر واقع ہوا جو پہلے پہنچ گیا اس نے پہلی صف میں جگہ پائی اور جو بعد میں پہنچے انھوں نے بعد کی صف میں، اگر یہ بعد والے پہلے پہنچتے تو یہی پہلی میں ہوتے اور وہ کہ اگلی صف میں ہیں بعد کو آتے تو بعد کی صف میں ہوتے، ان کا بیٹھنا ایسا ہے جیسا مجلسِ کثیر میں لوگوں کا بیٹھنا کہ ایک دوسرے کی طرف پیٹھ ہوتی ہے مگر وہ سب ایک حالت میں ہیں قصداً و التزاماً اُن میں ایک دوسرے پر تقدم نہیں بخلاف امام کہ وہ بالقصد آگے ہوتا اور انھیں پیٹھ کرتا ہے اور یہی واجب و لازم اور متعین ہے تو اسے اس قصدی پشت کرنے سے انحراف (پھرنے) کا حکم ہوا۔ (ج6،ص207)

سوال: ایک شخص عمامہ کے سنت ہونے کا انکار کرتا ہے، اور اسے پہننے کو ثواب نہیں جانتا بلکہ اس نے کئی آدمیوں کے عمامے اتروا دیئے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: عمامہ حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّتِ متواترہ ہے جس کا تواتر یقیناً سرحدِ ضروریاتِ دین تک پہنچا ہے۔ ولہذا علمائے کرام نے عمامہ تو عمامہ ارسالِ عذبہ یعنی شملہ چھوڑنا کہ اُس کی فرع اور سنت غیر موکدہ ہے۔۔اس کے ساتھ استہزا کو کفر ٹھہرایا کما نص علیه الفقهاء الکرام وامروا بترکه حیث یستهزء به العوام کیلا یقعوا فی الهلاك بسوء الکلام (جیسا کہ فقہاء کرام نے اس پر تصریح کی ہے اور وہاں اسکے ترک کا حکم دیا جہاں عوام اس پر مذاق کرتے ہوں تا کہ وہ اس کلامِ بد سے ہلاکت میں نہ پڑیں)۔

اس کا انکار کس درجہ اشد و اکبر ہوگا اس کا سنّت ہونا متواتر ہے اور سنّتِ متواتر کا استخفاف کفر ہے۔ (ج6،ص208)

مسلمانوں کے عمامے قصداً اُتروا دینا اور اسے ثواب نہ جاننا قریب ہے کہ ضروریاتِ دین کے انکار اور سنّتِ قطعیہ متواترہ کے استخفاف کی حد تک پہنچے ایسے شخص پر فرض ہے کہ اپنی ان حرکات سے توبہ کرے اور از سرِ نو کلمۂ اسلام پڑھے اور اپنی عورت کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرے۔ (ج6،ص220)

سوال: عمامہ کی فضیلت پر کچھ احادیث بیان فرما دیں۔

جواب: عمامہ کی فضیلت میں احادیثِ کثیرہ وارد ہیں بعض اُن سے کہ اس وقت پیشِ نظر ہیں مذکور ہوتی ہیں:

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس

''ترجمہ: ہم میں اور مشرکوں میں فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں۔ (سنن ابی داؤد، ج2، ص208، آفتاب عالم پریس، لاہور)

یہی حدیث باوردی نے ان لفظوں میں روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''العمامة على القلنسوة فصل ما بيننا وبين المشركين يعطى يوم القيمة بكل كورة يدورها على راسه نورا'' ٹوپی پر عمامہ ہمارا اور مشرکین کا فرق ہے ہر پیچ کہ مسلمان اپنے سر پر دے گا اس پر روزِ قیامت ایک نور عطا کیا جائے گا۔

(کنز العمال بحوالہ باوردی عن رکانۃ، ج15، ص305، مکتبۃ التراث الاسلامی، بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''العمائم تيجان العرب'' ترجمہ: عمامے عرب کے تاج ہیں۔

(الفردوس، ج3، ص87، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''العمائم تيجان العرب فاذا وضعوا العمائم وضعوا عزهم وفى لفظ وضع الله عزهم'' عمامے عرب کے تاج ہیں جب عمامہ چھوڑ دیں تو اپنی عزت اُتار دیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عزت اتار دے گا۔ (الجامع الصغیر، ج4، ص392، دار المعرفۃ، بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اعتموا تزدادوا حلما'' عمامہ باندھو تمہارا حلم بڑھے گا۔

(المعجم الکبیر، ج1، ص194، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت)

صححه الحاكم ترجمہ: حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اعتموا تزدادوا حلما والعمائم تيجان العرب'' عمامہ باندھو وقار زیادہ ہوگا اور عمامے عرب کے تاج ہیں۔ (شعب الایمان، ج5، ص176، دار الکتب العربیۃ، بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''العمائم وقار المؤمن وعز العرب فاذا وضعت العرب عمائمها وضعت عزها'' عمامے مسلمان کے وقار اور عرب کی عزت ہیں تو جب عرب عمامے اتار دیں اپنی عزت اتار دیں گے۔

(الفردوس، ج3، ص88 دار الکتب العربیہ، بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لاتزال امتى على الفطرة مالبسوا العمائم على القلانس'' میری امت ہمیشہ دینِ حق پر رہے گی جب تک وہ ٹوپیوں پر عمامے باندھیں۔ (الفردوس، 5، ص93، دار الکتب العربیہ، بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان الله امدنى يوم بدر وحنين بملئكة يعتمون هذه العمة وقال ان العمامة حاجزة بين الكفر والايمان'' بیشک اللہ عزوجل نے بدر وحنین کے دن ایسے ملائکہ سے میری مدد فرمائی جو اس طرز کا عمامہ باندھتے ہیں بیشک عمامہ کفر وایمان میں فارق ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، ج10، ص14، دار صادر، بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمامہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "ھکذا تکون تیجان الملئکۃ" فرشتوں کے تاج ایسے ہوتے ہیں۔ (کنز العمال، ج 15 ص 464 مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "علیکم بالعمائم فانھا سیماء الملئکۃ وارخوا لھا خلف ظھورکم" عمامے اختیار کرو کہ وہ فرشتوں کے شعار ہیں اور ان کے شملے اپنے پس پشت چھوڑو۔

(المعجم الکبیر، ج 12 ص 383 ، مکتبۃ الفیصلیہ بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ان اللہ تعالیٰ اکرم ھذہ الامۃ بالعصائب" بیشک اللہ عزوجل نے اس امت کو عماموں سے مکرم فرمایا۔ (کنز العمال، ج 15 ص 307 مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اعتموا خالفوا علی الامم قبلکم" عمامے باندھو اگلی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے۔ (شعب الایمان، ج 5 ص 176 دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ان اللہ عزوجل وملئکتہ یصلون علی اصحاب العمائم یوم الجمعۃ" بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں جمعہ کے روز عمامہ والوں پر۔ (مجمع الزوائد، ج 2 ص 176 دار الکتب بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الصلاۃ فی العمامۃ تعدل بعشر آلاف حسنۃ" عمامہ کے ساتھ نماز دس ہزار نیکی کے برابر ہے۔ (الفردوس، ج 2 ص 402 دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "العمائم تیجان العرب فاعتموا تزدادوا حلما ومن اعتم فلہ بکل کور حسنۃ فاذا حط فلہ بکل حطۃ حط خطیئۃ" عمامے عرب کے تاج ہیں تو عمامہ باندھو تمہارا وقار بڑھے گا اور جو عمامہ باندھے اس کے لئے ہر پیچ پر ایک نیکی اور جب (بلا ضرورت یا ترک کے قصد پر) اتارے تو ہر اتارنے پر ایک خطا ہے یا جب (بضرورت بلا قصدِ ترک بلکہ بارادہ معاودت یعنی پھر پہننے کے ارادے سے) اتارے تو ہر پیچ اتارنے پر ایک گناہ اترے۔ (کنز العمال، ج 15 ص 308 مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "رکعتان بعمامۃ خیر من سبعین رکعۃ بلا عمامۃ" عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بے عمامے کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔ (الفردوس بماثور الخطاب، ج 2 ص 265 دار الکتب العلمیہ بیروت)

سوال: پاک جوتا (جس کی طہارت میں قطعی یقین حاصل ہو جائے جیسے نیا جوتا) پہن کر کوئی سی نماز نوافل یا فرائض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر جوتا بالکل غیر استعمالی ہو کہ صرف مسجد کے اندر پہنا جائے اور پنجہ اتنا سخت نہ ہو کہ سجدہ میں انگلیوں کا

پیٹ زمین پر نہ بچھنے دے تو اس سے نماز میں کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہے، اور یہی امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی سنت ہے کہ دو جوتے رکھتے ایک راہ میں پہنتے اور جب کنارۂ مسجد پر آتے اُسے اتار کر غیر استعمالی کو پہن لیتے اور اگر استعمالی ہو تو اُسے پہن کر مسجد میں جانا بے ادبی ہے اور غیر مسجد میں بھی نماز میں اتار دیا جائے اور اور اگر پنجہ اتنا سخت ہے کہ کسی انگلی کا پیٹ زمین پر نہ بچھنے دے گا تو نماز نہ ہوگی۔ (ج6ص221)

سوال: کلمہ طیبہ شریف جب ورد کر کے پڑھا جائے تو اس میں کلمہ پر جب بھی نام نامی حضور اقدس صلعم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا آئے درود پڑھنا چاہئے یا ایک مرتبہ جبکہ جلسہ ختم کرے؟

جواب: جوابِ مسئلہ سے پہلے ایک بہت ضروری مسئلہ معلوم کیجئے سوال میں نامِ پاک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بجائے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (صلعم) لکھا ہے، یہ جہالت آج کل بہت جلد بازوں میں رائج ہے، کوئی صلعم لکھتا ہے کوئی عم کوئی ص، اور یہ سب بیہودہ ومکروہ وسخت ناپسند وموجب محرومی شدید ہے اس سے بہت سخت احتراز چاہئے اگر تحریر میں ہزار جگہ نامِ پاک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئے ہر جگہ پورا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھا جائے ہرگز ہرگز کہیں صلعم وغیرہ نہ ہو، علماء نے اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے یہاں تک کہ بعض کتابوں میں تو بہت اشد حکم لکھ دیا ہے۔

اب جوابِ مسئلہ لیجئے نامِ پاک حضور پُر نور سیّد دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختلف جلسوں میں جتنے بار لے یا سنے ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر نہ پڑھے گا گنہگار ہوگا اور سخت وعیدوں میں گرفتار۔

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ اگر ایک ہی جلسہ میں چند بار نام پاک لیا یا سنا تو ہر بار واجب ہے یا ایک بار کافی اور ہر بار مستحب ہے، بہت علما قولِ اول کی طرف گئے ہیں ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ہزار بار کلمہ شریف پڑھے تو ہر بار درود شریف بھی پڑھتا جائے اگر ایک بار بھی چھوڑا گنہگار ہُوا۔

دیگر علما نے بنظر آسانی امت قولِ دوم اختیار کیا ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ایک بار درود ادائے واجب کے لئے کفایت کرے گا زیادہ کے ترک سے گنہگار نہ ہوگا مگر ثوابِ عظیم وفضلِ جسیم سے بیشک محروم رہا۔

بہر حال مناسب یہی ہے کہ ہر بار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتا جائے کہ ایسی چیز جس کے کرنے میں بالاتفاق بڑی بڑی رحمتیں برکتیں اور نہ کرنے میں بلاشبہ بڑے فضل سے محرومی اور ایک مذہب قوی پر گناہ ومعصیت عاقل کا کام نہیں کہ اُسے ترک کرے۔

(ج6ص221)

سوال: ایک شخص وظیفہ پڑھتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: جو وظیفہ پڑھے اور نماز نہ پڑھے فاسق وفاجر مرتکبِ کبائر ہے اُس کا وظیفہ اس کے منہ پر مارا جائے گا۔ (ج6ص223)

سوال: بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نماز کے بعد دعا کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، یہ بدعت ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ o وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ÷﴾ جب تم نماز سے فارغ ہوتو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں راجح قول حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں خوب محنت کرو اور بارگاہِ خداوندی میں آہ وزاری کے ساتھ رغبت کرو۔ تفسیر الجلالین میں ہے "فاذا فرغت من الصلوٰة فانصب اتعب في الدعاء والیٰ ربك فارغب" ترجمہ: جب تم نماز سے فارغ ہوتو دعا میں کوشش کرو اور اپنے رب کی طرف آہ وزاری کرو۔ (تفسیر جلالین، حصہ دوم، ص500، مجتبائی، دہلی)

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں "هو الصحيح فقد اقتصر عليه الجلال وقد التزم الاقتصار على ارجح الاقوال" ترجمہ: یہی صحیح ہے کیونکہ اس پر جلال الدین نے اقتصار کیا اور انہوں نے مختار و راجح قول کے ذکر کا التزام کر رکھا ہے۔ (شرح المواہب، ج3، ص171، دار المعرفۃ، بیروت)

(اس کے بعد امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے دس احادیث نقل فرمائیں، ان میں کچھ درج ذیل ہیں)

حدیث: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثا وقال اللهم انت السلام تباركت يا ذاالجلال والاكرام " ترجمہ: جب حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین نماز سے رُخ انور پھیرتے (سلام کہتے) تو تین دفعہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور یہ دعا کرتے اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذاالجلال والاكرام اے اللہ! تُو سلام ہے (یعنی تیری ذات جل مجدہ کی طرف کوئی عیب یا نقص راہ نہیں پا سکتا) اور تیری طرف سے سلام (کہ ہم بندوں کی تمام مصیبتوں اور بلیات سے سلامتی تیری قدرت، ارادے، مہربانی اور کرم سے ہے) برکت و عظمت تیرے ہی لئے ہے اے صاحب بزرگی اور بزرگی عطا فرمانے والے یارب۔ (صحیح مسلم، ج1، ص218، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

کیا یہ حدیث صحاح میں مشہور و متداول نہیں یا مغفرت کی طلب اور سلامتی کا سوال دعا نہیں ہوتا۔ جہالت ایسی مرض ہے کہ اس کا علاج آسان نہیں اور جب یہ مرکب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج ہی نہیں والعیاذ باللہ تبارك و تعالیٰ۔

حدیث: براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں "كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، احببنا ان نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه قال فسمعته يقول رب قني عذابك يوم تبعث او تجمع عبادك" ترجمہ: جب ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہمیں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہونا زیادہ محبوب ہوتا تھا تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام کے بعد چہرہ انور ہماری طرف پھیریں، کہا پس میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ

کلمات کہتے ہوئے سنا رب قنی عذابک یوم تبعث او تجمع عبادک (اے میرے رب! مجھے اپنے اس دن کے عذاب سے محفوظ فرما جس دن تو اپنے تمام بندوں کو اُٹھائے گا یا جمع کرے گا)۔ (صحیح مسلم، ج 1، ص 247، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور طرفہ تر یہ کہ ان عقلمندوں کو اپنے امام وقت اپنے دور اور زمانے کے مجتہد کی خبر تک نہیں چہ جائیکہ یا حادیث اور دلائل سے آگاہ ہوسکیں مولوی عبدالحی لکھنوی نے صرف ثبوت دعا ہی نہیں بلکہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر فتوی جاری کیا ان کے امام میاں نذیر حسین دہلوی (جس کے قول پر غیر مقلدین ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ دین الہی کے ائمہ کو کسی شمار میں نہیں لاتا ، فقہ اور فقہا کو گالیاں دیتا ہے) اس نے فتوی میں مجیب لکھنوی کی حدیث اکر لکھنوی کی تائید وتصدیق کی ہے دوسری حدیث کا اس نے خود اضافہ کیا ہے، وہ فتوی یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا جس کا اس علاقے کے ائمہ میں معمول ہے کیسا ہے؟ اگرچہ فقہا نے اسے مستحسن لکھا اور مطلق ہاتھ اٹھانے اور دعا میں روایات موجود ہیں کیا اس عمل خاص (ہاتھ اٹھانے) پر بھی کوئی حدیث ہے؟ جواب عنایت کرو اجر پاؤ گے۔

(عبدالحی لکھنوی نے اس کا جواب دیا) خاص اس بارے میں بھی حدیث موجود ہے۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحق ابن السنی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھا ہے "عن انس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انہ قال مامن عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلٰوۃ ثم یقول اللھم الھی والہ ابراھیم و اسحٰق و یعقوب والہ جبرئیل ومیکائیل و اسرافیل علیھم السلام اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر، وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی، و تنالنی برحمتک فانی مذنب، وتتقی عن الفقر، فانی متمسکن ،الاکان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین "ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی ہر نماز کے بعد دعا کیلئے ہاتھ پھیلائے اور عرض کیا اے اللہ میرے معبود! اے ابراہیم ،اسحٰق ،اور یعقوب کے معبود! اے جبرائیل ، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام) کے معبود! میری عرض ہے کہ میری دُعا قبول فرما کہ پریشان ہوں میری دین میں حفاظت فرما میں ابتلاء میں ہوں مجھے اپنی رحمت سے نواز میں گنہگار ہوں مجھ سے میرے فقر کو دور فرما میں مسکین ہوں ۔تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم لیا ہے کہ اسکے ہاتھ خالی نہیں لوٹا ئیگا۔ (کتاب عمل الیوم واللیلۃ، ج 1، ص 38، دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

(اس فتوی کو نقل کرنے کے بعد میاں نذیر حسین غیر مقلد کہتا ہے) یہ جواب صحیح ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اسود عامری سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ" صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیہ ودعا "میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی جب آپ نے سلام کہا، رُخ انور پھیرا، ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 302، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

اس حدیث کے متعلق ان کا امام کہتا ہے کہ اس سے فرض نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا خود سید الانبیاء اسوۃ الاتقیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ علماء اذکیا پر مخفی نہیں۔ (ج 6 ص 224 تا 232)

سوال: وظیفہ یا درود شریف بلند پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درود شریف خواہ کوئی وظیفہ بآواز نہ پڑھا جائے جبکہ اس کے باعث کسی نمازی یا سوتے مریض کی ایذا ہو یا ریا آنے کا اندیشہ اور اگر کوئی محذور (ممنوع چیز) نہ موجود ہو نہ مظنون تو عند التحقیق کوئی حرج نہیں تاہم اخفا افضل ہے لما فی الحدیث خیر الذکر الخفی، ترجمہ: جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ذکر خفی بہتر ہے۔

(مسند احمد بن حنبل ج 1 ص 172 دار الفکر بیروت) (ج 6 ص 233)

سوال: ادھر کے لوگ صبح اور عصر میں بعد سلام، اول تسبیحات پڑھ کر دعا مانگتے اور وہاں کے لوگ بعد سلام فوراً دعا، ان میں کون سا طریقہ بہتر ہے؟

جواب: نماز کے بعد دعا ثابت ہے اور تسبیح حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی صحیح حدیثوں میں آئی ہے۔ صبح اور عصر کے بعد سنتیں نہیں ان کے بعد ذکرِ طویل کا موقع ہے مگر مسلمانوں میں رسم یہ پڑ گئی ہے اور ضرور محمود ہے کہ بعدِ سلام امام کے ساتھ دعا مانگتے ہیں اور اگر وہ دعا میں دیر کرے منتظر رہتے ہیں، ان کے ساتھ دعا مانگنے کے بعد متفرق ہوتے ہیں اس حالت میں تسبیحات کی تقدیم اگر خوب تحقیق ثابت ہو کہ ان میں کسی ایک فرد پر بھی ثقیل نہ ہوگی تو کچھ حرج نہیں ورنہ یہی بہتر ہے کہ خفیف دعا مانگ کر فارغ کر دے پھر جس کے جی میں آئے تسبیحات میں شامل رہے۔ (ج 6 ص 233)

سوال: درود شریف بالجہر (اونچی آواز سے) پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: درود شریف ذکر ہے (اور) ذکر بالجہر جائز ہے جبکہ نہ ریاء ہو نہ کسی نمازی یا مریض یا سوتے کی ایذا نہ کسی اور مصلحت شرعیہ کا خلاف، یونہی درود شریف جہراً جائز و مستحب ہے جس کے جواز پر دلیلِ اجماع کہ قرأتِ حدیث و ذکر نامِ اقدس میں سلفاً خلفاً تمام ائمہ وعلماء و مسلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی آواز سے کہتے ہیں جتنی آواز سے قرأتِ حدیث وکلام کر رہے ہیں اور یہ جہر ہے۔ (ج 6 ص 234)

سوال: جس فرض کے بعد سنت ہے اس فرض کے بعد دعا و وظائف کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: جائز و درست تو مطلقاً ہے مگر فصلِ طویل مکروہ تنزیہی وخلافِ اولیٰ ہے اور فصلِ قلیل میں اصلاً حرج نہیں۔

(دلائل دینے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ آیۃ الکرسی یا فرض مغرب کے بعد دس بار کلمہ توحید پڑھنا فصلِ قلیل ہے۔

(ج6،ص234)

سوال: زید ہر نماز کے بعد دعا سے پہلے ایک مرتبہ کلمہ توحید اور دعا کے بعد کلمہ طیبہ تین مرتبہ اور ایک مرتبہ کلمہ شہادت باآواز بلند مع حاضرین کے پڑھتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے مگر حاضرین کو ان کی خوشی پر رکھا جائے مجبور نہ کیا جائے۔

(ج6،ص237)

قرأت کا بیان

سوال: نماز میں یا غیر نماز میں قرآن کو ترتیب سے پڑھنے کا حکم ہے؟

جواب: نماز ہو یا تلاوت بطریقِ معہود (خارجِ نماز معروف طریقہ سے) ہو دونوں میں لحاظ ترتیبِ واجب ہے اگر عکس کرے گا گنہگار ہوگا۔ سیّدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص خوف نہیں کرتا کہ اللہ عزوجل اس کا دل اُلٹ دے۔

ہاں اگر خارجِ نماز ہے کہ ایک سورت پڑھ لی پھر خیال آیا کہ دوسری سورت پڑھوں وہ پڑھ لی اور اس سے اُوپر کی تھی تو اس میں حرج نہیں یا مثلاً حدیث میں شب کے وقت چار سورتیں پڑھنے کا ارشاد ہوا ہے:

یٰسین شریف کہ جو رات میں پڑھے گا صبح کو بخشا ہوا اُٹھے گا۔

سورہ دخان شریف پڑھنے کا ارشاد ہوا ہے کہ جو اسے رات میں پڑھے گا صبح اس حالت میں اُٹھے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہوں گے۔

سورہ واقعہ شریف کہ جو اسے رات پڑھے گا محتاجی اس کے پاس نہ آئے گی۔

سورہ تبارک الذی شریف کہ جو اسے ہر رات پڑھے گا عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

ان سورتوں کی ترتیب یہی ہے مگر اس غرض کے لئے پڑھنے والا چار سورتیں متفرق پڑھنا چاہتا ہے کہ ہر ایک مستقل جدا عمل ہے اسے اختیار ہے کہ جس کو چاہے پہلے پڑھے جسے چاہے پیچھے پڑھے۔ (ج6،ص239)

سوال: امام نماز میں بے ترتیب سورہ پڑھے تو اس پر کیا حکم ہے؟

جواب: امام نے سورتیں بے ترتیبی سے سہواً پڑھیں تو کچھ حرج نہیں، قصداً پڑھیں تو گنہگار ہوا، نماز میں کچھ خلل نہیں۔ (ج6،ص239)

سوال: مقتدی کا امام کے پیچھے قرأت کرنا کیسا؟

جواب: مذہب حنفیہ در بارۂ قرأتِ مقتدی (مقتدی کی قرأت کے بارے میں حنفیہ کا مذہب) عدم اباحت (ناجائز) وکراہت تحریمیہ ہے۔

احادیث وآثار کہ اس باب میں وارد بے حد وشمار (ہیں)، یہاں خوفِ طوالتِ بیان بعض پر اقتصار (کیا جائے گا):

حدیث: سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اذا صلّیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذاکبر

فکبر وا واذاقرافانصتوا ''یعنی جب تم نماز پڑھو اپنی صفیں سیدھی کرو پھر تم میں کوئی امامت کرے وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تم چپ رہو۔ (صحیح مسلم، ج 1، ص 174، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حدیث: سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''انما الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبر وا واذاقرأ فانصتوا '' ھذ الفظ النسائی ۔یعنی امام تو اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی کہو اور جب قراءت کرے خاموش رہو۔ یہ نسائی کے الفاظ ہیں۔ (سنن النسائی، ج 1، ص 112، مکتبہ سلفیہ لاہور)

امام مسلم بن حجاج نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی صحیح میں اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح ہے۔

حدیث: ترمذی اپنی جامع میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ''من صلی رکعة لم یقرء فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام ''یعنی جو کوئی رکعت بے سورہ فاتحہ کے پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب امام کے پیچھے ہو۔ (جامع الترمذی، ج 1، ص 42، امین کمپنی دہلی)

ھکذا رواہ مالك فی مؤطاہ موقوفا (اسی طرح اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں موقوفاً روایت کیا ہے)۔

اور امام ابوجعفر احمد بن سلامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے معانی الآثار میں اسے روایت کیا اور ارشادات سید مرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرار دیا۔ حافظ ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث: حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں'' من صلی خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة ''یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ (مسند الامام الاعظم ص 61 نور محمد کارخانہ تجارت کراچی)

فقیر کہتا ہے یہ حدیث صحیح ہے رجال اس کے سب رجال صحاح ستہ ہیں۔

و رواہ محمد ھکذامرفوعا من طریق اخر (اس کو امام محمد نے مرفوعاً دوسری سند سے روایت کیا ہے)۔

حاصل حدیث کا یہ ہے کہ مقتدی کو پڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں امام کا پڑھنا کفایت کرتا ہے۔

حدیث: ''صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بالناس فقرأرجل خلفه فلما قضی الصلوۃ قال ایکم قرأ خلفی ثلث مرات فقال رجل انا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من صلی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة '' خلاصہ مضمون یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی ایک شخص نے حضور کے پیچھے قراءت کی، سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کس نے میرے پیچھے پڑھا، لوگ بسبب خوف حضور کے خاموش ہو رہے، یہاں تک کہ تین بار بتکرار یہی استفسار فرمایا، آخر ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے۔ ارشاد ہوا کہ جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کا پڑھنا کافی ہے۔ (مسند الامام الاعظم ص 61 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حدیث:ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن حماد بن ابراھیم ان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه لم یقرأ خلف الامام لا فی الرکعتین الاولین ولا فی غیرھما "یعنی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی نہ پہلی دو رکعتوں میں نہ ان کے غیر میں۔ (الموطا للامام محمد ص100 آفتاب عالم پریس لاہور)

فقیر کہتا ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو افاضل صحابہ و مومنین سابقین سے ہیں حضر و سفر میں ہمراہ رکاب سعادت انتساب حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رہتے اور بارگاہ نبوت میں بے اذن لئے جانا اُن کے لئے جائز تھا بعض صحابہ فرماتے ہیں ہم نے راہ وروش سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے جو چال ڈھال ابن مسعود کی ملتی پائی کسی کی نہ پائی، خود حضور اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "رضیت لامتی ما رضی لھا ابن ام عبد و کرھت لامتی ما کرہ لھا ابن ام عبد "میں نے اپنی امت کے لئے وہ پسند کیا جو عبداللہ بن مسعود اس کے لئے پسند کرے اور میں نے اپنی امت کے لئے ناپسند کیا جو اُس کے لئے عبداللہ بن مسعود ناپسند کرے۔ (مجمع الزوائد ج9 ص290 دارالکتاب بیروت)

گویا ان کی رائے حضور والا کی رائے اقدس ہے اور معلوم ہے کہ جناب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مقتدی ہوتے فاتحہ وغیرہ کچھ نہیں پڑھتے تھے اور ان کے سب شاگردوں کا یہی وتیرہ تھا۔

حدیث: سئل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه عن القرأة خلف الامام قال انصت فان فی الصلوٰة لشغلا سیکفیك ذلك لامام "خلاصہ یہ کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دربارۂ قرأت مقتدی سوال ہوا، فرمایا خاموش رہ کہ نماز میں مشغولی ہے یعنی بیکار باتوں سے باز رہنا عنقریب تجھے امام اس کام کی کفایت کردے گا یعنی نماز میں تجھے لاطائل باتیں روا نہیں، اور جب امام کی قرأت بعینہ اُس کی قرأت ٹھہرتی ہے تو پھر مقتدی کا خود قرأت کرنا محض لغو ناشائستہ ہے۔

(موطا امام محمد ص100 آفتاب عالم پریس لاہور)

فقیر کہتا ہے یہ حدیث اعلیٰ درجہ صحاح میں ہے اس کے سب رواۃ ائمہ کبار و رجالِ صحاحِ ستہ ہیں۔

اثر:ابو حنیفة عن حماد عن ابراھیم انه قال لم یقرأ علقمة خلف الامام حرفا لا فیما یجھر فیه القرأة ولا فیما لایجھر فیه ولا قرأ فی الاخریین بام الکتاب ولاغیرھا خلف الامام ولا اصحاب عبداللہ جمیعا "یعنی علقمہ بن قیس کہ کبار تابعین و اعاظم مجتہدین اور افقہ تلامذہ سیدنا ابن مسعود ہیں امام کے پیچھے ایک حرف نہ پڑھتے چاہے جہری قرأت ہو چاہے آہستہ کی اور نہ پچھلی رکعتوں میں فاتحہ پڑھتے اور نہ اور کچھ جب امام کے پیچھے ہوتے اور نہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے (دیگر) اصحاب میں سے کسی نے (امام کے پیچھے) قرأت کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(کتاب الآثار ص16 ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

اثر: محمد فی الموطا اخبرنا بکیر بن عامر مرثنا ابرھیم النخعی عن علقمة بن قیس قال لان اعض علی جمرة احب الی من ان اقرأ خلف الامام، یعنی حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں البتہ آگ کی چنگاری منہ میں لینا مجھے اس سے زیادہ پیاری ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔ (موطا امام محمد، ص 100، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اثر: محمد ایضا اخبرنا اسرائیل من یونس ثنا منصور عن ابراھیم قال ان اول من قرأ خلف الامام رجل تھم، یعنی ابراہیم بن سوید النخعی نے کہ رؤسائے تابعین وائمہ دین متین سے ہیں تحدیث وفقاہت ان کی آفتاب نیمروز ہے فرمایا پہلے جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا وہ ایک مرد متہم تھا۔ (موطا امام محمد، ص 100، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

حاصل یہ کہ امام کے پیچھے قرأت ایک بدعت ہے جو ایک بے اعتبار آدمی نے احداث کی۔

فقیر کہتا ہے رجال اس حدیث کے رجال صحیح مسلم ہیں۔

حدیث: امام مالک اپنی مؤطا میں اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں ''وھذا سیاق مالک عن نافع ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان اذا سئل ھل یقرأ احد خلف الامام قال اذا صلی احدکم خلف امام فحسبہ قرأة الامام واذا صلی وحدہ فلیقرأ قال وکان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لایقرأ خلف الامام'' یعنی سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب دربارۂ قرأتِ مقتدی سوال ہوتا فرماتے جب کوئی تم میں امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے قرأتِ امام کافی ہے اور جب اکیلا پڑھے تو قرأت کرے۔

(مؤطا امام مالک، ص 68، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی)

نافع کہتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے۔

فقیر کہتا ہے کہ یہ حدیث [illegible] کی صحیح [illegible] اسناد ہے حتی کہ مالک بن نافع عن ابن عمر کو بہت محدثین نے صحیح ترین اسانید کہا۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''من صلی خلف الامام کفتہ قرأتہ'' یعنی مقتدی کو امام کا پڑھنا کافی ہے۔ (مؤطا الامام محمد، ص 97، آفتاب عالم پریس، لاہور)

فقیر کہتا ہے یہ سند بھی مثلِ سابق [illegible] ہے اور اس کے رجال بھی رجالِ صحاحِ ستہ ہیں، بلکہ بعض علماء حدیث نے روایت [illegible] نافع عن عبیداللہ بن عمر کو امام مالک پر ترجیح دی۔

حدیث: امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی رحمۃ اللہ علیہ معانی الآثار میں روایت کرتے ہیں ''حدثنا ابن وھب فساق باسنادہ عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعہ یقول لایقرأ المؤتم خلف الامام فی شیء من صلاة'' یعنی سیدنا زید بن ثابت

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مقتدی امام کے پیچھے کسی نماز میں قرات نہ کرے یعنی نماز جہریہ ہو یا سریہ۔

(شرح معانی الاثار، ج 1، ص 151، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

حدیث: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ افاضل صحابہ وعشرہ مبشرہ ومقربانِ بارگاہ سے ہیں منقول ہے انھوں نے فرمایا'' وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرة ''یعنی میرا جی چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارہ ہو۔ (موطا للامام محمد، ص 101، آفتاب عالم پریس، لاہور)

حدیث: حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا'' لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا '' یعنی کاش جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اُسکے منہ میں پتھر ہو۔ (موطا للامام محمد، ص 102، آفتاب عالم پریس، لاہور)

فقیر کہتا ہے رجال اس حدیث کے بر شرطِ صحیح مسلم ہیں۔

الحاصل ان احادیث صحیحہ ومعتبرہ سے مذہبِ حنفیہ بحمد اللہ ثابت ہو گیا۔ (ج 6، ص 240 تا 246)

سوال: امام شافعی علیہ الرحمہ قرأت خلف الامام کے قائل ہیں، ان کے دلائل کا جواب کیا ہے؟

جواب: باقی رہے تمسکاتِ شافعیہ اُن میں عمدہ ترین دلائل جسے اُن کا مدارِ مذہب کہنا چاہئے حدیث صحیحین ہے یعنی ''لا صلوة الا بفاتحة الکتاب'' کوئی نماز نہیں ہوتی بے فاتحہ کے۔

جواب اس حدیث سے چند طور پر ہے یہاں اسی قدر کافی کہ یہ حدیث تمھارے مفید نہ ہمارے مضر، ہم خود مانتے ہیں کہ کوئی نماز ذاتِ رکوع وسجود بے فاتحہ کے تمام نہیں امام کی ہو خواہ ماموم کی مگر مقتدی کے حق میں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس کے لئے امام کی قرأت کافی اور امام کا پڑھنا بعینہٖ اس کا پڑھنا ہے۔ کما مر سابقا (جیسا کہ پیچھے گزر چکا) پس خلافِ ارشاد حضور والاتم نے کہاں سے نکال لیا کہ مقتدی جب تک خود نہ پڑھے گا نماز اس کی بے فاتحہ رہے گی اور فاسد ہو جائے گی۔

دوسری دلیل: حدیثِ مسلم ''من صلی صلاةً لم یقرأ فیھا بام القرأن فھی خداج ھی خداج ھی خداج '' حاصل یہ کہ جس نے کوئی نماز بے فاتحہ پڑھی وہ ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے۔

اس کا جواب بھی بعینہٖ مثلِ اول کے ہے نماز بے فاتحہ کا نقصان مسلّم اور قرأت امام قرأتِ ماموم سے مغنی خلاصہ یہ کہ اس قسم کی احادیث اگر چہ لاکھوں ہوں تمھیں اس وقت بکار آمد ہوں گی جب ہمارے طور پر نمازِ مقتدی بے امّ الکتاب رہتی ہو وھو ممنوع (اور یہ ممنوع ہے)۔

تیسری دلیل: حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''لا تفعلو ا الابام القرأن'' امام کے پیچھے اور کچھ نہ پڑھو سوائے

فاتحہ کے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج5 ص322 دار الفکر بیروت)

اولاً یہ حدیث ضعیف ہے اُن صحیح حدیثوں کی جو ہم نے مسلم اور ترمذی ونسائی وموطائے امام مالک وموطائے امام محمد وغیر ہا صحاح ومعتبرات سے نقل کیں کب مقاومت (مقابلہ) کرسکتی ہے، امام احمد بن حنبل وغیرہ حفاظ نے اس کی تضعیف کی، یحیی بن معین جیسے ناقدین جس کی نسبت امام ممدوح نے فرمایا جس حدیث کو یحیی نہ پہچانے حدیث ہی نہیں فرماتے ہیں استثنائے فاتحہ غیر محفوظ ہے۔

ثانیاً خود شافعیہ اس حدیث پر دووجہ سے عمل نہیں کرتے:

ایک یہ کہ اس میں ماورائے فاتحہ سے نہی ہے اوران کے نزدیک مقتدی کو ضم سورت (سورت ملانا) بھی جائز ہے۔

دوسرے یہ کہ حدیثِ مذکور جس طریق سے ابوداؤد نے روایت کی بآواز بلند منادی کہ مقتدی کو جہراً فاتحہ پڑھنا روا اور یہ امر بالاجماع ممنوع

پس جو خود اُن کے نزدیک متروک ہم پر اُس سے کس طرح احتجاج کرتے ہیں۔

بالجملہ ہمارا مذہبِ مہذب بحمد اللہ حجج کافیہ ودلائل وافیہ سے ثابت، اور مخالفین کے پاس کوئی دلیل قاطع ایسی نہیں کہ اُسے معاذ اللہ باطل یا مضمحل کرسکے۔

مگر اس زمانہ پُرفتن کے بعض جہال بے لگام جنھوں نے ہوائے نفس کو اپنا امام بنایا اور انتظام اسلام کو درہم برہم کرنے کے لئے تقلیدِ ائمہ کرام میں خدشات واوہام پیدا کرتے ہیں جس ساز وسامان پر ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت اور جس بضاعت مزجات پر ادعائے اجتہاد وفقاہت ہے عقلائے منصفین کو معلوم، اصل مقصود ان کا اغوائے عوام ہے کہ وہ بیچارے قرآن وحدیث سے ناواقف ہیں جو ان مدعیانِ خام کار نے کہہ دیا انھوں نے مان لیا اگرچہ خواص کی نظر میں یہ باتیں موجبِ ذلت وباعثِ فضیحت ہوں۔ (ج6 ص246)

سوال: اعراب میں غلطی کرنے سے نماز میں کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: خطائی الاعراب یعنی حرکت، سکون، تشدید، تخفیف، قصر، مد کی غلطی میں علمائے متاخرین رحمہ اللہ علیہم اجمعین کا فتوی تو یہ ہے کہ علی الاطلاق اس سے نماز نہیں جاتی۔

اگرچہ علمائے متقدین وخود ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم درصورتِ فسادِ معنی (فسادِ معنی کی صورت میں) فسادِ نماز مانتے ہیں اور یہی من حیث الدلیل اقوی (دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوت والا ہے)، اور اسی پر عمل احوط واحری (اسی پر عمل میں زیادہ احتیاط ہے)۔ (ج6 ص248)

سوال: نماز میں قرأت کرتے ہوئے جہاں وقف کرنا تھا وہاں وقف نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اور وقف و وصل کی غلطی کوئی چیز نہیں یہاں تک کہ اگر وقف لازم پر نہ ٹھہرا بُرا کیا مگر نماز نہ گئی۔ (ج6ص249)

سوال: امام اس طرح قرأت کرتا ہے کہ ضمیر جمع متکلم کا ''نا'' کا الف سنائی نہیں دیتا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ضمیر ''نا'' میں الف مسموع نہ ہونا مفسد نہیں۔ (ج6ص250)

سوال: محلے کی مسجد کے حافظ صاحب غلط قرأت کرتے ہیں، کیا ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا جماعت چھوڑ دیں یا دوسری مسجد میں پڑھنے جائیں؟

جواب: اگر حافظِ مذکور سے وُہ خطائیں جو مفسدِ نماز ہیں واقع نہیں ہوتیں تو نماز اس کے پیچھے درست، اور ترک جماعت کے لئے یہ عذر نا مسموع (یہ عذر نہیں سنا جائے گا)، اور اگر خطایائے مفسدہ صادر ہوتے ہیں تو بے شک وہ نماز نماز ہی نہیں، نہ وہاں ثواب کی گنجائش بلکہ عیاذاً باللہ عکس کا خوف ہے، نہ اہلِ محلّہ کو دوسری مسجد میں جانے کی حاجت کہ یہی مسجد جو ان پر حق رکھتی ہے ہنوز (ابھی تک) محتاجِ نماز و جماعت ہے۔ نمازِ فاسدکا تو عدم و وجود شرعاً یکساں (نمازِ فاسد کا ہونا نہ ہونا برابر ہے)، پس اگر ممکن ہو تو دوبارہ جماعت وہیں قائم کرے ورنہ آپ ہی مسجد میں تنہا پڑھ لے کہ حقِ مسجد ادا ہو۔

اور اگر یہ صورت ہو کہ حافظ مذکور فرضوں میں قرآن مجید صحیح پڑھتا ہے اور خطایائے مفسدہ صرف تراویح میں بوجہِ عجلت و بے احتیاطی واقع ہوتی ہیں تو فرض میں اس کی اقتدا کرے تراویح میں وہی حکم ہے ورنہ درصورتِ فسادِ فرضوں میں بھی اقتداء درست نہیں۔ (ج6ص250)

سوال: اگر امام یا منفرد تیسری یا چوتھی رکعت میں کچھ قرأت جہر سے پڑھ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر امام اُن رکعتوں میں جن میں آہستہ پڑھنا واجب ہے جیسے ظہر وعصر کی سب رکعات اور عشاء کی پچھلی دو اور مغرب کی تیسری اتنا قرآن عظیم جس سے فرض قرأت ادا ہو سکے اور وُہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ایک آیت ہے، بھول کر بآواز پڑھ جائیگا تو بلاشبہ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

اگر بلا عذرِ شرعی سجدہ نہ کیا یا اس قدر قصداً بآواز پڑھا تو نماز کا پھیرنا واجب ہے، اور اگر اس مقدار سے کم مثلاً ایک آدھ کلمہ بآوازِ بلند نکل جائے تو مذہبِ راجح میں کچھ حرج نہیں۔

یہ حکم امام کا ہے اور منفرد کے لئے بھی زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس فعل سے عمداً بچے اور سہواً واقع ہو تو سجدہ کر لے۔

(ج6ص251)

سوال: ایک جامع مسجد کا امام سورۂ فاتحہ شریف میں الحمد والرحمٰن والرحیم کی بجائے الھمد والرھمن والرہیم پڑھتا ہے،

ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :اُسے امام بنانا ہرگز جائز نہیں اور نماز اس کے پیچھے نادرست ہے کہ اگر وہ شخص ''ح'' کے ادا پر بالفعل قادر ہے اور باوجود اس کے اپنی بے خیالی یا بے پروائی سے کلماتِ مذکورہ میں ''ھ'' پڑھتا ہے، تو خود اس کی نماز فاسد و باطل، اوروں کی اسکے پیچھے کیا ہو سکے۔

اور اگر بالفعل ح پر قادر نہیں اور سیکھنے پر جان لڑا کر کوشش نہ کی تو بھی خود اس کی نماز محض اکارت، اور اس کے پیچھے ہر شخص کی باطل۔

اور اگر ایک ناکافی زمانہ تک کوشش کر چکا پھر چھوڑ دی جب بھی خود اس کی نماز پڑھی بے پڑھی سب ایک سی، اور اُس کے صدقے میں سب کی (فاسد ہو) گئی۔

اور برابر حد درجہ کی کوشش کیے جاتا ہے مگر کسی طرح ''ح'' نہیں نکلتی تو اُس کا حکم مثل اُمّی کے ہے کہ اگر کسی صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز مل سکے اور اقتداء نہ کرے بلکہ تنہا پڑھے تو بھی اسکی نماز باطل، پھر امام ہونا تو دوسرا درجہ ہے اور پر ظاہر (بہت زیادہ ظاہر) ہے کہ اگر بالفرض عام جماعتوں میں کوئی درست خواں نہ ملے تو جُمعہ میں تو قطعاً ہر طرح کے بندگان خدا موجود ہوتے ہیں پھر اس کا اُن کی اقتدا نہ کرنا اور آپ امام ہونا خود اس کی نماز کا مبطل ہوا، اور جب اس کی گئی سب کی گئی۔

بہر حال ثابت ہوا کہ نہ اس شخص کی اپنی نماز ہوتی ہے نہ اسکے پیچھے کسی اور کی تو ایسے کو امام بنانا حرام ہے، اور ان سب مسلمانوں کی نماز کا وبال اپنے سر لیتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

البتہ اگر ایسا ہو کہ تاحد ادنیٰ امید کہ یہ شخص ہمیشہ برابر رات دن تصحیح حرف میں کوششِ بلیغ کیے جائے اور باوصفِ بقائے امید واقعی محض طول مدت سے گھبرا کر نہ چھوڑے اور واجب الحمد شریف کے سوا اوّل نماز سے آخر تک کوئی آیت یا سورۃ یا ذکر وغیرہ اصلاً ایسی چیز نام کو نہ پڑھے جس میں ''ح'' آتی اور اسے ''ھ'' پڑھنے سے نماز جاتی ہو بلکہ قرآن مجید کی (ایسی) دو سورتیں اختیار کرے جن میں ''ح'' نہیں جیسے سورہ کافرون و سورۂ ناس اور ثناء اور تسبیحات رکوع و سجود و تشہد و درود وغیرہ کے کلمات میں جن میں ایسی ''ح'' آئی اُن کے مرادفات مقاربات سے بدل لے مثلاً بجائے سبحٰنك اللھم وبحمدك (کے) اقدسك اللھم مثنیا علیك (پڑھے) و علیٰ ھذاالقیاس (باقی اسی پر قیاس کرلیں) اور اسے کوئی شخص صحیح خواں ایسا نہ ملے جس کی اقتدا کرے اور جماعت بھر کے سب لوگ اسی طرح ''ح'' کو ''ھ'' پڑھنے والے ہوں تو البتہ جب کوشش کرتا رہے گا اس کی بھی صحیح ہوگی اور اُن سب اس کے مانندوں کی بھی اسکے پیچھے صحیح ہوگی اور جس دن باوصفِ تنگ آ کر کوشش چھوڑی یا صحیح القراءۃ کی اقتداء ملتے ہوئے تنہا پڑھی یا امامت کی اُسی دن اس کی بھی باطل، اور اسکے پیچھے سب کی باطل، اور جبکہ معلوم ہے کہ یہ شرائط متحقق نہیں تو حکم وہی

ہے کہ جُمُعَہ وغیر جُمُعَہ کسی میں نہ اس کی نماز درست نہ اسکے پیچھے کسی کی درست۔

یہ جو کچھ مذکور ہوا یہی صحیح ہے یہی راجح ہے یہی مختار ہے یہی مفتی بہ ہے اسی پر عمل اسی پر اعتماد۔ (ج6،ص253)

سوال: بعض لوگ ''ض'' کو قصداً ''ظ'' پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں متاخرین علماء کا فتوی ہے کہ جن حروف کا آپس میں امتیاز کرنا مشکل ہو اس میں ان کے لئے رعایت ہے۔

جواب: اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس وتبدیل سے احتراز حاصل ہو، اجبات عینیہ و اہم مہمات دینیہ سے ہے، آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام (پوری کوشش) اور ہر حرف میں اُس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا قصد واہتمام لازم کہ قرآن مطابق ما انزل اللہ تعالیٰ (جیسا اللہ نے نازل کیا ویسا) پڑھے، نہ معاذ اللہ مداہنت و بے پروائی کہ آجکل کے عوام بلکہ یہاں کے کثیر بلکہ اکثر خواص نے اپنا شعار کرلیا۔

فقیر نے بگوشِ خود بعض مولوی صاحبوں کو پڑھتے سنا ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَهَد﴾، حالانکہ نہ ہرگز اللہ الاحد نے اھد فرمایا نہ امینِ وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اھد پہنچایا نہ صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اھد پڑھایا، پھر اسے قرآن کیونکر کہا جائے فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حاشا فتوی متاخرین پروانہ بے پروائی نہیں (کہ) باوصفِ قدرت تعلیم تعلم نہ کرنا اور براہ سہل انگاری غلط خوانی قرآن پر مصر ومتمادی (اڑے) رہنا کون جائز رکھے گا۔ اتقان شریف میں ہے ''من المھمات تجوید القران وھو اعطاء الحروف حقوقھا و ردالحرف الی مخرجہ واصلہ ''اہم چیزوں میں سے تجویدِ قرآن سیکھنا بھی ہے اور تجوید حروف کو ان کے حقوق دینا اور ان کو ان کے اصل اور مخرج کی طرف لوٹانا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن، ج1، ص100، مصطفی البابی، مصر)

اور احسن الفتاوٰی فتاوٰی بزازیہ وغیرہا میں ہے ''ان اللحن حرام بلاخلاف ''غلط پڑھنا بالاجماع حرام ہے۔

(فتاوی بزازیہ علی حاشیۃ الفتاوی الہندیہ، ج6، ص353، نورانی کتب خانہ پشاور)

ولہذا ائمۂ دین تصریح فرماتے ہیں کہ آدمی سے اگر کوئی حرف غلط ہوتا ہو تو اس کی تصحیح وتعلم میں اس پر کوشش واجب بلکہ بہت علماء نے اس سعی کی کوئی حد مقرر نہ کی اور حکم دیا کہ عمر بھر روز وشب ہمیشہ جہد کئے جائے کبھی اس کے ترک میں معذور نہ ہوگا۔

تو کیونکر جائز کہ جہد وسعی بالائے طاق سرے سے حرف منزل فی القرآن (جو قرآن میں نازل ہوا اس کا) کا قصد ہی نہ کریں بلکہ عملاً اسے متروک ومہجور، اور اپنی طرف سے دوسرا حرف اس کی جگہ قائم کردیں۔

میں نہیں جانتا کہ اس تبدیل عمدی (جان بوجھ کر تبدیل کرنے) اور تحریف کلام اللہ میں کتنا تفاوت (فرق) مانا جائے گا۔ لاجرم امام اجل ابوبکر محمد بن الفضل فضلی وامام برہان الدین محمود بن الصدر السعید وغیرہما اجلہ کرام نے تو یہاں تک حکم دیا کہ

جو قرآن عظیم میں عمداً ض کی جگہ ظ پڑھے کافر ہے۔

پس جزماً لازم کہ ہر حرف میں خاص حرف منزل من عند اللہ (جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا اس) ہی کی ادا کا قصد کریں اُسی کے مخرج سے اسے نکالنا چاہیں پھر بوجہ عسر حرف وقصور لسان (حرف کے مشکل ہونے اور عجمی ہونے کے سبب زبان میں کمی ہونے کی وجہ سے) اگر غلط ادا ہو تو مثل ض میں کہ اعسر الحروف (سب سے مشکل حرف) ہے، تیسیر اعلی الامۃ (امت پر آسانی کرتے ہوئے) فتوی بعض متاخرین پر عمل کر کے صحتِ نماز کا حکم دینا معیوب نہیں بلکہ محبوب ہے کہ شارع علیہ السلام کو یسر و آسانی مطلوب و مرغوب ہے۔ (ج6،ص261)

سوال: فرض نماز کی ہر رکعت میں ایک سورت کا تکرار کرنا کیسا ہے؟

جواب: بغیر ضرورت فرائض میں مکروہ تنزیہی ہے، پس پہلی رکعت میں سورۃ الناس عمداً (جان بوجھ کر) نہیں پڑھنی چاہئے تاکہ تکرار کی ضرورت نہ پڑ جائے اگر سہواً یا عمداً پڑھ چکا تو اب دوسری رکعت میں وہی سورت یعنی سورۃ الناس دوبارہ پڑھے، کیونکہ ترتیب بدل کر پڑھنا تکرار سے بھی سخت ہے بخلاف ختم قرآن کی صورت کے کہ اس میں پہلی رکعت میں سورۃ الناس تک پڑھنا اور دوسری رکعت میں الم تا مفلحون پڑھنا جائز اور درست ہے۔ (ج6،ص266)

سوال: ختم قرآن میں سورۃ الناس کے بعد الم سے شروع کرنا خلاف ترتیب قرآن پڑھنے میں کیوں نہیں آئے گا؟

جواب: ختم قرآن کی صورت میں یہ عکس اور ترتیب کا بدلنا نہیں بلکہ قران کو نئے سرے سے شروع کرنا ہے۔

(ج6،ص267)

سوال: ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: فرائض کی ایک رکعت میں ایک سے زائد سورتیں نہیں پڑھنی چاہئیں اگر کوئی پڑھ لیتا ہے تو کراہت نہیں بشرطیکہ وہ سورتیں متصل ہوں، اگر کوئی متفرق سُورتیں کسی ایک رکعت میں جمع کرتا ہے تو اس میں کراہت ہے۔

میں کہتا ہوں امام ہونے کی صورت میں ایک اور شرط بھی ہے وہ یہ کہ مقتدی اسے بوجھ محسوس نہ کرے ورنہ کراہت تحریمی ہوگی۔ (ج6،ص267)

سوال: ایک سُورت چھوڑ کر پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اگر متروکہ سورت (چھوڑی گئی سورت) اتنی لمبی ہے کہ اس کی قرات سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہو جائے گی تو ایسی سورت کو ترک کر کے تیسری سورت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً پہلی رکعت میں سورہ والتین اور دوسری رکعت میں سورہ قدر پڑھے۔

اور اگر ایسی صورت نہیں تو فرائض میں ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ سورہ نصر اور سورہ اخلاص کا پڑھنا اور اگر درمیان میں دو سورتیں ہوں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سورہ نصر اور سورہ فلق۔ (ج6ص267)

سوال: ایک رکعت میں کسی سورت یا آیت کا تکرار کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جب فرائض کی دو رکعتوں میں ایک سورت کا تکرار یا ایک رکعت میں دو سورتوں کا مناسب نہیں تو ایک رکعت میں ایک سورت کا تکرار بطریق اولی مناسب نہ ہوگا۔ اسی طرح کسی مخصوص آیت کا تکرار دوسری رکعت کے پہلی رکعت سے طویل ہونے کی وجہ بن سکتا ہے، اور یہ تمام باتیں فرائض کے بارے میں منقول ماثور کے خلاف ہیں۔

لیکن اس کو مکروہ تحریمی قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں، ماسوائے پہلی دو رکعات میں قرأتِ سورت سے پہلے کل سورہ فاتحہ یا اکثر کا اعادہ کرنا کیونکہ یہ مکروہ تحریمی ہے، میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ سورت ملانا واجب تھا، اعادہ کی صورت میں وہ فوت ہو جاتا ہے، پس اگر کسی شخص نے عمداً ایسا کیا تو اعادہ نماز کرے اور اگر سہواً کیا تو سجدۂ سہو ہوگا، بخلاف آخری دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے تکرار کے، میں کہتا ہوں (یہ اس لئے ہے) کیونکہ ان میں ضمِ سورت (سورت ملانا) واجب نہیں۔

یا ضمِ سورت (سورت ملانے) کے بعد پہلی دو رکعات میں، کیونکہ ضمِ سورت (سورت ملانے والا واجب) پہلے حاصل ہو چکا اور سورت کے بعد رکوع فوراً واجب نہیں ہوتا بلکہ جب تک نمازی تلاوت کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں مقتدی پر بوجھ ہونے کی صورت سے غافل نہیں ہو جانا چاہئے کیونکہ مثلاً قدرِ مسنون قرأت سے زائد پر اگر نمازی بوجھ محسوس کرتا ہے تو ایسی صورت مطلقاً ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔ (ج6ص268)

سوال: طویل سورت سے مختلف رکعات میں متفرق آیات پڑھنا کیسا ہے؟ مثلاً پہلی رکعت میں آیت الکرسی اور دوسری میں امن الرسول۔

جواب: یہ قرأت دو رکعت میں بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ دونوں قرأت کے درمیان دو آیات سے کم مقدار نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ بغیر ضرورت ایسا بھی نہ کرے کیونکہ بعض آیات سے اعراض کا وہم ہوگا العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اگر یہ فاصلہ ایک آیت کی مقدار ہو یا ایک ہی رکعت میں بغیر ضرورت کے ایسا کرے تو مکروہ ہے اگرچہ فاصلہ متعدد آیات کا ہو۔

اقول میں یہ سمجھتا ہوں اس معاملہ میں نوافل، فرائض کے مخالف نہیں۔ (ج6ص268)

سوال: الٹی سورت پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: ارادۃً ایسا کرنا ممنوع و ناجائز ہے، [illegible] اگر یہ سہواً ہوا جیسا کہ پہلی رکعت میں سورہ

نصر پڑھی دوسری میں سورۂ فلق پڑھنے کا قصد تھا مگر قل اعوذ کی جگہ زبان پر قل یا ایھا الکفرون جاری ہوگیا، ایسی صورت میں سورۂ کافرون مکمل کر لے، اسے چھوڑ کر دوسری طرف نہ جائے، کیونکہ بغیر ضرورت کے (سورت شروع کر کے اس کا) ترک مکروہ ہے، پس یہ عدمِ کراہت سے کراہت کی طرف رجوع ہوگا۔ (ج6،ص270)

سوال: رکعتوں میں قرأت کی کمی بیشی کیسی ہے؟

جواب: فرائض کی دوسری رکعت کو پہلی پر لمبا کرنا بالاتفاق مکروہ ہے اور اصح قول کے مطابق نوافل میں بھی مکروہ ہے اس کے برعکس قرأت کرنا نوافل میں کراہت نہیں رکھتا، اور نمازِ فجر (کی رکعت اولیٰ) میں بھی بالاتفاق اور بالاطلاق جائز ہے یعنی جس طرح بھی طویل کرے کوئی حرج نہیں، تہائی کی مقدار مستحب ہے اور بعض نصف مقدار تک کا قول بھی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ لمبا کرنا جائز ہونے کے باوجود خلافِ اولیٰ ہے۔

فرائضِ فجر کے علاوہ دیگر نمازوں میں اختلاف ہے۔ امام محمد کے نزدیک ہر مقام پر پہلی رکعت کا لمبا کرنا اولیٰ ہے شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما برابری کی طرف گئے ہیں اور فتوی بھی مختلف ہے لیکن شیخین کا قول راجح ہونا مناسب لگتا ہے کیونکہ کلام امام امام کلام ہے۔ (ج6،ص270)

سوال: نماز میں دورانِ قرأت اسمائے الٰہی کا ملانا کیسا ہے؟

جواب: فرائض میں مکروہ ہے اسی طرح آیاتِ ترغیب وترہیب میں رحمت کا سوال اور عذاب سے پناہ مانگنا بھی مکروہ ہے اور یہ نوافل میں بھی مکروہ ہے کیونکہ ایسے عمل سے نظمِ نماز میں تبدیلی آجاتی ہے۔ (ج6،ص271)

سوال: بعض لوگ ض کو ظ سے ''ظاد'' اور بعض لوگ د سے ''دواد'' پڑھتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ اور اس کا صحیح کیا مخرج ہے؟

جواب: ظاد اور دواد محض غلط ہیں۔ اس کا مخرج زبان کی ایک طرف کی کروٹ اُسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا اور زبان اوپر کو اُٹھ کر تالو سے ملنا اور ادا میں سختی وقوت ہونا ہے اس کا مخرج سیکھنا مثل تمام حرفوں کے ضروری ہے، جو شخص مخرج سیکھ لے اور اپنی قدرت تک اس کا استعمال کرے اور ظ یا د کا قصد نہ کرے بلکہ اسی حرف کا جو (اللہ) عزوجل کی طرف سے اُترا ہے پھر جو کچھ نکلے بوجہ آسانی صحتِ نماز پر فتوی دیا جائے گا۔ (ج6،ص272)

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں ضاد کو مشتبہ بظاء پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ حرف دشوار ترین حرف ہے اور اس کی ادا خصوصاً عجم پر کہ اُن کی زبان کا حرف نہیں سخت مشکل، مسلمانوں پر لازم کہ اُس کا مخرج صحیح سے ادا کرنا سیکھیں اور کوشش کریں کہ ٹھیک ادا ہو اپنی طرف سے نہ ظاد کا قصد کریں نہ دواد کا دونوں محض

غلط ہیں اور جب اس نے حسبِ وسع وطاقت (بقدرِ طاقت) جہد کیا (کوشش کی) اور حرف صحیح ادا کرنے کا قصد کیا پھر کچھ نکلے اس پر مواخذہ نہیں ﴿لا یُکَلِّفُ اللهُ نَفساً اِلَّا وُسعَھَا﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی ذی نفس کو اسکی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں ٹھہراتا۔
خصوصاً ظاء سے اس حرف کا جُدا کرنا تو سخت مشکل ہے پھر ایسی جگہ ان سخت حکموں کی گنجائش نہیں تکفیر ایک امرِ عظیم ہے۔

اور جمہور متاخرین کے نزدیک فسادِ نماز کا بھی حکم نہیں۔
اور ائمہ متقدمین بھی علی الاطلاق حکم فساد نہیں دیتے۔
عجب کی بات ہے کہ ابنائے زمانہ ان باتوں میں بے طور جھگڑتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں حالانکہ اصولِ ایمان وامہاتِ عقائد (بنیادی عقائد) میں جو فتنے طوائف جدید (نئے فرقے) پھیلا رہے ہیں ان سے کام نہیں رکھتے۔
اور لطف یہ ہے کہ وہ جہال جن سے سہل حرف بھی ٹھیک ادا نہیں ہوتے ضاد اور دواد پر کٹے مرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم اہل اسلام کو نیک توفیق عطا فرمائے۔
ہاں اگر کوئی معاند بد باطن بقصدِ تغییر کلام اللہ وتبدیل وحی منزل من اللہ اس حرف خواہ کسی حرف کو بدلے گا تو وہ بیشک اپنے اس قصدِ خبیث کے سبب حکمِ کفر کا مستحق ہوگا، اس میں ظاد ودواد وسین ساد سب برابر ہیں۔ وھذا ھو محمل التعمد المذکور فی کلام الامام الفضلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ترجمہ: امام فضلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں مذکور تعمد کا محمل یہی ہے۔
(ج6،ص272)

سوال: امام مغرب میں رکوع ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللهُ رَسُوْلَهُ﴾ پڑھ رہا تھا جب ﴿فی الانجیل﴾ تک پڑھ لیا آیت پارہ ۲۲ کا متشابہ لگا اُس کے بعد یہ آیت ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللهُ لِیُذْهِبَ﴾ تک پڑھی پھر جب یاد آیا اُسے چھوڑ کر مقامِ اصل سے شروع کیا اور نماز ختم کی اور سجدۂ سہو نہ کیا اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟
جواب: نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو کی بھی حاجت نہ تھی اگر بقدرِ ادائے رکن سوچتا نہ رہا ہو۔
ہاں اگر بھولا اور سوچنے میں اتنی دیر خاموش رہا جس میں کوئی رکن نماز کا ادا ہو سکتا ہے تو سجدہ سہو لازم آیا۔ اگر نہ کیا تو نماز جب بھی ہوگئی مگر ناقص ہوئی پھیرنا واجب ہے۔ (ج6،ص274)
سوال: زید نماز میں کھانسا کیا اس کی نماز ہوگئی؟
جواب: صورتِ مذکورہ میں نماز میں اصلاً کوئی خلل نہ آیا کھانسنا کھنکارنا جبکہ بعذر یا کسی غرض صحیح کے لئے ہو جیسے گلا صاف کرنا یا امام کو سہو پر متنبہ کرنا تو مذہبِ صحیح میں ہرگز مفسدِ نماز نہیں۔ (ج6،ص274)

سوال: جو نماز میں قرآن ترتیل سے نہ پڑھے اس کی امامت جائز یا ناجائز؟

جواب: ترتیل کی تین حدیں ہیں ہر حد اعلیٰ میں اس کے بعد کی حد ماخوذ وملحوظ ہے۔

حدِ اوّل: یہ کہ قرآن عظیم ٹھہر ٹھہر کر بآہستگی تلاوت کرے کہ سامع چاہے تو ہر کلمے کو جدا جدا گن سکے۔

الفاظ بہ تفخیم ادا ہوں حروف کو اُن کی صفات شدت وجہر وامثالہا کے حقوق پورے دیئے جائیں اظہار واخفا وتفخیم وترقیق وغیرہا محسنات کا لحاظ رکھا جائے یہ مسنون ہے اور اسکا ترک مکروہ وناپسند اور اسکا اہتمام فرائض وواجبات میں تراویح (سے زیادہ) اور تراویح میں نفل مطلق سے زیادہ۔

دوم: مد ووقف ووصل کے ضروریات اپنے اپنے مواقع پر ادا ہوں۔

کھڑے پڑے کا لحاظ رہے۔

حروفِ مذکورہ جن کے قبل نون یا میم ہو ان کے بعد غنہ نہ نکلے انا کُنّا کو ان کن یا اناں کناں نہ پڑھا جائے۔

باوجیم ساکنین جن کے بعد "ت" ہو بشدت ادا کئے جائیں کہ پ اور چ کی آواز نہ دیں جہال جلدی میں ابتراء تجتنبوا کو اپترا اور تچتنبوا پڑھتے ہیں۔

حروفِ مطبقہ کا کسرہ وضمہ کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔

ت وط کے اجتماع میں مثلاً "یستطیعون" "لاتطع" بے خیالی کرنے والوں سے حرف تا بھی مشابہ طا ادا ہوتا ہے بلکہ بعض سے "عتو" میں بھی بوجہ تفخیم عین وضمہ تا آواز مشابہ طا پیدا ہوتی ہے۔

بالجملہ کوئی حرف، حرکت بے محل دوسرے کی شان اخذ نہ کرے نہ کوئی حرف چھوٹ جائے نہ کوئی اجنبی پیدا ہو نہ محدود ومقصود ہو نہ ممدود۔

واجب واجماعی مد متصل ہے منفصل کا ترک جائز ولہذا اس کا نام ہی مد جائز رکھا گیا اور جس حرف مدہ کے بعد سکون لازم ہو جیسے ضالین الٓمٓ دابۃ بھی مد بالاجماع واجب اور جس کے بعد سکون عارض ہو جیسے العالمین، الرحیم، العباد، یوقنون بحالتِ وقف یاقال الٓمٓ اللّٰہ بحالت ادغام، یاں مد وقصر (ترک مد) دونوں جائز۔

اس قدر ترتیل فرض وواجب ہے ادا میں تاخیر... مگر فرائض نماز سے نہیں کہ ترک مفسدِ صلاۃ ہو۔

جو شخص اس قسم ترتیل کی مخالفت کرے اس کی امامت نہ چاہئے مگر نماز ہو جائے گی اگرچہ بکراہت۔

سوم: جو حروف وحرکات کی تصحیح! ع، ت ط، ث س ص، ح ہ، ذ ز ظ وغیرہا میں تمیز کرے غرض ہر نقص وزیادت وتبدیل سے کہ مفسدِ معنیٰ ہو احتراز یہ بھی فرض ہے اور علی التفصیل فرائض نماز سے بھی ہے کہ اس کا ترک مفسدِ نماز ہے جو شخص قادر

ہے اور بے خیالی یا بے پروائی یا جلدی کے باعث اسے چھوڑتا ہے یا سیکھے تو آ جائے مگر نہیں سیکھتا ہمارے ائمہ کرام مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس کی نماز باطل اور اس کی امامت کے بطلان اور اسکے پیچھے اوروں کی نماز فاسد ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔

علمائے متاخرین نے بنظرِ تیسیر (آسانی کی طرف نظر کرتے ہوئے) جو توسیعیں کیں وہ عندالتحقیق صورتِ لغزش وخطا سے متعلق ہیں کہ تصحیح جانتا ہے اور صحیح پڑھ سکتا ہے مگر زبان سے بہک کر غلط ادا ہو گیا نہ کہ معاذ اللہ قصدی بے پروائی واجازت غلط خوانی وترکِ تعلم وکوشش، جیسا کہ عوام زمانہ بلکہ اکثر خواص میں بھی وبائے عالمگیر کی طرح پھیلا ہوا ہے اور نہ تھی تو وہ عوام کی نمازیں ہیں نہ کہ غلط خوانوں کو امام بنانے کے لئے وہی علما، جو وہ توسیعات لکھتے ہیں بطلانِ امامت کی تصریح فرماتے ہیں۔

اور جو قادر ہی نہیں کوشش کرتا ہے محنت کرتا ہے مگر نہیں نکلتا جیسے بکلی زبان والے [illegible] صحیح مذہب میں صحیح خواں کی نماز ان کے پیچھے بھی نہیں ہو سکتی تفصیل اس مسئلہ جلیلہ کی جس سے آج کل نہ صرف عوام بلکہ بہت علماء ومشائخ تک غافل ہیں، فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے فتاویٰ میں ہے۔ (ج6،ص275تا281)

سوال: اکثر جہلا کو قواعدِ تجوید سے انکار ہے اور ناحق جانتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: تجوید بنصِ قطعی قرآن واخبارِ متواترہ سید الانس والجان علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام واجماعِ تامِ صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرضوان المستدام حق وواجب اور علمِ دین شرعِ الٰہی ہے۔ (تجوید قرآن اور احادیثِ متواترہ کی قطعی صراحت کے سبب اور صحابہ، تابعین اور ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اجماع کی وجہ سے حق اور واجب ہے اور شریعت کا علم ہے۔)

اسے مطلقاً ناحق بتانا کلمۂ کفر ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، ہاں جو اپنی ناواقفی سے کسی قاعدے پر انکار کرے وہ اس کا جہل ہے اسے آگاہ ومتنبہ کرنا چاہئے۔ (ج6،ص322)

سوال: اکثر لوگ عربی نہیں جانتے، تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوگ اپنی اپنی زبان میں نماز پڑھ لیں؟

جواب: گمراہی کہہ کر نہیں آتی، گمراہی کا پہلا پھاٹک یہی ہے کہ آدمی کے دل سے اتباعِ سبیلِ مومنین (مومنین کے راستے کی پیروی) کی قدر نکل جائے تمام امّتِ مرحومہ کو بیوقوف جانے اور اپنی رائے الگ جانے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں یہی عجمی لوگ مشرف باسلام ہوئے حضرت بلال حبشی تھے، حضرت صہیب رومی، حضرت سلمان فارسی وابو ہریرہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمیعاً اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں جو ہزاروں بلادِ عجم (عجمی شہر) فتح ہوئے لاکھوں عجمی مشرف باسلام ہوئے کبھی بھی حکم فرمایا؟ کہ تم لوگ اپنی زبان میں نماز پڑھا کرو، اب تیرہ سو برس کے بعد یہ مصلحت بعض ہندی بے علموں کو سوجھی اس قدر کا ملاحظہ اتنا سمجھنے کو کافی ہے کہ یہ الہامِ رحمٰن نہیں بلکہ وسوسۂ شیطان

ہے، قرأتِ قرآن فرض ہے اور وہ خاص عربی ہے غیر عربی میں ادا نہ ہوگی اور نماز نادرست ہوگی اور اس کے ماورا میں گنہگاری ہے، ہاں جو عاجزِ محض ہو تو مجبوری کی بات جُدا ہے۔ (ج6ص323)

سوال: قرأت میں مقیم امام کے لئے سنت کتنی مقدار ہے؟

جواب: نمازِ حضر یعنی غیر سفر میں ہمارے ائمہ سے تین روایتیں ہیں:

اوّل فجر وظہر میں طوالِ مفصل سے دو سورتیں پوری پڑھے ہر رکعت میں ایک سورت اور عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل سے دو سورتیں اور مغرب میں قصارِ مفصل سے۔

مفصل قرآن کریم کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو سورہ حجرات سے آخیر تک ہے اس کے تین حصے ہیں حجرات سے بروج تک طوال، بروج سے لم یکن تک اوساط، لم یکن سے ناس تک قصار۔

دوم فجر وظہر میں سورہ فاتحہ کے علاوہ دونوں رکعت کی مجموع قرأت چالیس پچاس آیت ہے اور ایک روایت میں ساٹھ آیت سے سوٗ تک، اور عصر وعشاء کی دونوں رکعت کا مجموعہ پندرہ بیس آیت، اور مغرب میں مجموعہ دس آیتیں۔

سوم کچھ مقرر نہ رکھے جہاں وقت ومقتدیان وامام کی حالت کا مقتضی ہو ویسا پڑھے، مثلاً نمازِ فجر میں اگر وقت تنگ ہو یا مقتدیوں میں کوئی شخص بیمار ہے کہ بقدرِ سنّت پڑھنا اس پر گراں گزرے گا یا بوڑھا ضعیف ناتواں یا کسی ضرورت والا ہے کہ دیر لگانے میں اُس کا کام حرج ہوتا ہے اُسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوگا تو جہاں تک تخفیف کی حاجت سمجھے تخفیف کرے۔

خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازِ فجر میں ایک بچے کے رونے کی آواز سن کر اس خیالِ رحمت سے کہ اُس کی ماں جماعت میں حاضر ہے طولِ قرأت سے اُدھر بچہ پھڑکے گا اِدھر ماں کا دل بے چین ہوگا صرف قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ بربّ الناس سے نماز پڑھا دی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم اجمعین۔

اور اگر دیکھے کہ وقت میں وسعت ہے اور نہ کوئی مقتدیوں میں بیمار نہ ویسا کامی تو بقدرِ سنّت قرأت (کرے)۔

ان روایات میں پہلی اور تیسری روایت مختار ومعمول بہ ہے وانا اقول لاخلاف بینھما وانما الثالثۃ تقیید الاولی کما لا یخفی (میری رائے میں ان دونوں روایات کے درمیان کوئی تعارض نہیں تیسری پہلی کو مقید کر رہی ہے جیسا کہ واضح ہے)۔

تو حاصلِ مذہب معتمد یہ قرار پایا کہ جب گنجائش بوجہ وقت خواہ بیماری وضعف وحاجتِ مقتدیان کم دیکھے تو قدرِ گنجائش پر عمل کرے ورنہ وہی طوال واوساط وقصار کا حساب ملحوظ رکھے۔

اور قلتِ گنجائش کے لئے زیادہ مقتدیوں کا ناتواں یا کام کا ضرورت مند ہونا درکار نہیں بلکہ صرف ایک کا ایسا ہونا کافی

ہے یہاں تک کہ اگر ہزار آدمی کی جماعت ہے اور صبح کی نماز ہے اور خوب وسیع وقت ہے اور جماعت میں آدمی دل سے چاہتے ہیں کہ امام بڑی بڑی سورتیں پڑھے مگر ایک شخص بیمار یا ضعیف بوڑھا یا کسی کام کا ضرورت مند ہے کہ اس پر تطویل بار ہوگی اسے تکلیف پہنچے گی تو امام کو حرام ہے کہ تطویل کرے بلکہ ہزار میں سے اس ایک کے لحاظ سے نماز پڑھائے جس طرح مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اس عورت اور اسکے بچے کے خیال سے نمازِ فجر معوذتین سے پڑھادی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تطویل میں سخت ناراضی فرمائی یہاں تک کہ رخسارہ مبارک شدتِ جلال سے سرخ ہوگئے اور فرمایا "افتان انت یا معاذ افتان انت یامعاذ افتان انت یا معاذ" کیا تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے، کیا تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے کیا تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے اے معاذ! (صحیح بخاری، ج1، ص97، قدیمی کتب خانہ کراچی) (ج6، ص324)

سوال: زید نے نماز میں سورۂ فاتحہ اور تین یا زائد آیتوں کے بعد کہا قال رسول اللہ پھر رکوع کردیا یا قرآن مجید اور تلاوت کی تو اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو حاجت ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اس لفظ سے اُس نے کسی شخص کی بات کا جواب دینے کا قصد کیا مثلاً کسی نے پوچھا فلاں حدیث کس طرح ہے اُس نے کہاقال رسول اللہ اور معاً نماز کا خیال آگیا خاموش ہو رہا یا ابتداءً کسی سے خطاب کا ارادہ کیا مثلاً کسی کو کوئی فعلِ ممنوع کرتے دیکھا اسے حدیثِ ممانعت سنانی چاہی اس کے خطاب کی نیت سے کہاقال رسول اللہ پھر یاد آگیا آگے نہ کہا تو ان دوصورتوں میں ضرور نماز فاسد ہوجائیگی۔

اور اگر یہ صورتیں نہ تھیں تو اس کا جزئیہ اس وقت نظر میں نہیں اور ظاہر کلامِ علمائے کرام سے یہ ہے کہ اگر یہ شخص حدیث خوانی کا عادی تھا اُس عادت کے مطابق زبان سے قال رسول اللہ نکلا تو نماز فاسد ہوگئی لا نہ من کلامہ و لیس ثناء او دعاء بل اخبار (کیونکہ یہ اس کا اپنا کلام ہے ثنا اور دعا نہیں بلکہ خبر دینا ہے)۔

اور اگر ایسا نہ تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی کہ یہ جملہ آیت کریمہ کا ٹکڑا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْیٰهَا﴾ ترجمہ: ان سے اللہ کے رسول نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ناقہ اور اس کی پینے کی باری سے بچو۔

اور سجدۂ سہو کی کسی حالت میں حاجت نہیں مگر یہ کہ صورتِ اخیرہ پائی گئی ہو جس میں جوازِ نماز ہے اور بوجہ سہو اتنی دیر تک چپکا کچھ سوچتا رہا ہو جس قدر دیر میں ایک رکن ادا ہو سکے تو اس سقوط کے باعث سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ (ج6، ص326)

سوال: اسم جلالت "اللہ" کے الف کو حذف کر کے پڑھے تو نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نماز جائز مگر قصداً کرے تو حرام و گناہ۔ (ج6، ص328)

سوال: اسم جلالت "اللہ" کے لام کو پُر کرنا سنّت ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں سنتِ متوارثہ ہے جبکہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو۔ (ج6ص328)

سوال: اسم جلالت ''اللہ'' کے لام کے اوپر کو کھڑا زبر ہے اس کو تکبیرات میں کچھ دراز کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تھوڑا دراز کرنا تو مستحب ہے اسے مدِ تعظیم کہتے ہیں اور زیادہ دراز کرنا کہ حدِ اعتدال سے خروج ہو مکروہ اور اگر معاذ اللہ تان کے طور پر ہو کہ کچھ حروف زوائد پیدا ہوں مثلاً اا تو مفسدِ نماز ہے۔ (ج6ص...)

سوال: قعدہ اولیٰ کیا یا نہیں اس میں شک ہوا اگر یقین نہیں اور سجدۂ سہو کیا، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ (ج6ص328)

سوال: جس نماز میں سہو نہ ہوا اور سجدۂ سہو کیا تو نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بے حاجت سجدۂ سہو نماز میں زیادت اور ممنوع ہے مگر نماز ہو جائے گی۔

ہاں اگر یہ امام ہے تو جو مقتدی مسبوق تھا یعنی بعض رکعات اس نے نہیں پائی تھیں وہ اگر اس سجدۂ بے حاجت میں اس کا شریک ہوا تو اس کی نماز جاتی رہے گی لانہ اقتدی فی محل الانفراد (کیونکہ اس نے محلِ انفراد میں اس کی اقتداء کی)۔ (ج6ص328)

سوال: دونوں ہاتھ ملا کر دعا کرنی چاہئے یا ہاتھ علیحدہ علیحدہ کر کے؟

جواب: دونوں ہاتھوں میں کچھ فاصلہ ہو۔ (ج6ص328)

سوال: نماز چار رکعت میں زید اس طرح پڑھتا ہے اول رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ سورہ یٰس شریف، دوسری میں سورہ دخان شریف، تیسری میں سورۂ تنزیل، چوتھی میں سورۂ ملک، اس طرح سے یہ نماز پڑھنا خلافِ ترتیب ہوگا یا نہیں؟

جواب: یہ نماز اسی ترتیب سے حدیث میں حفظِ قرآن کے لئے ارشاد ہوئی ہے، جامع ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

اس میں خلافِ ترتیب اصلاً نہیں کہ نفل کا ہر شفع (جوڑا) نمازِ جداگانہ ہے اور شک نہیں کہ ترتیب قرآن عظیم سورۂ یٰسین شریف حم الدخان سے مقدم ہے اور تنزیل السجدہ سورۂ ملک سے، تو رعایتِ ترتیب ہر شفع میں ہوگئی اگر چاروں کے لحاظ سے سب سے پہلے تنزیل السجدہ ہے پھر یٰس پھر دخان پھر ملک یہ مخالفِ ترتیب نہیں کہ ہر شفع صلاۃِ علیحدہ ہے۔ (ج6ص328)

سوال: اور تنزیل سے کون سی سورۃ مراد ہے؟

جواب: سورۂ تنزیل سورہ الم تنزیل السجدۃ ہے، روایتِ ترمذی میں یہی پورا نام آیا ہے۔ (ج6ص328)

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں سورہ فاتحہ میں لفظ نستعین اور مستقیم کی جگہ نسعین اور مسقیم تاء کے بغیر پڑھے تو اس کی نماز

باطل ہوجائے گی یا مکروہ ہوگی یا نہیں ہوگی؟

جواب: نماز ہوجائے گی لاجل الادغام (ادغام کی وجہ سے) مگر کراہت ہے لاجل الاحداث فلا ادغام [illegible] صغیرا فی الفاتحة کما نص علیه فی غیث النفع (کیونکہ اس نے خود [illegible] کیا ہے فاتحہ میں ادغام نہیں ہے جیسا کہ [illegible] النفع میں اس پر تصریح موجود ہے)۔ (ج6ص329)

سوال: سورۂ فاتحہ سے ایک آیت کا تلاوت کرنا نماز میں فرض ہے یا اس کے ماسوا دوسری سورت میں سے ایک آیت پڑھنا فرض ہے مثلاً زید نے نماز پڑھی اور فقط ﴿الحمد للہ رب العلمین﴾ پڑھ کر بھول گیا اور رکوع وسجود کیا اور سجدۂ [illegible] کیا سلام پھیرا اس حالت میں زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: قرآن مجید کی ایک آیت سورۂ فاتحہ سے ہو خواہ کسی سورت سے پڑھنا فرض ہے نہ خاص فاتحہ کی تخصیص ہے نہ کسی سورت کی۔

جو فقط ﴿الحمد للہ رب العلمین﴾ پڑھ کر بھول گیا اور رکوع کردیا نماز کا فرض ساقط ہوجائیگا مگر ناقص ہوئی کہ واجب ترک ہوا الحمد شریف تمام وکمال پڑھنا ایک واجب ہے اور اس کے سوا کسی دوسری سورت سے ایک آیت بڑی یا تین آیتیں چھوٹی پڑھنا واجب ہے، اگر الحمد للہ بھولا تھا اور واجب اول کے ادا کرنے سے باز رکھا گیا تو واجب دوم کے ادا سے عاجز نہ تھا فقط ایک ہی آیت پر قناعت کر کے رکوع کردینے میں قصداً ترک واجب ہوا،

اور جو واجب قصداً چھوڑا جائے سجدۂ سہو اس کی اصلاح نہیں کرسکتا تو واجب ہے کہ نماز دوبارہ پڑھے۔

ہاں اگر ایسا بھولا کہ نہ بقیہ فاتحہ یاد آتا ہے نہ قرآن عظیم سے کہیں کی آیتیں اور ناچار رکوع کردیا اور سجدے میں جانے تک فاتحہ وآیات یاد نہ آئیں تو اب سجدۂ سہو کافی ہے اور اگر سجدہ کو جانے سے پہلے رکوع میں خواہ قومہ بعد الرکوع میں یاد آجائیں تو واجب ہے کہ قرأت پوری کرے اور رکوع کا پھر اعادہ کرے اگر قرأت پوری نہ کی تو اب پھر قصداً ترک واجب ہوگا اور نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا اور اگر قرأت بعد الرکوع پوری کرلی اور رکوع دوبارہ نہ کیا تو نماز ہی جاتی رہی کہ فرض ترک ہوا۔ (ج6ص329)

سوال: امام صاحب نے نماز پڑھائی اور پہلا تشہد بھول گئے اور مقتدی نے دو مرتبہ امام کے کھڑے ہونے سے پہلے کہا "التحیات للہ" مگر امام صاحب کھڑے ہوگئے اور قرأت بالجہر پڑھی (بلند آواز سے قرأت کی) اور فقط سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع کیا اور سجدۂ سہو کیا اس صورت میں مقتدی کی نماز میں کوئی نقصان آیا یا نہیں؟

جواب: جبکہ امام پہلا قعدہ بھول کر اٹھنے کو ہوا اور ابھی سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا تو مقتدی کے بتانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بتانا ہی چاہیے، ہاں اگر پہلا قعدہ چھوڑ کر امام پورا کھڑا ہوجائے تو اس کے بعد بتانا جائز نہیں اگر مقتدی بتائے گا تو اس کی نماز

جاتی رہے گی اور اگر امام اس کے بتانے پر عمل کرے گا تو سب کی جائیگی کہ پورا کھڑا ہوجانے کے بعد قعدہ اولیٰ کے لئے لوٹنا حرام ہے تو اب مقتدی کا بتانا محض بیجا بلکہ حرام کی طرف بلانا اور بلاضرورت کلام ہوا وہ مفسدِ نماز ہے۔ (ج6،ص330)

سوال: امام صاحب قرأت بھول گئے اور مقتدی نے لقمہ دیا اور امام صاحب نے نہیں لیا تو نمازِ مقتدی میں کوئی نقصان آیا یا نہیں؟

جواب: قرات میں صحیح لقمہ دینا مطلقاً جائز ہے نماز فرض ہو خواہ نفل امام تین آیات سے زائد پڑھ چکا ہو خواہ کم تو اس صورت میں لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز میں کچھ نقصان نہیں، ہاں اگر وہ غلطی کہ امام نے کی مغیرِ معنی مفسدِ نماز (معنی کو تبدیل کرنے والی اور نماز کو فاسد کرنے والی) تھی اور مقتدی نے بتایا اور اس نے نہ لیا اُسی طرح غلط پڑھ کر آگے چل دیا تو امام کی نماز جاتی رہی اور اس کے سبب سے سب مقتدیوں کی بھی گئی اور اگر غلطی مفسدِ نماز نہ تھی تو سب کی نماز ہوگئی اگرچہ امام غلطی پر قائم رہا اور لقمہ نہ لیا اور امام نے صحیح پڑھا مقتدی کو دھوکا ہُوا کہ اس نے غلط بتایا تو اس مقتدی کی نماز ہر طرح جاتی رہی پھر اگر امام نے نہ لیا تو امام اور دیگر مقتدیوں کی نماز صحیح رہی اور اگر لے لیا تو سب کی گئی۔ (ج6،ص330)

سوال: ظہر کی پہلے کی چار سنتیں اگر فرضوں سے پہلے رہ جائیں تو ان کا پڑھنا کس وقت اولیٰ ہے آیا دو پہلے پڑھے یا چار؟

جواب: ظہر کی پہلی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو علماء کے دونوں قول ہیں اور دونوں باقوت ہیں ایک یہ کہ فرض کے بعد دو سنتیں پہلے پڑھے پھر وہ چار سنتیں پڑھے دوسرے اس کا عکس کہ فرض کے بعد پہلے چار پہلی پڑھے پھر دو، اور پہلا قول زیادہ قوی ہے، لمطابقة لنص الحديث الصريح (کیونکہ وہ حدیثِ صریح کے الفاظ کے مطابق ہے)۔ (ج6،ص331)

سوال: امام کے پیچھے لفظِ آمین کو کس قدر آواز سے کہے اگر برابر والے نمازی جو اس سے دوسرے یا تیسرے درجے پر ہیں سنیں تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ نیز لفظ آمین کے علاوہ اور کچھ پڑھے تو کس قدر آواز سے پڑھنا چاہئے؟

جواب: آمین سب کو آہستہ کہنا چاہئے امام ہو خواہ مقتدی خواہ اکیلا یہی سنّت ہے۔ اور مقتدی کو سب کچھ آہستہ ہی پڑھنا چاہئے آمین ہو خواہ تکبیر، خواہ تسبیح ہو خواہ التحیات و درود، خواہ سبحنك اللهم وغیرہ۔

اور آہستہ پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے کان تک آواز آنے کے قابل ہو اگرچہ بوجہ اس کے یہ خود بہرا ہے یا اس وقت کوئی غُل وشور ہو رہا ہے کان تک نہ آئے اور اگر آواز اصلاً پیدا نہ ہوئی صرف زبان ہلی تو وہ پڑھنا پڑھنا نہ ہوگا اور فرض و واجب و سنّت و مستحب جو کچھ تھا وہ ادا نہ ہوگا فرض ادا نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور واجب کے ترک میں گنہگار رہا اور نماز پھیرنا واجب رہا اور سنت کے ترک میں عتاب ہے اور نماز مکروہ اور مستحب کے ترک میں ثواب سے محرومی۔

پھر جو آواز اپنے کان تک آنے کے قابل ہوگی وہ غالب یہی ہے کہ برابر والے کو بھی پہنچے گی اس میں حرج نہیں ایسی آواز آنی چاہئے جیسے راز کی بات کسی کے کان میں منہ رکھ کر کہتے ہیں ضرور ہے کہ اس سے ملا ہوا جو بیٹھا ہو وہ بھی سُنے مگر اسے آہستہ ہی کہیں گے۔ (ج6ص332)

سوال: حقہ، تمباکو پینے والے کے منہ کی بُو نماز میں دوسرے نمازی کو معلوم ہوئی تو کوئی قباحت تو نہیں؟

جواب: منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرلے، اور دوسرے نمازی کو ایذا پہنچی حرام ہے اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبو سے ملٰئکہ کو ایذا پہنچتی ہے، حدیث میں ہے ''ان الملئکة تتاذی بمایتاذی به بنو ادم'' ملائکہ ہر اس شے سے اذیت پاتے ہیں جس سے بنی آدم اذیت پاتے ہیں۔

(صحیح مسلم، ج1 ص209، قدیمی کتب خانہ اصح المطابع، کراچی)(ج6ص332)

سوال: الحمد شریف بھی قرآن شریف سے ہے نماز میں کیوں واجب کی گئی، حالانکہ سورت کا ملانا فرض رکھا گیا؟

جواب: سورۃ ملانا بھی فرض نہیں، نہ اس کے ترک سے نماز جائے وہ بھی مثل فاتحہ واجب ہی ہے اور اس کے ترک کی بھی سجدۂ سہو سے اصلاح ہو جاتی ہے جبکہ بھُول کر ہو، یہی حال فاتحہ کا ہے، تو یہ مسئلہ ہی سائل کو غلط معلوم ہے جس کی بنا پر طالب فرق ہے، فرض صرف ایک آیت کی تلاوت ہے سورہ فاتحہ سے ہو یا کسی سورت سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ترجمہ: قرآن سے جو آسان ہو وہ پڑھو۔

سورہ فاتحہ اور فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں ضم سورت کا وجوب سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواظبت اور بعض احادیث احاد قولیہ سے ثابت ہوا۔ (ج6ص333)

سوال: الحمد واجب ہے اور اس کے نہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے تو اُس مقتدی کی نماز بغیر سجدۂ سہو کے کیونکر صحیح ہو جاتی ہے جو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا؟

جواب: یہ وجوب ہمارے ائمہ کے نزدیک صرف امام و منفرد پر ہے مقتدی پر نہیں تو لزومِ سجدہ کی کوئی وجہ نہیں۔

(ج6ص333)

سوال: امام نے جُمُعہ میں ایک آیت پڑھی، بھول جانے کے سبب اُس کو دوسری بار پڑھ کر دوسری آیتوں کی طرف منتقل ہوگیا، ایسی صورت میں نماز مکروہ تحریمی یا تنزیہی یا جائز بلاکراہت یا سجدہ لازم ہے یا نہیں؟

جواب: جبکہ بمجبوری سہو تھا کچھ کراہت نہیں اور اگر آیت کے یاد کرنے میں بقدرِ رکن ساکت نہ رہا تو سجدۂ سہو بھی نہیں ورنہ سجدہ لازم ہے۔ (ج6ص333)

سوال: رکعتِ اولیٰ میں والشمس اور رکعتِ ثانیہ میں والضحی پڑھے اور درمیان میں سے سورہ الیل کو چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟

جواب: فرضوں میں قصداً چھوٹی سورت بیچ میں چھوڑ دینا مکروہ ہے اور سہواً اصلاً کراہت نہیں، والیل والشمس سے پانچ آیت زائد ہے ایسی صورت میں کراہت نہیں۔ (ج6ص333)

سوال: اس میں کیا حکمت ہے کہ فرضوں کی دو رکعت خالی اور دو رکعت بھری پڑھی جاتی ہیں اور سنت اور نفلوں میں قرأت لازم ہو کر چاروں رکعتیں بھری ہوئی پڑھی ہیں؟

جواب: چونکہ نماز میں صرف دو ہی رکعت میں تلاوتِ قرآن مجید ضرور ہے سنت ونفل کی ہر دو رکعت نماز جداگانہ ہے لہذا ہر دو رکعت میں قرأت لازم ہوئی چاروں بھری ہو گئیں۔ (ج6ص333)

سوال: زید نے اول وقت مغرب کی نماز پڑھی اور بعد فراغ سنن مغرب دو رکعت نفل جماعت سے باجہر سوا پارے سے پڑھے پھر اس کے متصل نماز عشاء کا وقت آیا یہ دونوں نفل جو بعد سنت مغرب باجماعت جہر سے پڑھے جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر اس جماعت نفل میں صرف دو یا زیادہ سے زیادہ تین مقتدی تھے اور ان میں کسی پر اتنی قرأت طویل گراں نہ تھی تو یہ جماعت وقرأت سب بلا منع وکراہت ہوئی ورنہ مکروہ وممنوع رہی۔ (ج6ص335)

سوال: بعض ائمہ مساجد کو دیکھا ہے کہ قیام میں جب سورت ختم کرتے ہیں تو اس کے آخری حرف کو اللہ اکبر سے ملا دیتے ہیں یہ کیسا ہے؟

جواب: مستحب طریقہ یہ ہے کہ آخر سورہ میں اگر نام الٰہی جیسے سورہ اذا جاء میں ﴿اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ تو اس پر وقف نہ کرے بلکہ رکوع کی تکبیر اللہ اکبر کا ہمزہ وصل کر کے اس سورہ کا آخری حرف لام اللہ سے ملا دے جیسے اذا جاء میں ﴿تَوَّابَانِ اللہ اکبر﴾ جب قیام کی حالت میں اور دونوں لام سے ملتا ہوا رکوع کے لئے جھکنے کی حالت میں اس طرح کہ رکوع پورا نہ ہونے تک اکبر کی ر ختم ہو جائے۔

یونہی سورہ والتین میں اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ کے نون کو زبر دے کر اللہ اکبر کے ل میں ملا دے۔

اور جس سورہ کے آخر میں نام الٰہی نہ ہو، کوئی اور نام الٰہی کے مناسب بھی نہ ہو وہاں یکساں ہے چاہے وصل کرے یا وقف، جیسے الم نشرح میں فارغب اللہ اکبر۔

اور جہاں کوئی لفظ اسمِ الٰہی کے نامناسب ہو جیسے سورہ کوثر کے آخر میں ﴿هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ وہاں فصل ہی چاہئے وصل نہ چاہئے۔ (ج6ص335)

سوال: صبح کی نماز طلوعِ آفتاب سے کس قدر پہلے ہونا چاہئے اور کتنی آیتیں پڑھنا چاہیں اور اگر کوئی خرابی نماز میں ہوجائے تو کیا جو قرأت پہلے پڑھی گئی اُس کی مقدار پڑھنا چاہئے یا کم؟

جواب: نمازِ صبح میں بحالِ گنجائش وقت وعدم عذر (وقت تنگ ہو اور کوئی عذر نہ ہو تو) چالیس سے ساٹھ تک آیت پڑھنا چاہئے اور طلوعِ آفتاب سے اتنے پہلے ختم ہوجانا چاہئے کہ اگر نماز میں کوئی خرابی ظاہر ہو تو چالیس آیتوں سے قبل طلوع اعادہ ہو سکے اور اس کے لئے دس منٹ کافی ہیں اور اگر وقت کم رہ گیا اور خرابی ظاہر ہوئی تو بقدرِ گنجائشِ وقت آیات پڑھے اگرچہ سورۂ کوثر واخلاص ہو۔

(ج6،ص336)

سوال: زید نے نماز پڑھائی ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ٥ اِلَّا الَّذِیْنَ﴾ میں الّا پڑھ کر وقف کیا پھر الا الذین امنو سے آخر تک ختم کیا نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: نماز ہوگئی ہر آیت پر وقف جائز ہے اگرچہ آیت لا ہو

سوال: ﴿مَنْ سکتہ رَاقٍ﴾ میں سکتہ کیسا ہے اور لفظ من کے نون کو راق کی رامیں ادغام کرکے پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: ہماری یعنی امام حفص کی قرأت میں نون پر سکتہ ہے کہ ادغام سے کلمہ واحد نہ مفہوم ہو۔ مراق بروزن براق اور تمام باقی قرا ادغام کرتے ہیں، تو دونوں (جائز) ہیں مگر یہاں عوام کے سامنے ادغام نہ کرے کہ وہ مشتبہ نہ ہوں۔

(ج6،ص336)

سوال: جہاں لوگ نماز پڑھ رہے ہوں وہاں بلند آواز سے قرآن پڑھنا کیسا؟

جواب حدیثِ صحیح میں قرآن مجید باآواز ایسی جگہ پڑھنے سے جہاں لوگ نماز پڑھ رہے ہوں ممانعت فرمائی ہے۔

(ج6،ص338)

سوال: نفل نماز افضل ہے یا تلاوتِ قرآن؟

جواب: نفل نماز مستحب تلاوت سے افضل ہے کہ اس میں تلاوت بھی ہے، رکوع سجود بھی (ہے)۔ (ج6،ص338)

سوال: زید کہتا ہے کہ مخارجِ حروف معلوم کرنا اوران سے حروف نکالنا فرض ہے ہاں باوجود کوشش کے ادا نہ کر سکے تو اس قدر میں معذور ہے اور اگر مخارج ہی نہیں معلوم یا معلوم ہیں نکالتا نہیں تو نماز ہرگز نہ ہوگی، اکثر مسلمان فرض کو چھوڑ دیں یا کسی حرام کے مرتکب ہوں تو اس سے وہ فرض ساقط یا حرام حلال نہ ہوجائے گا یوں تو اکثر مسلمان نماز ہی نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں اُن میں اکثر مواظبت (ہمیشگی) نہیں کرتے سو میں ننانوے یا اس کے قریب غیبت سے پرہیز نہیں کرتے، تو قول زید صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: زید کے اقوالِ مذکورہ سب صحیح ہیں سوائے اتنے لفظ کے کہ اگر مخارج معلوم نہیں تو نماز صحیح نہ ہوگی مخارج معلوم ہونا ضرور نہیں حروف صحیح ادا ہونا ضرور ہے، بہتیرے ہیں کہ سُن سُن کر صحیح پڑھتے ہیں اگر اُن سے پوچھا جائے تو مخارج بتا نہیں سکتے اردو زبان والا ہر جاہل اپنی زبان کے حروف ٹھیک ادا کرتا ہے اور مخارج نہیں بتا سکتا۔ (ج6،ص339)

سوال: یہ بات کہ اس قدر تجوید کہ حرف اپنے غیر سے ممتاز رہے فرض عین ہے، کس کتاب میں کس جگہ مذکور ہے؟

جواب: تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرے سے تبدیل اگر عجزاً ہو تو مذہبِ صحیح و معتمد میں اور خطئاً ہو تو ہمارے ائمۂ مذہب کے نزدیک مفسدِ نماز ہے جبکہ مفسدِ معنی ہو یا امام ابی یوسف کے نزدیک جبکہ وہ کلمہ قرآن کریم میں نہ ہو اور اس سے بچنا بے تعلم تمایزِ حروف ناممکن اور فسادِ نماز سے بچنا فرض عین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ ترجمہ: تم اپنے اعمال باطل نہ کرو۔

مقدمہ امام جزری میں ہے "اذ واجب علیھم محتم قبل الشروع اوّلا ان یعلموا مخارج الحروف والصفات، لینطقوا بافصح اللغات" ترجمہ: قرآن پاک میں شروع ہونے سے پہلے اوّلاً قاریانِ قرآن پر حروف کے مخارج وصفات کا جاننا قطعاً ضروری ہے تاکہ قاریانِ قرآن صحیح ترین لغات کے ساتھ قرآن پاک پڑھ کر سکیں۔

(مقدمہ جزریہ ص4 سعیدیہ کتب خانہ قصہ خوانی بازار، پشاور) (ج6،ص339)

سوال: حرف "ض" کو "ظ" کے ساتھ ظاد یا "ذ" کے ساتھ داود پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ حرف نہ "ذ" ہے نہ "ظ"، صورتیں تین ہیں:

(۱) قصداً حرف منزّل من اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ حرف) کو تبدیل کرے یہ "دواد" والوں میں نہیں وہ اپنے نزدیک ضاد ہی پڑھتے ہیں نہ یہ کہ اس سے ہٹ کر دال مفخم (موٹا دال) اُس کی جگہ بالقصد قائم کرتے ہیں البتہ "ظا" والوں میں ایسا ہے ان کے بعض نے تصریحاً لکھ دیا کہ ض کی جگہ ظ پڑھو اور سب مسلمانوں اس پر عمل پیرا ہو جاؤ یہ حرام قطعی ہے اور اشد اخبث کبیرہ بلکہ امام اجل ابوبکر فضلی وغیرہ اکابر ائمہ کی تصریح سے کفر ہے۔ ان کی نماز پہلی ہی بار مغضوب پڑھتے ہی ہمیشہ باطل ہے۔

(۲) خطأً تبدیل ہو یعنی ادائے "ض" پر قادر ہے اُسی کا قصد کیا اور زبان بہک کر دال یا ظ ادا ہوئی اس میں متاخرین کے اقوال کثیرہ و مضطرب ہیں اور ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے اگر فسادِ معنی ہو تو نماز فاسد ورنہ صحیح۔

(۳) یہ کہ عجزاً تبدیل یعنی قصد تو ض کا کرتا ہے مگر ادا نہیں کر سکا "د" یا "ظ" ادا ہوتی ہے اور ہندوستان میں اکثر دواد والے ایسے ہی ہیں ان پر فرضِ عین ہے کہ ض کا مخرج اور اس کا طریقہ ادا سیکھیں اور شبانہ روز (دن رات) حد درجے کی کوشش اُس

کی تصحیح میں کریں جب تک کوشاں رہیں گے اُن کی نماز صحیح کہی جائے گی، جبکہ صحیح خواں کے پیچھے اقتداء پر قادر نہ ہوں اور اس وقت تک امثال (اپنے جیسوں) کی امامت بھی ہو سکے گی اور جب کوشش اکتا کر چھوڑ دیں یا سرے سے کوشاں نہ ہوں اُن کی اپنی بھی باطل اور ان کے پیچھے اوروں کی بھی باطل، یہی حکم ظائیوں کا ہے جبکہ قصداً تبدیل نہ کرتے ہوں یہ خلاصۂ حکم ہے اور تفصیل ہمارے رسالہ الجام الصاد عن سنن الضاد میں ہے۔ (ج6،ص340)

سوال: کیا سورہ تبت کا نماز میں پڑھنا درست ہے؟

جواب: سورہ تبت کے پڑھنے میں استغفر اللہ اصلاً کوئی حرج نہیں۔

سوال: نمازِ جُمعہ میں امام سورۂ فاتحہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ پڑھ چکا ہو اور قرأت سے رک گیا ہو پیچھے سے کسی مقتدی نے لقمہ دیا اس نے بجائے لقمہ لینے کے خود سورت کو شروع سے پڑھا، اس کے بعد رکوع وسجود وغیرہ کیا، بعد میں لقمہ دینے والے مقتدی سے امام نے کہا کہ تمہاری نماز باطل ہوگئی، اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مقتدی کو لقمہ دینا چاہئے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور صورت مسئولہ میں مقتدی کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

جواب: مقتدی وامام سب کی نماز ہوگئی مقتدی لقمہ دے سکتا ہے اگر چہ امام سَو آیتیں پڑھ چکا ہو یہی صحیح ہے۔

امام نے جس خیال پر نمازِ مقتدی باطل مانی امام کی خود کب ہوئی، اگر وہ خیال صحیح ہو تو امام کی بھی باطل ہوئی کہ لقمہ دینا کلام ہے اور وہ با جازتِ شرع رکھا گیا، اگر تین آیتوں کے بعد اجازتِ شرع نہ تھی تو مقتدی کی نماز گئی اور اس کے لقمہ دینے سے امام کو یاد آ گیا تو اس نے خارج از نماز سے تعلیم پا کر آیت پڑھی اور شروع سورت سے اعادہ کرنا اس یاد دہانی کو باطل نہیں کر سکتا تو امام کی اپنی بھی گئی اور اس کے سبب سے سب کی گئی، رہا یہ کہ صرف اس مقتدی کی نماز باطل ہوئی امام وجماعت کی ہوگئی یہ محض باطل ہے اور صحیح وہ ہے کہ سب کی ہوگئی۔ (ج6،ص342)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن تجوید سے پڑھنا فرض ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بدعت ہے، کون حق پر ہے؟

جواب: بلاشبہ اتنی تجوید جس سے تصحیح حرف ہو اور غلط خوانی سے بچے فرض عین ہے، بزازیہ وغیرہ میں ہے ''اللحن حرام بلا خلاف'' ترجمہ: لحن بلا خلاف حرام ہے۔ (فتاوی ہندیہ بحوالہ بزازیہ، ج5،ص317، نورانی کتب خانہ، پشاور)

جو اسے بدعت کہتا ہے اگر جاہل ہے اسے سمجھا دیا جائے، اور دانستہ کہتا ہے تو کفر ہے کہ فرض کو بدعت کہتا ہے۔

(ج6،ص343)

سوال: ایاکَ نعبد میں کوئی شخص ''ک'' کے نیچے زیر پڑھے تو کیا حکم ہے؟

جواب: ایّاکَ نعبد و ایّاکَ نستعین میں اگر کاف کو زیر پڑھے گا معنی فاسد ہوں گے اور نماز باطل۔

(ج6ص343)

سوال: اگر کوئی شخص غیر المغضوب کے "غ" کے نیچے زیر پڑھے تو کیا حکم ہے؟

جواب: غیر المغضوب کے "غ" کو لوگ زیر پڑھتے بلکہ صحیح ادا پر قادر نہ ہونے کے سبب بُوئے کسرہ پیدا ہوتی ہے اور یہ مفسدِ نماز نہیں۔

(ج6ص344)

سوال: ایک شخص داڑھی کترواکر مٹھی سے کم کرتا ہو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح متکبر کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: داڑھی کتروانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، اور مغرور متکبر اس سے بھی بدتر جبکہ وہ علی الاعلان تکبر سے معروف و مشہور ہو۔

(ج6ص344)

سوال: پارہ دوم نواں رکوع تیسری آیت یعنی ﴿کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ کو تنوین کے ساتھ پڑھیں گے یا وقف کے ساتھ یعنی واحدۃً یا واحدہ؟

جواب: دونوں صورتیں جائز ہیں یہاں علامت قف ہے اور وصل اولی ہے۔

(ج6ص344)

سوال: اوّل رکعت میں ایک بڑی آیت اور دوسری رکعت میں دو تین چار چھوٹی آیتیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بے شک جائز بلا کراہت ہے۔

(ج6ص344)

سوال: نماز میں ایک آیت فرض ہے، اس آیت کی مقدار کتنی ہے؟

جواب: وہ آیت کہ چھ حرف سے کم نہ ہو اور بہت نے اُس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی کہ صرف ایک کلمہ کی نہ ہو تو ان کے نزدیک ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ اگرچہ پوری آیت اور چھ حرف سے زائد ہے جوازِ نماز کو کافی نہیں، اسی کو منیہ و ظہیریہ و سراج وہاج و فتح القدیر و بحر الرائق و در مختار وغیرہا میں اصح کہا۔

اور امام اجل اسبیجابی و امام ملک العلماء ابو بکر مسعود کاشانی نے فرمایا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک صرف مدھامتن سے بھی نماز جائز ہے اور اس میں اصلاً ذکرِ خلاف نہ فرمایا۔

اقول (میں کہتا ہوں): اظہر یہی ہے مگر جبکہ ایک جماعت اُسے ترجیح دے رہی ہے تو احتراز ہی میں احتیاط ہے خصوصاً اس حالت میں کہ اس کی ضرورت نہ ہوگی مگر مثلِ فجر میں جبکہ وقت قدرِ واجب سے کم رہا ہو ایسے وقت ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ کہ بالاجماع ہمارے امام کے نزدیک ادائے فرض کو کافی ہے ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ سے بہتر ادا ہو جائے گا کہ اس میں حرف بھی زائد ہیں اور ایک مد متصل ہے جس کا ترک حرام ہے، ہاں جسے یہی یاد ہو اُس کے بارے میں وہ کلام ہوگا اور احوط اعادہ۔ (ج6ص344)

سوال: آیت (o) جس پر ''لا'' لکھا ہو اس پر وقف کرنا کیسا؟ اگر نماز میں اس پر رکوع کر دیا تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہر آیت پر وقف مطلقاً بلا کراہت جائز بلکہ سنت سے مروی ہے، رہا رکوع اگر معنی تام ہو گئے۔۔ جب تو اصلاً حرج نہیں، اگر معنی بے آیت آئندہ کے ناتمام ہیں تو نہ چاہئے خصوصاً امثال ﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ﴾ میں نہایت قبیح ہے اور ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ﴾ میں قبح اس سے کم ہے، نماز بہر حال ہو جائے گی۔ (ج6،ص346)

سوال: امام نے پہلی رکعت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھی دوسری میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ پڑھی اور آخر میں سجدہ سہو کیا، اس مسئلہ کا حکم بیان فرمائیے۔

جواب: اگر بھول کر ایسا کیا نماز میں حرج نہیں اور سجدۂ سہو نہ چاہئے تھا اور قصداً ایسا کیا تو گناہگار ہوگا نماز ہوگئی سجدہ سہو اب بھی نہ چاہئے تھا توبہ کرے، پہلی میں اگر سورۂ ناس پڑھی تھی تو اُسے لازم تھا کہ دوسری میں بھی سورۂ ناس ہی پڑھتا کہ فرض کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سُورت پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے اور ترتیب اُلٹا کر پڑھنا حرام۔ (ج6،ص347)

سوال: نماز میں کتنی قرأت فرض ہے اور کتنی واجب؟ اور اس کے نہ پڑھنے سے کیا حکم گا؟

جواب: نماز میں ایک آیت پڑھنا فرض ہے مثلاً ﴿الحمد للہ رب العلمین﴾ اس کے ترک سے نماز نہ ہوگی اور پُوری سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد تین آیتیں چھوٹی چھوٹی یا ایک آیت تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو پڑھنا واجب ہے، اگر اس میں کمی کرے گا نماز تو ہو جائے گی یعنی فرض ادا ہو جائے گا مکروہ تحریمی ہوگی، بھول کر ہے تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور قصداً ہے تو نماز پھیرنی واجب ہوگی، اور بلا عذر ہے تو گناہگار بھی ہوگا۔ (ج6،ص347)

سوال: امام کو قرأت میں مغالطہ لگا اور وہ چھوٹی تین آیت سے زیادہ پڑھ چکا ہے، اس کو لقمہ دینے سے نماز میں حرج تو نہیں آئے گا؟

جواب: کسی کے نماز میں صحیح بتانے سے کچھ فساد نہ آئے گا اگرچہ ہزار آیتیں پڑھ چکا ہو۔ (ج6،ص348)

سوال: امام کو تشابہ لگا اور اوپر کی دو ایک آیت کو لوٹایا اور دُہرایا تو اس صورت میں دُہرانے سے نماز میں کچھ خلل تو نہ آئے گا؟

جواب: دہرانے سے کچھ نقصان نہیں، ہاں اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی قدر چُپکا کھڑا رہا تو سجدہ سہو آتا۔

(ج6،ص348)

سوال: ﴿قل ھو اللہ احد﴾ میں دال پر تنوین ہے اس کو کسرہ دے کر مابعد سے وصل کر کے نماز میں پڑھے نماز ہوگئی یا نہیں؟

جواب :نون تنوین کو کسرہ دے کر لام میں ملا کر پڑھنا جائز ہے کوئی حرج نہیں، نہ اس سے نماز میں کوئی خلل،اور یہاں وقف بھی ''ج'' کا ہے جو وصل کی اجازت دیتا ہے۔ (ج6،ص348)

سوال :سورۂ فاتحہ کے بعد تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت ملانا واجب ہے،اس بڑی آیت میں کم از کم کتنے حروف ہونے چاہئیں؟

جواب:ردالمحتار میں کم از کم تیس حرف درکار بتائے،وان کان فیه کلام بیناہ علی ھامشه،ترجمہ:اگرچہ اس میں کلام ہے جسے ہم نے حاشیۂ ردالمحتار میں تحریر کیا گیا ہے۔ (ج6،ص348)

☆امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ ردالمحتار کے اوپر اپنے حاشیہ جدالممتار میں تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں''ینبغی ادارۃ الحکم علی خمسة وعشرین حرفاأریدت المقروء ات کما ھو الالیق او المکتوبات ''ترجمہ؛مناسب یہ ہے کہ حکم پچیس حروف پر دائر ہو چاہے مقروءات(پڑھے جانے والے حروف)شمار کئے جائیں اور یہی شمار کئے جانے کے زیادہ لائق ہے،چاہے مکتوبات(لکھے جانے والے حروف)شمار کئے جائیں''

(جدالممتار،ج2،ص163،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

سوال:نمازِ ظہر وعصر میں جو قرأت بالجہر نہیں پڑھی جاتی باقی شام اور عشاء وفجر کی نماز میں بالجہر پڑھی جاتی ہے اس کی وجہ سے مطلع فرمایئے؟

جواب:یہ احکام ہیں بندے کو حکم ماننا چاہئے حکمت کی تلاش ضرور نہیں۔

اس کے دو سبب بتائے جاتے ہیں ایک ظاہری کہ کفار قرآن عظیم سُن کر بیہودہ بکا کرتے تھے ظہر وعصر دونوں وقت ان کی بیداری کے تھے اس لئے ان میں قرأت خفی ہوئی کہ وہ سُن کر کچھ بکیں نہیں،فجر وعشا کے وقت وہ سوئے ہوتے تھے اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول،لہذا ان میں قرأت بالجہر ہوئی۔

مگر یہ سبب چنداں قوی نہیں،دوسرا سبب صحیح وقوی باطنی وہ ہے جو ہم نے اپنے رسالہ انھار الانوار میں ذکر کیا۔

(ج6،ص349)

سوال:ہر نماز میں کتنی مرتبہ اور کس کس مقام پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہئے؟

جواب:سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سنّت ہے اور اس کے بعد اگر کوئی سورت اوّل سے پڑھے تو اس پر بسم اللہ کہنا مستحب ہے اور کچھ آیتیں کہیں اور سے پڑھے تو اس پر کہنا مستحب نہیں،اور قیام کے سوا رکوع وسجود وقعود کسی جگہ بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں کہ وہ آیۂ قرآنی ہے اور نماز میں قیام کے سوا کسی جگہ کوئی آیت پڑھنی ممنوع ہے۔ (ج6،ص349)

سوال:اوّل رکعت میں ایک رکوع یا سورہ پڑھی دوسری رکعت میں اگر اس سے مقدم (پہلے) کی سورہ یارکوع زبان پر سہواً جاری ہوجائے تو اس کو پڑھے یا اس کو چھوڑ کر مؤخر کی سورہ یا رکوع پڑھے؟

جواب:زبان سے سہواً جس سورہ کا ایک کلمہ نکل گیا اسی کا پڑھنا لازم ہو گیا مقدم ہو خواہ مؤخر، ہاں قصداً تبدیل ترتیب گناہ ہے اگر چہ نماز جب بھی ہو جائے گی۔ (ج6،ص350)

سوال:امام نے بوقتِ نمازِ مغرب رکعت اوّل میں سورہ دھر قرأت کی اور اس کی تقریباً پندرہ آیتیں پڑھیں تھیں کہ امام کو سہو ہو گیا اور اس نے وہیں رکوع کر دیا، امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس قدر قرأت پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب:نماز بے تکلف بلا کراہت ہوگئی، تین آیات کی قدر واجب ادا ہو جاتا ہے اور یہ تو پندرہ آیتیں ہوگئیں بلکہ مغرب میں اتنی تطویل مناسب بھی نہ تھی کہ اس میں قصار مفصل یعنی لم یکن سے آخر تک ہر رکعت میں ایک سورت پڑھنے کا حکم ہے یہ اُس سے زائد ہو گیا۔ (ج6،ص350)

سوال:امام نے قرأت میں تین آیات کے بعد غلطی کی، جس سے معنی بگڑ گیا، نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب:فسادِ معنی اگر ہزار آیت کے بعد ہو نماز جاتی رہے گی۔ (ج6،ص351)

سوال:نمازِ ظہر وعصر کے وقت امام کے پیچھے مقتدی کو حسب معمول پڑھنا چاہئے یا سکوت واجب ہے؟ اسی طرح نمازِ مغرب وعشاء کے فرضوں کی ادائیگی میں مقتدی کو چاروں رکعتوں میں سکوت لازم ہے یا صرف اوّل کی دو میں اور آخری دو میں نہیں؟

جواب:مطلقاً کسی نماز کی کسی رکعت میں مقتدی کو قرأت اصلاً جائز نہیں، قطعاً خاموش کھڑا رہے، صرف سبحنك اللهم شامل ہوتے وقت (پہلی رکعت میں) پڑھے جبکہ امام نے قرأت بجہر شروع نہ کی ہو۔ (ج6،ص351)

سوال:آیتِ قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نماز میں پڑھنے کے متعلق شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

جواب:سائل نے صاف بات نہ لکھی کہ ٹکڑے کرنے سے کیا مراد ہے، اگر آیت بڑی ہے اور ایک سانس میں نہیں پڑھ سکتا تو جہاں سانس ٹوٹ جائے مجبوراً وقف کرے گا موقع موقع پر ٹھہرتا ہوا چلا جائے گا، ہاں بلاضرورت بے موقع ٹھہرنا خلافِ سنت ہے۔ (ج6،ص352)

سوال:امام کا نماز میں اللہ اکبر کو اس طرح ادا کرنا کہ سننے والوں کو آخر میں راء کی جگہ دال سمجھ آئے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :اکبر میں ''ر'' کو '' د'' پڑھنا مفسد نماز ہے کہ فسادِ معنی ہے، اور یہ بات کہ وہ ''ر'' پڑھتا اور سب سننے والے ''د'' سنتے ہیں، بہت بعید ہے۔ (ج6،ص352)

سوال :اول رکعت میں سورۂ کٰفرون پڑھی دوسری میں کوثر کی ایک آیت پڑھی پھر اس کو چھوڑ کر اخلاص پڑھی، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور نماز میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

جواب: نماز تو ہوگئی مگر ایسا کرنا ناجائز تھا، جس سورت کا ایک لفظ زبان سے نکل جائے اُسی کا پڑھنا لازم ہوجاتا ہے خواہ وہ قبل ہو یا بعد کی۔ (ج6،ص353)

سوال : چار رکعت نفل نماز میں قرآن شریف اس طرح پڑھنا کہ اول میں الم تر، دوسری میں قل ھو اللہ، تیسری میں لا یلف، چوتھی میں پھر قل ھو اللہ مکرہ ہے یا نہیں حالانکہ الم تر کے بعد لا یلف خلافِ ترتیب ہے۔

جواب: نوافل میں مکروہ نہیں کہ اس کی ہر دو رکعت نماز علیحدہ ہے۔ (ج6،ص353)

سوال :اگر کوئی حافظ مسجد میں تراویح میں کلام مجید صحیح پڑھتا ہو اور اس کے پیچھے دُوسرا کوئی حافظ اس کو بہکانے آجائے تو ایسا کرنا اور نماز میں آکر فساد ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب :اگر فی الواقع اس نے دھوکا دینے اور نماز خراب کرنے کے لئے قصداً غلط بتایا تو سخت گناہِ عظیم میں مبتلا ہوا اور شرعاً سخت سزا کا مستحق ہے، ایسے لوگ مسجد میں آکر فساد ڈالیں اور ناجائز غل مچائیں اور بلاوجہ فوجداری پر آمادہ ہوں جیسا کہ سائل نے بیان کیا موذی ہیں اور موذی کی نسبت حکم ہے کہ اُسے مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔ (ج6،ص353)

سوال :امام نمازِ مغرب، عشاء، فجر، جُمعہ اور عیدین میں قرأت کرتے ہوئے تین آیات سے زائد پڑھ کر بھول گیا ایسی صورت میں مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے اس کا لقمہ قبول کرلیا تو امام اور مقتدی کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

جواب : نماز مطلقاً درست ہے ہر نماز میں ہر حال میں لقمہ اگرچہ وہ تین آیات کے بعد ہو درست اور صحیح قول یہی ہے۔ (ج6،ص354)

سوال: زید کا نماز میں ان شانئك کو اناشانئك یاله کو لاہ یا لھم ک لاھم مغفرۃ یا الحمد للّٰہ الحمد لیله کسرہ کو کھینچتے ہوئے یا قل کو قول پڑھنا عمداً یا سہواً مفسدِ صلوۃ ہے یا نہیں؟

جواب: عمداً گناہِ عظیم ہے اور سہواً معاف اور فسادِ نماز کسی حالت میں نہیں۔ لان الاشباع لغة مرقوم من العرب كالاكتفاء عن المدة بالحركة كما نص عليه فى الغنية و غيرهما ، ترجمہ کیونکہ اشباع (حرکت کو کھینچنا) عرب کی معروف لغت ہے جیسا کہ مدہ کی جگہ حرکت پر اکتفا کیا جاتا ہے غنیہ اور دیگر کتب میں اس پر تصریح ہے۔ (ج6،ص354)

سوال: اگرامام نماز پڑھاتا ہواور وہ کسی سورت میں درمیان کے دو ایک لفظ چھوڑ گیا ہو تو وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب :اگران کے ترک سے معنی نہ بگڑے تو صحیح ہوگی ورنہ نہیں، پھر اگر یہ سورۃ فاتحہ ہے تو اس میں مطلقاً کسی لفظ کے ترک سے سجدۂ سہو واجب ہوگا جبکہ سہواً ہو ورنہ اعادہ۔

اور اور کسی سورت سے اگر لفظ یا الفاظ متروک ہوئے اور معنی فاسد نہ ہوئے اور تین آیت کی قدر پڑھ لیا گیا تو اس چھوٹ جانے میں کچھ حرج نہیں۔ (ج6ص355)

سوال :زید نے دو رکعت فجر کی فرض پڑھائی بعد الحمد شریف کے سورت ملانے میں کسی لفظ کو تین مرتبہ تکرار کیا بوجہ مشتبہ ہونے کے، اب اس کی نماز شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر اُس کا اعادہ کیا جائے، اور بعد میں آنے والے لوگ آکر اقتدا کریں بعد والوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

جواب: لفظ کے تکرار سے نماز میں فساد نہیں آتا اعادہ میں جو نئے لوگ ملیں گے ان کی نماز نہ ہوگی لانہم مفترضون خلف متنفل ،ترجمہ: کیونکہ وہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض ادا کررہا ہے۔ (ج6ص355)

سوال: کیا قیامِ جُمعہ کے لئے شہر شرط ہے؟

جواب: جُمعہ کے لئے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتفاق واجماع سے شہر شرط ہے۔ (ج6ص356)

سوال: شہر کی تعریف کیا ہے؟

جواب :شہر کی صحیح تعریف مذہبِ حنفی میں یہ ہے جو خود امامِ مذہب سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمائی ،وہ آبادی جس میں متعدد محلّے اور دوامی بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو اُس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں کوئی حاکم بااختیار ایسا ہو کہ اپنی شوکت اور اپنے یا دوسرے کے علم کے ذریعہ سے مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ (ج6ص356)

پھر ظاہر ہے کہ ان کتب میں تنفیذ واقامت سے قدرت مراد ہے کہ حاکم کا خلافِ حکم (خلافِ شرع) حکم کرنا شہر کو شہر ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ (ج6ص358)

اور بعض نے شرطِ مفتی اضافہ کی۔۔اکابر نے اس کی یہ توجیہ فرمائی کہ حاکم عالم نہ ہو تو عالم کا ہونا بھی لازم۔

(ج6ص359)

سوال: جُمعہ کے لئے اسلامی شہر شرط ہے یا کفار کا شہر بھی ہوسکتا ہے؟

جواب: شہر سے یقیناً اسلامی شہر مراد ہے نہ یہ کہ مثلاً بت پرستوں کا کوئی شہر ہو بادشاہ بت پرست اور دس لاکھ کی آبادی سب بت پرست، چار پانچ مسلمان وہاں تاجرانہ جائیں اور پندرہ بیس دن ٹھہرنے کی نیت کریں اُن پر وہاں جُمعہ قائم کرنا فرض

ہو جائے گا جبکہ وہ بادشاہ مانع نہ آتا ہو ہرگز شرع مطہر سے اُس کا کوئی ثبوت نہیں عمومات قطعاً اجماعاً مخصوص ہیں اور ظاہر الروایہ واصل مذہب کی تعریفات یقیناً اسلامی شہر سے خاص۔۔۔غرض بوجوہ (بہت سی وجوہات سے) ظاہر ہُوا کہ محلیتِ جُمعہ کو اسلامی شہر ہونا لازم و من ادعی خلافه فعليه البيان (اور جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہے اس پر دلیل کا لانا ضروری ہے)۔

(ج6،ص361)

سوال: کیا ہندوستان میں قیامِ جُمعہ ہوسکتا ہے؟

جواب: ہاں جہاں ثابت ہو کہ پہلے کبھی اسلامی سلطنت تھی مسلمانوں کا آزاد خود مختار شہر تھا اور دونوں صورتوں میں غیر مسلم نے مسلط ہو کر شعائرِ اسلام بند نہ کئے وہ بدستور اسلامی شہر و ملک رہے گا جیسے تمام بلادِ ہندوستان، اور وہاں حسبِ سابق جُمعہ فرض اور عیدین واجب رہیں گے لیکن جُمعہ وعیدین کی اقامت کو یہ ضرور ہے کہ بادشاہ یا والی خود امامت فرمائے یا دوسرے کو ان نمازوں میں اپنا نائب ٹھہرا کر امام بنائے، جہاں یہ صورت میسر نہ رہے، وہاں بضرورت مسلمان جمع ہو کر جسے ان تین نمازوں کا امام مقرر کر لیں گے پڑھائے گا اور یہ فرض وواجب ادا ہو جائیگا۔ (ج6،ص363)

سوال: کسی ایسی جگہ جہاں جُمعہ نہیں ہوسکتا (مثلاً کفار کے ایسے ملک میں جہاں کبھی اسلامی حکومت نہ آئی ہو یا گاؤں میں) وہاں اگر لوگ جُمعہ پڑھتے ہوں تو کیا ان کو روکا جائے؟

جواب: اپنا یہ مسلک ہے کہ ایسی جگہ عوام جس طرح بھی اللہ (عزوجل) اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نام لیں روکا نہ جائے نہ خود شرکت کی جائے اگر عدمِ شرکت میں فتنہ نہ ہو ورنہ بہ نیتِ نفل مشارکت ممکن کہ اختار اھو نھما (دونوں میں سے آسان کو اختیار کرے)۔ (ج6،ص367)

سوال: دارالحرب (کفار کا ملک) اسلامی حکومت سے دارالاسلام بن جاتا ہے، تو کیا دارالاسلام معاذ اللہ کفار کے غلبہ سے دارالحرب نہیں بنے گا؟

جواب: دارِحرب حکومتِ اسلام سے دارالاسلام ہو جاتی ہے اور عیاذاً باللہ عکس کے لئے فقط حکومتِ کفر کافی نہیں بلکہ شرط ہے کہ وہ جگہ کسی طرف (سے) دارالحرب سے متصل ہو اور کوئی مسلم ذمی پہلے امان پر نہ رہے اور شعائرِ اسلام اُس سے بالکل بند کر دیئے جائیں والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

جب شعائرِ اسلام سے کچھ بھی باقی ہے بدستور دارالاسلام رہے گی۔ (ج6،ص368)

سوال: درمیان میں ایک سُورت ترک کرنے سے نماز میں کچھ حرج ہے یا نہیں؟

جواب: چھوٹی سورت بیچ میں چھوڑنا مکروہ ہے جیسے اذا جاء کے بعد قل ھو اللہ اور بڑی سورت ہو تو حرج نہیں

جیسے والتین کے بعد ا ن انزنا۔ (ج6ص371)

سوال: امام نے آٹھ دس آیتیں پڑھ کر ایک یا دو آیتیں ترک کر کے پھر قرأت شروع کی اور دس بارہ آیتیں پڑھ کر رکوع کیا نماز میں کچھ حرج ہوا؟

جواب: اس سے نماز میں حرج نہیں جبکہ سہواً ہوا اور قصداً دو ایک آیت بیچ میں چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ (ج6ص371)

سوال: تراویح کی نماز کی ایک سے زائد جماعتیں ایک مسجد ایک وقت میں ہو سکتی ہیں؟

جواب: تراویح کی دو یا زائد جماعتیں ایک مسجد میں ایک وقت میں جبکہ ایک کی آواز سے دوسرے کو اشتباہ نہ ہو، دُور دُور فاصلے پر ہوں جیسی مکہ معظمہ مسجد الحرام شریف میں ہوتی ہیں جائز ہیں۔ (ج6ص371)

سوال: امام نے غیر المغضوب پڑھا اور علیھم از راہِ سہو چھوٹ گیا نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟

جواب: نماز صحیح ہوگئی فرض اُتر گیا۔۔۔ مگر واجب کہ قرأتِ سورۂ فاتحہ تمامہا (پوری) تھی اس کی ادا میں قصور ہوا (کمی ہوئی) سجدۂ سہو چاہیے تھا اگر نہ کیا اعادہ نماز چاہیے۔ (ج6ص372)

سوال: خطیب صاحب نے خطبے میں یرزقکم کو یرزکم پڑھا جائے تو نمازِ جُمعہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر خطبہ میں اس نے یرزقکم کی جگہ یرزکم بلا تشدید کاف پڑھا تو ضرور غلط پڑھا اور گرفت صحیح ہے مگر خطبہ میں ایسی غلطی کا اثر نماز پر نہیں پڑتا نماز ہو جائے گی اور یرزکم بہ تشدید کاف پڑھا تو غلطی بھی نہیں۔ (ج6ص373)

سوال: خطیب صاحب نے خطبہ میں لفظ ''الزھراء'' کو بغیر مد کے پڑھا اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ مد متصل ہے اور متصل واجب ہے تلاوت میں اس کا ترک حرام ہے کما نص علیہ فی ردالمحتار (جیسے کہ ردالمحتار میں اس پر تصریح ہے) مگر خطبہ کا حکم تلاوت کا سا نہیں ہو سکتا وہ ایک بات چیت ہے کہ امام مقتدیوں سے کرتا ہے۔ (ج6ص373)

سوال: ایک مسجد کا امام آیت ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ﴾ میں جمعۃ کو جموعۃ مع الواو صاف پڑھتا ہے، نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: اشباع حرکات (حرکات کو کھینچنا) کہ اُن سے حروف پیدا ہو جائیں مثلاً فتحہ (زبر) سے الف، ضمہ (پیش) سے واو، کسرہ (زیر) سے یاء۔ اس میں متاخرین سے روایات مختلف ہیں۔

اور ہمارے ائمۂ متقدمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قضیۂ مذہب پر تفصیل ہے اگر وُہ محل محلِ اشباع (کھینچنے کا محل) ہے جیسے مقاماتِ وقف مثلاً نعبدُ کی جگہ نعبد (دال کو کھینچتے ہوئے)۔۔۔ یا فیہ، عنہ، منہ، یدخلہ، تشکروہ وانہ میں اشباع ھا تو قطعاً مفسد نہیں

ورنہ (یعنی اس صورت میں کہ وہ محل محل اشباع نہیں تو) اگر اشباع سے معنی بتغیر فاحش متغیر ہو جائیں جیسے ربنا کی جگہ رابنا یا اللہ اکبر میں کلمہ جلالت کے عوض اللہ یا اکبر کی جگہ اکبر یا قولِ اصح میں اکبار یا کلمہ مہمل ہو جائے جیسے بجائے نعبد ناعبود یا الحمد کی جگہ الحامد بسکون میم تو فساد ہے ورنہ نہیں۔

مختار محققین قولِ ائمہ متقدمین ہے۔۔اور ظاہر الفظ جموعۃ شق ثانی سے ہے کہ اس کے معنی معلوم نہیں۔ (ج6ص373تا377)

سوال: ایک امام فی لیلۃ القدر کو پی لیلۃ الکھدر صاف پڑھتا ہے، اس کی نماز درست ہے یا نہیں اور ایسے شخص کو امام بنانا چاہئے یا نہیں؟

جواب: حروف کو کچی زبان سے ادا کرنا یہ اگر ایسی جگہ ہو کہ فسادِ معنی لازم نہ آئے جیسے لاتقہر کی جگہ لاتکہر تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک مطلقاً مفسد نہیں ورنہ (فسادِ معنی کی صورت میں) معتمد ائمہ مذہب مطلقاً فساد ہے اور پ یا چ یا گ بولنے میں فساد اظہر کہ یہ حروف کلام اللہ تو کلام عرب ہی میں نہیں۔ (ج6ص377)

امامت کا بیان

سوال: ایک شخص حافظِ قرآن ہے مگر آدھا کلمہ لاالٰہ الااللہ پڑھتا ہے اور خود ولی بن کر دوسروں کو نصف کلمہ پڑھاتا ہے اور محمد رسول اللہ بظاہر اس کی زبان سے نہیں سنا گیا اور وہ امامت بھی کرتا ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟

جواب: صوفیہ کرام نے تصفیۂ قلب (دل کی صفائی) کے لئے ذکر شریف لاالٰہ الااللہ رکھا ہے کہ تصفیہ حرارت پہنچانے سے ہوتا ہے اور کلمہ طیبہ کا یہ جز گرم اور جلالی ہے اور دوسرا جز کریم سرد خنک جمالی ہے، اگر ایسے موقع پر صرف لاالٰہ الااللہ کی تلقین کرتا ہے تو کچھ حرج نہیں۔

اور اگر خود کلمہ طیبہ پڑھنے میں صرف لاالٰہ الااللہ کافی سمجھتا ہے اور محمد رسول اللہ کہنے سے احتراز کرتا ہے تو اس کی امامت ناجائز ہے کہ یہ ذکرِ پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معاذ اللہ بے پروائی پر دلیل ہے۔

اور اگر واقعی اسے محمد رسول اللہ کہنے سے انکار ہے یا یہ ذکرِ کریم اسے مکروہ وناگوار ہے تو صریح کافر ومستوجب تخلید فی النار (ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا مستحق ہے)، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (ج6ص380)

سوال: اگر امام اللہ اکبر کہنے میں لفظ "اللہ" آواز سے کہے اور "اکبر" کی آواز مقتدیوں کو سنائی نہ دے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ اکبر پورا باآواز کہنا مسنون ہے، سنت ترک ہوئی، نماز میں کراہت تنزیہی آئی مگر نماز ہوگئی۔

(ج6ص380)

سوال: ایک شخص نے چار رکعت والی نماز میں سے ایک رکعت امام کے ساتھ پائی، وہ شخص جب امام کے سلام کے بعد اپنی تین رکعتیں ادا کرے گا تو قعدۂ اولیٰ ایک رکعت کے بعد کرے گا یا دو کے بعد؟

جواب: قول ارجح میں اسے یہی چاہئے کہ سلامِ امام کے بعد ایک رکعت پڑھ کر قعدۂ اولیٰ کرے پھر دوسری بلا قعدہ پڑھ کر تیسری پر قعدۂ اخیرہ کرے۔

مگر اس کا عکس بھی کیا کہ دو پڑھ کر بیٹھا پہلی پر قعدہ نہ کیا پھر تیسری پر قعدۂ اخیرہ کیا تو یوں بھی نماز جائز ہوگی، سجدۂ سہو لازم نہ آئے گا۔

اقول: یہ فیصلہ بعینہا فتوی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ (ج6ص380)

سوال: ایک اندھا ہے لیکن حافظ قرآن اور قاری ہے اور مسائل روزہ ونماز سے بھی اچھی طرح واقف ہے اور نیز آیاتِ قرآن مجید کا ترجمہ کرسکتا ہے اور بہت سی حدیثیں بھی جانتا ہے اور اس لیاقت کا کوئی شخص اس محلہ میں نہیں ہے اُس کے

پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: ہر جماعت میں سب سے زیادہ مستحقِ امامت وہی ہے جو اُن سب سے زیادہ مسائلِ نماز وطہارت جانتا ہے اگر چہ اور مسائل میں بہ نسبت دوسروں کے علم کم ہو مگر شرط یہ ہے کہ حروف اتنے صحیح ادا کرے کہ نماز میں فساد نہ آنے پائے اور فاسق وبدمذہب نہ ہو، جو شخص ان صفات کا جامع ہو اس کی امامت افضل، اگر چہ اندھا ہو کہ زیادتِ علم کے باعث کراہت نابینائی زائل ہو جاتی ہے۔

ہاں فاسق وبدمذہب کی امامت بہر حال مکروہ اگر چہ سب حاضرین سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ یوں ہی حرف ایسے غلط ادا کئے کہ نماز گئی تو امامت جائز ہی نہیں اگر چہ عالم ہی ہو۔

(ج6،ص381)

سوال: ایک شخص کو کہ نہ حافظ قرآن ہے نہ مسائل دین نہ علمِ قرأت سے واقف، ایک معمولی اردو خواں بلکہ بازار میں کتب فروشی ونعلین فروشی کی دکان کرنیوالا ہے ایک مسجد کا امام بننا چاہتا ہے حالانکہ دو عالم متقی محتاط اسی مسجد میں اور بھی موجود ہیں اور مہتمم مسجد واکثر نمازی اس شخص کی امامت سے راضی نہیں اس صورت میں ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں اُس شخص کو امام بننا جائز نہیں اگر امامت کرے گا گنہگار ہوگا جب لوگ اسکی امامت اس جہ سے ناپسند رکھتے ہیں کہ اُس سے زیادہ علم والے موجود ہیں تو اُسے امامت کرنا شرعاً منع ہے۔

پس شخصِ مذکور ہرگز امامت نہ کرے، بلکہ جو سنّی صحیح العقیدہ غیر فاسق کہ حروف بقدرِ صحتِ نماز ٹھیک ادا کرتا اور وہاں کے نمازیوں میں سب سے زیادہ مسائلِ نماز کا علم رکھتا ہو اسی کو امام کیا جائے کہ حق صاحبِ حق کو پہنچے اور مقتدیوں کی نماز بھی خوبی و خوش اسلوبی پائے۔ حدیث شریف میں ہے "ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم علماؤکم" "اگر تمھیں اپنی نماز مقبول ہونا منظور ہے تو چاہیئے کہ تمھارے علماء تمہاری امامت کریں۔

(مجمع الزوائد، ج2،ص64، دار الکتاب، بیروت)

کیا یہ شخص جس کے جہل کے باعث اکثر نمازی اس کی امامت سے ناراض ہین اُن سخت وعیدوں سے خوف نہیں کرتا جو ایسے امام کے حق میں آئیں۔ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ثلثة لایقبل اللہ منھم صلوة من تقدم قوما وھم لہ کارھون" "تین اشخاص ہیں جن کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ایک وہ جو لوگوں کی امامت کرے اور وہ اسے ناپسند رکھتے ہوں۔

(سنن ابی داؤد، ج1،ص88، آفتاب عالم پریس، لاہور)

دوسری حدیث میں ہے "من ام قوما وفیھم اقرأ لکتاب اللہ منہ و اعلم لم یزل فی سفال الی یوم القیامة" "جو کسی قوم کی امامت کرے اور اُن میں وہ شخص موجود ہو جو اس سے زیادہ قاری قرآن وذی علم ہے وہ قیامت تک پستی وخواری میں رہے گا۔

(کتاب الضعفاء الکبیر، ج4،ص355، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سوال: زید ایک مسجد میں ہمیشہ سے امامت کے واسطے معین ہے اور ایک شخص اس سے افضل کسی شہر سے آیا چند آدمیوں نے چاہا کہ یہ شخص فاضل ہے اس وقت کی نماز یہی پڑھائے، امام قدیم سے پُوچھا کہ آپ کی اجازت ہے یا نہیں؟ اس نے انکار کیا، مگر چند آدمیوں نے اس مسافر کو کھڑا کر دیا، ان لوگوں اور مسافر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر امام قدیم مثلِ غلط خوانی قرآن بحدِ افسادِ نماز یا بد مذہبی مثلِ وہابیت وغیر مقلدی یا فسقِ ظاہر مانندِ شراب نوشی وزنا کاری کوئی خلل ایسا نہ ہو جس کے باعث اسے امام بنانا شرعاً ممنوع ہو تو اس مسجد کی امامت اسی کا حق ہوتی ہے، اس کے ہوتے ہوئے دوسرے کو اگرچہ اس سے زیادہ علم وفضل رکھتا ہو بے اس کی اجازت کے امام بننا بنانا شرعاً ناپسندیدہ وخلاف حکم حدیث وفقہ ہے، حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" لا یؤمن الرجل فی سلطانہ "ترجمہ: امام مسجد کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص امامت نہ کرائے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص236، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

دوسری حدیث میں ہے" من زار قوما فلا یؤمھم ولیؤ مھم رجل منھم "ترجمہ: جو شخص کسی قوم کا مہمان ہے وہ ان کی امامت نہ کروائے بلکہ اُس قوم میں سے کوئی شخص ان کا امام بنے۔ (سنن ابوداؤد، ج1، ص88، آفتاب عالم پریس، لاہور)

پس صورتِ مستفرہ میں اگر اس امامِ قدیم میں اس قسم کا کوئی خلل نہ تھا تو بلا شبہ باوصف اُس کی ممانعت کے اس مسافر کا امام بننا ناحق اسکے حق میں دست اندازی کرنا ہوا اور یہ خود اور وہ چند آدمی جنہوں نے ایسی حالت میں اسے امام بنایا مبتلائے کراہت ومخالفِ حکمِ شریعت ہُوئے۔ (ج6، ص386)

سوال: ایک لڑکا عمر اس کی تیرہ یا چودہ برس کی ہے اور وہ قرآن شریف پڑھا ہے لیکن کبھی نماز نہیں پڑھتا اور نمازِ جُمعہ بھی قصداً نہیں پڑھتا اور نابالغ ہے اور اپنے گھر کی عورت کو لے کر میلہ ہنود میں لے کر جاتا ہے، اسکے گھر کی عورتیں پرستش رسمِ ہنود کی کرتی ہیں، اُس لڑکے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا لڑکا نمازِ جنازہ پڑھائے تو درست ہے یا نادرست؟

جواب: اگر فی الواقع اس کے یہاں کی عورات غیرِ خدا کو پوجتی ہیں یعنی حقیقۃً دوسرے کی عبادت کہ شرک حقیقی ہے (نہ صرف وہ بعض رسوم جاہلیت یا افعالِ جہالت کہ حدِ فسق وگناہ سے متجاوز نہیں گو اہلِ تشدد انھیں بنام شرک وپرستشِ غیر تعبیر کریں) اور وہ اس شرکِ حقیقی پر مطلع اور اس پر راضی ہے تو خود کافر ومرتد ہے فان الرضا بالکفر کفر (کیونکہ کفر کے ساتھ رضامندی بھی کفر ہے) اس تقدیر پر وُہ بالغ ہو خواہ نابالغ کسی بچے کی بھی کوئی نماز اس کے پیچھے صحیح نہیں ہوسکتی نہ اسکے پڑھنے سے نمازِ جنازہ کا فرض ساقط ہو فان الکافر لیس من اھل العبادۃ اصلاً (کیونکہ کافر عبادت کا ہرگز اہل نہیں)۔

اور اگر ان عوارت کے افعال حدِ کفر تک نہیں یا ہیں مگر یہ ان پر راضی نہیں تو مسلمان ہے پس اگر فی الواقع نابالغ ہے تو

بالغین کی نماز اُس کے پیچھے صحیح نہیں اگر چہ نماز جنازہ ہی ہو، ہاں جنازہ میں امامت کرے گا تو ظاہراً نماز فرض کفایہ تھی ادا ہو جائے گی کہ گو اوروں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہو اس کی اپنی تو ہو گئی سقوط فرض کے لئے اسی قدر بس (کافی) ہے کہ نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں، ولہذا اس میں عورت کی امامت سے بھی فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

اور اگر بالغ ہے تو ہر نماز یہاں تک کہ فرائض پنجگانہ بھی اس کے پیچھے ہو تو جائیں گے کہ داڑھی مونچھ شرط صحت امامت نہیں بلوغ درکار ہے اور وہ ظہور آثار مثل احتلام وغیرہ سے لڑکوں میں بارہ برس کی عمر سے ممکن لیکن جبکہ وُہ تارک الصلوۃ اور بلا تاویل تارک جُمعہ ہے اور بے عذر صحیح ترک مسجد اور ہنود کے میلوں میں جانے اور اپنی عورات کو لیجانے کا عادی ہے تو بوجوہ کثیر فاسق ہے کہ ان میں ہر امر فسق کے لئے کافی، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے کہ پڑھی جائے تو شرعاً اس کا اعادہ مطلوب۔

اور نماز جنازہ میں اسے امام کرنا اور بھی زیادہ معیوب کہ یہ نماز بغرض دُعا و شفاعت ہے اور فاسق کو شفاعت کے لئے مقدم کرنا حماقت، تاہم اگر پڑھا دے گا تو جواز نماز و سقوطِ فرض میں کام نہیں۔ (ج6ص385)

سوال :جس نے امام کے ساتھ کچھ رکعتیں نہ پائیں بعد سلام امام وُہ اپنی رکعاتِ باقیہ ادا کرتا ہے اس صورت میں کسی نے اس کی اقتدا کی تو اس اقتدا کرنے والے کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب:(صحیح) نہ (ہوگی)۔ (ج6ص390)

سوال:سُود خور کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ اور اسے امام مقرر کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب :سود خور فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز ناقص و مکروہ اگر پڑھ لی تو پھیری جائے اگر چہ مدت گزر چکی ہو، ولہذا اسے ہرگز امام نہ کیا جائے جہاں امامت کرتا ہو بشرطِ قدرت معزول کر کے امام متقی صحیح العقیدہ صحیح القراۃ مقرر کریں، اگر قدرت نہ پائیں تو جُمعہ کے لئے دوسری مسجد میں جائیں، یونہی پنجگانہ میں خواہ اپنی دوسری جماعت یہیں کرلیں۔ صغیری میں "یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم" ترجمہ: فاسق کو امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(صغیری شرح منیۃ المصلی ص262 مطبع مجتبائی، دہلی) (ج6ص390)

سوال:امام کو دَر میں یعنی دو ستونوں کے بیچ میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟

جواب:مکروہ ہے۔ (ج6ص392)

سوال :زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جو مرد اپنی بی بی سے قربت کرے اور جب تک نہ نہائے مورد لعنت ہے اور کہتا ہے کہ جو شخص دروازۂ مسجد کو مسجد کی حفاظت کے لئے تالا لگائے، اُس مسجد میں نماز قطعی حرام ہے وُہ آدمی سنگسار کیا جائے گا اور بغیر علم کے ترجمۂ قرآن مجید کرے اور فرض کو سنت اور واجب کو مستحب بیان کر کے جھوٹے حوالے کتاب

کردے اور ایک مرتبہ نمازِ جنازہ چار تکبیرات کے ساتھ نمازِ جنازہ ہونے کے بعد پانچ تکبیر جو کہ منسوخ ہیں سے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھائے، اور جائز کو ناجائز کہے اُس کے حق میں اور اُس کے مدد معاون کے حق میں شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: زید جاہل، بخت جری، بیباک ہے:

اوّلاً اس کا علی الاطلاق کہنا کہ جو اپنی بی بی سے قربت کرے جب تک نہ نہائے معاذ اللہ مورِ لعنت ہے شریعتِ مطہرہ پر سخت افترائے ناپاک ہے حکم صرف اس قدر ہے کہ مہما امکن (جتنا جلدی ممکن ہو) نہانے میں تعجیل (جلدی کرنا) مندوب محبوب ہے، اگر نہ نہائے تو وضو کر رکھے کہ جہاں جب ہوتا ہے وہاں فرشتے آنے سے احتراز کرتے ہیں مگر غسل میں تعجیل نہ کرنے والا معاذ اللہ مورِ لعنت ہونا درکنار سرے سے گناہگار بھی نہیں جب تک تاخیر باعثِ فوتِ نماز یا دخولِ وقتِ کراہتِ تحریمی نہ ہو، خود صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیمِ جواز کے لئے بعض اوقات بلکہ خاص شبہائے ماہِ مبارک رمضان میں صبح تک تاخیرِ غسل فرمائی ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فعل سے امت کو دو مسئلہ تخفیف ورحمت معلوم ہوں:

ایک یہی غسل میں تعجیل گو بہتر ہے پر واجب نہیں، نماز تک تاخیر کا اختیار رکھتا ہے۔

دُوسرے یہ کہ بحالت جنابت صبح کرنے سے روزے میں کوئی خلل یا نقص نہیں آتا۔

احمد و بخاری و مسلم ام المومنین صدیقہ وام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی "ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصبح جنبا من جماع ثم یغتسل ویصوم زادفی زاویة فی رمضان" ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (بعض اوقات) جماع کی وجہ سے جنبی حالت میں صبح کرتے پھر غسل کرتے اور روزہ رکھتے تھے، ایک روایت میں رمضان کا بھی اضافہ ہے۔ (صحیح بخاری، ج1، ص258، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ثانیاً وثالثاً: مسئلہ مسجد میں خدا اور رسول پر دو افترا اور کئے، ایک یہ کہ اس مسجد میں نماز حرام، دوسرا یہ کہ وہ آدمی سنگسار کیا جائے، پہلے افترا سے وہ اُن لوگوں میں داخل ہوا جنہیں قرآن عظیم نے فرمایا ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ ترجمہ: اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا کی مسجدوں کو ان میں یادِ الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

اور دوسرے سے وہ بے گناہ مسلم کے ناحق قتل کا فتویٰ دینے والا ہوا، علماء صاف اجازت دیتے ہیں کہ حاجت کے وقت غیر اوقاتِ نماز میں حفاظت کے لئے دروازہ مسجد بند کرنا جائز ہے۔

ہاں بے حاجت یا غیرِ وقتِ حاجت خصوصاً اوقاتِ نماز میں بند کرنا ممنوع اور بند کرنے والا گناہگار مگر نہ ایسا کہ سنگسار کرنے کے قابل، اور یہ سخت جہالتِ فاحشہ دیکھئے کہ اُس مسجد میں نماز حرام، سبحان اللہ! اُس نے تو ایک آدھ وقت دروازہ بند کیا

یہ ہمیشہ کو تیغا کیے دیتا ہے وہ سنگسار کرنے کے قابل ہوا یہ کس سزا کے لائق ہوگا۔

رابعاً: بے علم ترجمۂ قرآن مجید میں دخل دینا گناہِ کبیرہ ہے، خود قرآن مجید فرماتا ہے ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ: یا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار'' جو بغیر علم کے قرآن میں زبان کھولے وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے۔ (جامع الترمذی، ج2، ص119، کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی، دہلی)

خامساً، سادساً، سابعاً: بے سمجھے بُوجھے مسائل شرعیہ میں مداخلت کرنا غلط سلط جو منہ پر آیا فرض کو سنت، واجب کو مستحب، ناجائز کو جائز بتادینا بھی گناہ عظیم ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار'' جو تم میں فتویٰ پر زیادہ بیباک ہے آتشِ دوزخ پر زیادہ جری ہے۔

(سنن الدارمی، ج1، ص53 نشر السنۃ، ملتان)

ثامناً تاسعاً عاشراً کتابوں کے جُھوٹے حوالے دینا کذب و افتراء اور وہ بھی علماء پر اور وہ بھی امورِ دین میں، یہ سب سخت گناہ ہیں، مسائل میں علماء پر افتراء، شرع پر افتراء اور شرع پر افتراء خدا پر افتراء۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ ترجمہ: نہ کہو اسے جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو، بے شک جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔

اور جنازہ کی نماز جب ایک بار ہو چکی تو ہمارے علمائے کرام کے نزدیک اس کا اعادہ جائز نہیں مگر یہ کہ صاحب حق یعنی ولی میت کے بے اذن دیئے عام لوگوں سے کسی نے پڑھا دی اور ولی شریک نہ ہُوا تو اُسے اعادہ کا اختیار ہے پھر بھی جو پہلے پڑھ چکے اب نہ ملیں کہ اس کی تکرار مشروع نہیں۔

اور پانچ تکبیریں تو ہمارے ائمۂ بلکہ ائمۂ اربعہ بلکہ جمہور ائمہ کے نزدیک منسوخ ہیں بلکہ امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی نے فرمایا چار پر اجماع منعقد ہوگیا ولہذا ہمارے علماء کرام حکم فرماتے ہیں کہ امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی ہرگز ساتھ نہ دیں خاموش کھڑے رہیں، یہی صحیح ہے، اور بعض روایات میں تو یہاں تک ہے کہ وہ تکبیرِ پنجم کہے تو یہ سلام پھیر دیں کہ اتباع منسوخ کا رد خوب واضح ہو جائے۔

زید کہ یہ حرکت بھی وہی جہل و جرأت ہے یا غیر مقلدی کی آفت و علت۔ بہر حال اس کے اقوال مذکورہ سوال شاہد عدل کہ وہ فاسق و بیباک ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ناقص و خراب ہوتی ہے۔

پس حتی الامکان ہرگز اس کی اقتدا نہ کریں اور جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھ چکے ہوں سب پھیریں اور ان باتوں پر جو اس کے مدد معاون ہیں وہ بھی گناہ میں اُس کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ گناہ اور حد سے بڑھنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ج6،ص393تا397)

سوال: زید حافظِ قرآن ہے مگر ایک ناجائز نوکری کرتا تھا، اب اس نوکری سے اس نے توبہ کی اور اب اس کے پیچھے لوگ نماز پڑھنے میں کراہت کرتے ہیں، آیا کراہت کرنا اُن لوگوں کا درست ہے؟

جواب: اگر صرف اس وجہ سے کراہت کرتے ہیں کہ اس نے وہ نوکری کی تھی اگرچہ اب توبہ کرلی تو اُن کی کراہت بیجا ہے کوئی گناہ بعدِ توبہ باقی نہیں رہتا۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''التائب من الذنب کمن لاذنب له'' ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہوجاتا ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ، ص323، آفتاب عالم پریس، لاہور) (ج6،ص397)

سوال: کوئی مولوی احناف کو ذریۃ الشیطان (شیطان کی اولاد) اور کتاب وسنّت کا منکر لکھے اور غیر مقلدی کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو، بعض اوقات کسی مصلحتِ دنیوی سے اپنے آپ کو حنفی المذہب ظاہر کرے، ایسے شخص کی اقتداء اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کو حنفی کہا جائے گا یا نہیں؟

جواب: جو ذریۃ الشیطان کتاب وسنّت کا منکر حنفیہ کرام خصھم اللّٰہ تعالیٰ باللطف والاکرام (اللہ ان کو اپنے لطف واکرام کے ساتھ خاص فرمائے) کا نام رکھتا ہے پرظاہر (بہت زیادہ ظاہر) کہ وُہ گمراہ خود کا ہے کو (کیونکر) حنفی ہونے لگا اگرچہ کسی مصلحتِ دنیوی سے براہ تقیہ شنیعہ اپنے آپ کو حنفی المذہب کہے کہ اُس کے افعال واقوالِ مذکورۂ سوال اُس کی صریح تکذیب پر دال، منافقین بھی تو زبان سے کہتے تھے﴿نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔

مگر ان ملاعنہ کے گفتار و کردار اس جھوٹے اقرار کے بالکل خلاف تھے، قرآن عظیم نے اُن کے اقرار کو ان کے منہ پر مارا﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم بیشک اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

ایسے شخص کی اقتداء اور اُسے امام بنانا ہرگز روا نہیں کہ وہ مبتدع گمراہ بدمذہب ہے اور بدمذہب کی شرعاً توہین واجب اور امام کرنے میں عظیم تعظیم تو اُس سے احتراز لازم۔

حدیث میں ہے حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم

الاسلام ''ترجمہ: جو کسی بدعتی کی توقیر کرے اس نے دین اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔

(شعب الایمان، ج 7، ص 61، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

تو ایسے شخصوں کو امام کرنا گویا دینِ اسلام ڈھانے میں سعی کرنا ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔

سنن ابن ماجہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لا یؤمن فاجر مؤمنا الا ان یقھرہ بسلطانہ یخاف سیفہ اوسوطہ ''ترجمہ: ہرگز کوئی فاجر کسی مومن کی امامت نہ کرے مگر یہ کہ وہ اُسے اپنی سلطنت کے زور سے مجبور کردے کہ اس کی تلوار یا تازیانہ کا ڈر ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص 77، آفتاب عالم پریس، لاہور)

محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں ''روی محمد ابن ابی حنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ ان الصلوۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز ''ترجمہ: امام محمد نے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اہلِ بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ (فتح القدیر، ج 1، ص 304، مطبع نوریہ رضویہ سکھر)

فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے ان حضرات غیر مقلدین کے پیچھے نماز جائز و ممنوع ہونے کے باب میں ایک مفصل رسالہ مسمّٰی بہ ''النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید'' لکھا اور اس میں۔۔ان کے پیچھے نماز ممنوع ہونے کا ثبوت دیا۔

ازاں جملہ یہ کہ اُنھوں نے نماز وطہارت وغیرہا کے مسائل میں آرامِ نفس کی خاطر وہ باتیں ایجاد کی ہیں جو مذاہب اربعہ عموماً مذہبِ مہذّب حنفی خصوصاً کے بالکل خلاف ہیں مسح سر کے عوض پگڑی کا مسح کافی مانتے ہیں، لوٹے بھر پانی میں تولہ بھر پیشاب پڑ جائے اُس سے وضو جائز ٹھہراتے ہیں کہ یہ مسائل اور ان کے امثال ان کی کتب میں منصوص ہیں، پھر دین میں ان کی بیباکی و سہل انگاری و بے احتیاطی و آرام جوئی مشہور و مشہود و عام گروہ اہلِ حق بالخصوص حضرات حنفیہ کے ساتھ ان کا تعصب معروف و معہود تو ہرگز مظنون نہیں کہ یہ برعایتِ مذہبِ حنفیہ اپنے ان مسائل پر عمل سے بچیں بلکہ بحالتِ امامت بنظرِ تعصب عداوت اس کا خلاف ہی مظنون۔

پھر جمہور ائمہ کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ شافعی المذہب کی اقتداء بھی اُسی حالت میں صحیح ہوسکتی ہے کہ مواضعِ خلاف مذہبِ حنفیہ کی رعایت کرتا ہو حنفیہ سے بغض نہ رکھتا ہو ورنہ اصلاً جائز نہیں تو یہ بدمذہب کہ چاروں مذہب سے خارج و بھ[illegible]ر رعایتِ مذہبِ حنفیہ سے سخت نفور اور بغض و تعصّب میں معروف و مشہور، ان کے پیچھے نماز کیونکر روا ہوسکتی ہے۔

(ج 6، ص 398 تا 401)

سوال: جس امام سے شہر کے مسلمان بوجہِ شرعی ناراض ہوں اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں تو اس حالت میں اس کا امام ہونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:صورتِ مسؤلہ میں اسے امام ہونا حلال نہیں، جو اسے امام بنائے گا گناہگار ہوگا، حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ثلثة لا یقبل اللہ منھم صلوة من تقدم قوما وھم له کارھون'' تین شخصوں کی نماز اللہ تعالی قبول نہیں فرماتا ایک وہ جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اسے ناپسند رکھتے ہوں۔ (سنن ابی داؤد،ج 1،ص 88،آفتاب عالم پریس،لاہور) (ج 6،ص 402)

سوال: جو شخص حنفی ہو کر مسح میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کا طریقہ عمل میں لائے یعنی چند بال چُھو لینے پر اکتفا کرے اُس وقت میں کہ پگڑی باندھے ہو تو اُس کی نماز کا حکم کیا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسی ہے؟

جواب:صورتِ مستفسرہ (پوچھی گئی صورت) میں اگر یہ شخص واقعی شافعی ہوتا تاہم حنفیہ کی نماز اُس کے پیچھے محض باطل تھی نہ کہ ایسے آزادلوگ کہ کن ہی میں نہیں۔ ہندیہ میں ہے ''الاقتداء بشافعی المذھب انما یصح اذا کان الامام یتحامی مواضع الخلاف بیان یمسح ربع راسه ھکذا فی النھایة والکفایة ولا یتوضا بالماء القلیل الذی وقعت فیه النجاسة اھ ملخصا'' ہندیہ میں ہے شافعی المذہب امام کی اقتدا تب جائز ہے کہ وہ مواضع خلاف سے بچنے والا ہو مثلاً چوتھائی سر کا مسح کرے، اسی طرح نہایہ اور کفایہ میں ہے، اور اس قلیل پانی سے وضو بھی نہ کرتا ہو جس میں نجاست واقع ہوئی ہے۔

(فتاوٰی ہندیہ،ج 1،ص 84،نورانی کتب خانہ،پشاور)

اور اس کی اپنی نماز بھی ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے طور پر تو ظاہر کہ محض باطل ہے اور ہم بلاشبہ یہی حکم دیں گے۔

فانا انما نفتی بمذھبنا وان کان مذھب غیرنا ماکان کمانص علیه فی الخلاصة والاشباہ وفی الدر المختار وردالمحتار وغیرھا من الاسفار، ترجمہ: ہم تو اپنے مذہب کے مطابق ہی فتوی دیں گے اگرچہ غیر کا مذہب جیسا بھی ہو، یہی تصریح خلاصہ، اشباہ، درمختار اور ردالمحتار وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔

مگر یہاں اور مذاہب پر بھی خیر نہیں سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ تو ہماری ہی طرح باطل ہی فرمائیں گے کہ ان کے یہاں پُورے سر کا مسح فرض ہے، یونہی سیّدنا امام احمد رضی اللہ تعالی عنہ کہ ان سے بھی اظہر الروایات (سب سے زیادہ ظاہر روایت) فرضیتِ استیعاب (پورے سر کا مسح کرنا) ہے۔

رہا مذہب سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ اُس پر صحتِ نماز سمجھ لینا نری ہوس ہی ہوس ہے، ایک اس مسئلہ میں ان سے توافق (مطابقت) سہی، پھر کیا ان کے یہاں ایک ہی مسئلہ ہے، صدہا مسائلِ طہارت وصلٰوۃ خلافیہ ہیں جن پر اطلاع تام (پوری اطلاع) اُسی مذہب کے عالمِ متبحر کا کام خصوصاً ان بلاد میں نہ اس مذہب کے علماء نہ کتب، بھلا یوں نہ مانے تو بتائے تو کہ مذہب شافعی میں نواقض وفرائض وضو وغسل وفرائض داخلی وخارجی ومفسدات نماز بتفصیل صور وشقوق وتنقیح اقوال قدیم وجدید ونصوص ووجوہ وتصحیح وترجیح شیخین وغیرہما کبرائے مذہب کس قدر ہیں اور جب نہیں بتا سکتا اور بے شک نہ بتا سکے گا تو مجہول شی ء کی مراعات

کیونکر ممکن، پھر کہاں سے اطمینان پایا کہ ان کے مذہب پر نماز صحیح ہی ہوگی، نہیں نہیں بلکہ بوجہ کثرتِ خلاف وتکثرِ حوادث موقعہ فی الاختلاف، عادۃً کہیں نہ کہیں وقوعِ مخالفت ہی مظنون۔

اور جب ایسا ہوا اور کیوں نہ ہوگا تو بیٹھے بٹھائے نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے، ایک مذہب پر بھی نماز صحیح نہ ہوئی۔ درمختار میں ہے "لا باس بالتقلید عندالضرورۃ لکن بشرط ان یلتزم جمیع مایوجبہ ذلک الامام لما قدمنا ان الحکم الملفق باطل بالاجماع" ترجمہ: ضرورت کے وقت دوسرے امام کی تقلید میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ شرط ہے کہ ان تمام امور کا التزام جن کو اس امام نے اس عمل کے واسطے واجب قرار دیا ہے، کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ وہ حکم جو دو مذہب سے مخلوط ہو وہ بالاجماع باطل ہے۔ (درمختار، ج1، ص62، مطبع مجتبائی، دہلی)

غرض لا اقل (کم از کم) اس بیباکی کا اتنا حاصل کہ تین مذہب پر تو دانستہ نماز باطل کرلی چوتھے پر صحت کی خبر نہیں فانّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

مولیٰ تعالیٰ جنھیں توفیقِ خیر رفیق فرماتا ہے وہ ہر امر میں جہاں تک اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے بقیہ مذاہب کا بھی لحاظ رکھتے ہیں مثلاً محتاط حنفی وشافعی ہرگز مسح کل راس (پورے سر کا مسح) وولا (اعضائے وضو کے پے در پے دھونے) ودَلک (ملنے، رگڑنے کو) ترک نہ کریں گے کہ آخر مسنون تو ہم بھی جانتے ہیں اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ان کے بغیر طہارت ونماز ہی باطل۔

تو کیا مقتضائے عقل ہے کہ سنت چھوڑے اور ایک امامِ دین کے نزدیک نماز ہی سے منہ موڑے ولا حول ولا قوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم ولہذا علمائے مذاہبِ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ تصریح فرماتے ہیں کہ خروج عن الخلاف (خلاف سے نکلنا) بالاجماع مستحب مگر بیباک لوگوں کے نزدیک سنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترک، اپنے امامِ مذہب کی مخالفت تین مذاہبِ حقہ پر نمازوں کا بطلان، چوتھے پر صحت شک وجہالت، یہ سب بلائیں آسان ہیں اور بندھی ہوئی پگڑی کے پیچ ذرا سُست ہوجانا دشوار۔ اللہ عزوجل ہدایت بخشے۔ (ج6،ص403)

سوال: ایک شخص مولوی حافظ ہوکر روزہ نہ رکھے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو بے عذرِ شرعی روزہ نہ رکھے فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تو اگر دوسرے شخص متقی کے پیچھے نماز مل سکے تو اس کے پیچھے نہ پڑھے یہاں تک کہ جمعہ بھی۔۔ ورنہ (دوسرا متقی نہ ملنے کی صورت میں) پڑھ لے، فانہ اولی من الانفراد کما فی ردالمحتار عملا بقول من یقول ان الکرھۃ تنزیھۃ، ترجمہ: کیونکہ اقتداء تنہا نماز ادا کرنے سے اولیٰ ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے تاکہ اس کے قول پر عمل ہوجائے جو اسے مکروہ تنزیہی کہتا ہے۔

اور پڑھ کر پھر پھیر لے، لما ذهب اليه كثير من العلماء ان الكرهة تحريمية وهو الذى حققه فى الغنية وغيرها وهو الاظهر كما بيناه فى فتاوئنا ،ترجمہ: کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اس میں کراہت تحریمی ہے جیسا کہ غنیہ وغیرہا میں ثابت ہے اور یہی مختار ہے اسے ہم نے اپنے فتاویٰ میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ (ج6،ص406)

سوال: حنفی کا شافعی کی اقتداء کرنا کیسا ہے؟

جواب: حنفی جب دوسرے مذہب والے کی اقتداء کرے جہاں اس کی اقتداء جائز ہو کہ اگر امام کسی ایسے امر کا مرتکب ہو جو ہمارے مذہب میں ناقضِ طہارت یا مفسدِ نماز ہے جیسے آبِ قلیل متجنس (تھوڑے ناپاک پانی) یا مستعمل سے طہارت یا چوتھائی سر سے کم کا مسح یا خونِ فصد وریم زخم (زخم کی پیپ) وقے وغیرہا نجاسات غیر سبیلین (دونوں شرم گاہوں کے علاوہ کسی جگہ سے نکلنے والی نجاسات) پر وضو نہ کرنا یا قدرِ درم سے زائد منی آلودہ کپڑے سے نماز پڑھنا یا صاحبِ ترتیب ہو کر باوصف یادِ فائتہ (فوت شدہ نماز یاد ہونے کے باوجود) دوسعت وقت بے قضائے فائتہ نماز وقتی شروع کر دینا یا کوئی فرض ایک بار پڑھ کر پھر اُسی نماز میں امام ہو جانا تو ایسی حالت میں تو حنفی کو سرے سے اُس کی اقتداء جائز ہی نہیں اور اسکے پیچھے نماز محض باطل۔

غرض جب وہ ایسے امور سے بری اور اُس کی اقتدا صحیح ہو اس وقت بھی ان باتوں میں اس کی متابعت نہ کرے جو اپنے مذہب میں یقیناً ناجائز ونامشروع قرار پا چکی ہیں اگر متابعت کرے گا تو اُس کی نماز اس نامشروع کی مقدارِ کراہت پر مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہو گی کہ پیروی مشروع میں ہے نہ غیر مشروع میں۔

اسی طرح ترکِ سنّت میں امام کی پیروی نہیں بلکہ موجبِ اساءت وکراہت ہے اگر وہ چھوڑے مقتدی بجالائے جبکہ اس کی بجا آوری سے کسی واجب فعل میں امام کی متابعت نہ چھوٹے ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر امام وقتِ تحریمہ رفعِ یدین (ہاتھ اٹھانا) یا تسبیح رکوع وسجود یا تکبیرِ انتقال یا ذکرِ قومہ ترک کرے تو مقتدی نہ چھوڑے۔۔یوں ہی تکبیراتِ عیدین میں رفعِ یدین۔

اور اگر رکوع وسجود میں ایک ہی تسبیح کہہ کر سر اُٹھائے تو مقتدی بھی ناچار سنتِ تثلیث (تین دفعہ تسبیح پڑھنے کی سنت) ترک کرے ورنہ قومہ وجلسہ کی متابعت میں خلل آئے گا۔

سوال: اگر حنفی شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو آمین بالجہر (بلند آواز سے آمین کہنا)، رفعِ یدین اور قومہ میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے میں امام کی متابعت کرے یا نہ کرے؟

جواب: جب یہ اصول (جو اوپر والے سوال میں مذکور ہوئے) معلوم ہو لئے تو اُن تینوں فروع کا حکم بھی انھیں سے نکل سکتا ہے رکوع وغیرہ میں رفع یدین ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک منسوخ ہو چکا ہے اور منسوخ پر عمل نا

مشروع، تواس میں متابعت نہیں۔

قومہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شافعیہ کے نزدیک نمازِ فجر کی رکعتِ اخیرہ میں ہمیشہ وتر کی تیسری میں صرف نصف اخیر شہرِ رمضان المبارک میں ہے کہ وہ ان میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں، قنوتِ فجر تو ہمارے ائمہ کے نزدیک منسوخ یا بدعت، بہرحال یقیناً نامشروع ہے، لہذا اس میں پیروی ممنوع، اور جب اصل قنوت میں متابعت نہیں تو ہاتھ اٹھانے میں کہ اس کی فرع ہے اتباع کے کوئی معنی نہیں مگر اصل قومہ رکوع فی نفسہ مشروع ہے لہذا وہ جب تک نمازِ فجر میں قنوت پڑھے مقتدی ہاتھ چھوڑے چُپکا کھڑا رہے۔

اور نمازِ وتر میں اگر شافعی امام کے پیچھے اقتدا باقی رہے (کہ وہ وتر کے دو ٹکڑے کرتے ہیں پہلے تشہد پر سلام پھیر کر اخیر رکعت اکیلی پڑھتے ہیں اگر امام نے ایسا کیا جب تو رکعتِ قنوت آنے سے پہلے ہی اس کی اقتدا قطع ہوگئی اب نہ وہ امام نہ یہ مقتدی، نہ اس کے وتر صحیح کہ اس کی وسطِ نماز میں عمداً سلام واقع ہوا) تو اگرچہ شافعیہ قنوت قومہ میں پڑھتے ہیں اور ہمارے مذہب میں اس کا محل قبلِ رکوع، مگر ہمارے علماء نے تمام متون وشروح وفتاوٰی میں مقتدی کو حکم دیا کہ یہاں قنوت میں متابعت کرے، اور اس کا منشاء وہی کہ اسے بالکل نامشروع نہیں ٹھہراتے۔

رہا یہ کہ مقتدی اس حالت میں اتباعِ امام کرے یا اتباعِ مذہبِ امام یعنی ہاتھ باندھے یا چھوڑے یا دعا کی طرح اُٹھائے، کیا کرنا چاہئے، اس کی تصریح نظرِ فقیر سے نہ گزری، نہ اپنے پاس کی کتبِ موجودہ میں اس سے تعرض پایا، ظاہر یہ ہے کہ مثلِ قیام ہاتھ باندھے گا کہ جب اسے قنوت پڑھنے کا حکم ہے تو یہ قیام ذی قرار وصاحبِ ذکر مشروع ہوا اور ہر ایسے قیام میں ہاتھ باندھنا نقلاً وشرعاً سنّت اور عقلاً وعرفاً ادبِ حضرت، اور ترکِ سنّت میں امام کی پیروی نہیں۔

یوں ہی ہمارے ائمہ کا اجماع ہے کہ آمین میں سنّت اخفا ہے اور اس کی بجا آوری میں امام سے کسی واجب فعلی میں مخالفت نہیں تو کیوں ترک کی جائے۔

ولہذا حرمین طیبین زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً و تکریماً میں مرئی ومشاہد (دیکھا گیا) ہے کہ ایک امام کے پیچھے چاروں مذہب والے نماز پڑھتے ہیں اور ان امور میں سب اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں حنفی امام حنفی کے پیچھے زیرِ ناف ہاتھ باندھے ہے، اُس کے دہنے بازو پر شافعی سینے پر ہاتھ رکھے، بائیں بازو پر مالکی ہاتھ کھولے ہوئے ہے کوئی کسی پر انکار نہیں کرتا، اور کیوں ہو کہ بحمد اللہ ہم چاروں حقیقی بھائی ایک ماں باپ کی اولاد ہیں باپ ہمارا اسلام ماں ہماری سنّت سنیہ سیّد الانام علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والسلام۔

انکار تو ان گمراہوں پر ہے جو تقلید ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معاذ اللہ شرک وحرام بتاتے اور مذاہبِ حقہ راشدہ اہلِ

حق کا نام چوراہہ رکھتے ہیں۔

رہا یہ کہ ایسی صورت میں شافعی کو کیا چاہئے، یہ علماء شافعیہ سے پُوچھا جائے۔ (ج6،ص409تا415)

سوال: عدیم البصر (نابینا) کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بلاشبہ جائز ہے مگر اولی نہیں مکروہ تنزیہی ہے جبکہ حاضرین میں کوئی شخص صحیح العقیدہ غیر فاسق قرآن مجید صحیح پڑھنے والا اس سے زائد یا اس کے برابر مسائلِ نماز وطہارت کا علم رکھتا ہو ورنہ وہ عدیم البصر ہی اولی وافضل ہے جو باوصفِ صفاتِ مذکورہ باقی حاضرین سے اُس علم میں زائد ہو۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سفر کو تشریف لیجاتے وقت دو بار مدینہ طیبہ پر نیابت عطا فرمائی کہ باقی ماندہ لوگوں کی امامت کرتے۔

علماء فرماتے ہیں انھیں امام مقرر کرنے کی یہی وجہ ہے کہ حاضرین میں سب سے افضل یہی تھے۔ (ج6،ص416)

سوال: بکر نے مسجد میں مقرر شدہ امام زید سے زبردستی امامت چھین لی اور خود امام بن بیٹھا حالانکہ زید میں کوئی خامی نہیں، اور انتظامیہ مسجد اور دیگر لوگ بکر کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے ہیں درج ذیل وجوہات کی وجہ سے:

(۱) یہ کہ بکر بعض اوقات رقصِ طوائف دیکھ لیتا ہے۔

(۲) کفار ومشرکین کے میلوں ٹھیلوں اور دیوالی کی شب جو ہنود میں صورت پچھمن کی ہوتی ہے اور خبائث دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے شریک ہوکر سب کے ساتھ مہورت کا روپیہ چڑھاتا ہے۔

(۳) محفل میلادِ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اور قیام کو بدعتِ سیئہ بتلاتا ہے اور گیارہویں شریف کی محفل کرنے والے کو بدعتی اور گنہگار کہتا ہے اور شیرنی محفلِ میلاد کو برا جانتا ہے۔

(۴) شرفا کی توہین اور غیبت کو فخر سمجھتا ہے۔

بکر کے پیچھے نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں کیا حرج ہے؟

جواب: صورت مستفسرہ (پوچھی گئی صورت) میں بکر کا فاسق فاجر مرتکبِ کبائر بدعتی گمراہ خائب وخاسر ہونا تو بداہۃً ظاہر اور اگر پچھمن کو روپیہ معاذ اللہ بطورِ عبادت بھینٹ چڑھایا ہے تو قطعاً یقیناً مرتد کافر اور اس فعلِ ملعون کے بدترین فسق وفجور قریب بکفر ہونے میں تو کلام ہی نہیں، بہرحال اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے میں کیا حرج ہوتا بلکہ اقتدا میں حرج اور سخت حرج ہے جو اسے امام کرے گا گنہگار ہوگا مسلمان اس فاسق بددین کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں جہاں تک قدرت ہو اُسے امامت سے دفع کریں قدرت نہ پائیں تو اپنی جماعت جدا کریں اور جبکہ امامِ معین یعنی زید اور عامۂ اہل مسجد انھیں کے ساتھ ہیں تو جماعت اولی انھیں کی جماعت ہوگی اگرچہ وہ پہلے پڑھ جائے بلکہ جبکہ اس کے اسلام میں شک ہے تو انھیں بدرجۂ اولی جائز ہے وہ جس وقت

امامت کر رہا ہو اُسی وقت مسجد میں یہ اپنی جماعت قائم کریں اور اگر یہ ایسا کریں تو اس جماعت کے مقتدیوں کو چاہئے فوراً نیت توڑ کر اس میں آملیں اگر ایسا نہ کریں گے تو انہیں اپنی نماز پھیرنی ہوگی یوں ہی آج تک جتنی نمازیں لوگوں نے دانستہ خواہ نادانستہ اس کے پیچھے پڑھی ہیں سب پھیریں، اور اگر مسلمان نہ اُسے امامت سے دفع کر سکتے ہیں نہ اُس مسجد میں اپنی جماعت اس سے پہلے یا ساتھ یا بعد کر سکتے ہیں تو انہیں روا ہے کہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں دوسری مسجد میں جا کر شریکِ جماعت ہوں۔

بکر جیسا کہ اپنے دیگر اقوال وافعال مذکورۂ سوال کے باعث خاطی وبزہ کار اور اس بھینٹ کے سبب بدترین وناپاک ترین اشرار، یوں ہی اس امامت میں بھی کہ بناراضی مقتدیان ہے مخالفِ شرع وگنہگار ہے۔

حدیث پاک میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ثلثة لعنهم الله من تقدم قوما وهم له كارهون وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط ورجل سمع حي على الصلاة حي على الفلاح فلم يجب" "تین شخص ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ایک وہ کہ لوگوں کی امامت کو کھڑا ہو جائے اور وہ اس سے ناخوش ہوں، دوسری وہ عورت کہ رات گزارے اس حالت میں کہ اس کا شوہر اُس سے ناراض ہے، تیسرا وہ شخص کہ حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح سنے اور نماز کو حاضر نہ ہو" (الزواجر عن اقتراف الکبائر، بحوالہ مستدرک، ج1، ص239، دار الفکر، بیروت)

خصوصاً ایسی امامت تو اور بھی سخت ہے کہ بلاوجہ شرعی امامِ متعین کا منصب چھین کر جبراً لوگوں کی امامت کرے ائمۂ دین نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا۔ (ج6،ص419)

سوال: جو امام نماز پڑھانے پر نوکر ہے اس کی اقتداء کی جائے یا جماعت ترک کی جائے؟

جواب: قطعاً اقتداء کی جائے اس عذر پر ترکِ جماعت ہرگز جائز نہیں، متقدمین کے نزدیک جو اُجرت لے کر امامت کرنے والے کے پیچھے نماز میں کراہت تھی اس بنا پر کہ اُن کے نزدیک امامت پر اُجرت لینا ناجائز تھا وہ بھی ایسی نہ تھی جس کے باعث ترکِ جماعت کا حکم دیا جائے، اب کہ فتویٰ جوازِ اجرت پر ہے تو وہ کراہت بھی نہ رہی۔ (ج6،ص422)

سوال: ایک مسجد میں زید اور بکر دو اشخاص ہیں، زید کی قرأت ٹھیک نہیں کہ وہ شد مد وقف بلکہ حرف سے حرف تبدیل کرنے کا عادی ہے اور بکر فاسق معلن ہے، ان میں سے کس کو امام بنایا جائے؟

جواب: اس مسئلہ میں جواب سے پہلے چند مسائل کا معلوم کرنا ضرور:

(۱) وقف کی غلطی کہ وصل کی وقف، وقف کی جگہ وصل کرے، یہ اصلاً مفسدِ نماز نہیں اگرچہ وقف لازم پر نہ ٹھہرے۔

(۲) جن حروف مدہ پر مد ہے جیسے جآء، تنوٓء، جآئ، یآیھا، قالوآ انا، فیٓ ایام، دآبة، آمین وہاں مد نہ کرنا بھی اصلاً مفسد نہیں۔

(۳) جن حروف مد یا لین پر مد نہیں مثلاً قال یقول قیل قول خیر، ان پر مد کرنا بھی موجب فساد نہیں جبکہ حد سے زیادہ نہ ہوں، ہاں حد سے متجاوز ہو جیسے گانے میں زمزمہ کھینچا جاتا ہے تو آپ ہی مطلقاً مفسد ہے اگرچہ مد ہی کی جگہ ہو۔

(۴) کھڑے کو پڑا پڑھنا بھی مفسد نہیں۔

ان چاروں باتوں سے اگرچہ فساد نماز نہیں مگر کراہت ضرور ہے کہ آخر قرآنِ عظیم کا غلط پڑھنا ہے یہاں تک کہ علمائے کرام نے فرمایا: مد کا ترک حرام ہے۔ تو کھڑے کو پڑا پڑھنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا اس میں تو جوہرِ لفظ میں کمی ہوگئی بخلاف مد کہ امر زائد تھا۔

یوں ہی تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص وقف و وصل کی رعایت نہ رکھتا ہو اُسے امام نہ ہونا چاہئے۔

(۵) پڑے کو کھڑا پڑھنے سے اگر معنی فاسد نہ ہوں۔ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

ورنہ (اگر معنی فاسد ہو گئے تو نماز) فاسد (ہو جائے گی)۔

(۶) یونہی مشدد کو مخفف، مخفف کو مشدد پڑھنا فسادِ معنی میں فسادِ نماز ہے۔

(۷) س ص وغیرہما حروف کی باہم تبدیل میں بھی فسادِ معنی ہی پر لحاظ ہے، بحالتِ عدمِ فسادِ نماز فاسد نہیں۔

پچھلے تین مسائل (۵، ۶، ۷) میں کہ بحالتِ فسادِ معنی فسادِ نماز کا حکم مذکور ہمارے امام صاحبِ مذہب اور ان کے اتباع ائمہ متقدمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب تھا اور وہی احوط و مختار ہے اجلہ محققین نے اُسی کی تصریح فرمائی۔

اگرچہ علمائے متاخرین ان تین میں بھی کہیں بعض کہیں اکثر بغرض آسانی جانبِ جوازِ نماز گئے اور بکثرت فروع میں ان کے اقوال خود مختلف و مضطرب رہے۔

(۹) س، ص وغیرہما حروف کی تبدیل جس میں آج کل اکثر عوام مبتلا ہیں جب بطورِ عجز ہو یعنی ص کہنا چاہیں تو س ہی ادا ہو ص نہ نکال سکیں جیسا کہ یہاں عوام کا جنہوں نے قواعدِ ادا نہ سیکھے اور اس فرضِ عین کے تارک رہے یہی حال ہے تو اس صورت میں اگرچہ ان کی اپنی نماز ہو جانے پر فتوی ہے جبکہ سیکھنے پر کوشش کیے جائیں اور جو حرف نہیں نکال سکتے اس سے خالی کوئی سورت یا آیت پاتے ہوئے سوائے فاتحہ ایسا کلام جس میں وہ حروف آئے ہیں نہ پڑھیں اور صحیح خوان کی اقتدا ملتے ہوئے جدا نماز ادا نہ کریں مگر یہ حکم صرف اُن کی اپنی نماز ان شرطوں کے ساتھ جائز ہونے کے لئے ہے صحیح خواں کی امامت نہیں کر سکتے نہ اُس کی نماز ان کے پیچھے ہوگی یہی مذہب صحیح ہے اور یہی قولِ جمہور ائمہ ہے جن میں متاخرین بھی شامل ہیں۔

(۱۰) فجر و ظہر میں طوالِ مفصل، عصر و عشاء میں اوساط کا پڑھنا اگرچہ سنت ہے۔ مگر نہ ایسا ضروری کہ عذر سے بھی ترک نہ کیا جائے۔ صحیح حدیث سے ثابت کہ ایک بچہ جس کی ماں شریکِ جماعت تھیں اس کے رونے کی آواز سن کر حضور پُر نور

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز صرف معوذتین سے پڑھائی۔ علماء یہاں منجملہ اعذار ملالِ قوم و بدآوازی امام تک شمار کرتے ہیں کہ کریہہ الصوت ہو تو چھوٹی سورتوں پر قناعت کرے تاکہ مقتدیوں کو ناگوار نہ ہو۔

تو قرآن عظیم کو اپنے اغلاط اور اپنی مقتدیوں کی نماز کو فساد سے محفوظ رکھنا تو اعظم اعذار اور اہم کار (کام) ہے۔

(۱۱) فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے بحرالرائق و دُرمختار و معراج الدرایہ و مجتبٰی وغیرہا میں اس کراہت کو تنزیہی اور غنیہ وفتاوی حجہ و مراقی الفلاح و فتح اللہ المعین وغیرہا میں تحریمی ٹھہرایا اور یہی کلام امام زیلعی کا مفاد۔

(۱۲) جماعت اہم واجبات و اعظم شعائر اسلام سے ہے، تو فسقِ امام کے سبب ترکِ جماعت نہ چاہئے ادائے جماعت کے لئے اس کے پیچھے پڑھ لیں اور دفع کراہت کے لئے اعادہ کرلیں۔

بلکہ جب اس کے سوا نہ کوئی امامت کے قابل ہو نہ دوسری جگہ جماعت ملے تو اس کے پیچھے کراہت بھی نہ رہے گی۔

جب یہ مسائل معلوم ہوگئے تو حکم مسئلہ منکشف ہوگیا، زید و بکر دونوں کے پیچھے نماز کم سے کم مکروہ تو ضرور ہے، پس اگر کوئی تیسرا قابلِ امامت خالی از کراہت ملے تو اس کی اقتدا کریں۔

اور اگر کوئی نہ ہو تو اگر چھوٹی چھوٹی بعض سورتیں جو زید کو خوب صاف و صحیح یاد ہوں، انہی پر اکتفا کرنے میں زید سے وہ خرابیاں واقع نہ ہوتی ہوں، سین وصاد وغیرہما حروف بھی ٹھیک ادا کرلیتا ہو، تو واجب بلکہ لازم ہے کہ ہمیشہ انہیں سورتوں پر قناعت کرے ان کے سوا اور ہرگز ہرگز نہ پڑھے جن میں کراہت درکنار نوبت تابہ فساد پہنچے اور جب اس تدبیر سے وہ خرابیاں زائل ہوں تو اس تقدیر پر زید ہی کی امامت رکھیں کہ ہر نماز میں چھوٹی سورتوں پر اقتصار ترکِ سنّت سہی مگر بعذر رقوی ہے، اور عذر دافع کراہت (کراہت کو ختم کرنے والا ہے) بخلاف بکر کہ اس کے پیچھے بسبب فسق کراہت بلکہ سخت کراہت ہے، تو زید ہی اولیٰ بامامت ہے۔

اگر کوئی سورت زید کو صاف نہیں یاد، قصار (چھوٹی سورتوں) پر اقتصار میں بھی وہی خرابیاں پیش آتی ہیں اگرچہ کم ہوں تو اسے ہرگز امام نہ کیا جائے، کہ جب پڑے پر کھڑا، مخفف کو مشدّد، مشدّد کو مخفف، س کو ص، ص کو س پڑھنے کی عادت ہے تو یہ امور ایسی جگہ بھی ضرور واقع ہوں گے جن سے ہمارے ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک نماز بالکل باطل ہوجائیگی، اس کے کوئی معنی نہیں کہ اغلاط کا عادی وہیں غلطی کرے جہاں معنٰی نہ بدلیں اور جہاں فسادِ معنی ہوتا وہاں نہ کرتا ہو، غلطی اپنے قصد و اختیار کی نہیں جہاں چاہی کی جہاں چاہی نہ کی نہ بے علم آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ کہاں معنٰی بگڑیں گے کہاں نہیں، خصوصاً جبکہ س وص کی تبدیلی بربنائے عجز ہو کہ عاجز لاجرم کہیں ٹھیک نہ پڑھے گا، اس تقدیر پر اس کے پیچھے نماز اصلِ مذہب اور تصحیح ائمۂ محققین پر فاسد وباطل ہے، اور بحالتِ عجز تو جمہور ائمہ کے نزدیک امامتِ صحیح خواں کی اس میں اصلاً لیاقت نہیں بلکہ فاسق (جو کہ صحیح خواں ہے)

کے ہوتے ہوئے اس کی خود اپنی نماز نہ ہوگی کہ باوصف قدرت اس نے اس کی اقتدا چھوڑ دی۔

بخلاف بکر کہ اگر چہ فاسق سہی مگر جبکہ صحیح خواں ہے تو اس کے پیچھے نماز باتفاقِ اصحاب صحیح ہے، رہی کراہت اُس کا علاج اعادہ سے ممکن بلکہ جب دوسرا کوئی قابلِ امامت نہیں تو کراہت بھی نہیں کہ عذر وضرورت نافی کراہت ہیں۔

اور اسی سبب سے احسن واہم یہ کہ بکر اپنے رب جل وعلا سے ڈرے اپنے حال پر رحم کرے فسق و نافرمانی بادشاہ قہار سے تائب ہو کہ اس کے پیچھے نماز بروقت محبوب ومناسب ہوا گر روزِ قیامت کا اندیشہ نہیں تو اس مجلس اسلامی میں صدارت نہ ملنے کی غیرت چاہئے، آدمی اگر دنیا والوں کے کسی جلسہ میں جائے تو کوشش کرے گا کہ کوئی حرکت ایسی نہ ہو جو لوگ اچھی جگہ بٹھانے کے قابل نہ سمجھیں اور اگر کسی مجلس میں صدر کی جگہ سے ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا جائے کس قدر غیرت آئے گی ندامت ہوگی تو یہ اللہ عزوجل کے دربار میں صدر مقام ہے، یہاں کیوں نہ غیرت کو کام میں لایئے کہ کارکنانِ بارگاہِ سلطانی صدر جگہ سے ہاتھ پکڑ کر اٹھا نہ دیں، اللہ تعالیٰ توفیقِ خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ (ج6ص423تا436)

سوال :اگر امام کوئی مستحب ترک کرے تو کیا مقتدیوں پر اس کا ترک بحکم متابعت واجب ہوتا ہے اور دلیل یہ کہ متابعت (پیروی کرنا) فرض ہے اور وہ فعل مستحب، اور قاعدہ کلیہ ہے کہ مستحب فرض کا مزاحم نہیں ہوسکتا۔

جواب :متابعتِ امام ہر فعل وترک میں علی الاطلاق فرض وواجب کیا معنی مسنون اور مستحب بھی نہیں بلکہ بعض صورتیں خلافِ اولیٰ اور بعض میں محض ناجائز ہوتی ہے۔

پھر اگر اس مستحب متروک الامام (وہ مستحب جو امام نے چھوڑا ہے) کے فعل سے کسی واجبِ فعلی میں مخالفتِ امام لازم نہ آئے تو اس کا فعل ہی اولیٰ اور انسب ہوگا، اور وہ مستحب درجۂ استحباب سے بھی نہ گرے گا، چہ جائیکہ بسبب ترک متابعت حرام یا ہلکے درجے کا مکروہ ہی ہو جائے۔

کیا اگر امام ادبِ نظر کی مراعات نہ کرے تو مقتدی بھی آنکھیں پھاڑے دیوارِ قبلہ کو دیکھتے رہیں، کیا اگر امام بحالتِ قیام پاؤں میں فصل زیادہ رکھے تو مقتدی بھی ٹانگیں چیرے کھڑے رہیں، کیا اگر ایسا نہ کریں تو بحکم متابعت تارکِ واجب وآثم و گنہگار ہوں گے۔

لایقول به عاقل فضلاً عن فاضل (اس کو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ کوئی فاضل کہے)۔

اسی قبیل سے ہے عمامہ باندھنا مسواک وغیرہ کرنا (یعنی امام نے عمامہ نہ باندھا ہو اور وضو میں مسواک نہ کی ہو تو بھی مقتدی کرے گا)۔

اور یہیں سے ظاہر ہوگئی اس دلیل کی شناعت، اور یہ قاعدہ مسلمہ تعارض واجب وفرض ومستحب مانحن فیہ (جو بحث ہم

کررہے ہیں) سے محض بیگانہ اور اس کلیۂ دلیل کے صریح ناقض، نظم زندویسی کی وُہ روایت ہے جسے علامہ ابن امیر الحاج حلبی نے شرح منیہ میں نقل فرمایا" حیث قال تسعة اشیاء اذا لم یفعلها الامام لا یترکها القوم رفع یدین فی التحریمة و الثناء مادام الامام فی الفاتحة و تکبیر الرکوع و السجود و التسبیح فیهما و التسمیع و قرأة التشهد و السلام و تکبیرات التشریق اھ ملخصا" ترجمہ: ان کی عبارت یہ ہے کہ نو اشیاء ایسی ہیں اگر امام انھیں نہ کرے تو قوم ترک نہ کرے تحریمہ کے لئے رفع یدین، ثناء کا پڑھنا بشرطیکہ امام فاتحہ میں ہو، رکوع کی تکبیر، سجود کی تکبیر، ان دونوں میں تسبیح، سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہنا، قرأۃ تشہد، سلام اور تکبیرات تشریق۔ (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ،ص 528، سہیل اکیڈمی، لاہور)

کہ اگر ہر فعل میں متابعت امام فرض ہو، تو جس طرح مستحب مزاحم فرض نہیں ہوسکتا، سنن بھی بلکہ واجبات بھی صلاحیت مزاحمت نہیں رکھتے تو ان چیزوں میں ائمہ کا یہ حکم کہ اگر امام نہ کرے جب بھی مقتدی نہ چھوڑیں کیونکر صحیح ہوتا۔

متابعت امام صرف افعالِ نماز میں منظور ہے یا جو بات نماز سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی اس میں بھی ضرور ہے، بر تقدیر ثانی اگر امام کھجلائے تو مقتدیوں میں بھی خارش مچ جائے، اگر امام احیاناً ٹھنڈی سانسیں لے تو مقتدیوں کو بھی دھونکنی لگ جائے، اور بر تقدیر اول کیا ترکِ مستحب بھی افعالِ نماز میں معدود (یعنی شمار ہوتا) ہے جس میں متابعت حتماً (لازمی طور پر) مقصود ہے۔

(ج6،ص437)

سوال: وہابیہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی مسجد کا امام وہابی المذہب ہو تو اس کی اقتدا کرنا بہتر ہے یا اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھنا؟

جواب: ان دیار میں وہابی اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو اسمٰعیل دہلوی کے پیرو اور اس کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے معتقد ہیں یہ لوگ مثل شیعہ خارجی معتزلہ وغیرہم اہلسنت وجماعت کے مخالف مذہب ہیں ان میں سے جس شخص کی بدعت حدِ کفر تک نہ ہو یہ اُس وقت تھا اب تو کبرائے وہابیہ نے کھلے کھلے ضروریاتِ دین کا انکار کیا اور تمام وہابیہ اُس میں اُن کے موافق یا کم از کم اُن کے حامی یا اُنھیں مسلمان جاننے والے ہیں اور یہ سب صریح کفر ہیں، تو اب وہابیہ میں کوئی ایسا نہ رہا جس کی بدعت کفر سے گری ہوئی ہو خواہ غیر مقلد ہو یا بظاہر مقلد نسال اللّٰہ العفو و العافیة (ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت کو سوال کرتے ہیں) نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے اور جو اس حد تک پہنچ گئی تو اقتدا اس کی اصلاً صحیح نہیں۔

اور جب امامِ مسجد وہابی المذہب ہوا سے منع کرنے اور امامت سے باز رکھنے پر قدرت حاصل نہ ہو تو اُس مسجد کو چھوڑ کر چلا جائے اور دوسری مسجد میں جس کا امام ایسے خبائث سے پاک ہو نماز پڑھے۔ (ج6،ص439)

سوال: ایک جنازہ آیا اس کے اولیاء ان پڑھ تھے، اور فی زمانہ سلطان قاضی یا ان کے نائب بھی نہیں ہیں، تو کیا اس

صورت میں جنازہ پڑھانے کا امام محلہ ہی حقدار تھا؟

جواب :فی الواقع جبکہ ان بلاد میں حکام اسلام سلطان والی وقاضی مفقود ہیں اور جب وہ نہیں تو ان کے نائب کہاں، اور اولیائے میت حسب تصریح سائل محض جاہل تھے تو صورت مستفسرہ میں امام مسجد کو سب پر تقدم اور اسی کو امام کرنا مستحب وبہتر تھا۔ (ج6ص442)

سوال :ایک شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ بزرگی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب آدمی سے زیادہ ہے مگر حضرت علی اور بی بی فاطمہ اور حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ نہیں ہے بلکہ یہ سب پانچ تن بزرگی میں برابر ہیں اور بزرگی حضرت علی کی سب اصحاب سے زیادہ ہے اور وہ شخص نماز جماعت سے نہیں پڑھتا ہے بلکہ محض جُمعہ کے دن جماعت سے پڑھتا ہے اور تعزیہ بنانے کو بھی اچھا کہتا ہے، کیا یہ مناسب ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے؟

جواب :ترکِ جماعت تو صرف گناہ تھا کہ بعدِ اعادہ گناہ کبیرہ موجب فسق ہوا اور تعزیہ رائجہ بنانے کو اچھا جاننا بدعت شیعہ کی تحسین اور حضرت امیر المومنین سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتانا رفض وبدمذہبی، یہی وجوہ اس شخص کے پیچھے نماز کے سخت مکروہ ہونے کو کافی تھا۔

مگر بیان سائل اگر سچا ہے تو حضرات آلِ عبا (چادر والی آل) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاذ اللہ ہمسر وہم مرتبہ بنانا تو خود کفرِ صریح اور دوسرا کفر صریح یعنی آلِ عبا کو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر تفصیل کو مستلزم اس تقدیر پر تو امامت کیسی، وہ شخص اصلاً وقطعاً کسی نماز میں یا عبادت یا نیک کام کی خود لیاقت نہیں رکھتا کہ کفار کا کوئی حسنہ (نیکی) مقبول نہیں بلکہ حقیقۃً اُن سے صدورِ عبادت معقول نہیں اس صورت میں اس کے پیچھے ترکِ نماز نہ صرف مناسب بلکہ فرض قطعی ہے۔

(ج6ص442)

سوال :ایسے شخص کو جو کہ مسائلِ نماز سے جاہل ہو اور حروف کے مخارج اور ان کی صفات سے بھی واقف نہ ہو، مسجد میں امام رکھنا کیسا ہے؟

جواب :جو شخص مسائل نماز سے جاہل ہو اس کی امامت میں احتمال قوی نماز کے فساد وخرابی کا ہے کہ اس سے اکثر باتیں ایسی واقع ہوں گی جن سے نماز فاسد ہوجائے گی یا اس میں نقصان آئے گا اور بسبب جہالت کے اُن پر مطلع نہ ہوگا اور اُن کی اصلاح نہ کرسکے گا۔

اسی طرح جو شخص مخارج وصفات وحروف وقواعد تجوید سے آگاہ نہ ہو عجب نہیں کہ اُس کے پڑھنے میں قرآن میں ایسا تغیر واقع ہوجائے جو بالاتفاق یا ایک مذہب پر موجب فسادِ نماز کا ہو، کیا بلا ضرورت ایسے شخص کو امام کرنا نماز میں کہ عماد

اسلام (اسلام کا ستون) وافضل اعمال ہے بے احتیاطی اور امر شرع میں مداہنت وسہل انگاری نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں''ان سرکم ان یقبل لله صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم ''اگر تمہیں خوش آئے کہ خدا تمہاری نماز قبول کرے تو چاہئے کہ تمہارے بہتر امامت کریں کہ وہ تمہارے سفیر ہیں تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان۔ (مستدرک للحاکم، ج3 ص222، دارالفکر، بیروت) (ج6 ص444)

سوال: ایک شخص کا دہنا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے اس وجہ سے نیت باندھتے وقت اس کا ہاتھ کانوں تک نہیں پہنچتا کہ اس کو مس کرے، اس سبب سے بعض لوگ اس کے پیچھے اقتداء کرنے سے انکار کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: خیالِ مذکور غلط ہے اُس کے پیچھے جوازِ نماز میں کلام نہیں، ہاں غایت یہ ہے کہ اسکا غیر اولیٰ ہونا ہے وہ بھی اس حالت میں کہ یہ شخص تمام حاضرین سے علمِ مسائلِ نماز وطہارت میں زیادت نہ رکھتا ہو ورنہ یہی احق واولیٰ ہے۔

(ج6 ص450)

سوال: ایک شخص کی جوان بیوی بے پردہ باہر نکلتی ہے بلکہ بازار میں بیٹھ کر کچھ سودا بیچا کرتی ہے پس اُس شخص کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر باہر نکلنے میں اس کے کپڑے خلافِ شرع ہوتے ہیں مثلاً باریک کہ بدن چمکے یا اوچھے کہ سترِ عورت نہ کریں جیسے اونچی کُرتی پیٹ کُھلا ہوا یا بے طوری سے اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ سر سے ڈھلکا، یا کچھ حصہ بالوں کا کُھلا، یا زرق برق پوشاک جس پر نگاہ پڑے اور احتمالِ فتنہ ہو یا اسکی چال ڈھال بول چال میں آثار بدوضعی پائے جائیں اور شوہر ان باتوں پر مطلع ہو کر باوصفِ قدرت بندوبست نہیں کرتا تو وہ دیّوث ہے اور اسکے پیچھے نماز مکروہ۔

اور اگر ان شناعتوں سے پاک ہے تو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں۔ (ج6 ص451)

سوال: غیر توتلے کی توتلے کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

جواب: مذہبِ صحیح میں غیر توتلے کی نماز اُس کے پیچھے باطل ہے۔ (ج6 ص452)

سوال: ہکلے کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

جواب: اگر ہکلا نماز میں نہ ہکلائے جیسے بعض لوگوں کا ہکلانا وقتِ غضب سے مخصوص ہوتا ہے صرف غصہ میں ہکلانے لگتے ہیں ویسے صاف بولتے ہیں یا بعض کا ہکلانا بے پروائی کے ساتھ ہوتا ہے اگر تحفظ واحتیاط کریں تو کلام صاف ادا ہو ایسے لوگوں کو دیکھا گیا کہ باتوں میں ہکلاتے ہیں اور اذان ونماز وتلاوت میں اس کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا ایسی صورت میں تو کلام نہیں کہ وہ حقِ نماز میں خود فصیح ہے۔

اور جو ہر جگہ ہکلائے اس کی تین قسمیں ہیں:

ایک وہ کہ ان کی تکرار میں بعض حروف معین ہیں مثلاً کاف یا چ یا پ کہ جہاں رُکیں گے ان ہی حروف کی تکرار کریں گے یا گھبرا کر ایں ایں کرنے لگتے ہیں ان کے پیچھے فسادِ نماز بدیہی ہے۔

دوسرے وہ کہ جس کلمہ پر رُکتے ہیں اُسی کے اوّل حرف کی تکرار کرتے ہیں، اس صورت میں اگر چہ حرفِ خارج نہیں بڑھتا بلکہ اُسی کلمہ کا ایک جزو مکرر ادا ہوتا ہے مگر از انجا کہ حرف بوجہ تکرار لغو و مہمل و خارج عن القرآن رہ گیا ان کے پیچھے بھی نماز فاسد ہے۔

تیسرے وہ کہ ہکلاتے وقت نہ کوئی حرفِ غیر نکالتے ہیں نہ اسی حرف کی تکرار کرتے ہیں بلکہ صرف رک جاتے ہیں اور جب ادا کرتے تو ٹھیک ادا کرتے ہیں ایسوں کے پیچھے نماز صحیح ہے، رہا یہ کہ کوئی کراہت بھی ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ اگر اُن کا رُکنا اتنی دیر نہیں ہوتا جس میں ایک رکن ادا کرلیا جائے جب تو کراہت کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اتنی دیر ہو تو اگر چہ بوجہِ سہو (ہو) اس قدر سکوت موجبِ سجدۂ سہو ہے اور بلا عذر کراہت تحریم۔

اور اگر ان کا رکنا بعذر ہے جس طرح جمائی یا چھینک یا کھانسی وغیرہا اعذار کے باعث بعض اوقات سکوت بقدر ادائے رُکن ہو جاتا ہے تو ظاہراً یہاں وہ حکم نہیں، ہاں اس میں شک نہیں کہ ان کا غیر ان سے اولیٰ ہے جبکہ یہ سب حاضرین سے اعلم باحکام طہارت و نماز نہ ہوں۔ (ج6،ص452)

سوال: ایک شخص تھوڑی سی افیون بغرضِ دوا کھاتا ہے اور اسکے سبب اسے نشہ نہیں ہوتا ایسے کی امامت مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب: نشہ جو ہمارے محاورہ میں سکر و تفتیر دونوں کو عام ہے اور بحکمِ حدیث دونوں حرام اُس کے یہی معنیٰ نہیں کہ زمین و آسمان یا مرد و عورت میں امتیاز نہ رہے یہ تو اس کی انتہا (ہے)۔

اور نشہ کی ابتدا انتہا دونوں حرمت میں یکساں (ہیں)، پس اگر افیون کے سبب کچھ بھی اس کی عقل میں فتور یا حواس میں اختلال پیدا ہو تو کسی وقت پینک آتی ہو بیٹھے بیٹھے اونگھ جاتا ہو کسی وقت گردن ڈھلتے یا آنکھیں چڑھ جاتیں اُن میں لال ڈورے پڑتے ہوں جسے یہ لوگ اپنی اصطلاح میں کیف و سرور کہتے ہیں تو یہ سب صورتیں حرام ہیں اور اُن کا مرتکب فاسق اور اس کے پیچھے نماز مکروہ بلکہ اگر صرف اتنا ہی ہوتا کہ جس دن نہ کھائے جمائیاں آئیں، اعضا شکنی ہو، دورانِ سر ہو، تاہم حرمت میں شک نہیں کہ ترک پر خمار پیدا ہونا صاف بتا رہا ہے کہ استعمال بطور دوا نہیں، نفس اس کا خوگر ہو گیا ہے اور بلا غرضِ مرض اپنی طلب و شوق سے اُسے مانگتا ہے اور یہ صورت خود ناجائز ہے اگر چہ نشہ نہ ہو بلکہ حقیقۃً یہ حالت اُسی کو پیدا ہوگی جس دماغ میں افیون اپنا عمل

ناجائز کرتی ہو ورنہ مجرد (صرف) دوا کا ترک خمار نہیں لاتا۔
ہاں اگر ان سب حالتوں سے پاک ہے اور واقعی صرف حالتِ مرض میں بقصدِ دوا اتنی قلیل مقدار پر استعمال کرتا ہے کہ نہ اُس کے کھانے سے سرور آتا ہے اور نہ چھوڑنے سے خمار، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔ (ج6،ص453)

سوال :جو شخص رشوت لیتا ہے اسکے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور جو شخص اپنی زوجہ کو باہر نکلنے سے منع نہیں کرتا اور پردہ نہیں کراتا اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب :رشوت لینا حرام رشوت لینے والے کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے، اور اگر عورت بے ستر نکلتی ہے جیسے بلادِ ہند یہ کے ننگے کپڑے اور شوہر اس کو باوصفِ اطلاع وقدرت باز نہیں رکھتا تو فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ورنہ نہیں۔
(ج6،ص455)

سوال:ایسا شخص جس کے سارے جسم پر برص پھیل گیا ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:ایسے برص والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (ج6،ص458)

سوال :اس ملک دکن میں اکثر لوگ ماہ محرم الحرام میں سواری اپنے مکان پر بٹھا لیتے ہیں اور اس کو فلاں صاحب کی سواری کہتے ہیں اکثر لوگ اس سے منتیں مانگتے ہیں اور چڑھاوے وغیرہ بہت کچھ چڑھاتے ہیں، کیا ایسے شخص کے پیچھے جو اپنے مکان پر سواری بٹھائے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب :سواری مذکور بٹھانا اور اس سے منتیں مانگنا بدعتِ جہال ہے کہ فسقِ عقیدہ یا فسقِ عمل سے خالی نہیں اور اہلِ بدعت وفساق کے پیچھے نماز سخت مکروہ۔ (ج6،ص452)

سوال :ولد الحرام المؤمن کی بخشش ہوگی یا نہیں؟ اور بشرطِ قابلیتِ امامت کے نماز میں امام بنایا جائے گا یا نہیں؟ اور قواعدِ طریقت کی رو سے مرتبۂ عرفان پاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کو خلیفہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :ہر مومن جس کا خاتمہ ایمان پر ہو اور مومن عنداللہ وہی قابلِ مغفرت ہے اور اس کا انجام یقیناً جنت۔۔ ولد الزنا کی امامت مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ ہے جبکہ وُہ سب حاضرین میں مسائلِ طہارت ونماز کا علم زائد نہ رکھتا ہو۔۔ پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ دُوسرا قابل امامت موجود ہو اور اگر حاضرین میں صرف وہی لائقِ امامت ہے تو اُسے امام بنانا واجب ہوگا مرتبہ عرفان اہل حق کے نزدیک وہی ہے ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ترجمہ:اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مختص فرما لیتا ہے۔ ولد الزنا پر خود اس گناہ کا الزام نہیں الزام زانی اور زانیہ پر ہے۔
اس کا استخلاف (خلیفہ بنانا) جبکہ وہ اس کا اہل ہو نظرِ شیخ عارف بصیر پر ہے اگر مصلحت دیکھے تو ممنوع نہیں اگر حال اس

کا مشہور اور عامۂ خلائق اس سے نفور ہوں اور سمجھے کہ کارِ دعوت الی اللہ اور ہدایتِ خلق اللہ بسبب تنفرِ ناس (لوگوں کے تنفر ہونے کی وجہ سے) منتظم نہ ہوگا تو احتراز فرمائے۔ (ج6،ص458)

سوال: زید زانی کو امام رکھنا کیسا؟

جواب: اگر اس کا زانی ہونا ثابت و محقق ہو جب تو اُسے امام بنانے کی ہرگز اجازت نہیں کہ زانی فاسق ہے اور فاسق کو امام کرنا منع ہے۔

اور اگر وہ لوگوں میں عام طور پر زانی مشہور ہو جب بھی اس کے امام بنانے سے احتراز چاہئے کہ اس صورت میں لوگ اس کی امامت سے نفرت کریں گے یہ امر باعثِ تقلیل جماعت ہوگا کہ مقاصدِ شرع کے خلاف ہے۔ (ج6،ص459)

سوال: بہرے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں حیث لا مانع (کیونکہ اس کی امامت سے کوئی چیز مانع نہیں)، ہاں غیر بہرا کہ مرجحاتِ راجیحاتِ امامت (امامت کے بارے میں ترجیح دینے والی چیزوں) میں بہرے سے کم نہ ہو افضل واولیٰ ہے کہ نماز میں جس طرح حفظِ طہارتِ بدن وثوب ومصلیٰ وتصحیح جہتِ قبلہ کے لئے حاسۂ بصر کی حاجت ہوتی ہے جس کے سبب بینا کو اندھے بلکہ ضعیف البصر پر ترجیح دی گئی۔

یوں ہی حاسۂ سمع کی بھی ضرورت پڑتی ہے اگرچہ نہ دواماً مگر نادر بھی نہیں کہ انسان سے نسیان نادر نہیں اور وقتِ سہو امام اصلاح مقتدیوں کے بتانے سے ہوتی ہے اور وہ سمع پر موقوف، جب اُس کا حس سامعہ موقوف ہے تو ان صورتوں کا وقوع متوقع جن میں اس کے نہ سننے کے سبب نماز فاسد یا مکروہ یا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو جائے مثلاً قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر اُٹھا مقتدیوں کا بتانا نہ سُنا، زائد (چار پڑھ رہا تھا پانچویں) کا سجدہ کرلیا، فرض باطل ہو گئے یا اولیٰ چھوڑا اور بتانے پر مطلع نہ ہو کر سلام پھیر دیا سجدۂ سہو کے لئے بتایا گیا تو سمجھا کہ کوئی کچھ بات کرتا ہے تکلم کر بیٹھا، نماز بوجہِ ترکِ واجب واجب الاعادہ رہی یا قرأت میں وہ غلطی کی جس سے معنی میں تغیر اور نماز میں فساد ہو فتح مقتدیین (مقتدیوں کا لقمہ) سُن کر صحیح ارادہ کر لیتا تو اصلاح ہو جاتی۔ اس نے نہ سنا اور نماز فاسد کرلی۔

تو امامت کے لئے اصلح واولیٰ وہی ہے جو وجوہِ نقص سے خالی ہو۔ (ج6،ص460)

سوال: ایک شخص بدصورت اور بہرا ہے، دوسرا شخص کلام شریف اس سے اچھا پڑھتا ہے اور کریہہ الصوت نہیں ہے اور بہرا بھی نہیں ہے یعنی حواسِ خمسہ اس کے صحیح ہیں تو حالت مساوی العلم ہونے کے ان دونوں میں شرعاً لائق امامت کون ہے؟

جواب: اگر اس شخص کے اس سے قرآن مجید اچھا پڑھنے سے مراد یہ حروف مخارج سے صحیح ادا کرتا ہے اور وہ نہیں جیسے

آج کل عالمگیر وبا پھیلی ہے ا، ع ، ہ ، ح ، ت ، ط ، ث ، س ، ص ، ذ ، ز ، ظ میں تمیز نہیں کرتے جب تو اس بہرے کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی اگر باوصف قدرت کے سیکھے تو ادا کر سکے مگر نہ سیکھا غلط پڑھتا ہے جب تو نہ اس کی اپنی نماز ہوئی نہ اس کے پیچھے کسی دوسرے کی، اور اگر عاجز ہے جیسے تو تلا وغیرہ تو اس کی اپنی ہو جائے گی جبکہ کسی صحیح خواں کے پیچھے اقتدا نہ پا سکے نہ ایسی کوئی آیت ملے جسے وہ صحیح پڑھ سکے اور یہ دونوں بہت نادر نہیں تاہم صحیح مذہب پر صحیح خواں کی نماز اس کے پیچھے کسی طرح صحیح نہیں۔

اور اگر یہ معنی کہ صحیح وہ (بہرا) بھی پڑھتا ہے مگر اس کی قرأت و تجوید اس سے بہتر ہے تو اس صورت میں اگر اس کی کراہت اس حد تک ہے کہ لوگوں میں نفرت پیدا کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے۔

اور اگر یہ بھی نہیں تاہم تساوی علم یہ غیر بہرا اس (بہرے) سے احق واولیٰ ہے:

اوّلاً تجوید قرأت میں اس سے زائد ہے۔

ثانیاً اُسکا بہرا ہونا بھی اُس (غیر بہرے) کی ترجیح کی ایک وجہ ہے۔

ثالثاً بہ نسبت اس کے خوش آوازی اور زیادہ مؤید ہے ولہذا وہ بھی مرجحاتِ امامت سے شمار کی گئی۔

لوگ اگر اس کے ہوتے ہوئے بہرے کو امام کریں گے شرعاً برا کریں گے۔ (ج6،ص461)

سوال: افیونی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اور اگر اس نماز کے پھیرنے کا حکم ہو تو فقط ظہر و عشاء کی پھیری جائے یا فجر و عصر و مغرب کی بھی، اور افیون کھانی کیسی ہے افیونی فاسق مستحقِ عذاب ہے یا نہیں؟

جواب: ضرور فاسق و مستحقِ عذاب ہے، صحیح حدیث میں ہے "نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتر" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر چیز کہ نشہ لائے اور ہر چیز کہ عقل میں فتور ڈالے حرام فرمائی۔

(سنن ابی داؤد، ج2، ص163، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اگر افیونی پینک کی زور میں ہو جب تو اس کی خود نماز باطل اور اُس کے پیچھے اوروں کی بھی محض باطل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکٰری حتی تعلموا ما تقولون﴾ ترجمہ: نماز کے قریب نہ جاؤ اس حالت میں کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

اور اگر ہوش میں ہو جب بھی اس کے پیچھے نماز ممنوع ہے "لان الصلوٰۃ خلف الفاسق تکرہ کراھۃ تحریم کما حققہ فی الغنیۃ وغیرھا" ترجمہ: کیونکہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ اس مسئلہ کی تحقیق غنیہ وغیرہ میں کی ہے۔

اگر پڑھ لی ہو تو نماز پھیرنی ضروری ہے اگرچہ فجر خواہ عصر خواہ مغرب کا وقت ہو۔ فان کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ

تحریم تعاد وجوبا،ترجمہ: کہ ہروہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اسکا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ (ج6،ص464)

سوال: ایسا شخص جس کو قوم ناپسند کرے اس کی امامت کا حکم کیا ہے؟

جواب: اگر قوم کی کراہت شرعی عذر کے بغیر ہو جیسا صالح اور عالم کی امامت کو اپنے بعض دنیوی تنازعے کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہوں یا غلام، نابینا وغیرہ کی امامت کو مکروہ سمجھتے ہوں حالانکہ وہ قوم سے افضل ہوں، تو ایسی صورت میں قوم کی اپنی ناپسندیدگی کوئی معنی نہیں رکھتی لہذا ان افراد کی امامت میں وہ اثر نہ ہوگی۔

اگر کراہت کسی شرعی عذر سے ہو مثلاً امام فاسق یا بدعتی ہو یا چار مذکور افراد غلام، اعرابی، ولد زنا اور نابینا دوسروں سے افضل واعلم نہ ہوں یا قوم میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس میں شرعی ترجیحات ہوں، مثلاً علم زیادہ رکھتا ہے، تجوید وقرأت کا ماہر ہے تو یہ خود امامت کے زیادہ لائق اور حقدار ہے ایسی صورت میں جس شخص کو امام بنانا قوم مکروہ جانے اس شخص کو امام بننا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔

حدیث پاک میں فرمایا ''لایقبل اللہ صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون وان ھواحق لا والکرھۃ علیھم'' اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جو لوگوں کا امام بنا حالانکہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔

اور اگر وہ امام ہی امامت کا زیادہ حق رکھتا ہو تو اس پر کراہت نہیں بلکہ لوگوں کا نفرت کرنا مکروہ ہوگا۔ (ج6،ص471)

سوال: کیا جو لوگ ایسے ناپسندیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھیں ان کی نماز بھی مکروہ تحریمی ہوگی؟

جواب: تحقیق مقام یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی شخص خود بخود لوگوں کی نفرت کے باوجود آگے بڑھے اور لوگوں کو اپنی اقتدا میں نماز ادا کرنے پر مجبور کرے دوسری چیز ایسے امام کے پیچھے نماز کا معاملہ ہے، علماء نے صورت مذکور میں جو مکروہ تحریمی کا حکم لگایا ہے اس کا اطلاق پہلے کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی اس شخص کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، اگر اس نے ایسا کیا تو گنہگار ہوگا اور اسکی نماز ثواب سے خالی رہے گی فقہا کے ذکر کردہ الفاظ ''کرہ لہ ذلك ویکرہ لہ التقدم'' کا یہی معنی ہے (اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز کا حکم ہے یہ ہے کہ) اگر یہ وجہ نماز میں کراہتِ تحریمی کا موجب ہو مثلاً فسق اور بدعت وغیرہ تو نماز بھی مکروہ تحریمی ہوگی۔ ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا غلام اور اس کے ہم مثل میں تنزیہی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ فقہاء نے ان لوگوں کی امامت کے مکروہ تنزیہی ہونے پر تصریح کی ہے۔ (ج6،ص473)

سوال: زید کی عمر ابھی پندرہ سال سے تین ماہ کم ہے اور وہ احتلام نہ ہونا ظاہر کرتا ہے، وہ نابالغ ہے یا بالغ؟

جواب: جبکہ ہنوز پندرہ سال کامل نہیں اور وہ احتلام نہ ہونا ظاہر کرتا ہے تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں قول اس کا واجب القبول ہے۔ غرض پورے تمام پندرہ درکار ہیں ایک دن بھی کم ہو تو بے اقرار یا ظہور آثار حکم بلوغ نہیں ہوسکتا۔

(ج6،ص477)

سوال: کیانابالغ تراویح میں نابالغوں کی امامت کرسکتا ہے؟

جواب: نابالغوں کی امامتِ تراویح تو درکنار، فرائض (میں) بھی کرسکتا ہے۔ (ج6،ص477)

سوال: کیانابالغ بالغین کی امامت کرسکتا ہے؟

جواب: بالغوں کی امامت مذہبِ اصح میں مطلقاً نہیں کرسکتا حتی کہ تراویح ونافلہ میں بھی۔ (ج6،ص478)

سوال: اگرتراویح میں ختمِ قرآن کی سنت کو حاصل کرنے کے لئے کوئی بالغ حافظ نہ ملے تو کیا کریں؟

جواب: ہاں اگر حافظ صحیح خواں سوانابالغ کے نہ ملتا ہوتو باتباعِ مشائخ بلخ سنتِ ختمِ (قرآن) حاصل کرلیں۔ فان الاداعلی قول خیرمن الترک مطلقاً، ترجمہ: کیونکہ ایک قول کے مطابق ادا کرنا مطلقاً ترک کرنے سے بہتر ہے۔

درمختار میں ہے "الادء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیة وغیرها " ترجمہ: بعض کے نزدیک جائز ادا، ترک سے اولیٰ ہے، جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے۔ (درمختار، ج1،ص61، مطبع مجتبائی، دہلی)

پھر مناسب یہ ہے کہ بلحاظِ مذہب اصح اعادۂ تراویح کرلیں لیحصل الاحتیاط بالمقدر المیسور ، ترجمہ: تاکہ بقدرِ آسانی احتیاط حاصل ہوجائے۔ (ج6،ص478)

سوال: ان امام صاحب کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے جن کے درج ذیل معاملات ہیں:

(۱) جانتے ہوئے کہ عورت عدت میں ہے اس کا نکاح پڑھادیا۔

(۲) مسجد کے اندر پمپ ہونے کی وجہ سے پانی کی کثرت ہے بازار اور محلہ کے آدمی اپنے گھروں کے کپڑے دھوتے ہیں پاک ناپاک چھینٹیں مسجد کے گھڑے لوٹے فرشِ مسجد پر پڑتی ہیں دوسرا آدمی کپڑے دھونے والوں کو منع کرتا ہے تو امام صاحب منع کرنے والے کو برا کہتے ہیں اور اس سے لڑنے پر امادہ ہوجاتے ہیں۔

(۳) دوبرس سے مولوی صاحب اس مسجد میں مقرر ہیں چار مہینے اس جگہ رہتے ہیں باقی آٹھ ماہ باہر اور شہروں میں وعظ کہتے ہیں اور اپنی اوگھائی کرتے ہیں غرض یہاں سے بھی اپنی تنخواہ سال تمام کی لیتے ہیں۔

جواب: جس شخص کے وہ حالات وعادات واقوال وافعال ہوں وہ نرا فاسق ہی نہیں بلکہ کھلا گمراہ بددین ہے۔ عدت کے اندر نکاح ناجائز وحرام قطعی ہے جس کی حرمت پر خود عظیم ناطق، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ وہ عورتیں جو مطلقہ ہوجائیں وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

مسلمانوں پر فرض ہے کہ اُس کو مسجد سے معزول کریں، اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز کم از کم سخت مکروہ،

جب اس کے فسق و بیباکی کی یہ حالت ہے تو کیا اعتبار کے بے وضو نماز پڑھا دیتا ہو یا جاڑے کے دنوں میں خواہ ویسے ہی نہانے کی کاہلی سے بے نہائے امامت کر لیتا ہو، آخر بے غسل کے نماز پڑھنا عدت میں نکاح جائز کر دینے سے زیادہ نہیں ہے۔

اور خود معاملۂ نماز میں اس کی بیباکی اور طہارت نجاست سے بے پروائی اُسی بیان سے ظاہر جو سائل نے لکھے کہ ناپاک کپڑے مسجد میں دھونے والوں کو منع نہیں کرتا بلکہ منع کرنے کو بُرا کہتا ہے اور لڑنے پر آمادہ ہوتا ہے تو جس کی یہ حالت ہے اس کے پیچھے نماز کی اصلاً اجازت نہیں ہو سکتی۔ (ج6،ص479)

سوال: ایک شخص ایک مسجد کا امام ہے، وہ درج ذیل طریقوں سے روزی حاصل کرتا ہے:

(۱) مُردہ نہلا کر اس کی اجرت لینا۔

(۲) سوم میں قرآن مجید پڑھنا اور ناخواندہ لوگوں سے قرآن مجید پڑھوانا اور اس کی اجرت لینا۔

(۳) مُردے کے کپڑے وغیرہ لینا اور فروخت کرنا۔

(۴) اور سود کھانا۔

اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: سوُد لینا گناہ کبیرہ ہے، یوں ہی جس ناجائز طریقہ سے روزی حاصل کی جائے وہ یا تو سرے سے خود ہی کبیرہ ہوگا یا بعدِ عادت کے کبیرہ ہو جائے گا۔

ناخواندہ (ان پڑھ) لوگوں سے پڑھوا کر اُجرت لیتا ہے کے معنی سائل نے یہ بیان کیا کہ بے پڑھوں کو بلا لاتا ہے اور براہِ فریب اُن کی قرآن خوانی ظاہر کر کے اُجرت لیتا ہے یہ صورت خود کبیرہ کی ہے اور تلاوتِ قرآن کریم پر اُجرت لینا ہی ناجائز ہے۔

اور مردے کو نہلانے یا اٹھانے یا قبر کھودنے کی اُجرت لینے میں دو صورتیں ہیں اگر یہ فعل اسی شخص پر موقوف نہ ہو اور لوگ بھی ہیں کہ یہ نہ کرے تو وہ کر سکتے ہیں جب تو اُن پر اجرت لینی جائز ہے اور اگر خاص یہی شخص یا جنازہ اُٹھانے کو یہی دو چار اشخاص ہیں کہ یہ نہ کریں تو کام نہ ہوگا اُجرت لینی حرام ہے۔

اور مردے کے کپڑے وغیرہ جو بہ نیت تصدّق دیئے جاتے ہیں اگر یہ لینے والا محتاج ہے یا غنی ہے اور دینے والے کو اس کا غنی ہونا معلوم ہے یا وہاں بطورِ رسم امام نماز یا ملّائے مسجد کو یہ چیزیں دی جاتی ہیں خواہ محتاج ہو یا نہیں تو لینا جائز ہے اگر چہ غنی کے لئے کراہت سے خالی نہیں، اور اگر یہ شخص غنی ہے اور دینے والا محتاج کو دینا چاہتا ہے اور اس نے اپنے آپ کو محتاج جتا کر اُس سے لے لئے تو حرام ہے۔

اور گناہ کبیرہ خواہ ابتداءً کبیرہ ہو یا بعدِ عادت کبیرہ ہو جائے موجبِ فسق ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، اسے امام بنانا گناہ ہے۔ (ج6،ص485)

سوال: جو شخص اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان کو حق جانتا ہو اُس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: اگر اس کے ضلالت وکفریات پر آگاہی ہو کر اُسے اہلِ حق جانتا ہو تو خود اُس کی مثل گمراہ بددین ہے اور اُس کے پیچھے نماز کی اجازت نہیں، اگر نادانستہ پڑھ لی ہو تو جب اطلاع ہو اعادہ واجب ہے۔

اور اگر آگاہ نہیں تو اُسے اس کے اقوالِ ضالہ دکھائے جائیں، اس کی گمراہی بتائی جائے، رسالہ الکوکبۃ الشہابیۃ بطور نمونہ مطالعہ کرایا جائے۔ اگر اب بعد اطلاع بھی اُسے اہلِ حق کہے وہی حکم ہے، اور اگر توفیق پائے حق کی طرف فاخوانکم فی الدین، ترجمہ: تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔ (ج6،ص486)

سوال: پیشہ کے طور پر جو شخص عکسی تصاویر بناتا ہو، بلکہ کفار کے معبودانِ باطلہ کی تصاویر بناتا ہو، مغلم (لوطی) ہو اسکے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح جس کی عورت بے پردہ سرِ بازار پھرتی ہو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جاندار کی تصویر بنانی دستی ہو یا خواہ عکسی حرام ہے، اور معبودانِ کفار کی تصویریں بنانا اور سخت تر حرام واشد کبیرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ان اشد الناس عذابا یوم القیمۃ المصورون" بیشک سب سے زیادہ سخت عذاب روزِ قیامت مصوروں پر ہوگا۔ (صحیح البخاری، ج2،ص880، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یوں ہی مغلم، فاسق فاجر مرتکبِ کبائر ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ملعون من یعمل عمل قوم لوط" ملعون ہے جو قومِ لوط کا کام کرے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج1،ص217، دارالفکر، بیروت)

جس کی عورت بے ستر باہر پھرتی ہے کہ بازو یا گلا یا پیٹ یا سر کے بال یا پنڈلی کا حصہ غرض جس جسم کا چھپانا فرض ہے کُھلا ہوا ہے یا اس پر ایک باریک کپڑا ہو کہ بدن چمکتا ہو اور وہ اس حالت پر مطلع ہو کر عورت کو اپنی حدِ مقدور تک نہ روکتا ہو بندوبست نہ کرتا ہو وہ بھی فاسق ودیوث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ثلثۃ لا یدخلون الجنۃ العاق لوالدیہ والدیوث ورجلۃ النساء" تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کو ایذا دینے والا اور دیوث اور مردوں کی صورت بنانے والی عورت۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، ج10،ص226، دار صادر، بیروت)

درمختار میں ہے "دیوث من لایغار علی امراتہ او محرمہ" جو اپنی عورت یا اپنی کسی محرم پر غیرت نہ رکھے وہ دیوث ہے۔ (درمختار، ج1،ص328، مطبع مجتبائی، دہلی)

اسی طرح اگر عورت جوان اور محلِ فتنہ ہے اور اس کے باہر پھرنے سے فتنہ اٹھتا ہے اور یہ مطلع ہو کر باز نہیں رکھتا جب بھی

کھلا دیوٹ ہے اگر چہ پورے ستر کیساتھ باہر نکلتی ہو، ان سب لوگوں کو امام بنانا گناہ ہے اور ان کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی قریب بحرام ہے نہ پڑھی جائے اور پڑھ لی تو اعادہ ضرور ہے۔

(ج6،ص487)

سوال: زید کو مرض بواسیر کا ہے اور مسے کثرت سے ہوگئے ان میں سے زرد رنگ کا پانی خارج ہوتا ہے اس کی وجہ سے کپڑا ہر وقت نجس رہتا ہے، زید کو بہت زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں اور خصوصاً امامت کرتے ہوئے، اگر چہ وہ امامت سے درگزر کرتا ہے مگر اس صورت میں وہ کیا کرسکتا ہے کہ ادائے نماز فرض کے واسطے کھڑا ہوا اور بعد کو اور نمازی آ کر مقتدی بن گئے بجز اس کے کیا چارہ کہ نماز ادا کرے، ان وقتوں کی حالت میں زید کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: اگر حالت ایسی ہے کہ کپڑا پاک کرے یا بدلے تو فرض نہ پڑھنے پائے گا کہ پھر نجس ہو جائے گا یعنی۔۔وہ زرد پانی روپیہ بھر کی مساحت سے زیادہ آ جائے گا تو دھونے کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ بے دھوئے خود اس کی اپنی نماز نہ ہوگی۔

اور جبکہ وہ حالتِ معذوری میں ہے یعنی کوئی وقت کامل نماز کا ایسا گزر گیا شروع سے ختم تک کہ اُسے وضو کر کے فرض پڑھ لینے کی فرصت نہیں ملی اور جب سے برابر ہر وقت نماز میں یہ نجاست آتی رہتی ہے اگر چہ وقت میں ایک ہی بار تو وہ ایسی حالت میں امامت نہیں کرسکتا، لوگ اگر آ کر شامل ہوں جہر نہ کرے تکبیر آواز سے نہ کہے وہ لوگ خود الگ ہو جائیں گے، اور اس پر بھی جُدا نہ ہوں تو بعدِ سلام اطلاع کردے کہ میں معذور ہُوں میرے پیچھے نماز جائز نہیں تم اپنی پھر پڑھ لو۔ (ج6،ص488)

سوال: جو شخص قواعدِ تجوید سے ناواقف ہو اُس کو امام کیا جائے یا نہیں؟

جواب: اگر ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ معنی میں فساد آتا ہے مثلاً حرف کی تبدیل جیسے ع ط ص ح ظ کی جگہ ء ت س ہ ز پڑھنا کہ لفظ مہمل رہ جائے یا معنی میں تغیر فاحش راہ پائے یا کھڑا پڑا کی بدتمیزی کہ حرکات بڑھ کر حروفِ مدہ ہو جائیں اور وہی قباحتیں لازم آئیں، جس طرح بعض جہال نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں کہ بے معنی یا ﴿لَاِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ﴾ بلام تاکید کو ﴿لاالی اللہ تحشرون﴾ بلائے نافیہ کہ تغیر معنی ہے تو ہمارے ائمہ متقدمین کے مذہب صحیح و معتمد محققین پر مطلقاً خود اس کی نماز باطل ہے۔۔اور جب اُس کی اپنی نہ ہوگی تو قواعد داں وغیر قواعد داں کسی کی اس کے پیچھے نہ ہو سکے گی۔

اور اگر غلطی یوں ہے کہ حرف بروجہِ صحیح ادا نہیں کرسکتا جس طرح آج کل عام دہقانوں اور بہت شہریوں کا حال ہے تو اب جمہور متاخرین کا بھی فتوی اسی پر ہے کہ اس کے پیچھے صحیح خواں کی نماز باطل۔۔اور جب اس کی اپنی (بھی) نہ ہوگی۔

اور اگر عجز یوں ہے کہ سیکھنے کی کوشش نہ کی یا کچھ دنوں کر کے چھوڑ دی اگر لپٹا رہتا تو امید تھی کہ آجاتا جب تو ایسی غلطی ان کے نزدیک بھی خود اس کی اپنی نماز بھی باطل کرے گی۔

غرض ایسا شخص امام بنانے کے لائق نہیں۔

اور اگر ایسی غلطی نہیں کرتا جس سے فسادِ معنی ہو تو نماز خود اس کی بھی صحیح اور اس کے پیچھے اور سب کی صحیح، پھر اگر حالت ایسی ہے کہ تجوید کے امورِ ضروریہ واجباتِ شرعیہ ادا نہیں ہوتے جن کا ترک موجبِ گناہ ہے جیسے مد متصل بقدر ایک الف وغیرہ۔۔ جب بھی اُسے امام نہ بنایا جائے گا نماز اس کے پیچھے بشدت مکروہ ہوگی۔

اور اگر ضروریات سب ادا ہو لیتے ہیں صرف محسنات زائد مثل اظہار اخفا وروم واشمام وتفخیم وترقیق وغیرہا میں فرق پڑتا ہے تو حرج نہیں، ہاں قواعد دان کی امامت اولیٰ ہے۔ (ج6،ص489)

سوال: ایک شخص کسی پر کورٹ کچہری میں کوئی دعوی کرے اور مقدمہ ہار جائے تو کیا اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا؟

جواب: کچہری میں مقدمہ ہار جانے سے جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا، کچہریوں میں ہزاروں بار جھوٹے سچے اور سچے جھوٹے ٹھہرتے ہیں، انگریزی کچہریاں تو شرع مطہر سے علاقہ رکھتی ہی نہیں بلکہ یہاں کے اسلامی محکمے ہی پوری پابندیٔ شرع سے صراحۃً کنارہ گزیں (ہیں)۔

جہاں (اسلامی دورِ حکومت میں) کامل شرعی عدالتیں تھیں وہاں بھی با آنکہ قاضی شرع جس کے خلاف حکم فرمادے اُسے فقہاء دفعِ تناقض (تعارض کو دور کرنے) کے لئے صار مکذبا شرعاً (شرعاً جھٹلا دیا گیا) لکھتے ہیں مگر کسی مدعی یا مدعا علیہ کو صرف اس بنا پر کاذب وفاسق ومرتکبِ کبیرہ نہیں کہہ سکتے کہ حکمِ حاکم بنظرِ ظاہر ہوتا ہے اُس سے واقع میں کذب لازم نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض فاقضی له علی مااسمع منه فمن قضیت له بشیء من حق اخیه فلا یاخذنه فانما اقطع قطعة من النار" ترجمہ: میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لے کر آتے ہو ممکن ہے تم میں سے کوئی آدمی دلیل پیش کرنے میں ہوشیار ہو اور دلیل کی وجہ سے دوسرے پر غالب آجائے اور میں دلائل سننے کے بعد اس کے مطابق فیصلہ کردوں، تو جس کے حق میں دوسرے بھائی کے حق کا فیصلہ ہوا ہو وہ اس کو نہ لے کیونکہ وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔

(صحیح البخاری، ج2،ص10، قدیمی کتب خانہ کراچی)

علاوہ بریں بعض وقت آدمی کسی شبہ یا سہو یا جہل کے باعث اپنے آپ کو حق پر جان کر دعوٰی یا جواب دہی کرتا ہے تو بات واقع میں اگرچہ خلاف ہے مگر اس نے قصدِ کذب نہ کیا حکمِ فسق اس پر نہ ہوا۔

علاوہ بریں جب آدمی کا حق مارا جاتا ہو اور وہ بغیر کسی ایسے اظہار کے جو بظاہر خلافِ واقع ہے حاصل نہ ہوسکتا ہو تو اپنے احیائے حق (حق حاصل کرنے) کے لئے ایسی بات کا بیان شرعاً جائز ہے اگرچہ سامع اُسے کذب پر محمول کرے۔

بالجملہ صورتِ مذکورہ میں صرف بیانِ مدعا علیہ کوئی چیز نہیں اگر کسی گواہ سے بھی ثابت ہو کہ زید نے اپنے دعوٰی یا تائید دعوٰی میں کوئی بات خلاف کہی تو اس سے واقعی کاذب وفاسق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (ج6،ص491)

سوال :عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ ایک ہی مصلّے پر فرض نماز پڑھنا بایں صورت کہ خاوند امام ہو اور عورت مقتدی ،کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب :اگر عورت اس قدر پیچھے کھڑی ہے کہ اس کی ساق (پنڈلی) مرد کی ساق یا کسی عضو کے محاذی (برابر) نہیں تو اقتدا صحیح ہے اور دونوں کی نماز ہو جائے گی اور اگر برابر ہے کہ نہ بیچ میں کوئی حائل ہے نہ کوئی اتنا فاصلہ جس میں ایک آدمی کھڑا ہو سکے اور عورت کی ساق مرد کی ساق یا کسی عضو کے محاذی ہے تو اس صورت میں اگر مرد نے اُس کی امامت کی نیت نہ کی تو مرد کی نماز صحیح ہے اور عورت کی فاسد، اور اگر مرد نے وقتِ تحریمہ نیتِ امامتِ زن کی تھی تو دونوں کی گئی۔ (ج6،ص492)

سوال :سُود خور، رشوت خور، جو شخص جھوٹی گواہی دیتا ہے اور جو شخص بعض اوقات نماز چھوڑ دیتا ہے ان سب کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب :سودخور اور رشوت خور اور جھوٹی گواہی دینے والا اور قصداً بعض اوقات نماز چھوڑ دینے والا یہ سب فاسق ہیں اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (ج6،ص494)

سوال:وہ کون کون شخص ہیں مسلمانوں میں جن کے پیچھے نماز درست نہیں؟

جواب :بہت لوگ ہیں از اں جملہ غیر مقلدین اور رافضی اور دو وہابی جن کی بدعت حدِ کفر تک پہنچی ہے، سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "الصلوۃ خلف اھل الھواء لاتجوز،ترجمہ:اہل ہواء کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

جو قرآن مجید غلط پڑھتا ہو جس سے فسادِ معنٰی ہو، جس کی طہارت صحیح نہ ہو اگرچہ معذوری کی وجہ سے مثلاً جسے معاذ اللہ سلس البول (قطرے آنے) یا ہر وقت ریح خارج ہونے کا عارضہ ہے یا زخم یا پھوڑے سے خون یا زرد آب (زرد پانی) بہتا ہے۔

اسی طرح وہ شافعی المذہب مثلاً جس نے اپنے طور پر طہارتِ صحیحہ کی مگر مذہب حنفی میں صحیح نہ ہوئی مثلاً سر کے صرف ایک بال کا مسح کر لیا یا فصد لگوا (خون نکلوا) کر وضو کا اعادہ نہ کیا کہ حنفی کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔

ان کے سوا اور بکثرت صورتیں ہیں کہ کتب مذہب میں اس کی تفصیل ہے۔ (ج6،ص495)

سوال :حافظ کریم بخش امام مسجد یتیموں کا مال پوشیدہ لے جانے میں شریک ہوا اور اقرار بھی کیا، اس سبب سے مقتدیوں نے اقتدا کرنا چھوڑ دی، آیا مقتدیوں نے صحیح کیا؟ اگر وہ امام توبہ کر لے تو کیا حکم ہے؟

جواب: پرایا مال بے اذنِ شرعی لینا چوری اور گناہِ کبیرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لا یسرق السارق حین یسرق وھو مومن" چور چوری کرتے وقت ایمان سے الگ ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج2، ص836، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور یتیموں کا مالِ ناحق لینا سخت تر کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوٰلَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا﴾ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں نری آگ کھاتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

یتیموں کا حق کسی کے معاف کئے معاف نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ خود یتیم کا دادا یا ماں کسی نابالغ کے ماں باپ اس کا حق کسی کو معاف کر دیں ہرگز معاف نہ ہوگا۔

محض یتیموں کا حق ضرور دینا پڑے گا اور جو نکلوا سکتا ہے اسے چاہیے کہ ضرور دلا دے، ہاں یتیم بالغ ہونے کے بعد معاف کرے تو اس وقت معاف ہو سکے گا۔ مقتدیوں نے کہ ایسی حرکاتِ ناشائستہ کے باعث امام کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی بہت اچھا کیا انھیں اسی کا حکم تھا۔

امام اپنی اس حرکت سے ضرور فاسق ہوا اور فاسق کے پیچھے نماز ضرور مکروہ ہے جبکہ سچی توبہ نہ کرے اور مال لینے والے کی توبہ بغیر مال واپس دیے ہرگز صحیح نہیں تو جب تک وہ یتیموں کا حق نہ پھیرے نماز اس کے پیچھے بیشک مکروہ۔ (ج6، ص496)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ امامت کے لئے خوش الحانی ضروری و شرط ہے؟

جواب: امام کے لئے خوش الحانی کچھ ضرور نہیں جو اسے ضروری و شرط بتائے، شرع مطہر پر افتراء کرتا ہے، بلکہ خوش الحانی بعض وقت مضر ہوتی ہے کہ اس کے سبب آدمی اتراتا ہے یا کم سے کم اتنا ہوتا ہے کہ نماز میں خشوع و خضوع کے بدلے اپنے الحان بنانے کا خیال رہتا ہے۔

امامت عالم کا خاص حق ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسرے کو ترجیح نہیں جبکہ وہ عالم صحیح خواں و صحیح العقیدہ ہو، فاسق نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم علماؤکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم" "اگر تمہیں اپنی نمازوں کا قبول ہونا پسند ہو تو چاہیے کہ تمہارے علماء تمہاری امامت کریں وہ تمہارے واسطہ و سفیر ہیں تمہارے اور تمہارے رب عزوجل کے درمیان۔ (المعجم الکبیر، ج2، ص328، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت) (ج6، ص497)

سوال: کیا یہ الفاظ "عالم کے پیچھے نماز ایسی ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے" حدیث پاک میں ہیں؟

جواب: خاص یہ لفظ کہ عالم کے پیچھے نماز ایسی ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کسی حدیث میں نظر سے

نہیں گزرے، ہاں یہ صحاح کی حدیث ہے کہ "العلماء ورثة الانبیاء" ترجمہ: علماء انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث ہیں۔

(صحیح البخاری، ج1، ص16، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور ہدایہ میں ہے "من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی" جس نے کسی عالم متقی کے پیچھے نماز پڑھی گویا نبی کے پیچھے پڑھی۔ (الہدایہ، ج1، ص101، المکتبۃ العربیہ، کراچی)

لکن لم یعرفه المخرجون وقال الزیلعی هو غریب، ترجمہ: لیکن اصحابِ تخریج کے ہاں یہ حدیث معروف نہیں امام زیلعی نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ (ج6، ص498)

سوال: غیر مقلدین کو امام بنانا اور فساد کے خوف کے باوجود ان کو اپنی مساجد میں آنے دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: فی الواقع فرقۂ غیر مقلدین گمراہ بددین ضالین مفسدین ہیں انھیں امام بنانا حرام ہے ان کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے، ان کی مخالطت آگ ہے۔

صورۃ مذکورہ سوال میں انھیں مساجد میں ہرگز ہرگز نہ آنے دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ﴾ ترجمہ: ہم نے ابراہیم واسمٰعیل سے یہ وعدہ لیا کہ وہ میرے گھر کو صاف رکھیں گے۔

حدیث میں ہے "امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ببناء المساجد فی الدور وان تنظف وتطیب" ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محلوں میں مساجد بنانے اور انھیں ستھرا و نظیف اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔

(سنن ابوداؤد، ج1، ص66، آفتاب عالم پریس، لاہور)

نجاستیں درکنار قاذورات (وہ چیزیں جن سے گھن آئے) مثل آب دہن (منہ کا پانی) و آب بینی (ناک کا پانی) باآنکہ (حالانکہ) پاک ہیں مسجد سے ان کو دور کرنا واجب تو بدمذہب گمراہ لوگ کہ ہر نجس سے بدتر نجس ہیں۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اهل البدع شر الخلق والخليقة" بدمذہب تمام مخلوق سے بد تمام جہان سے بدتر ہیں۔

(کنز العمال، ج1، ص223، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

دوسری حدیث میں ہے "اصحاب البدع کلاب اهل النار" بدمذہب لوگ جہنمیوں کے کتے ہیں۔

(جامع الصغیر مع فیض القدیر، ج1، ص528، دار المعرفۃ، بیروت)

تو ایسے لوگوں کو خصوصاً بحالِ فتنہ وفساد کہ وہابیہ کی عادتِ قدیم ہے باوصفِ قدرت مساجد میں کیونکر آنے دیا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔

عینی شرح بخاری و درمختار وغیرہما میں تصریح ہے کہ مسجد سے موذی نکال دیا جائے ولو بلسانہ، اگرچہ صرف زبانی ایذ دیتا ہو۔

(ج6، ص499)

سوال: دو شخص ہیں اور دونوں عالم اور پابندِ صوم وصلوٰۃ ہیں مگر ایک رذیل قوم کا ہے اور ایک شریف قوم کا، دونوں میں سے کس کو امامت میں ترجیح ہوگی؟

جواب: امامت میں بعد اس کے دو شخص جامع شرائطِ امامت سُنّی صحیح العقیدہ غیر فاسق مجاہر (علانیہ گناہ کرنے والے نہ) ہوں، قرآن عظیم صحیح پڑھتے حروف مخارج سے بقدر تمایز ادا کرتے ہوں، سب سے مقدم وہ ہے کہ نماز وطہارت کے مسائل کا علم زیادہ رکھتا ہو پھر اگر اس علم میں دونوں برابر ہوں تو جس کی قرأت اچھی ہو، پھر جو زیادہ پرہیز گار ہو شبہات سے زیادہ بچتا ہو، پھر جو عمر میں بڑا ہو، پھر جو خوش خلق ہو، پھر جو تہجد کا زیادہ پابند ہو، یہاں تک شرفِ نسب کا لحاظ نہیں۔ جب ان باتوں میں برابر ہوں تو اب شرافتِ نسب سے ترجیح ہے۔

ہاں اگر رذیل اس درجہ کا ہے کہ اس کی امامت سے عام لوگ نفرت کرتے ہیں، جماعت میں خلل پڑتا ہے تو اس کی امامت نہ چاہیے۔

(ج6، ص501)

سوال: میلاد شریف کی مجلس کے حاضر نہ ہونے والے کے پیچھے اور وقتِ ولادت قیام سے کراہت کرنے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: مجلسِ مبارک کی عدم حاضری اور قیام سے کراہت اگر بر بنائے وہابیت نہ ہو مثلاً اس وقت حاضری کی فرصت نہیں کسی امرِ اہم میں مصروف ہے یا وہاں پڑھنے والا روایات بے اصل یا نظم ونثر خلاف شرع پڑھے گا یا صاحب مکان سے دینی یا دنیوی مخالفت ہے جس کا الزام شرعاً اسی صاحب مکان پر ہے۔۔نہ اصولِ وہابیت مان کر، تو ان صورتوں میں اُس کے پیچھے نماز درست بلا کراہت ہے، مگر ان بلاد میں صورتِ انکار وکراہت بے ضلالِ اصولِ وہابیت نہیں پائی جاتی، مجلس مبارک د مقدس سے یہاں وہی منکر ہیں جو وہابی گمراہ خاسر ہیں اور وہابیہ کے پیچھے نماز ناجائز وگناہ۔ (ج6، ص502)

سوال: ایک مسجد کے امام کو تعزیوں میں مرثیے پڑھتے دیکھا گیا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: تعزیوں اور آج کل مرثیوں کا پڑھنا بدعت یا فسق سے خالی نہیں اور دونوں صورتوں میں ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

(ج6، ص502)

سوال: جس مسجد میں امام مقرر موجود ہو اس کی بغیر اجازت دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: بے اس کی اجازت کے دوسرے کو امامت نہ چاہیے جبکہ وہ امام معیّن صالحِ امامت ہو یعنی سنی صحیح العقیدہ کہ

قرآن عظیم صحیح پڑھے اور اس کا فسق ظاہر نہ ہو۔ (ج6،ص503)

سوال: ایک مسجد کا امام امردوں کے ساتھ دوستیاں کرتا ہے، خلوت میں بھی امرد اس کے پاس رہتے ہیں، اس کی حرکتیں سب لوگوں کو معلوم ہیں، سمجھانے سے بھی باز نہیں آتا، وہ مسجد میں رہتا ہے، اس کو امام رکھنا کیسا ہے؟

جواب: ایسے شخص کو کہ متہم ہے امام بنانا نہ چاہئے لان التھمة توجب تقلیل الجماعة وھو عکس مقصود الشریعة، ترجمہ: کیونکہ تہمت جماعت کی قلت کا سبب ہے اور وہ مقصودِ شریعت کے خلاف ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ دوسرے شخص سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق وغیر متہم کو کہ قرآن عظیم صحیح پڑھتا ہو اور نماز وطہارت کے مسائل سے آگاہی رکھتا ہو امام مقرر کریں، اور یہ شخص کہ کسی طرح اُس عادت سے باز نہیں آتا امامت سے جُدا کر دیا جائے، نہ مسجد میں سکونت کرے لان الخلوة القبیحة بالامرد اخبث من الخلوة بالاجنبیة فینزہ المسجد عنه، ترجمہ: کیونکہ بے ریش لڑکے کیساتھ خلوت قبیحہ، اجنبیہ خاتون سے بھی بدتر ہے، لہذا اس سے مسجد کو پاک کرنا ضروری ہے۔ (ج6،ص503)

سوال: حنفی کا شافعی وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: مذاہب اربعہ حقّہ سے کسی دوسرے مذہب والے کے پیچھے حنفی کی اقتداء میں چند صورتیں ہیں:

(۱) اس خاص نماز میں معلوم ہو کہ امام نے کسی فرض یا شرطِ وضو یا نماز یا امامت مطابق مذہب حنفی کی رعایت نہ کی۔۔اس صورت میں اُس کے پیچھے حنفی کی نماز محض باطل۔

(۲) خاص نماز کا حال معلوم نہ ہو مگر اس کی عادت معلوم ہے کہ غالباً امورِ مذکورہ میں مذہب حنفی کی مراعات (رعایت) نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

(۳) عادت بھی معلوم نہیں تو اس کی امامت مکروہ ہے اور ارجح یہ کہ اب یہ کراہت تحریمی نہیں۔

(۴) عادت یہ معلوم ہے کہ ہمیشہ مراعات کا التزام کرتا ہے تو صورت سوم سے حکم اخف ہے مگر ایک گونہ کراہت سے ہنوز خالی نہیں۔

(۵) خاص اس نماز کا حال معلوم ہے کہ اس میں اس نے جمیع امورِ مذکورہ کی رعایت کی ہے تو اب عندالجمہور کراہت اصلاً نہیں اگر چہ پہلے عادتِ عدمِ مراعات رکھتا ہو پھر بھی افضل یہی ہے کہ مل سکے تو موافق المذہب کی اقتداء کرے۔

(ج6،ص505)

سوال: جو شخص پانچوں نمازوں میں صرف فرائض ہی ادا کرے، سنتیں ادا نہ کرے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: شبانہ روز (دن رات) میں بارہ رکعتیں سنّتِ موکدہ ہیں، دو صبح سے پہلے، اور چار ظہر سے پہلے اور دو بعد، اور دو مغرب وعشاء کے بعد، جو ان میں سے کسی کو ایک آدھ بار ترک کرے مستحقِ ملامت وعتاب ہے اور ان میں سے کسی کے ترک کا عادی گناہگار وفاسق ومستوجبِ عذاب ہے اور فاسقِ معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، اور اس کو امام بنانا گناہ ہے۔

(ج6،ص509)

سوال: جن کی بیویاں بے پردہ گھومتی ہیں، ان کی امامت کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت اگر نامحرم کے سامنے اس طرح آئے کہ اُس کے بال گلے اور گردن یا پیٹھ یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر ہو یا لباس ایسا باریک ہو کہ ان چیزوں سے کوئی حصہ اُس میں سے چمکے تو یہ بالاجماع حرام اور ایسی وضع ولباس کی عادی عورتیں فاسقات ہیں، اور ان کے شوہر اگر اس پر راضی ہوں یا حسبِ مقدور بندوبست نہ کریں تو دیوث ہیں، اور ایسوں کو امام بنانا گناہ۔

اور اگر تمام بدن سر سے پاؤں تک موٹے کپڑے میں خوب چھپا ہوا ہے صرف منہ کی ٹکلی کھلی ہو جس میں کوئی حصہ کان کا یا ٹھوڑی کے نیچے کا یا پیشانی کے بال کا ظاہر نہیں تو اب فتویٰ اس سے بھی ممانعت پر ہے اور یہ امر شوہروں کی رضا سے ہو تو اُن کی امامت سے بھی احتراز انسب کہ سدِ فتنہ (فتنہ کو دور کرنا) اہم واجباتِ شرعیہ سے ہے۔ (ج6،ص509)

سوال: ایک مولوی صاحب نے مذہب حنفی ترک کر کے مذہب حنبلی اختیار کیا ہے، ان کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: ان بلاد (شہروں) میں کہ جہاں نہ حنبلی مذہب کے عالم ہیں نہ کتابیں، حنفیت چھوڑ کر حنبلیت اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں، انتقال کرنے والا مذہبِ حنفی کا عالم تھا تو یہ انتقال صراحۃً مرادِ شرع کے متضاد ہوگا کہ شرع نے طلبِ علم کا حکم فرمایا اور یہ ترکِ علم وطلبِ جہل کرتا ہے حاشاللہ حنبلیت جہل نہیں چاروں مذہب حق وہدی ورشاد ہیں مگر جہاں نہ جس مذہب کے عالم نہ کتابیں وہاں اس کا اختیار صراحۃً اپنے جہل کا اختیار ہے اور اگر اول سے جاہل تھا تو اپنے لئے علم وعمل کا دروازہ بند کرتا ہے احکام حنفیت سے آگاہ نہ تھا تو ﴿فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ (اہل علم سے پوچھو) کے امتثال (پیروی) پر تو قادر تھا اب کہ وُہ مذہب اختیار کرتا ہے جس کے اہلِ ذکر (علم) بھی یہاں نہیں تو صراحۃً جہل کے ساتھ عجز ملتا اور اپنے منہ پر شریعت مطہرہ کا بند کرتا ہے۔

(ج6،ص510)

سوال: جُمُعَہ کا امام کون ہوسکتا ہے، اور ایسا شخص جو کہ بلا وجہِ شرعی امام کے ساتھ جُمُعَہ نہ پڑھے اور جُمُعَہ ہو جانے کے بعد اپنے لوگوں کے ساتھ آکر دوبارہ جُمُعَہ کی نماز قائم کرے اور فتوی شرعی کو زمین پر پھینک دے، وہ شخص امام بننا چاہتا ہے، کیا وہ امام ہوسکتا ہے؟

جواب: جُمعہ کے لئے امام وہی ہوسکتا ہے جس کا تقرر بادشاہِ اسلام سے چلا آتا ہے یا وہ کہ جسے بضرورت عام مسلمان مقرر کرلیں۔

نمازِ جُمعہ قصداً چھوڑ کر چلا جانا اور پھر بعد ختمِ جماعت اپنے چند آدمیوں کو لاکر اُسی مسجد میں دوبارہ خطبہ ونماز قائم کرنا ہر گز جائز نہیں، یہ پچھلی نماز نہ ہوئی، اور یہ دوسرا شخص گناہگار ہُوا، اور فتوی شرعی کو زمین پر پھینک دینے سے اُس کا حکم بہت سخت ہوگیا۔ عالمگیری وغیرہ میں اسے کفر تک لکھا ہے، یہ جدید شخص امام بنانے کے لائق نہیں۔ (ج6،ص511)

سوال: ایک شخص مدّتِ دراز سے امامت کرتا ہے، اس نے اپنے گھر میں حرام کرایا اور ایک عورت کا حرام حمل اپنے گھر میں گروایا تو اب اس کو امامت کرنی چاہئے یا نہیں؟

جواب: اگر ثابت ہو کہ اس نے حرام کروایا یا حرام کا سامان جمع کیا یا حرام میں کسی طرح ساعی (کوشش کرنے والا) ہوا یا اس پر راضی ہوا تو وہ فاسق ہے اُسے ہرگز امامت نہ کرنی چاہئے۔

اور اگر ان میں سے کچھ نہ تھا بلکہ عورت کسی طرح معاذ اللہ حرام میں مبتلا ہوئی اور اُسے حمل رہا اُس نے اس کی پردہ پوشی کے لئے اسقاطِ حمل کروایا جبکہ بچہ میں جان نہ پڑی تھی (یعنی چار ماہ سے کم کا تھا) تو اس پر الزام نہیں بلکہ پردہ پوشی امرِ حسن ہے۔

(ج6،ص512)

سوال: پیش امام نے اپنے نفس کے واسطے جھوٹ بولا اور یہ کہا میرے گھر آگ لگ گئی ہے، یہ پیش امام امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اس نے جھوٹ بول کر لوگوں کو دھوکہ دیا اُن سے کچھ مال وصول کیا تو وہ فاسق ہے امامت سے معزول کیا جائے اور اگر مراد یہ نہیں تو مراد واضح کی جائے کہ اُس کا جواب دیا جائے، ایسے گول الفاظ سوال میں لکھنا نادانی ہے۔

(ج6،ص512)

سوال: کیا امامت میں وراثت جاری ہوتی ہے؟

جواب: امامت میں وراثت جاری نہیں (ہوتی) ورنہ سہام فرائض (مقرر شدہ حصوں) پر تقسیم ہو اور بحکم آیہ کریمہ ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ﴾ (اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ دو بیٹیوں کے برابر بیٹے کا حصہ ہوگا) دوہرا حصہ بیٹوں کو ملے اور اکہرا بیٹیوں کو۔

اور بحکمِ آیہ کریمہ ﴿فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ﴾ (ان بیویوں کے لئے آٹھواں حصہ ہے اگر خاوند اولاد چھوڑ گئے ہوں) آٹھویں دن کی امامت بی بی کو ملے، بلکہ پیٹ کے بچے بھی امامت کا حصہ پائیں کہ شرعاً وارث تو وہ

بھی ہیں۔

عورات واطفال (عورتوں اور بچوں) کا اصلاً اہلِ امامت نہ ہونا ہی دلیل واضح کہ امامت میں وراثت نہیں کہ وراثتِ خاندانی اُسی شے میں جاری ہوسکتی ہے جو ہر وارث کو پہنچ سکے بلکہ سب کو معاً پہنچنا لازم، اور امامت میں تعدد محال، تو کس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ امام کے بعد اُس کے وارثوں ہی میں امامت ضرور ہے، یہ صریح جہل مبین ہے۔ (ج6،ص513)

سوال : کیا اہلسنت کے مذہب میں امامت حقِ خاندانی ہے کہ امام کے بعد اُس کے خاندان سے باہر جانا اُن کی حق تلفی ہے؟

جواب : اہلسنت کے مذہب میں امامت حقِ خاندانی نہیں کہ یہ رافضیوں میں بھی جاہل رافضیوں کا خیال ہے، اسی بنا پر ان کے نزدیک امامت بعدِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ تھی، شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معاذ اللہ ناحق پہنچی کہ مولیٰ علی حضور کے خاندان اقدس میں سے تھے نہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، آج تک اُن کے جہال عوام کو یہی بہکاتے ہیں کہ خاندان کی چیز خاندان سے باہر نہیں جاسکتی صدیق و فاروق کیونکر مستحق ہوگئے، اور اہلسنت یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ دنیوی وراثت نہیں دینی منصب ہے اور اس میں وہی مستحق و مقدم رہے گا جو افضل ہو۔

(ج6،ص514)

سوال : امامت علماء کا حق ہے یا جاہلوں کا؟

جواب : امامت اصل حق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے کہ نبی اپنی اُمت کا امام ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بلاشبہ میں آپکو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو نبی الانبیاء و امام الائمہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور ہر عاقل جانتا ہے جہاں اصل تشریف فرما نہ ہو وہاں اُس کا نائب ہی قائم ہوگا نہ کہ غیر اور تمام مسلمان آگاہ ہیں کہ علمائے دین ہی نائبانِ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں نہ جہال۔

تو امامت خاص حقِ علماء ہے اس میں جہال کو اُن سے منازعت کا اصلاً حق نہیں، ولہذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے احق بالامامۃ (امامت کا زیادہ حق دار) اعلم قوم (قوم کا سب سے بڑا عالم) ہے۔ (ج6،ص514)

سوال : اگر امامت علماء کا حق ہے تو جو لوگ سنی صحیح العقیدہ قابلِ امامت عالم کی جگہ کسی جاہل کو امام بنانے کی کوشش کریں ان کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب : بیشک جو عالمِ دین کے مقابل جاہلوں کو امام بنانے میں کوشش کرے وہ شریعتِ مطہرہ کا مخالف اور

اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کا خائن ہے۔ حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''من استعمل رجلا من عصابة وفیھم من ھوارضی اللہ منه فقد خان اللہ ورسوله والمؤمنین '' ترجمہ: جو کسی جماعت سے ایک شخص کو کام مقرر کرے اور اُن میں وُہ موجود ہو جو اللہ عزوجل کو اس سے زیادہ پسندیدہ ہے بیشک اس نے اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور مسلمانوں سب کے ساتھ خیانت کی۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج4، ص92، دارالفکر، بیروت) (ص515)

سوال: امامتِ پنجگانہ اور امامتِ جُمعہ وعیدین کا ایک ہی حکم ہے یا ان میں فرق ہے؟

جواب: امامتِ جُمعہ وعیدین وکسوف، امامتِ نماز پنجگانہ سے بہت تنگ تر ہے۔

پنجگانہ میں ہر شخص صحیح الایمان، صحیح القرأۃ، صحیح الطہارۃ، مرد عاقل، بالغ، غیرِ معذور امامت کرسکتا ہے یعنی اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی اگرچہ بوجہ فسق وغیرہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو، تجوز الصلاۃ خلف کل بر وفاجر (نماز ہر نیک وفاجر کے پیچھے جائز ہے) کے یہی معنی ہیں مگر جُمعہ وعیدین وکسوف میں کوئی امامت نہیں کرسکتا اگرچہ حافظ قاری متقی وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو مگر وُہ جو بحکمِ شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کہ بالعموم اُن پر استحقاقِ امامت رکھتا ہو (جیسے خلیفۂ وقت) یا ایسے امام کا ماذون ومقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے۔

اوّل: وہ سلطان اسلام ہو۔

ثانی: جہاں سلطنتِ اسلام نہیں وہاں امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علمائے دین کو ہے۔

ثالث: جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بمجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں۔

بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام ہے نہ ایسے امام کا نائب وماذون ومقرر کردہ، اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں، اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی، جُمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا۔

ان شہروں میں کہ سلطانِ اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلم علمائے بلد کہ اس شہر کے سُنّی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو، نماز کے مثل مسلمانوں کے دینی کاموں میں ان کا امام عام ہوا اور بحکمِ قرآن عظیم اُن پر اُس کی طرف رجوع اور اسکے ارشاد پر عمل فرض ہے، جُمعہ وعیدین وکسوف کی امامت وہ خُود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے اُس کے خلاف پر عوام بطور خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر بمجبوری اس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امامِ عام موجود نہ ہو، اُس کے ہوتے ہوئے اُن کی قرارداد کوئی چیز نہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنوں میں سے اولی الامر (حکم والوں) کی اطاعت کرو۔

ائمہ دین فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں۔
(ج6،ص515)

سوال: فقہاء فرماتے ہیں کہ فاسق معلن (علانیہ گناہ کرنے والے) کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور حدیث پاک میں ہے"صلو خلف کل بر وفاجر"یعنی ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز پڑھو۔اس حدیث پاک سے کیا مراد ہے؟

جواب: زمانہائے خلافت میں سلاطین خود امامت کرتے اور حضور عالم ماکان وما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ان میں فساق وفجار بھی ہونگے فرمایا کہ"ستکون علیکم امراء یؤخرون الصلوۃ عن وقتھا"ترجمہ:تم پر ایسے امراء وارد ہوں گے جو نمازوں کو وقت سے مؤخر کرینگے۔
(مسند الامام احمد بن حنبل،ج5،ص314،دار الفکر،بیروت)

اور معلوم تھا کہ اہلِ صلاح کے قلوب ان کی اقتداء سے تنفر کریں گے اور معلوم تھا کہ اُن سے اختلاف آتشِ فتنہ کو مشتعل کرنے والا ہوگا اور دفعِ فتنہ دفعِ اقتداءِ فاسق سے اہم واعظم تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ترجمہ: فتنہ قتل سے بڑا وبدتر ہوتا ہے۔

لہذا دروازہ فتنہ بند کرنے کے لئے ارشاد ہوا"صلوا خلف کل بر و فاجر"ترجمہ:ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز ادا کرو۔
(سنن الدار قطنی،ج2،ص57،نشر السنۃ،ملتان)

یہ اس باب سے ہے"من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما"ترجمہ:جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے تو ان میں آسان کو اختیار کرے۔
(ج6،ص519)

سوال: علم لدنی والے اور ظاہری طور پر علم حاصل کرنے والے میں سے احق بالامامۃ کون ہے؟

جواب: جس کی چشمِ باطن روشن ہے اگرچہ علم بطورِ رسمی حاصل نہ کیا ہو علم رسمی کے عالم غیر عارف سے افضل واحق بالتقدیم ہے علمِ لدنی علمِ رسمی سے بدرجہا اجل واکمل ہے۔
(ج6،ص520)

سوال: زید قرض دیتا ہے اور سُود لکھوالیتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ میں صرف لکھوالیتا ہوں،اس صورت میں اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہرگز نہیں،جس طرح سُود لینا حرام ہے یونہی سُود لکھوانا حرام ہے بلکہ حدیث میں دوسرے کے لئے سُود کا کاغذ لکھنے پر لعنت فرمائی،اور ارشاد فرمایا کہ وہ اور سود لینے والا دونوں برابر ہیں،تو خود اپنے لئے سود لکھوانا کیونکر موجب لعنت نہ ہوگا اور یہ زعم کہ میں لیتا نہیں محض اس کا اپنا ادعا ہے کہ قبول نہ ہوگا۔

غرض وہ فاسق ہے اور اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام واجب الاعادہ ہے یعنی نادانستہ پڑھ لی جب معلوم ہو جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہوں سب کا دُہرانا واجب ہے اور دانستہ پڑھی تو نماز دُہرانا جدا واجب،اور اسکے پیچھے پڑھنے کا گناہ

علاوہ۔لہذا توبہ کرے۔ (ج6،ص521)

سوال: جس میں حسبِ ذیل اوصاف ہوں وُہ شخص لائقِ امامت ہے یا نہیں؟

(۱) نماز میں قرآن شریف جو پڑھتے ہیں اس میں کبھی نیچے کی آیت اوپر پڑھ جاتے ہیں کبھی آیت چھوٹ جاتی ہے۔

(۲) فجر کی نماز اکثر قضا پڑھا کرتے ہیں۔

(۳) ظہر کا وقت کبھی سونے میں گزر جاتا ہے ایسے تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں کہ فرض پڑھتے ہی عصر کا وقت آجاتا ہے۔

(۴) مغرب کا وقت سیرِ بازار میں گزرتا ہے تنگ وقت میں واپس آتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ مسجد کے امام ہیں اور نماز اور لوگوں کو پڑھانا پڑتی ہے تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ نماز کا میں کچھ پابند نہیں ہوں۔

(۵) اپنے وضو کا لوٹا اور گھڑا نہانے کا علیحدہ رکھتے ہیں۔

(۶) ایک رافضی سے بے تکلفی ہے کہ اس کیساتھ کھانا کھاتے ہیں اور مسجد میں باہم دونوں کے مذاق بے تکلفانہ اور معشوقانہ ہُوا کرتا ہے۔

(۷) نماز کے مسائل معلوم نہیں ہیں۔

جواب: سہواً کسی آیت میں تقدیم وتاخیر یا کسی آیت کا چھوٹ جانا اگر نادراً ہو تو مضائقہ نہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے تو ایسے شخص کی امامت سے احتراز اولیٰ ہے جبکہ دوسرا صحیح خواں صحیح الطہارت صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن قابلِ امامت موجود ہو، نمازِ فجر اتفاقاً قضا ہوجانے پر مواخذہ نہیں جبکہ اپنی طرف سے تقصیر نہ ہو، مگر اکثر قضا ہونا بے تقصیر نہیں ہوتا، اگر کوئی علت صحیح شرعی قابلِ قبول نہ رکھتا ہو تو بے پروائی ضرور اسے حدِ فسق تک پہنچائے گی، اور فاسق کو امام بنانا منع ہے۔

جو شخص آفتاب ڈھلنے ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے سوئے اور کسی مرض یا ماندگی کے سبب اتفاقاً ایسا سوجائے کہ ظہر کا وقت گزر جائے تو اس پر الزام نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لاتفریط فی النوم انما التفریط فی الیقظۃ" سونے میں قصور نہیں، قصور جاگنے میں ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج1، ص63، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور اگر ظہر کا وقت آگیا یعنی آفتاب دائرہ نصف النہار سے ڈھل گیا اس کے بعد سویا اور وقت بالکل گزار دیا تو اس پر الزام ہے۔ اور جبکہ اس کا عادی ہو، بارہا ایسا واقع ہو تو ضرور فاسق ہے اُسے امام بنانا گناہ، یونہی اگر اتنے سونے کا عادی ہو کہ فرض ظہر پڑھتے ہی وقتِ عصر واقعی آجاتا ہے سنّت کا وقت نہیں ملتا تو اس صورت میں بھی ترکِ سنّت مؤکدہ کی عادت کے سبب آثم وگنہگار اور امام بنانے کا ناسزاوار ہے۔

مغرب کا وقت سیرِ بازار میں تنگ کر دینا اگر اتنا ہو کہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی ظاہر ہو جائیں کہ حقیقۃً تنگ وقت یہی ہے جب تو اُس کا مکروہ و ممنوع ہونا ظاہر اور اگر اتنا بھی نہ ہو تو اس قدر میں شک نہیں کہ جماعت یا اقل درجہ جماعت اولیٰ ضرور متروک ہوئی۔ تو اُس کے ترک کی عادت بھی فسق ہے اور ایسے کی امامت ممنوع۔

اور وُہ لفظ کہ میں نماز کا کچھ پابند نہیں ہوں اپنے ظاہر پر بدتر و شنیع تر فسق ہے، اپنے وضو اور نہانے کے لئے برتن علیحدہ رکھنا اگر براہِ تکبر ہو تو سخت کبیرہ اور براہِ وہم و وسوسہ ہو جب بھی ممنوع، اس کا مرتکب فاسق افسق ہے یا ذہبی احمق، دین اسلام میں نہ چھوت ہے نہ وساوس پروری۔

روافضِ زمانہ علی العموم کفار و مرتد ہیں۔۔ اور مرتدین سے میل جول حرام، اور مسجد میں ایسا مذاق سنّی صحیح العقیدہ سے بھی حرام۔

لاجرم شخصِ مذکور سخت فاسق و فاجر مرتکبِ کبائر ہے اور اُس کی امامت ممنوع، اُسے امام بنانا حرام، اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، اور نماز کے مسائلِ ضروریہ کا نہ جاننا بھی فسق ہے، بہر حال شخصِ مذکور کی امامت کی ہرگز اجازت نہیں۔

(ج6،ص522)

سوال: زید عالم ہے اور سیّد معمر و پابندِ صلٰوۃ ہے مگر اکثر جماعت سے نماز ادا نہیں کرتا اپنے گھر پر پڑھ لیتا ہے لیکن جُمعہ کے روز مسجد میں امامت کرتا ہے اور کثرت سے لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں مگر بعض اشخاص اس کے پیچھے نماز سے اعتراض کرتے ہیں، اور اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، زید کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: زید کا ترک جماعت کرنا اگر کسی عذرِ صحیح شرعی کے سبب ہے تو زید پر مواخذہ نہیں اور اس کے پیچھے ہر نماز بلا کراہت درست ہے جبکہ کوئی مانعِ شرعی نہ ہو اشخاصِ مذکورین کا اس کی اقتداء سے احتراز اس صورت میں محض جہالت و بیجا ہے، اور اگر وہ بلا عذرِ شرعی ترکِ جماعت کا عادی ہے تو یہ ضرور فسق ہے اور اس تقدیر پر اس کی اقتدا سے بچنا بجا ہے جبکہ جُمعہ دوسری جگہ صالح امامت متقی کے پیچھے مل جاتا ہو ورنہ صرف اس عذر سے کہ امام تارکِ جماعت ہے ترکِ جُمعہ کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

(ج6،ص524)

سوال: ذابح البقر (گائے کو ذبح کرنے والے) کی امامت کیسی ہے؟

جواب: جائز ہے جبکہ غلط خوانی یا بدمذہبی یا فسق وغیرہا موانع شرعیہ نہ ہوں ذبحِ بقر (گائے ذبح کرنا) کوئی مانع نہیں

(ج6،ص525)

سوال: حیات النبی ہونے سے خالد کو انکار ہے اور مدینہ طیبہ کی زیارت سے بھی انکار ہے یہاں تک کہ بہت سے

مسلمانوں کو مکہ سے لوٹا لایا اور نہ جانے دیا، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب : خالد گمراہ بددین ہے اسے امام بنانا جائز نہیں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بلکہ جمیع انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات قرآن وحدیث واجماع سے ثابت ہے اور زیارتِ مدینہ طیبہ سے انکار رکھنا مسلمانوں کو لوٹا لانا کارِ شیطان وخلاف رائے مسلمانان ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ ترجمہ: جو مومنین کے علاوہ کسی کے راستے کی پیروی کرتا ہے ہم اسے اس طرف پھر دیتے ہیں جس طرف وہ پھرتا ہے اور اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ (ج6، ص525)

سوال : ایک شخص جو ایک مسجد کا امام ہے بازار میں مسلمان سے لڑتا مغلظات الفاظ زبان پر لاتا ہے اور کبھی مسجد میں مؤذن سے سخت کلامی اور اس کی حسب ونسب پر مجمع مقتدیان میں الزام لگاتا ہو، مؤذن وبعض مقتدیوں سے عرصہ سے کدورت وکینہ رکھتا ہو، تنبیہ کرنے پر مقتدیوں پر الزام لگاتا ہو کہ تم میری غیبت کرتے اور میری روزی چھیننے کی کوشش کرتے ہو اور مؤذن سے سلام علیک ترک کر دی ہو، ایسے امام کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے یا کچھ کراہت ہے؟

جواب : مسلمان سے بلاوجہ شرعی کینہ وبغض رکھنا حرام ہے اور بلا مصلحتِ شرعیہ تین دن سے زیادہ ترکِ سلام وکلام بھی حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرمائے ہیں "لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباداللہ اخوانا" ترجمہ: بغض نہ رکھو، حسد اور غیبت نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری، ج2، ص897، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم "لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق الثلث" ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے بھائی سے تین دن سے زائد سلام وکلام قطع کرے۔ (صحیح البخاری، ج2، ص297، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور فحش بکنا خصوصاً برسرِ بازار معصیت وفسق ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں "لیس المومن بالطعان ولا الفحاش" ترجمہ: مومن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی فحش بکتا ہے۔

(جامع الترمذی، ج2، ص19، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں "الحیاء من الایمان والبذاء من النفاق" ترجمہ: حیاء ایمان کا حصہ ہے اور بے حیائی نفاق کا حصہ ہے۔ (جامع الترمذی، ج2، ص23، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

خصوصاً اگر اس فحش میں کسی مسلمان مرد یا عورت کو زنا کی طرف نسبت کرتا ہو جیسے آج کل فحش لوگوں کی گالیوں میں عام طور پر رائج ہے جب تو اشد کبیرہ ہے۔

بالجملہ شخصِ مذکور فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی یعنی پڑھنی منع ہے اور

پڑھ لی ہو تو پھیرنی واجب۔ (ج6،ص526)

سوال :ایک امام کے رافضی ہونے میں شبہ ہے، اس کو امام برقرار رکھا جائے یا ہٹادیا جائے؟ اسی طرح اس کو بچوں کا معلم رکھنا کیسا ہے؟

جواب :اور اگر صرف اسی قدر ہو کہ اس کی حالت مشکوک ومشتبہ ہے جب بھی اسے امامت سے معزول کرنا بدلائل کثیرہ واجب ہے۔

دلیل نمبر(۱): علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جب کسی امر کے بدعت وسنت ہونے میں تردد ہو تو وہاں سنت ترک کی جائے ۔۔ظاہر ہے کہ اگر یہ شخص واقع میں سُنی ہو تو خاص اسی کو امام کرنا کچھ سنت بھی نہیں اور رافضی ہو تو اسے امام کرنا حرام قطعی، جب سنت ومکروہ کے تردد میں ترکِ سنت کا حکم ہوا تو جائز وحرامِ قطعی کے تردد میں وہ جائز کیوں نہ واجب الترک ہوگا۔

دلیل نمبر(۲): علماء فرماتے ہیں کہ جب کسی بات کے واجب وبدعت ہونے میں تردد ہو تو ترک نہ کی جائے۔۔ظاہر ہے کہ یہ شخص سنی ہو تو اس کی جگہ دوسرا امام مقرر کرنا کچھ بدعت بھی نہیں اور رافضی ہو تو اسے معزول کرنا فرض قطعی جب بدعت و واجب کے تردد میں فعل ضروری ہوتا ہے تو جائز وفرض قطعی کے تردد میں اسے معزول کرنا کیوں نہ اشد ضروری ہوگا۔

دلیل نمبر(۳): شرع مطہر کا قاعدہ مقرر ہے کہ"اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام" جب ایک چیز میں حلت وحرمت دونوں وجہیں جمع ہوں تو غلبہ حرمت کو رہے گا اور وہ شے حرام سمجھی جائے گی۔۔یہ سنی ہو تو امامت حلال اور رافضی ہو تو حرام، تو غلبہ حرمت ہی کو دیا جائیگا۔

دلیل نمبر(۴): عبادات میں احتیاط مطلقاً واجب ہے نہ کہ نماز کہ اہم واعظم عبادات ہے جس کے لئے علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس کی صحت وفساد میں اشتباہ پڑے ایک وجہ سے فاسد ہوتی ہو اور متعدد وجوہ سے صحیح تو اس ایک ہی وجہ کا اعتبار کر کے اس کے فساد ہی کا حکم دیں گے۔

ظاہر ہے کہ برتقدیرِ سنیت اس کے پیچھے نماز صحیح اور برتقدیر رفض فاسد، تو اس کی امامت کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔

دلیل نمبر(۵): علماء فرماتے ہیں قاضی محض تہمت وحصولِ ظن پر تعزیر دے سکتا ہے۔۔جب تہمت ایسی چیز ہے جس کے سبب بے ثبوتِ صریح ایک مسلمان کو سزا دینے کی اجازت ہوجاتی ہے جس میں اصل حرمت ہے تو نماز کے لئے احتیاط کرنی کیوں نہ واجب ہوجائیگی جس کی اصل فرضیت ہے جس شخص نے اس کے حال سے مطلع ہوکر اسے مسلمانوں کا امام یا اپنے لڑکوں کا معلم مقرر کیا حالانکہ اہلسنت میں صاف وپاک امام ومعلم بکثرت مل سکتے ہیں اس نے اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور مسلمانوں سب کی خیانت کی وہ مسلمانوں کا بدخواہ ہے اس پر اپنے فعل سے توبہ اور اپنے مقرر کئے ہوئے کو معزول کرنا

لازم، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من استعمل رجلا من عصابة وفيهم من هو ارضى لله منه فقد خان الله ورسوله والمومنين" ترجمہ: جس نے کسی جماعت سے ایک شخص کو کام پر مقرر کیا اور ان میں وہ شخص موجود تھا جو اس سے زیادہ اللہ کو پسند ہے تو اس نے اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور مسلمین سب کی خیانت کی۔

(المستدرک علی الصحیحین، ج4، ص92، دارالفکر، بیروت)

پھر اگر یہ شخص توبہ بھی کر لے تو بمجرد توبہ اسے امام نہیں بنا سکتے بلکہ لازم ہے کہ ایک زمانہ ممتد تک اسے معزول رکھیں اور اور اس کے احوال پر نظر رہے، اگر خوف وطمع وغضب ورضا وغیرہا حالات کے متعدد تجربے ثابت کر دیں کہ واقعی یہ سنی صحیح العقیدہ ثابت قدم ہے اور روافض سے اصلاً میل جول نہیں رکھتا بلکہ ان سے اور سب گمراہوں بددینوں سے متنفر ہے اس وقت اسے امام کر سکتے ہیں۔

امیر المومنین غیظ المنافقین امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب صبیغ سے جس پر بوجہ بحث متشابہات بدمذہبی کا اندیشہ تھا بعدِ ضربِ شدید (شدید مار کے بعد) توبہ لی، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجا کہ مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھیں اس کے ساتھ خرید وفروخت نہ کریں بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو نہ جائیں مرجائے تو اس کے جنازے پر حاضر نہ ہوں، تعمیل حکم احکم ایک مدت تک یہ حال رہا کہ اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے اور وہ آتا سب متفرق ہو جاتے جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرضی بھیجی کہ اب اس کا حال اچھا ہو گیا اس وقت اجازت فرمائی۔ (سنن دارمی، ج2، ص51، نشرالسنۃ، ملتان)

بلکہ اگر اس کا مکر وزور وکذب وفریب ظاہر ومشہور ہو تو بعدِ توبہ بھی کبھی امام نہ کریں کہ اسے امام کرنا کچھ ضرور نہیں اور معروف کذاب کی توبہ پر ہمیں اعتبار کا کیا ذریعہ ہے خصوصاً روافض خذلہم اللہ تعالیٰ کہ تقیہ (بسببِ خوف اصل بات چھپانا) ان کا اصلِ مذہب اور اس کی بنیاد کا سب سے پہلا پتھر ہے خصوصاً جہاں نوکری وغیرہ کی طمع یا کسی خوف کا قدم درمیان ہو۔

بعینہٖ یہی حکم وہابیت دیوبندیہ کا ہے کہ وہ بھی مثلِ رفض زمانہ ارتداد مبین اور اس کے اصاغر (چھوٹے) مثلِ روافض تقیہ گزیں تو جسے دیکھیں کہ ان لوگوں سے میل جول رکھتا، ان کی مجالس وعظ میں جاتا ہے، اس کا حال مشتبہ ہے ہرگز اسے امام نہ کریں اگرچہ اپنے کو سنی کہتا ہے۔ (ج6، ص528 تا 534)

سوال: جس شخص کو جزام ہو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جذام میں جب تک ٹپکنا نہ شروع ہوا ہو یہ حکم ہے کہ اگر لوگوں کی نفرت کی حد تک ہے جس کے سبب اس کی امامت میں جماعت کی کمی ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے ورنہ نہیں، اور اگر ٹپکنے لگا تو اگر معذور کی حد تک پہنچ گیا کہ ایک وقت کامل کسی نماز کا اس پر ایسا گزرا کہ وضو کر کے فرض پڑھ لینے کی مہلت نہ تھی تو جب تک ہر نماز کے وقت اگرچہ ایک ایک ہی بار ٹپکنا پایا

جائے وہ معذور ہے اسے پانچ وقت تازہ وضو کرنا کافی ہے اور اس کے پیچھے صرف ایسے ہی عارضہ والے کی جو اسی کی سی حالت رکھتا ہو نماز ہو جائے گی باقی لوگوں کی نماز نہیں ہو سکتی۔

(ج6،ص536)

سوال: جس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا ہو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جس کا منہ معاذ اللہ ٹیڑھا ہو گیا ہو اگر اس کے سبب قرأت صحیح نہ پڑھ سکتا ہو حروف غلط ادا ہوتے ہوں تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اگر حروف صحیح نکلتے ہوں مگر پڑھنے میں بہت بدنمائی پیدا ہو گئی ہو تو اس کی امامت اولیٰ نہیں ورنہ کچھ حرج نہیں۔

(ج6،ص536)

سوال: جو کمزوری کے سبب نماز میں دیر سے اٹھتا بیٹھتا ہو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو ضعف کے سبب دیر میں اٹھتا بیٹھتا ہو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں جبکہ ایسی حالت نہ ہو کہ مثلاً جب تک سجدہ سے اٹھ کر بقدر تین بار سبحان اللہ کہنے کے بیٹھا نہ رہے کھڑا نہیں ہوتا اور جب ایسی حالت ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

(ج6،ص536)

سوال: زید کے آباؤ اجداد سب ایک گاؤں کے امام تھے اور قدیم ایام سے امامت کرتے چلے آئے ہیں، زید بھی استادی طریقہ رکھتا ہے کہ گاؤں کے بہت سے لڑکوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور کتابوں وغیرہ کی بھی دی ہے اور پانچ نماز بھی پڑھاتا ہے، اب گاؤں کے ایک شخص زمیندار نے کہا اگر مرضی ہوگی تو امام رکھیں گے ورنہ نہ رکھیں گے کہ امام نوکر کی جگہ ہوتا ہے خواہ نوکر کے پیچھے نماز ادا کریں یا نہ کریں اور غرضیکہ اس نے بہت بیہودہ گالی بھی نکالی ہیں اور بے ادب لفظ بولے ہیں، اس شخص کی نسبت فتویٰ ارشاد فرمائیں کہ اس کو تعزیر لگائی جائے گی یا نہیں، زید کا حق گاؤں پر ہے یا نہیں؟

جواب: کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دینا حرام ہے اور گالی دینا سخت حرام ہے اور بعض گالیاں تو کسی وقت حلال نہیں ہو سکتی اور ان کا دینے والا سخت فاسق اور سلطنتِ اسلامیہ میں اسی ۸۰ کوڑوں کا مستحق ہوتا ہے ان سے ہلکی گالی بھی بلاوجہ شرعی حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ" "جس نے کسی مسلمان کو بلا وجہِ شرعی ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ (کنز العمال، ج16، ص10، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور علمِ دین کے استاد کا حق باپ سے بھی زائد ہے ستانے والا عاق (نافرمان) ہوتا ہے اور بلا وجہِ شرعی کسی مسلمان کے رزق میں خلل اندازی بہت سخت بے جا اور بلاوجہ ایذا ہے اور ایسوں کو خوف نہیں آتا کہ وہ کسی مسلمان کے رزق میں بلاوجہ خلل ڈالیں، اللہ قادر مطلق ان کی روزی میں خلل ڈالے ان کا رزق تنگ کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کما تدین تدان" ترجمہ: جیسا تو اوروں کے ساتھ کرے گا ویسا ہی اللہ تیری ساتھ کریگا۔ (کنز العمال، ج15، ص772، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ان لوگوں پر لازم ہے کہ امام سے معافی مانگیں، استاد سے خطا بخشوائیں اور اگر کوئی حرج شرعی نہ ہو تو بے سبب اسے موقوف نہ کریں، ہاں اگر سبب شرعی ہو تو بہ نرمی اس سے کہیں اگر وہ اس کا علاج نہ کرے یا نہ کر سکے تو نرمی کی ساتھ الگ کر دیں اس وقت اس امام کو بھی بے جا ہٹ (ضد) مناسب نہیں، امامت کسی کا حق و میراث نہیں، اور وجہِ شرعی کے سبب اہلِ جماعت جس کی امامت سے ناراض ہوں اسے امام بننا گناہ ہوتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (ج6،ص538)

سوال: ایک شخص نے اپنا نکاح ایک عورت سے کیا کچھ عرصہ بعد اپنی عورت کی ہمشیرہ سے دوسرا نکاح کیا دونوں عورتیں اس کے پاس رہیں کچھ مدت کے بعد اس دوسری سے ایک لڑکا پیدا ہوا جب وہ بالغ ہوا اس نے کلام مجید پڑھا، اب اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ لڑکا ولد الحرام ہے ولد الزنا نہیں اسے حرامی نہیں کہہ سکتے کہ عرف میں حرامی ولد الزنا کو کہتے ہیں اور یہ شرعاً اپنے اسی باپ کا بیٹا ہے اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں، ہاں اگر جماعت کو اس کے ولد حرام ہونے کے باعث اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے نفرت ہو تو اس کی امامت مکروہ ہوگی کہ وجہِ تقلیل جماعت ہوگی مگر اس صورت میں کہ یہ لڑکا سب حاضرین سے زیادہ مسائل نماز و طہارت کا علم رکھتا ہو تو اسی کی امامت اولیٰ ہے اور اب اگر عوام کو نفرت ہو تو انہیں سمجھایا جائے کہ ان کی یہ نفرت خلافِ حکم و بے محل و بے جا ہے یہ تو یہ اگر کوئی ولد الزنا بھی ہو تو جب حاضرین سے علم میں زائد ہو وہی مستحق امامت ہے۔ (ج6،ص539)

سوال: ایک شخص امام مسجد ہے اور وہ فاتحہ و علم غیب وغیرہ سے منکر ہے اور سجدہ میں اور رکوع میں تسبیح اس قدر زور سے کہتا ہے کہ اگلی صف والے بخوبی سن لیتے ہیں اور پیچھے والے بھی سن لیتے ہیں اور ایسے مقام پر کوئی دوسرا امام میسر نہیں آتا تو اس حالت میں کس طرح باجماعت نماز پڑھی جائے کہ ثواب جماعت کا ہو اور نماز میں بھی کوئی نقص نہ ہونے پائے۔

جواب: اگر علم غیب بعطائے الٰہی کثیر و وافر اشیاء وصفات و احکام و برزخ و معاد و اشراطِ ساعت (علامتِ قیامت) و گزشتہ و آئندہ کا منکر ہے تو صریح گمراہ بددین و منکرِ قرآن عظیم و احادیث متواترہ ہے اور ان میں ہزاروں غیب وہ ہیں جن کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملنا ضروریات دین سے ہے اور ضروریاتِ دین کا منکر یقیناً کافر۔

یوں ہی تلبیسی طور پر (فریب دیتے ہوئے) بعض کا اقرار کرتا اور وہابیہ کا اعتقاد رکھتا ہے تو گمراہ بددین ہے اور جو خاص دیوبندی عقائد پر ہو وہ کافر مرتد ہے، یوں ہی جو ان عقائد پر اپنا ہونا نہ بتائے مگر ان لوگوں کے عقائدِ کفریہ پر مطلع ہو کر ان کو اچھا جانے یا مسلمان ہی سمجھے جب بھی خود مسلمان نہیں۔

ہاں اگر تمام خباثتوں سے پاک ہو اور علمِ غیب کثیر و وافر بقدرِ مذکور پر ایمان رکھے اور عظمت کے ساتھ اس کا اقرار کرے صرف احاطۂ جمیع ما کان و ما یکون میں کلام کرے اور ان میں ادب و حرمت ملحوظ رکھے تو گمراہ نہیں صرف خطا پر ہے مگر آج کل

یہاں فاتحہ کا انکار خاص وہابیہ ہی کا شعار ہے اور وہابیہ اہلِ ہوا سے ہیں اور اہل ہوا کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔
تو اگر امام میسر ہو بہتر ہے ورنہ تنہا نماز پڑھی جائے۔
ہاں اگر وہاں وہابیت نہ ہوتی تو فقط اتنی بات پر کہ تسبیحاتِ رکوع وسجود با آواز کہتا اور اس پر اصرار رکھتا ہو نماز اس کے پیچھے مکروہ ہوتی کہ اگر اور امام نہ ملتا تو اسی کے پیچھے پڑھنے کا حکم دیا جاتا مگر بحال وہابیت ہرگز اقتداء جائز نہ ہوگی۔ (ج6ص541)

سوال: ایک شخص اس مسجد کا جو امام ہے جس کی بابت یہ قصہ ہے کہ صدقۂ فطر لیتا ہے حتی کہ وہ خود زکوۃ دینے کی استطاعت رکھتا ہے اگر اس کو صدقات سے کچھ نہ دیا جائے یا دینے میں دیر ہو جائے تو ناراض ہو جاتا ہے ایسی جگہ سے نماز ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: غنی کو صدقۂ فطر لینا حرام ہے اگر امام غنی ہے اور صدقاتِ فطر لیا کرتا ہے یہاں تک کہ ملنے میں دیر سے ناراض ہوتا ہے تو وہ فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اگر اسے معزول نہ کر سکیں تو وہاں ترکِ جماعت کا یہ عذر صحیح ہے۔
(ج6ص542)

سوال: جو اشخاص ناحق رعایت دیاسداری کرتے ہوں، وہ اس جماعت میں شامل ہوں اور عوام کی غیبت کرتے ہوں تو ایسے موقع پر ترک جماعت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مقتدیوں کے گناہ کے باعث ترکِ جماعت جائز نہیں ان کے گناہ ان کے گناہ ہیں اور ترکِ جماعت اس کا گناہ ہوگا۔
(ج6ص543)

سوال: مسجد کا امام امامت کے قابل نہیں ہے، تو مسجد سے تھوڑی دور کسی حجرے میں جماعت کروانے سے فتنہ ہو تو کیا تنہا نماز پڑھ لے؟

جواب: اگر امام مسجد فاسقِ معلن یا بدمذہب یا بے طہارت یا غلط خواں ہے اسے آگے پیچھے یا اس سے الگ حجرہ میں جماعت پر بھی قدرت نہیں بلکہ فتنہ اٹھتا ہے تو اس صورت میں تنہا پڑھنے کی اسے اجازت ہوگی مگر یہ بات بہت دشوار ہے کہ حجرہ میں دو ایک شخص کے ساتھ جماعت کرنے میں بھی فتنہ ہو۔
(ج6ص543)

سوال: مسجد کے اندر جمع ہو کر دنیاداری کی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں اور جو کرتے ہیں وہ خطاوار ہیں یا نہیں؟
جواب: مسجد میں دنیا کی بات کے لئے بیٹھنا حرام ہے اور اس میں جمع ہو کر دنیا کی بات کرنا ضرور خطا ہے۔
(ج6ص543)

سوال: جو شخص داڑھی اپنی مقدارِ شرع سے کم رکھتا ہے اور ہمیشہ ترشواتا ہے، اس کا امام کرنا نماز میں شرعاً کیا حکم رکھتا

ہے؟

جواب: وہ فاسقِ معلن ہے اور اسے امام کرنا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی۔ (ج6،ص544)

سوال: کاشکاری کی وجہ سے بہت سارے کسانوں کی نماز قضاء ہوگئیں، کیا قضاء نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں؟

جواب: کاشتکاری خواہ کسی کام کے لئے نماز قضا کر دینا سخت حرام و گناہ کبیرہ ہے جو ایسا کرتے ہیں سب فاسق ہیں، سب پر فوراً توبہ فرض ہے، کیا نہیں جانتے کہ کھیتی بھی اسی کے اختیار میں ہے جس نے نماز سب سے بڑھ کر فرض کی ہے اگر نماز کھونے میں تمہاری کھیتی برباد کر دے تو تم کیا کر سکتے ہو، نماز گھنٹوں میں نہیں ہوتی تھوڑی دیر کے لئے نماز کے واسطے کھیتی کے کام کو روک دو تو نماز اور کھیتی کا مالک تمہاری کھیتیوں میں بہت برکت دے۔

جہاں سب اسی طرح کے ہوں وہاں ان سب پر توبہ تو فرض ہے ہی، جب توبہ کر لیں ان میں سے جو قابل امامت ہے امامت کرے اور رافضیوں کی طرح الگ الگ نہ پڑھیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ امام اور مقتدی سب کی قضا متحد ہو مثلاً سب کی آج کی ظہر یا سب کی کل کی عصر، تو جماعت ہو سکتی ہے اور اگر نماز مختلف ہو مثلاً امام کی ظہر اور مقتدی کی عصر یا امام کی آج کی ظہر تو جماعت نہیں ہو سکتی اپنی اپنی الگ پڑھیں۔

(ج6،ص544)

سوال: امام کی اتفاق سے ایک وقت کی نماز قضاء ہوگئی ہے تو وہ نماز پڑھا سکتا ہے یا دوسرا شخص کھڑا ہو؟

جواب: وہی امامت کرے جبکہ قصداً قضا نہ کی ہو، اور اگر قصداً قضا کی اگرچہ اتفاق سے تو فاسق ہوگیا، اگر توبہ نہ کرے تو دوسرا شخص امامت کرے۔ (ج6،ص545)

سوال: زید کی عمر اٹھارہ سال کی ہے اور حافظ ہے داڑھی نہیں ہے آیا اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر حسین و جمیل خوب صورت ہو کہ فساق کے لئے محلِ شہوت ہو تو اس کی امامت خلاف اولی ہے ورنہ نہیں۔

(ج6،ص545)

سوال: امام قابلِ امامت ہے، کچھ لوگ براہ نفسانیت اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی بات اس میں ایسی نہیں جس کے سبب اس کی امامت باطل یا گناہ ہو پھر جو لوگ براہ نفسانیت اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور جماعت ہوتی رہے اور شامل نہ ہوں وہ سخت گناہ گار ہیں ان پر توبہ فرض ہے اور اس کی عادت ڈالنے

سے فاسق ہو گئے۔

لیکن اگر امام میں ان عیوب (جن سے امامت باطل یا گناہ ہوتی ہے) میں سے کوئی عیب ہو اور اس کے سبب یہ لوگ اس کے پیچھے نماز سے احتراز کرتے ہوں تو درست و بجا ہے۔ (ج6،ص546)

سوال: امام جماعت سے کس قدر فاصلہ سے کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کھڑا ہو؟

جواب: امام صف سے اتنا آگے کھڑا ہو کہ جو مقتدی اس کے پیچھے ہے اس کا سجدہ بطورِ مسنون (سنت کے مطابق) بآسانی ہو جائے بلا ضرورت اس سے کم فاصلہ رکھنا جس کے سبب مقتدیوں کو سجدہ میں تنگی ہو منع ہے یوں ہی فاصلہ کثیر عبث (فضول) چھوڑنا خلافِ سنتِ مؤکدہ ہے۔ (ج6،ص547)

سوال: باپ نے بیٹے کو عاق کر دیا اور پھر اس کی خطا معاف بھی کر دی تو اس کی خطا معاف ہوئی یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی؟

جواب: ہاں اگر وہ باپ کی نافرمانی اور باپ کو ناراض کرنے سے باز آیا اور سچے دل سے توبہ کی تو خطا معاف ہو گئی اور اب اس کے پیچھے نماز جائز ہو جائے گی۔

اور اگر وہ نافرمانی و ایذائے پدر (باپ کو ایذاء دینے) سے باز نہ آیا تو ضرور سخت اشد فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، جس کا پھیرنا واجب ہے اور اسے امام بنانا گناہ اگر چہ باپ اپنی مہربانی سے ہزار بار خطا معاف کر دے کہ یہ صرف باپ کی خطا نہیں، اللہ عزوجل کا بھی گناہ اور سخت گناہ شدید کبیرہ ہے، تو فقط باپ کے معاف کئے کیونکر معاف ہو سکتا ہے۔ (ص۵۴۷)

سوال: اگر کسی شخص سے چار جُمُعَہ حالتِ مرض میں پے در پے ساقط ہو گئے تو پانچویں جُمُعَہ میں نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر مرض ایسا تھا کہ قابلِ حاضری جُمُعَہ نہ تھا تو اس پر کچھ الزام نہیں، اور اگر حاضر ہو سکتا تھا اور کاہلی اور بے ہمتی سے نہ آیا تو فاسق ہے اسے امام کرنا گناہ ہے۔ (ج6،ص547)

سوال: ایک ولد الزنا کا نکاح صحیح ہوا اور اس سے اولاد ہوئی تو اس اولاد کے پیچھے اقتدا درست ہے یا نہیں؟

جواب: ولد الزنا کا بیٹا کہ نکاحِ صحیح سے پیدا ہوا ولد الزنا نہیں اس کے پیچھے نماز میں کچھ کراہت نہیں، ہاں اگر اہلِ جماعت اس سے نفرت کریں اور اس کے باعث جماعت کی تقلیل ہو تو اسے امام نہ کیا جائے اگر چہ وہ خود بے قصور ہے جیسے معاذ اللہ برص و جذام والے کی امامت مکروہ ہے جبکہ باعثِ تنفیرِ جماعت ہو اگر چہ مرض میں اس کا کیا قصور ہے۔ (ج6،ص547)

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت قیام کو جو شخص بدعت و ناجائز کہے، اسی طرح ختمِ قرآن کے موقع

پر شرینی تقسیم کرنے کو بھی بدعت کہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب : قیام وقتِ ذکرِ ولادتِ حضور سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم جس طرح حرمین طیبین ومصر وشام وسائر بلاد اسلام میں رائج ومعمول ہے ضرور مستحسن ومقبول ہے۔ علامہ سید جعفر برزنجی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا رسالہ میلاد مبارک حرمین طیبین و دیگر بلاد عرب وعجم میں پڑھا جاتا ہے اس رسالہ میں فرماتے ہیں "قد استحسن القیام عند ذکر مولد الشریف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ائمة ذوو روایة ودرایة فطوبیٰ لمن کان تعظیمه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غایة مرامه ومرماه" ترجمہ: بے شک ذکرِ ولادتِ اقدس کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن جانا جو اصحابِ روایت وار بابِ درایت تھے تو خوشی اور شادبانی ہو اس کے لئے جس کی نہایت مراد وغایت مقصود محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہو۔

(قیام بوقت ذکر تولد خیر الانام ص 25، جامعہ اسلامیہ، لاہور)

یہاں آج کل اس قیام مبارک کو بدعت وناجائز کہنے والے حضرات وہابیہ ہیں خذلھم اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ انھیں خوار کرے) اور وہابیۂ زمانہ اب بدعت وضلالت سے ترقی کر کے معراجِ کفر تک پہنچ چکے ہیں بہر حال ان کے پیچھے نماز ناجائز اور انھیں امام بنانا حرام، یوں ہی ختمِ قرآن عظیم کے وقت مسلمانوں میں شیرینی کی تقسیم بھی ایک امرِ حسن ومحمود ہے اسے بدعت بتانا انہی اصولِ ضالہ وہابیت پر مبنی ہے اللہ عزوجل نے تو وجوب وممانعت کی یہ معیار بتائی تھی ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ترجمہ: رسول جس بات کا تمھیں علم دیں وہ اختیار کرو اور جس بات سے منع فرمائیں باز رہو۔

مگر وہابی صاحبوں نے معیار ممانعت یہ رکھی ہے کہ جسے ہم منع کر دیں اسے بچو اگر چہ اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے کہیں منع نہ فرمایا ہو، غرض یہ اس کا شرک فی الرسالت ہے اس کے پیچھے ہرگز نماز پڑھی نہ جائے، والعیاذ باللہ تعالیٰ رب العالمین۔ (ج6،ص549)

سوال: سید کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: سید حاجت مند کو زکوٰۃ دینے میں بعض نے اجازت لکھی ہے اور صحیح ومعتمد ظاہر الروایہ عدمِ جواز (ہے)۔

(ج6،ص552)

سوال : جو شخص کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا رہا، اس کے بعد سچی توبہ کر لی، اب اس کی امامت جائز ہے یا نہیں، بعدِ توبہ جو لوگ اس پر اعتراض کریں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب : اللہ عزوجل توبہ قبول فرماتا ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

اور سچی توبہ کے بعد گناہ بالکل باقی نہیں رہتے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"التائب من الذنب کمن لا ذنب له" گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کے مثل ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ص 323، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

توبہ کے بعد اس کی امامت میں اصلاً حرج نہیں، بعدِ توبہ اس پر گناہ کا اعتراض جائز نہیں۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"من عير اخاه بذنب لم يمت حتى يعمله و فى رواية من ذنب قد تاب منه" جو کسی اپنے بھائی کو ایسے گناہ سے عیب لگائے جس سے توبہ کر چکا ہے تو یہ عیب لگانے والا نہ مرے گا جب تک خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

(جامع الترمذی، ج2، ص73، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی) (ج6، ص552)

سوال: ایک عالمِ دین ہیں یعنی علمِ فقہ وحدیث بخوبی جانتے ہیں مگر عالم موصوف بائیں پیر سے معذور ہیں جس کو لنگڑا کہتے ہیں، زمین میں پَیر مذکور کا فقط انگشت لگا سکتے ہیں اور دہنا پیر درست ہے قیام، رکوع، سجود بخوبی کر سکتے ہیں، یہ عالم مذکور پانچ وقتی نماز کی امامت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: صورتِ مستفسرہ میں ایسے شخص کی امامت بلاشبہ جائز ہے پھر اگر وہی عالم ہے تو وہی زیادہ مستحق ہے اس کے ہوتے جاہل کی تقدیم ہرگز نہ چاہئے اور اگر دوسرا عالم بھی موجود ہے جب بھی اس کی امامت میں حرج نہیں مگر بہتر وہ دوسرا ہے، یہ سب اس صورت میں کہ دونوں شخص شرائطِ صحت وجوازِ امامت کے جامع ہوں صحیح خواں صحیح الطہارۃ سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن ورنہ جو جامعِ شرائط ہوگا وہی امام ہوگا۔

(ج6، ص554)

سوال: ایک شخص جو اپنے آپ کو حنفی کہتا تھا، بعد میں وہابی ہو گیا، اس کے کچھ عرصہ بعد چکڑالوی ہو گیا، اب گاؤں کے امام مسجد کی وفات پر اس نے اس خیال سے کہ میں امام مسجد بن جاؤں مسجد کے متعلقہ گھروں کی آمدنی میرے کام آئے، یہ ظاہر کیا کہ میں نے چکڑالوی مذہب سے توبہ کی مجھے امام مسجد مقرر کرو، چنانچہ اس کے ہم خیال چند دوستوں نے اس کو پگڑی پہنائی اور اس کو امام مسجد مقرر کر دیا، اب چند مسلمان اس کے مخالف اٹھے جن کو اس کے چند مذہب بدلنے کا رنج تھا انھوں نے اس کو معزول کرنا چاہا، اب چونکہ وہ کچھ علم رکھتا ہے اس نے کہا کہ میں نے توبہ خالص کر لی ہے اور اب میں حنفی مذہب پر آ گیا ہوں اگر تم اب بھی معزول کرتے ہو تو مجھے شریعت کا حکم دکھاؤ میں کنارے ہو جاؤں گا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ کافر کی توبہ منظور ہے میری کیونکر منظور نہ ہوگی، پکے مسلمانوں کا خیال ہے کہ اگر یہ امام مسجد مقرر رہا تو یہ دین میں رخنہ انداز ہوگا پھر کئی آدمی اس کے موافق ہو جائیں گے پھر ہم میں اتنی طاقت نہ ہوگی کہ ان کو سیدھا کریں، آپ فرمائیں کہ ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: نماز اہم عبادت ہے اور اس کے لئے غایت احتیاط درکار ہے یہاں تک کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ اگر نماز چند وجہ سے صحیح ٹھہرتی ہو اور ایک سے فاسد، تو اسے فاسد ہی قرار دیں گے۔

جو شخص ایسا مضطرب الحال ہو کہ اتنے دنوں میں تین مذہب بدل چکا اس کی توبہ بایں معنی قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں کو اگر تو نے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ قبول فرمانے والا ہے نیز اسی سنیت حنفیت کا اظہار کرتے ہوئے اگر وہ مرجائے گا ہم اس کے جنازہ کے ساتھ وہ طریقہ برتیں گے جو ایک سنی حنفی کے ساتھ کیا جاتا ہے لان انما نحکم بالظاھر واللہ تعالیٰ اعلم بالسرائر (کیونکہ ہم ظاہر پر حکم لگانے کے پابند ہیں، دلوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے)۔

مگر اس قبولِ توبہ سے یہ لازم نہیں کہ ہم ایسے مضطرب شخص ایسے مشکوک حالت والے کو اپنے ایسے اہم فرض دینی کا امام بھی بنالیں اگر واقع میں وہ سچے دل سے تائب ہوا ہے تو اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی اور اگر امامت لینے کے لئے توبہ ظاہر کرتا ہے تو وہ نماز باطل و فاسد ہوگی اور اس کی حالت شک ڈالنے والی اور نفع کی طمع اس کی تائید کرنے والی، کسی طرح عقل سلیم واحتیاط کا مقتضا ہرگز نہیں کہ اسے امام کیا جائے۔

پیسہ کے معاملے میں گواہی کے لئے تو علمائے کرام یہ احتیاط فرماتے ہیں کہ فاسق اگرچہ توبہ کرلے اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی جب تک ایک زمانہ اس پر نہ گزرے جس سے صدقِ توبہ وصلاح وتقوٰی کے آثار اس پر ظاہر ہوں کہ جب وہ فاسق ہے تو ممکن کہ اس وقت اپنی گواہی قبول کرادینے کے لئے توبہ کا اظہار کرتا ہو۔

بلکہ جو جھوٹ کے ساتھ مشہور ہے اس کی نسبت تصریح فرماتے ہیں کہ اس کی گواہی کبھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ سو بار توبہ کرے۔

جب دو پیسے کے مال میں یہ احتیاطیں ہیں تو نماز کہ بعدِ ایمان اعظم ارکانِ دین ہے اس کے لئے کس درجہ احتیاط واجب، شریعت مطہرہ ہرگز ایسے مشکوک شخص کو امام بنانا پسند نہیں فرماتی جو لوگ اس کی امامت میں کوشاں ہیں وہ اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ومسلمانوں سب کے خائن ہوں گے۔ (ج6،ص555)

سوال: جو شخص ماں کو مارے، اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

جواب: صورتِ مستفسرہ میں وہ شخص سخت فاسق وفاجر مرتکبِ کبائر مستحقِ عذاب نار وغضبِ جبار ہے، ماں کو ایذا دینا سخت کبیرہ ہے نہ کہ مارنا، جس سے مسلمان تو مسلمان کافر بھی پرہیز کرے گا اور گھن کھائے گا۔ حدیث میں ارشاد ہوا "ثلثة لا یدخلون الجنة وعد منھم العاق لوالدیه" ترجمہ: تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ان میں سے ایک وہ جو اپنے ماں باپ کو ستائے۔ (المعجم الکبیر،ج12،ص302، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت)

ایسا شخص قابلِ امامت نہیں ہوسکتا۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنا گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب، جب وہ ایسا بیباک ہے کہ ماں کو مارتا ہے تو اس سے کیا تعجب کہ بے وضو نماز پڑھائے یا نہانے کی ضرورت ہوجاڑے (سردی) کے

سبب بے غسل پڑھادے۔ (ج6،ص557)

سوال: جس شخص کے والدین اس شخص سے کہیں کہ میرے جنازہ پر بھی ہرگز ہرگز نہ آئے اس شخص کو امام کرنا چاہئے یانہیں؟

جواب: والدین اگر بلاوجہ شرعی ناراض ہوں اور یہ ان کی استرضا (راضی کرنے) میں حدِ مقدور تک کی نہیں کرتا تو اس پر الزام نہیں اور اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ ان کو ایذا دیتا ہے اس وجہ سے ناراض ہیں تو عاق (نافرمان) ہے اور عاق سخت مرتکبِ کبیرہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور امام بنانا گناہ۔

اور اگر ناراضی تو ان کی بلاوجہ شرعی تھی مگر اس نے اس کی پروانہ کی وہ کھنچے تو یہ بھی کھنچ گیا جب بھی مخالف حکم خدا و رسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے اسے حکم یہ نہیں دیا گیا کہ ان کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرے بلکہ یہ حکم فرمایا ہے ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ترجمہ: بچھادے ماں اور باپ کے لئے ذلت وفروتنی کا باز ورحمت سے۔

اس کے خلاف واصرار سے بھی فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ۔ (ج6،ص559)

سوال: کیا آپ کے یہاں فتوی کی فیس لی جاتی ہے؟

جواب: یہاں بحمداللہ تعالیٰ فتوی پر کوئی فیس نہیں لی جاتی بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہندستان و دیگر ممالک مثل چین وافریقہ امریکہ وخود عرب شریف وعراق سے استفتاء آتے ہیں اور ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہوجاتے ہیں بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جدامجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے اکانوے (91) برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے اکاون (51) برس ہونے آئے یعنی اس صفر کی 14 تاریخ کو پچاس (50) برس چھ (6) مہینے گزرے، اس نوکم سو (100) برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے، بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوے کے ہیں بحمداللہ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا نہ لیا جائے گا بعونہٖ تعالیٰ ولہ الحمد، معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت ودنی ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! ﴿مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے۔ (ج6،ص562)

سوال: پیشاب کے بعد جس کو کچھ قطرے اندر محسوس ہوتے ہوں، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: مرد کو پیشاب کے بعد استبراء کہ اثر بول (پیشاب کا اثر) منقطع ہوجانے پر اطمینان قلب حاصل ہوجائے فرض ہے یعنی عملی کہ واجب کی قسم اعلیٰ ہے جس کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا و لہذا بعض نے فرض بعض نے واجب بعض نے لازم فرمایا

کہ فرض وواجب دونوں کو شامل ہے۔

پھراس میں طبائع مختلف ہیں، بعض کو وہ نم کہ سوراخِ ذکر پر بعد بول زائل ہوتے ہی اطمینان ہوجاتا ہے کہ اب کچھ نہ آئے گا، بعض کو صرف دوتین بار کھنکھارنا کافی ہوتا ہے، بعض کو ذکر کا دو یا ایک بار اوپر سے نیچے کو مل دینا اور بعض کو ٹہلنے کی حاجت ہوتی ہے، دس قدم سے چار سو قدم تک بعض کو بائیں کروٹ پر لیٹنا، بعض کو ران پر ران رکھ کر ذکر کو دبانا، غرض مختلف طریقے ہیں اور ہر شخص اوراس کی طبیعت (مختلف ہوتی ہے)۔ (ج6،ص562)

سوال: ایک واعظ نے دورانِ وعظ یہ کہا کہ ''بمبئی میں کوئی مکان یا گلی کوچہ ایسا نہ ہوگا جس میں شبانہ روز زنانہ ہوتا ہو''اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا کہنا کہ بمبئی میں کوئی مکان یا گلی کوچہ ایسا نہ ہوگا جس میں شبانہ روز (دن رات) زنانہ ہوتا ہو، اگر وہ تعمیم وتقیم کرتا تو بمبئی کے لاکھوں مسلمان مردوں، مسلمان پارسا بیبیوں پر صریح تہمتِ ملعونہ زنا تھی جس کے سبب وہ لاکھوں قذف کا مرتکب ہوتا اور ایک ہی قذف گناہ کبیرہ ہے اور قذف کرنے والے پر لعنت آئی ہے تو وہ ایک سانس میں لاکھوں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا اور لاکھوں لعنتوں کا استحقاق پاتا ہے مگر اس نے مکان اور کوچہ میں تردید سے تعمیم کو روکا اور ''نہ ہوگا'' کے لفظ سے جزم (یقین) میں فرق ڈالا۔

پھر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ اس نے وہاں کے عام مسلمانوں مردوں بیبیوں کی حرمت پر دھبا لگایا اور اسے (یعنی اس جملہ کو) خاص مجلسِ وعظ میں کہہ کر مسلمانوں کو ناحق بدنام کرنے اور ان میں اشاعتِ فاحشہ کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھایا اور بکثرت مسلمانوں کو بلاوجہ شرعی ایذا دی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ''، جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

(المعجم الاوسط، ج4،ص383، مکتبۃ المعارف، الریاض)

اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفٰحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ﴾ جو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات کا چرچا پھیلے ان کیلئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔

جب اس پر دونوں جہان میں عذابِ شدید کی وعید ہے تو یہ بھی کبیرہ ہوا اور مرتکبِ کبیرہ فاسق ہے اور یہ فسق بالاعلان بر سرِ مجلس وعظ ہوا تو اس وجہ سے وہ فاسق معلن ہوا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ (ج6،ص569)

سوال: کوئی شخص امام کے مصلے پر اشراق چاشت ادا کرسکتا ہے؟

جواب: وہ مصلّٰی اگر واقف نے صرف امامت کے لئے وقف کیا ہے تو امام وغیرِ امام کوئی اسے دوسرے کام میں نہیں

لاسکتا اگر چہ صراحۃً یا وہاں کے عرف کے سبب دلالۃً ممانعت ہو اور اگر صرف امام کے لئے بطور نذر کو روقف ہوا ہے تو امام اس پر نوافل بھی پڑھ سکتا ہے دوسرا کچھ نہیں اور اگر عام طور پر وقف ہوا یعنی صراحۃً تخصیص ہے نہ دلالۃً تو غیر وقتِ امامت میں ہر شخص اس کو فرائض ونوافل سب کے کام میں لاسکتا ہے بلکہ درس وتدریس کے بھی۔ (ج6،ص572)

سوال: دیوبندیوں کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے، ہوگی ہی نہیں، فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ۔ اس میں سب برابر ہیں نماز پنجگانہ ہو خواہ جُمعہ یا عید یا جنازہ یا تراویح، کوئی نماز ان کے پیچھے ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اگر (ان کو قابلِ امامت یا مسلمان جاننا بھی درکنار) ان کے کفر میں شک ہی کرے تو خود کافر ہے جبکہ ان کے خبیث اقوال پر مطلع ہو، علمائے حرمین شریفین بالاتفاق فرماتے ہیں ''من شك فی عذابه و كفره فقد كفر'' ترجمہ: جو شخص ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین، ص31، مکتبہ نبویہ، لاہور) (ج6،ص573)

سوال: ایک شخص معمولی اردو خواں مؤذنی بھی کرتا ہے اور امامت بھی کرتا ہے اور وہی شخص گھر گھر سے صدقۂ فطر، مال زکوٰۃ وکھال قربانی وغیرہ لیتا اور کھاتا ہے اور قبرستان میں جو غلّہ پیسہ کوڑی خیرات کیا جاتا ہے وہ بھی لیتا ہے اور اس کا پیشہ یہی ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ امام کیلئے کون کون سی شرائط ہیں؟ کیسے شخص کو امام ہونا چاہئے؟

جواب: اگر وہ فقیر ہے صاحبِ نصاب نہیں، نہ سید ہاشمی ہے تو ان اموال کا لینا اسے جائز ہے اور اس وجہ سے اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ امامت کیلئے صحیح الاسلام صحیح الطہارت، صحیح القراءت، سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن درکار ہے جس میں ان باتوں سے کوئی بات کم ہوگی اسکے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں مکروہ تحریمی ہوگی اس شخص میں ان باتوں سے کوئی بات کم ہے تو اس کی امامت جائز نہیں، واجب کہ دوسرے کو جو ان باتوں کا جامع ہو امام کریں اور یہ سب باتیں اس میں ہیں تو اس کی امامت میں حرج نہیں، پھر دوسرا اگر نماز وطہارت کے مسائل اس سے زیادہ جانتا ہے تو وہ دوسرا ہی اولی ہے اور اگر یہ زیادہ جانتا ہے تو یہی بہتر۔ (ج6،ص574)

سوال: جس امام کو اس کے عقائد پوچھے جائیں اور وہ نہ بتائے تو اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اپنا عقیدہ ومذہب دریافت کرنے پر نہ بتانے سے ظاہر یہی ہے کہ اس میں کچھ فساد ہے ورنہ دین بھی کچھ چھپانے کی چیز ہے، اس کی اقتداء ہرگز نہ کی جائے کہ بطلانِ نماز کا احتمال قوی ہے اور نماز اعظم فرائض اسلام سے ہے اس کے لئے سخت احتیاط مطلوب۔ (ج6،ص575)

سوال: جو امام وقت مقررہ کا پابند نہ ہو یعنی کہے کہ کیا نماز مقررہ وقت پر پڑھنا عرش اعظم پر لکھی ہوئی ہے، حالانکہ

نمازیوں کی آسانی کے لئے جماعت نے وقت مقرر کیا، اس کو کیا سمجھنا چاہئے؟

جواب :اس میں دونوں ہی باتیں ہیں بعض مقتدیوں کے مزاج میں تشدد اس قدر رہوتا ہے کہ وہ چند منٹ کا آگا پیچھا روا نہیں رکھتے ایسی حالت میں اگر امام نے اس پر انکار کیا بیجا نہ کیا اور اگر امام کی طرف سے بلا وجہ شرعی تکاسل (سستی) ہے اور اس جماعت کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس پر الزام ہے۔ (ج6ص575)

سوال :جس امام کے دونوں ہاتھ ہوں مگر سیدھا ہاتھ نکما ہو اور بائیں ہاتھ سے پانی لیتا ہو استنجا کرتا ہوں وضو کرتا ہو اور کھانا کھاتا ہو امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:ہوسکتا ہے بلکہ اگر وہی حاضرین میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہو وہی امام کیا جائے گا۔ (ج6ص575)

سوال:ایک امام کا ہاتھ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے بے حس وحرکت ہوگیا ہے اس وجہ سے وہ اپنا ماؤف ہاتھ بوقتِ تکبیر تحریمہ کان کی لوتک نہیں اٹھاسکتا، اس صورت میں اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:جائز ہے بلکہ اگر وہ قوم سے زیادہ عالم ہے تو امامت کا مستحق وہی ہے۔ (ج6ص576)

سوال :ایک عالم نہیں ہے مگر سید ہے اور دوسرا عالم رذیل ہے، دونوں میں سے کوئی امامت کا زیادہ مستحق ہے؟ اسی طرح دو عالم ہیں ایک شریف قوم کا ہے اور دوسرا رذیل قوم کا، تو کون زیادہ مستحق امامت ہے؟

جواب :عالم بہر حال زیادہ مستحق امامت ہے جبکہ مبتدع یا فاسق معلن نہ ہو، اور دونوں عالموں میں جسے علم نماز و طہارت میں ترجیح ہو وہ مقدم ہے اور اس میں مساوی ہوں تو قراءت وورع وسن وغیرہا مرجحات کے بعد شریف نسب سے ترجیح دی جائے گی، عالم رذیل کہنا بہت سخت لفظ ہے عالم کسی قوم کا ہو اگر عالم دین ہے اللہ کے نزدیک ہر جاہل سے اگرچہ کتنا ہی شریف ہو افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ترجمہ: کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں؟

مطلق فرمایا کہ جو عالم نہیں عالم کے برابر نہیں ہوسکتا اس میں کوئی تخصیص نسب وغیرہ کی نہ فرمائی۔ (ج6ص576)

سوال :زید امام مسجد ہے اور اس نے جھوٹ بولا اس پر ایک شخص نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کردی اور کسی وقت کی نماز وہ شخص قبل پڑھ لیتا ہے اور مؤذن بھی وہی شخص ہیں اور تکبیر بھی کہتا ہے۔ آیا یہ صحیح کررہا ہے؟

جواب :سائل نے یہ بیان کیا کہ امام کے ذمّے یہ جھوٹ رکھا جاتا ہے کہ اس سے پوچھا گیا کیا بجا ہے؟ کہا سوا آٹھ بجے ہیں، اور بجے تھے سوا نو۔ یہ کوئی جھوٹ ایسا نہیں جس کے سبب اس کے پیچھے نماز چھوڑ دی جائے، سوا نو بجے ہیں تو ضرور

سوا آٹھ بھی بچ چکے۔ عالمگیری میں ہے کہ اگر کوئی دس روپیہ کو خرید ی اور پوچھنے پر کہا پانچ کو لی ہے تو یہ کوئی جھوٹ قابل مواخذہ نہیں۔

یونہی سوا نو میں سوا آٹھ داخل داخل ہیں۔ مؤذن کہ اتنی سی بات پر ترک جماعت کرتا ہے دُہرا گنہگار ہے ایک جماعت چھوڑنے کا گناہ اور دوسرا سخت گناہ یہ کہ اوروں کو اذان دے کر بلانا اور خود باز رہنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے اللہ کو سخت ناپسند ہے یہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔ (ج6 ص577)

سوال: اگر کوئی شخص مردے نہلائے، تو کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب: میتِ مسلم کو نہلانا فرض ہے اور فرض کے ادا کرنے میں اجر ہے، اور اگر وہاں اور بھی کوئی اس قابل ہو کہ نہلا سکے تو اس کے نہلانے پر اجرت لینا بھی جائز ہے بہر حال اس سے امامت میں کوئی خلل نہیں آتا اور اگر وہاں کوئی دوسرا ایسا نہ ہو کہ نہلا سکے تو اب اس پر نہلانا فرضِ عین ہے اور اس پر اجرت لینا حرام، ایسا کرے گا تو فاسق ہوگا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اس کا امام بنانا گناہ۔ (ج6 ص578)

سوال: زید نے بکر کی زوجہ سے زنا کیا، بکر نے یہ حالات کماحقہ معلوم کر کے زوجۂ مذکور کو طلاق بائن دی، بکر یہاں کی جامع مسجد کا پیش امام بھی ہے، اب بکر کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مذکورہ میں زنائے زوجہ کے سبب بکر کی امامت میں کوئی خلل نہیں جبکہ وہ بوجہِ صحتِ مذہب وطہارۃ وصحتِ قراءۃ وغیرہا شرعاً قابلِ امامت ہو۔ (ج6 ص578)

سوال: میں امامت کرتا ہوں کچھ لوگ لوگوں کو مجھ سے بدظن کرنے کے لئے یوں کہتے ہیں کہ میری آنکھوں میں پھلی ہی لیکن پتلی پر نہ ہونے کے سبب دکھائی دیتا ہے، دوسری تہمت لگاتے ہیں کہ میرے والد کے دو نکاح ہوئے ایک عورت کا نکاح نہیں ہوا بلکہ انھوں نے ویسے ہی رکھا ہے حالانکہ یہ سب محض لغو اور جھوٹ بیان ہے، اگر یہ ثابت کر دیں تو میرا حقہ ترک ورنہ تہمت لگانے والوں کا حقہ ترک ہونا چاہئے۔

جواب: آنکھ میں پھلی ہونا جبکہ وہ پتلیوں سے الگ ہو [illegible] دیکھنے کو مانع نہ ہو نماز میں اصلاً کراہت کا بھی موجب نہیں اور سائل کے باپ پر یہ الزام لگانا کہ ان کے دو نکاح ہوئے اور ایک عورت بے نکاحی رکھی، اول تو ایک مسلمان کی طرف نسبت زنا بلاتحقیق ہے اور یہ سخت حرام کبیرہ ہے اور تہمت رکھنے والے پر شرعاً اسی (۸۰) [illegible] (۸۰) کوڑے کا حکم ہے۔

ثانیاً سائل پر اس کا کیا الزام جب تک یہ ثبوت قطعی نہ دیں کہ [illegible] عورت بے نکاح ہے اب طعن کرنے والے مستحق

سزائے شدید کے ہیں جب تک توبہ نہ کریں ان کا حقہ پانی بند کیا جائے۔ (ج6ص581)

سوال: جو خدا کا جسم مانے، اس کی اقتداء کر کے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اس کی قتداء حرام ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔ (ج6ص582)

سوال: زید قدیم الایام سے ایک مسجد کا پیش امام تھا اب بعض اہل محلّہ نے اس سے خلاف ہوکر ایک دوسرے امام کو کھڑا کر دیا ہے اور پہلے امام زید میں کوئی عیب شرعی جس سے معزول ہو سکے نہیں پایا گیا؟

جواب: اگر واقع میں امام اول نہ وہابی ہے نہ غیر مقلد نہ دیوبندی نہ کسی قسم کا بد مذہب، نہ اس کی طہارت یا قرأت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی وجہ کراہت، بلاوجہ اس کو معزول کرنا ممنوع ہے حتی کہ حاکم شرع کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔

ردالمحتار میں ہے "لیس للقاضی عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة" ترجمہ: بغیر کسی وجہ کے قاضی مقرر امام کو معزول نہیں کر سکتا۔ (ردالمحتار، ج3 ص422 مصطفی البابی مصر)

اور اگر واقعی اس میں کوئی وجہِ کراہت ہے تو اس کی امامت مکروہ ہے اور اس کی نماز نا مقبول۔ صحاح احادیث میں ہے "ثلثة لاترفع صلا تھم فوق اذانھم شبرا ثلثة لاترفع صلا تھم فوق اذانھم شبرا (وعد منھم) من ام قوما وھم له کارھون" ترجمہ: تین اشخاص کی نماز ان کی کانوں سے ایک بالشت برابر بلند نہیں ہوتی (اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے) جو کسی قوم کی امامت کروائے حالانکہ وہ لوگ اسے پسند نہ کرتے ہوں۔ (سنن ابن ماجہ ص69، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اور اگر اس میں کوئی وجہِ فسادِ نماز ہے مثلاً غیر مقلد یا دیوبندی یا غیر صحیح الطہارۃ یا غیر صحیح القراۃ ہونا، جب تو ظاہر ہے کہ اس کی امامت فاسد اور اس کے پیچھے نماز باطلِ محض، اس کا معزول کرنا فرض ہے۔ (ج6ص582)

سوال: کوئی شخص شراب پی کر الحمدللہ کہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ شراب پینے پر بسم اللہ کہے تو کافر ہے اور پی کر الحمدللہ کہے تو نہیں کہ شراب اگر چہ بلا ہے مگر اس کا حلق سے اتر جانا اور اسی وقت گلے میں پھنس کر دم نہ نکال دینا، اس شدید عصیان (گناہ) کی حالت میں رب عزوجل کی نعمت ہے۔ (ج6ص584)

سوال: زید کے لڑکے کی بیوی یتیم ہے اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش کا بھی نہیں ہے، اس کو اپنے یہاں نہیں بلاتے جس کی وجہ سے وہ سخت تکلیف میں ہے، زید نے لڑکے کا نکاح ثانی بھی کر لیا آیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عورت کو بلانا، نان ونفقہ دینا، اچھا برتاؤ کرنا شوہر کے ذمہ ہے اس کے باپ کے ذمہ نہیں، اللہ تعالیٰ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں رکھتا، ہاں اگر بلاوجہ شرعی باپ اسے بلانے سے منع کرتا ہے یا اس کے اس ظلم پر راضی ہے تو خود شریکِ ظلم

ہے، اگر وہ بات یاعلان کرتا ہے لوگوں میں اس کے ارتکاب سے مشہور ہے تو اسے امام نہ بنایا جائے گا کہ فاسقِ معلن ہے۔

(ج6،ص585)

سوال: سود لینے والے اور دینے والے دونوں کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: سودخور کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور سود دینے والا اگر حقیقۃً صحیح شرعی مجبوری کے سبب دیتا ہے اس پر الزام نہیں۔

اور اگر بلا مجبوری شرعی سود دیتا ہے مثلاً تجارت بڑھانے یا جائداد میں اضافہ کرنے یا اونچا محل بنوانے یا اولاد کی شادی میں بہت کچھ لگانے کے واسطے سودی قرض لیتا ہے تو وہ بھی سود کھانے والے کے مثل ہے اور اسے امام بنانا بھی گناہ، اور نماز کا وہی حال۔

(ج6،ص585)

سوال: امام بوہروں کے یہاں کا ذبح کیا ہو گوشت کھائے اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب جو شخص دانستہ بوہروں کا ذبیحہ کھاتا ہے مردار کھاتا ہے اسے امام بنانا جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز منع۔

(ج6،ص586)

سوال: جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہو اور وہ پیش امام ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: فقط اتنا کہ دنیا کی بات مسجد میں کرتا ہے علی الاطلاق ممانعتِ امامت کا موجب (سبب) نہیں جب تک علانیہ حدِ فسق کو پہنچنا ثابت نہ ہو، اگر دنیا کی بات کرنے کیلئے بالقصد مسجد نہیں جاتا نماز کیلئے بیٹھا ہے اور کوئی دنیا کی باتیں بھی کر لیں جن میں فحش وغیرہ معاصی نہ ہوں اگر چہ ایسا بھی نہ چاہئے مگر اس سے امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (ج6،ص586)

سوال: جو لوگ میلاد شریف کو منع کرتے ہیں اور بدعت کہتے ہیں ان کے پیچھے حنفی کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: اب مجلسِ میلاد مبارک مطلقاً ناجائز کہنے والے نہیں مگر وہابیہ، اور وہابیہ مرتدین ہیں اور مرتد کے پیچھے نماز باطل۔

(ج6،ص587)

سوال: زید نصاریٰ کی تابعداری کرتا ہو وہ امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

جواب: سائل نے تابعداری کا گول اور مجمل لفظ لکھا تابعداری نصاریٰ کی ہو یا ہنود کی یا مسلم کی، حلال میں حلال ہے، حرام میں حرام ہے، کفر میں کفر، جو کفر میں کسی کی تابعداری کرے وہ کافر ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل، اور جو حرام میں اتباع کرتا ہو فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ، اور جو حلال میں اطاعت کرے اس پر الزام نہیں، نہ اس وجہ سے اس کی امامت میں حرج۔

(ج6،ص587)

سوال: زید حاکمِ وقت کی چوری میں گرفتار ہوا تو وہ قابلِ امامت ہے یا نہیں؟

جواب: اگر توبہ کر چکا اور اس سے نفرت قلوب میں نہ رہی اور کوئی وجہِ مانعِ امامت نہ ہو تو اس کی امامت میں حرج نہیں۔

(ج6،ص587)

سوال: کسی غیر صحیح النسل یعنی کسی زادہ کے پیچھے جو حافظ قرآن ہو نماز پڑھنا اور خاص کر تراویح ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: مکروہ تنزیہی ہے اگر وہ سب حاضرین سے علمِ مسائلِ طہارت وصلاۃ میں زائد نہ ہو، ورنہ وہی اولیٰ اگر جملہ شرائطِ امامت کا جامع ہو۔

(ج6،ص588)

سوال: اگر حنفی مذہب کا امام اس برات اور ولیمہ میں شامل ہو جس میں مرزائی اور وہ شخص ہو جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد بغیر حلالہ کے اپنے پاس رکھا ہو، اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: فقط اتنی بات کہ جس برات یا ولیمہ میں یہ شریک ہوا اس میں قادیانی مرتد (یا) اپنی تین طلاق کی مطلقہ سے بے حلالہ نکاح کرنے والا فاسق بھی تھا ایسا نہیں کہ اس نے اس کی امامت ناجائز کر دی، ہاں اگر صاحبِ خانہ مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہو تو وہ خود ہی مرتد ہے اور اس کے یہاں تقریب میں جانا حرام، اگر امام جانتا تھا اور پھر اس کا مرتکب ہوا تو یہ اگر اس بنا پر ہوا کہ امام خود بھی مرزائی کو کافر نہیں جانتا تو وہ آپ ہی کافر ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل، اور اگر اس کو کافر جان کر ہی شریک ہوا تو گنہ گار ہوا، اور اس سے توبہ لی جائے، اگر توبہ سے انکار کرے یا بار ہا ایسی شرکت کر چکا ہو تو اسے امام بنانا گناہ ہے، امامت سے معزول کیا جائے۔

(ج6،ص591)

سوال: ایک شخص جو چوڑی پہنانے کا پیشہ کرتے ہیں اُن کو امام بنایا گیا، ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ اُن کی اقتدا بوجہ چوڑی پہنانے کے ناجائز اور امامت مکروہ تحریمی ہے اور خود معترض ڈاکٹری کا پیشہ کرتا ہے، نبض وغیرہ دیکھنے کی وجہ سے عورتوں کو چھونے کا اعتراض اس پر بھی پڑے گا یا نہیں؟ بہت زیادہ حصہ جماعت کا اس امام کی اقتداء پر رضامند ہے تو کوئی نقصان شرعی قائم رہتا ہے یا نہیں؟

جواب: جماعت کی رضا عدمِ رضا کو اُس وقت دیکھا جاتا جب شرعی نقصان نہ ہو، جہاں شرعی عدمِ جواز ہے مقتدیوں کی رضا کیا کام دے سکتی ہے، بلاشبہ اجنبیات کو چوڑی پہنانا اُن کی کلائی کا دیکھنا یا ہاتھ کا مس کرنا حرام ہے اور اس کا پیشہ رکھنے والا فاسق معلن ہے، اور اسے امام بنانا گناہ اور اُسے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔

اور طبیب کا اس پر قیاس صحیح نہیں، طبیب کا نبض دیکھنا حاجت کے لئے ہے اور ایسی حاجت وضرورت کہ دیگر اعضاء کا

مس بھی جائز ہے، رہا یہ کہ وہ نیتِ فاسدہ کرے یہ ضرور اسے حرام ہے مگر اس کا علم اللہ عزوجل کو ہے، ہاں بلا حاجت مس ونظر ناجائز کرتا ہو تو وہ بھی فاسق ہے اور اسی اعتراض کا مستحق۔ (ج6 ص591)

سوال: ایک حافظ نمازِ پنجگانہ و جُمعہ کے امام ہیں جن کی جسمانی حالت مرض کے سبب حسبِ ذیل ہے، آیا ان کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱) پیش امام صاحب ہر نماز میں سجدہ جاتے وقت نصف یا نصف سے کم جھک جانے پر اللہ اکبر کی ابتدا کیا کرتے ہیں اور سجدہ سے اُٹھتے وقت نصف یا زائد اُٹھ جانے پر اللہ اکبر کی ابتداء کیا کرتے ہیں یہ اس لئے کرتے ہیں کہ مقتدی اُن سے پہلے سجدے سے اُٹھنے یا سجدے میں جانے نہ پائیں۔

(۲) مذہبِ حنفی کے مطابق دونوں زانوؤں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پہلے زمین پر گھٹنے بعد ازاں ہاتھ وغیرہ سجدے کے لئے مطلق نہیں رکھ سکتے اور اسی طرح کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔

(۳) سجدہ میں جاتے وقت ایک دم لمبے ہو کر دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے ہیں اور پیروں کو برابر کیا کرتے اور اسی طرح سجدے سے اُٹھتے وقت بھی لمبا ہو کر اُٹھا کرتے ہیں کیونکہ ان کے دونوں پیر مرض سے بیکار ہو گئے ہیں۔

(۴) بایاں پَیر گھٹنے کے نیچے زیادہ تر بیکار ہے اس لئے ہر جلسہ میں پاؤں بچھانے کے لئے انھیں دقت ہوتی ہے اکثر ہاتھ سے پاؤں اُٹھا کر بچھاتے ہیں تب بیٹھتے ہیں یا بعض موقع پر اونٹ کے بیٹھنے کی مانند بیٹھ کر دوسرا سجدہ کر لیتے ہیں۔

(۵) قرأت میں دم پھولتا ہے دم بدم منہ سے سانس خارج کرتے ہیں بے محل وقف ہو جایا کرتا ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: یہ پانچوں باتیں کہ سوال میں لکھی ان میں سے کوئی مانعِ صحتِ نماز نہیں، نہ ان میں کہیں فعلِ کثیر ہے، یہ محض گمان غلط ہے، ان میں کہیں ترکِ واجب بھی نہیں سوائے صورتِ چہارم کی اس شق کے کہ بعض وقت دو سجدوں کے درمیان سیدھے نہیں بیٹھتے صرف یہ صورت ترکِ واجب کی ہے اس سے اُسے ممانعت کی جائے، اگر وہی علم و تقویٰ میں زائد ہے تو اسی کی امامت رکھیں، ہاں اگر اس کا کوئی استحقاق نہیں اور دوسرے اس سے احق (زیادہ حقدار) موجود ہیں تو جو احق ہے اُسی کی امامت اولیٰ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم" ترجمہ: اپنے امام اپنے سے بہتر لوگوں کو بناؤ کیونکہ وہ تمھارے اور تمھارے رب کے درمیان نمائندہ ہوتے ہیں۔

(سنن الدارقطنی، ج2، ص88 نشر السنۃ، ملتان)

اوراسے چاہئے کہ سجدہ کو جاتے یا سجدہ سے اُٹھتے وقت اللہ اکبر کی ابتداء کرے اورختم انتقال پر ختم کرے مقتدیوں کی رعایت جووہ کرتا ہے عکسِ مقصودِ شرع (مقصودِ شرع کے برعکس) ہے،حدیث میں فرمایا''انما جعل الامام لیوتم بہ ''ترجمہ:امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ (صحیح البخاری، ج1،ص55،قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ بات کہ ایسانہ کرے تو مقتدی اُس سے پہلے سجدہ کرلیں گے اس کا لحاظ مقتدیوں پر ضرور ہے جب اسے سجدہ تک پہنچنے میں دیر ہوتی تو یہ انتظار کریں اورایسے وقت سجدہ کو جھکیں کہ اس کے ساتھ سجدہ میں پہنچیں بذالک امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،ترجمہ:نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہی حکم دیا ہے۔ (ج6،ص592)

سوال :ایک امام سورتیں کچی پکی یاد ہونے کی وجہ سے نماز میں اکثر بھول جاتا ہے،کیا نماز دہرالی جائے؟ کیا ایسا شخص قابلِ امامت ہے؟

جواب :امام کولازم ہے کہ نماز میں وہ سورت یا آیات پڑھے جواُسے پختہ طور پر یاد ہوں کچے یاد ہونے کی وجہ سے اگر غلطی کرتا ہے تو یہ دیکھا جائے کہ وہ غلطی کس قسم کی ہے اُس سے فسادِ معنی یا کسی واجب کا ترک لازم آتا ہے یا نہیں،اگر نہیں تو نماز دہرانا بے معنی ہے اوراس کا الزام جہالت پر ہے نہ کہ قرأت پر،اوراگر ہاں تو بے شک ایسا شخص قابلِ امامت نہیں۔

(ج6،ص592)

سوال :ایک امام مغلظات بکتا ہے،شطرنج کا ماہر ہونے کی وجہ سے کھیلنے والوں کو چال بھی بتاتا ہے،بغیر کسی شرط کے پانسے بنا کر کھیلتا ہے،اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

جواب:مغلظات بکنا فسق ہے۔حدیث میں ارشاد ہوا کہ''فحش بکا کرنا مسلمان کی شان نہیں''

(جامع الترمذی،ج2،ص19،امین کمپنی دہلی)

ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔شطرنج کھیلنے والوں کو چال بتانا اگر گوشہ تنہائی میں نہیں بلکہ برملا عام نظرگاہ میں ہے یا اس پر مداومت ہے تو یہ بھی فسق ہے،قمار بازوں کی طرح پانسے بنا کراُن سے کھیلنا بھی گناہ ہے اگرچہ کوئی شرط نہ لگائی جائے۔علمائے کرام نے فرمایا کہ شراب کے دور کی طرح پانی پینا حرام ہے،نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں''من تشبہ بقوم فھو منھم''
ترجمہ:جوکسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ (ج6،ص594)

سوال:روزے کی حالت میں غل مچانا کیسا ہے؟

جواب:روزہ میں غل مچانا اوراظہارِ بے صبری کرنا مکروہ ہے۔ (ج6،ص595)

سوال:اصل معاملہ پوشیدہ رکھ کراپنے مطلب کا فتویٰ لینا کیسا ہے؟

جواب: حقیقت واقعہ چھپا کر علماء سے غلط فتوی لینا شریعت کو دھوکا دینا اور سخت حرام ہے۔ (ج6،ص595)

سوال: جس شخص میں حرص اور ذلّت کے ساتھ سوال کرنے کی عادت ہو باوجود معقول تنخواہ پانے کے، ایسے آدمی کے پیچھے شرفا و علماء کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: بے ضرورت سوال حرام ہے ایسا شخص فاسق معلن ہے اُسے امام بنانا گناہ ہے اس کے پیچھے عالم و جاہل سب کی نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ (ج6،ص595)

سوال: جو امام یہ کہے کہ میں نماز پڑھانے کا پابند ہوں، نماز جنازہ پڑھانے یا کسی مقتدی کی اطاعت سے مجھے کیا کام، ایسا آدمی قابلِ امامت ہے یا نہیں؟

جواب: امام پر بلاوجہ مقتدی کی اطاعت لازم نہیں، نہ اُسے نمازِ جنازہ پڑھانا ضرور، اس کے کہنے سے اس کی قابلیت امامت میں کوئی خلل نہیں۔ (ج6،ص595)

سوال: کسی مسجد میں جماعت تیار ہے لیکن اتنا وقت نہیں کہ دریافت کیا جائے کہ امام سُنّی ہے یا وہابی، تو جماعت سے نماز پڑھنا چاہیے یا اپنی علیحدہ؟

جواب: جبکہ شُبہ کی کوئی وجہ قوی نہ ہو جماعت سے پڑھے، پھر اگر تحقیق ہو کہ امام وہابی تھا نماز پھیرے۔

(ج6،ص595)

سوال: مسجد میں جماعت ہو رہی ہے اور امام میں نقصِ شرعی ہے تو جماعت چھوڑ کر فوراً ہی اپنے فرض پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر امام میں ایسا نقص ہے کہ اسکے پیچھے نماز باطل ہے مثلاً وہابی ہے یا قرآن عظیم غلط پڑھتا ہے یا طہارت صحیح نہیں، جب تو وہ نماز نماز ہی نہیں اگر صحیح جماعت کر سکتا ہو تو اس جماعت کے ہوتے ہوئے اپنی جماعت قائم کرے اگر فتنہ نہ ہو، اور اپنی جماعت نہ مل سکے تو تنہا پڑھے۔

اور اگر نقص ایسا ہے کہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے جیسے فاسق معلن، تو دوسری جگہ جماعت کو چلا جائے ورنہ (اگر دوسری جگہ جماعت نہ مل سکتی ہو تو) اس جماعت کے بعد دوسری جماعت کرے یا تنہا پڑھے، اور اگر صرف کراہتِ تنزیہہ ہے تو اس جماعت کا ترک جائز نہیں شامل ہو جائے۔ (ج6،ص596)

سوال: عاق شدہ کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شرعاً عاق وہ ہے جو بلاوجہ شرعی ماں باپ کو ایذا دے، ان کی نافرمانی کرے، ایسا شخص فاسق ہے، پھر اگر وہ

یہ گناہ علانیہ کرتا ہے فاسق معلن ہے اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، اور اگر علانیہ نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے کہ پڑھنی جائز اور پھیرنی مستحب۔

اور اگر یہ ان کو ایذا نہیں دیتا غیرِ معصیت میں ان کی نافرمانی نہیں کرتا اگر چہ معصیت میں ان کا کہنا نہ مانتا ہو اگر چہ اس سے ایذا ہو تو وہ عاق نہیں اگر چہ وہ سو بار کہیں کہ ہم نے تجھے عاق کیا، جب اس کے ذمہ مواخذۂ شرعی نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اگر چہ جاہل اسے عاق شدہ سمجھیں۔ (ج6،ص596)

سوال: زید عالمِ باعمل مزامیر کے ساتھ قوالی سُنتا ہے، اس کی امامت میں کراہت ہے یا نہیں؟

جواب: مزامیر حرام ہیں ان کا سُننا عالمِ باعمل کا کام نہیں۔۔ اگر اعلانیہ اس کا مرتکب ہوا سے امام نہ کریں، اور کراہت سے کسی حال خالی نہیں۔ (ج6،ص596)

سوال: ایک امام صاحب ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتا ہے کہ اے خداوند کریم! غیر شرع داڑھی مُنڈے جھوٹے دعویدارانِ خلافت کو سچا دعویدارِ خلافت بنادے۔ اور جب کبھی وہابیوں کا ذکر آتا ہے تو اُن کے مولویوں کو جو مولوی خلافت کو اپنے پیٹ بھرنے کا پیشہ بناتے ہیں اور ان کے سب پیروؤں کو خوب بُرا کہتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جو مولوی اس کے پیچھے نماز پڑھنا حرام بتائے اُس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر یہ باتیں مسجد میں ہو تو مسجد کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: اس دُعا میں کوئی حرج نہیں اور وہابیہ کی بُرائی بیان کرنا فرض ہے، یونہی جھوٹے مدعیانِ خلافت اور اس نام سے شکم پروران پر آفت کی شناعت سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا ضرور ہے اور مسجد کہ مجمع مسلمانان ہوان بیانوں کا بہتر موقع ہے اور اس میں مسجد کی کچھ توہین نہیں کہ مساجد ذکر اللہ کے لئے بنائی گئی ہیں اور نہی عن المنکر اور بیانِ شناعتِ گمراہاں اعظم طرقِ ذکر اللہ واجل احکام شریعۃ اللہ سے ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بما فیه یحذره الناس" کیا فاجر کو بُرا کہنے سے پرہیز کرتے ہو لوگ اسے کب پہچانیں گے فاجر کی بُرائیاں بیان کرو کہ لوگ اُس سے بچیں۔ (نوادر الاصول للترمذی، ص213، دار صادر، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے مسجد کریم مدینہ طیبہ میں منبر بچھاتے کہ وہ اس پر کھڑے ہو کر مشرکین کا رد فرماتے۔ (ترمذی، ج2، ص107، امین کمپنی، دہلی)

ان وجوہ (سے) امام مذکور کی امامت میں اصلاً کوئی خلل کیا کراہت بھی نہیں اور جو اس سبب سے اُس کے پیچھے نماز حرام بتاتا ہے اللہ عزوجل و نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و شریعت مطہرہ پر افترا کرتا ہے اُس پر توبہ فرض ہے ورنہ سخت عذابِ نار و غضب جبار کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

ہوتو اسے امام بنانا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز مکروہ، یوں ہی جو پہنا کرتا ہے اُس کا عادی ہے فاسق معلن ہے اور اس کا امام بنانا گناہ اگر چہ اس وقت نماز میں نہ بھی پہنے ہو۔ گناہ اگر چہ صغیرہ ہواُسے چھوٹی بات کہنا بہت سخت جرم ہے، اس شخص پر توبہ فرض ہے۔ (ج6،ص601)

سوال : تین شخص جمع ہیں ان میں سے ایک کی قرأت ٹھیک نہیں، دوسرا فاسق معلن ہے اور تیسرا مسافر، تو امام کسے بنایا جائے؟

جواب:صورت مذکور میں اس مسافر کو امام کیا جائے کہ فاسق کو امام بنانا گناہ ہے اور غلط خواں کے پیچھے نماز باطل۔ (ج6،ص601)

سوال : یتیموں کو تکلیف دینے والے اور غیبت کرنے، جھوٹی قسم کھانے والے اور مسلمانوں میں نفاق ڈلوانے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

جواب : یتیموں کو بلاوجہ شرعی تکلف دینا سخت حرام ہے، یونہی غیبت زنا سے سخت تر ہے جبکہ شرعاً غیبت ہو مثلاً فاسق معلن کی غیبت غیبت نہیں، اور بدمذہب کی برائیاں بیان کرنے کا خود شرعاً حکم ہے، جھوٹی قسم گھروں کو ویران کر چھوڑتی ہے، اور مسلمانوں میں بلاوجہِ شرعی تفرقہ ڈالنا شیطان کا کام ہے، اور فتنہ قتل سے سخت تر ہے، فتنہ سو رہا ہے اس کے جگانے والے پر اللہ کی لعنت ہے، جو ان افعال کا علانیہ مرتکب ہو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ (ج6،ص602)

سوال: زنا کار اور شرابی کے پیچھے نماز کس وقت جائز ہے اور کس وقت جائز نہیں؟

جواب: زانی اور شرابی کے پیچھے کسی وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں مگر جہاں جُمعہ وعیدین ایک ہی جگہ ہوتے ہوں اور امام فاسق ہو اُس کے پیچھے پڑھ لئے جائیں اور جُمعہ کے اعادہ کو چار رکعت ظہر پڑھیں۔ (ج6،ص602)

سوال: امام کسی اور کو نماز کے لئے آگے کھڑا کردے، یہ جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: امام غیر جُمعہ وعیدین میں اگر دوسرے کو کہ صالحِ امامت ہے اور امام کردیتا ہے حرج نہیں بلکہ وہ اگر اس سے علم وفضل میں زائد ہو تو اسے یہی بہتر ہے۔ (ج6،ص602)

سوال : قاری جو کہ مکہ معظمہ سے قرأت سیکھا ہوا ہے اور وہاں پر چند سال رہ کر معلمی کی ہے لیکن داڑھی ترشواتا ہے، آیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب : داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب،

اور مکہ معظمہ میں رہ کر قرأت سیکھنا فاسق کو غیر فاسق نہ کردے گا۔ (ج6،ص603)

سوال: جس شخص کی عذرِ شرعی کی وجہ سے نمازِ فجر قضا ہو وہ نمازِ ظہر یادیگر اوقات کی نمازوں میں امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر صاحبِ ترتیب ہے تو جب تک قضائے فجر ادا نہ کرلے ظہر کی امامت نہیں کرسکتا ورنہ کرسکتا ہے۔

(ج6،ص603)

سوال: زید بہت مسخرا ہے اور بہت فحش گالی کے ساتھ مذاق کرتا رہتا ہے اُس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: اُسے امام بنانا گناہ ہے اور اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (ج6،ص603)

سوال: قصاب کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اس کی طہارت و نماز صحیح ہے اور مذہب کا وہابی یا دیوبندی وغیرہ بے دین و بددین نہیں سنّی صحیح العقیدہ ہے اور فاسق معلن نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی بیشک جائز ہے، قصاب ہونا کوئی مانعِ امامت نہیں، متعدد اکابرِ دین نے یہ پیشہ کیا ہے، ہاں اگر جماعت والے اس سے نفرت کرتے ہوں اور اس کی امامت کے باعث جماعت میں کمی پڑے اور دوسرا امام سنّی صحیح العقیدہ قابلِ امامت موجود ہو تو اس دوسرے کی امامت اولیٰ ہے۔ (ج6،ص604)

سوال: جو شخص زنا کرتا ہو اور اس کا ثبوت بھی ہوگیا ہو تو جو اُس کے پیچھے نماز پڑھیں ان کا اعادہ کریں یا نہیں؟

جواب: زنا کا ثبوت سخت دشوار ہے جسے عوام ثبوت سمجھتے ہیں وہ اوہام ہوتے ہیں، جب تک اس کی یہ حالت نہ تھی اس وقت تک اُس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہ تھا اُن کے اعادہ کی بھی کچھ حاجت نہیں۔ (ج6،ص604)

سوال: جب زانی توبہ کرلے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

جواب: جب بعدِ توبہ صلاح حال ظاہر ہو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اگر کوئی مانعِ شرعی نہ ہو۔ (ج6،ص605)

سوال: جو لوگ اس کی توبہ نہ مانیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ عزوجل اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہ بخشتا ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ﴾ ترجمہ: وُہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے۔
جو لوگ توبہ نہیں مانتے ہیں گنہگار ہیں، ہاں اگر اس کی حالت تجربہ سے قابلِ اطمینان نہ ہو اور یہ کہیں کہ تو نے توبہ کی اللہ توبہ قبول کرے، ہم تجھے امام اس وقت بنائیں جب تیری صلاح حال ظاہر ہو تو یہ بجا ہے۔ (ج6،ص605)

سوال: عورت نے اپنے شوہر سے سرکشی کی اور اُس کے حکم کو نہ مانا اور شوہر کا دل دکھایا اور شوہر پر زبان درازی کی تو

ایسی عورت کو طلاق دینا واجب ہے یا نہیں، اور اگر شوہر اپنی بی بی کی زبان درازی اور سرکشی پر راضی ہے اور وہ امامت کراتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: اسے جزماً طلاق دینا واجب نہیں اور اس پر صبر کرنے والا نہایت نیک کام کرتا ہے اگر نیت اللہ کے لئے ہو، بہر حال یہ امر امامت میں خلل انداز نہیں کہ یہ اپنے حق سے درگزر ہے اور اس میں حرج نہیں اور یہاں راضی ہونا بایں معنی نہیں تھا کہ اس کے افعالِ خلاف شرع کو پسند کرتا ہے جس سے وہ قابلِ امامت نہ رہے۔ (ج6،ص605)

سوال: جس امام کا پیر ایسا ہو کہ بہت سے حرام کاموں کا مرتکب ہو جیسے زنا کرنا، چرس وغیرہ پینا اور محافل ناچ رنگ میں شامل ہونا وغیرہ وغیرہ اور علمائے دین اس سے بیعت کرنا حرام فرمادیں، وہ پھر بھی اس کی بیعت کرے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا؟ اور اس سے میلاد پڑھوانا کیسا ہے؟

جواب: ایسا شخص ہو تو وہ فاسق ہے اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اس سے میلاد شریف نہ پڑھوایا جائے۔۔ جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں ضرور اعادہ کی جائیں اس کا شریک حال مذکور ہونا حرام ہے اس سے میل جول نہ چاہئے۔ (ج6،ص606)

سوال: عمرو تعزیہ کی نہایت عزت کرتا ہے، اور حضرت سیّد الشہداء حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مجلسِ میلاد منعقد کرتا ہے اور اس میں یاحسین سلام علیک، یاذکی سلام علیک، یاعلی سلام علیک وغیرہ بحالتِ قیام پڑھواتا ہے اور مجلس سماع میں ہر قسم کے مزامیر بجواتا ہے اور نماز پنجگانہ و جُمُعَہ کے لئے مسجد میں نہیں آتا صرف عیدین کی امامت کرتا ہے اور باجوں کے ساتھ آتا ہے، مقتدی اس سے بسبب ان افعال کے سخت نفرت رکھتے ہیں تو عمرو قابلِ امامت ہے یا نہیں؟

جواب: مزامیر حرام ہیں، صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے "یستحلون الخمر والخنزیر والمعازف"

ترجمہ: وہ لوگ شراب، خنزیر اور مزامیر کو حلال جانیں گے۔ (صحیح البخاری، ج2،ص837، قدیمی کتب خانہ کراچی)

تو مجلسِ مزامیر منعقد کرنا فسق، اور نمازِ عید کو ان شیطانی باجوں کے ساتھ آنا فسق اور جماعت کے لئے بلا عذر شرعی حاضر نہ ہوا کرنا فسق اور جُمُعَہ میں بلا مجبوری نہ آنا سخت تر فسق اور تعزیہ کی تعظیم بدعت، عمرو ہرگز قابلِ امامت نہیں۔

حضرت سیّد الشہداء اور حضرت مولیٰ مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مجلس ذکر شریف منعقد کرنا اور یاعلی سلام علیک و یاذکی سلام علیک کہنا کچھ حرج نہیں رکھتا جبکہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو۔ (ج6،ص608)

سوال: زید کے بال شانوں سے نیچے تک ہیں، اور اسے منع کیا جائے تو کہتا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے اپنی رسالہ "الحرف الحسن" کے اندر حضرت سیّدنا امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے دو گیسو شانہ پر لٹک رہے تھے، زید کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسلمانوں کو اتباعِ شریعت چاہئے، حکم نہیں مگر اللہ و رسول کے لئے، سینہ تک بال رکھنا شرعاً مرد کو حرام، اور عورتوں سے تشبہ اور بحکمِ احادیث صحیحہ کثیرہ معاذ اللہ باعث لعنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا'' لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء'' ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کریں۔

(المعجم الکبیر، ج 11، ص 252، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک عورت کو مردانہ جوتا پہنے دیکھا اُسے لعنت کی خبر دی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت کو کمان لٹکائے ملاحظہ فرمایا، ارشاد فرمایا'' اللہ کی لعنت ہو اُن عورتوں پر کہ مردوں سے تشبہ کریں اور ان مردوں پر کہ عورتوں سے مشابہت کریں''

(صحیح البخاری، ج 2، ص 874، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حالانکہ جُوتا کوئی جزوِ بدن نہیں جزولباس ہے اور کمان جزو لباس بھی نہیں ایک خارج شے ہے جب ان میں مشابہت پر لعنت فرمائی تو بال کہ جزوِ بدن ہیں ان میں مشابہت کس درجہ حرام اور باعثِ لعنت ہوگی۔

الحرف الحسن میں یہ ہے کہ شانہ پر لٹک رہے تھے یا یہ کہ شانہ سے اُتر کر سینہ تک پہنچے تھے، شانہ تک لمبے گیسوں کا ہونا کہ آگے اصلاً نہ بڑھیں ضرور جائز بلکہ سنن زوائد سے ہے۔

حساب کر کے نمازوں کا اعادہ چاہئے، اور امام صاحب سے امید ہے کہ حکم شرع قبول فرما کر خود معصیت سے بچیں گے اور اپنی اور مقتدیوں کی نماز کراہت سے بچائیں گے۔ (ج 6، ص 610)

سوال: امام اور ایک مقتدی نماز پڑھتے ہوں دوسرا مقتدی آ گیا تو امام کو وہیں رہنا چاہئے یا آگے چلا جائے؟

جواب: اگر پہلا مقتدی مسئلہ دان ہے اور اسے پیچھے ہٹنے کی جگہ ہے تو وہ ہٹ آئے دوسرا مقتدی اس کی برابر کھڑا ہو جائے اور اگر یہ مسئلہ دان نہیں یا اسے پیچھے ہٹنے کو جگہ نہیں تو امام آگے بڑھ جائے، اور اگر امام کو بھی آگے بڑھنے کی جگہ نہیں تو دوسرا مقتدی بائیں ہاتھ کو کھڑا ہو جائے مگر اب تیسرا مقتدی آ کر نہ ملے ورنہ سب کی نماز مکروہ تحریمی اور سب کا پھیرنا واجب۔

(ج 6، ص 611)

سوال: سولہ سالہ امرد کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں جائز ہے بشرطیکہ کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو کیونکہ وہ شرعی طور پر بالغ ہے اگرچہ بلوغ کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں البتہ اگر وہ امرد خوبصورت ہے تو پھر نماز مکروہ ہوگی کیونکہ وہ محلِ فتنہ ہوتا ہے۔ (ج 6، ص 612)

سوال: زید نے عمرو سے بوستان گلستان کے بچپن میں دو یا تین سبق پڑھے تھے اب ان میں رنج ہو گیا اور عمرو نے اسے عاق کر دیا تو زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر شاگرد کا قصور تاحدِ فسق ہے اور بوجہِ اعلان مشہور ومعروف ہے تو اسے امام بنانا جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز گناہ، اور اگر اس کا قصور نہیں یا حدِ فسق تک نہیں یا وہ بالاعلان اس کا مرتکب نہیں تو ان پہلی دو صورتوں میں اس کے پیچھے نماز میں اس وجہ سے کوئی کراہت نہیں اور پچھلی صورت میں مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہے باقی عاق کردینا کوئی شے نہیں۔ (ج6، ص614)

سوال: ایک مسجد میں متولی نے امام صاحب کو ہٹادیا تو ایک مقتدی نے متولی صاحب سے پوچھا کہ سابق پیش امام کس قصور پر علیحدہ کئے گئے تو متولی نے بہت غصہ کے ساتھ جواب دیا کہ ہماری مسجد ہے ہم جو چاہیں سو کریں مقتدی پوچھ نہیں سکتے؟

جواب: متولی کا کہنا کہ مسجد ہماری ہے ہم جو چاہیں کریں محض باطل ہے، مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں ﴿اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ ترجمہ: یقیناً مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔

اُس میں وہی کیا جائے گا جو بحکم شرع ہے اور اس کا یہ زعم باطل ہے کہ مقتدی پوچھ نہیں سکتے بلکہ امام ومؤذن مقرر کرنے میں متولی کا اختیار نہیں جبکہ خود بانی مسجد اس کے اقارب میں نہ ہو امام ومؤذن کے نصب میں پہلا اختیار بانی پھر اس کی اولاد واقارب کا ہے اور دوسرا اختیار مقتدیوں کا ہے یہ بھی جبکہ جس کو بانی مقرر کرنا چاہتا ہے اور جسے مقتدی چاہتے ہیں دونوں یکساں ہوں، اور اگر جسے یہ (مقتدی) چاہتے ہیں وہی شرعاً اولیٰ ہے تو انھیں کا اختیار مانا جائے گا متولی اس بارے میں کوئی چیز نہیں۔

(ج6، ص615)

سوال: بہرے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اگر بہرے پیش امام نے نماز میں غلطی کی اور اپنے مقتدی کا لقمہ نہ سُنا تو نماز میں کوئی خلل تو نہیں آتا ہے یا نہیں؟

جواب: بہرے کے پیچھے نماز جائز ہے مگر اس کا غیر اولیٰ ہے جبکہ علم مسائل نماز وطہارت میں اُس سے کم نہ ہو ور غلطی جس پر لقمہ نہ لیا اگر مفسدِ نماز تھی نماز جاتی رہی ورنہ نہیں۔ (ج6، ص616)

سوال: سفر میں امام کے عقائد کی تصدیق کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب: ضرورت ہے اگر محلِ شُبہ ہو مثلاً کسی سے سنا کہ یہ امام وہابی ہے وہ کہنے والا اگرچہ عادل نہ ہو صرف مستور ہو تحقیق ضرور ہے۔ یا وہ بستی وہابیہ کی ہو تو تحقیق کرو اور اگر کوئی وجہِ شُبہ نہیں تو نماز پڑھے پھر اگر بعد کوئی ثابت ہو کہ مثلاً وہابی تھا اعادہ فرض ہے۔ (ج6، ص617)

سوال: غیر مقلدین کی مسجد میں ان کی جماعت کے بعد اگر سنی امام کے پیچھے اپنی پڑھ لی جائے تو کیسا ہے؟

جواب: سنّی امام کے پیچھے نماز ہو جائے گی مگر اس مسجد میں پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہ ملے گا کہ شرعاً مسجد نہیں اور

بلا عذرِ شرعی ترکِ مسجد گناہ ہے، حدیث میں ہے ''لاصلاۃ لجار المسجد آلا فی المسجد'' ترجمہ: مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں ہوسکتی ہے۔
(المستدرک علی الصحیحین، ج1 ص246 دارالفکر بیروت) (ج6 ص618)

سوال: اگر سنیوں کی نماز جماعت سے ہو رہی ہو اس میں کوئی غیر مقلد شامل ہو جائے، تو نماز میں کچھ فرق آئے گا یا نہیں؟

جواب: جماعت میں غیر مقلد کے شریک ہونے سے ضرور نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے اول تو اُس کے آمین بالجہر سے طبیعت مشوش ہوگی، اور دوسرا اعظیم نقص یہ ہے کہ اس کی شرکت سے صف قطع ہوگی کہ اس کی نماز نماز نہیں ایک بے نمازی شخص صف میں کھڑا ہوگا اور یہ صف کا قطع ہے اور صف کا قطع ناجائز ہے صحیح حدیث میں فرمایا ''من قطع صفا قطعه الله'' ترجمہ: جس نے صف قطع کی اُسے اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) قطع کر دے۔
(سنن ابوداؤد، ج1 ص97 آفتاب عالم پریس، لاہور)

معہذا بدمذہبوں کیساتھ نماز پڑھنے سے بھی حدیث میں منع فرمایا ہے ''لا تصلوا معهم'' ترجمہ: اُن کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔
(کنز العمال، ج11 ص540 موسسۃ الرسالۃ، بیروت) (ج6 ص618)

سوال: جو مدرسہ خلافِ اہلسنت ہو اس کے طلباء کو امام بنانا کیسا ہے؟

جواب: جو مدرسہ خلافِ مذہب اہلسنت ہو اسکے طلباء کو امام نہیں بنا سکتے۔ (ج6 ص619)

سوال: امام کثرتِ رائے سے منتخب ہوسکتا ہے باوجود اس کے کہ وہ منتخب شدہ شخص اپنے آپ کو امامت کا اہل نہ سمجھتا ہو مگر اجماع اس کی امامت پر ہو جائے تو وہ امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص شرائطِ مذکور (امامت کے لئے مذکور شرائط) کا جامع ہے وہ امام کیا جائے اگر چہ وہ اپنے آپ کو نااہل کہے، اور جو واقعی نااہل ہے وہ امام نہیں ہوسکتا اگر چہ سب کی رائے ہو۔ (ج6 ص619)

سوال: ایک ذی علم امام آدھی آستین والا کرتہ پہن کر نماز پڑھاتا ہے، اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیانِ مسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کُرتے ایسے ہی آدھے آستین کے بناتا ہے اور نماز کے وقت انگرکھا پہن سکتا ہے مگر نہیں پہنتا اور بازار کو انگرکھا پہن کر جاتا ہے، اس صورت میں زید کے پیچھے نماز اگر چہ ہو جاتی ہے مگر کراہت سے خالی نہیں فانه اذنْ من ثياب مهنة والصلاة فيها مكروهة، ترجمہ: کیونکہ یہ اس کے کام کاج والے کپڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

جب وہ ذی علم ہے اور اسے سمجھایا جائے کہ دربارِ الٰہی بازار سے زیادہ قابلِ تعظیم و تذلل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ترجمہ: جب تم نماز کے لئے مسجد میں جاؤ اپنی زینت اختیار کرو۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ''اللہ احق ان تتزین لہ '' اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ حقدار ہے کہ تو اس کی بارگاہ میں زینت اختیار کرے۔ (ج6،ص619)

سوال: نجومی، رمال یا فال دیکھنے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: نجومی ورمال قابل امامت نہیں، یونہی جھوٹے فالناموں والے، ہاں اگر جائز طور پر فال دیکھے اور نہ اس پر یقین کرے نہ یقین دلائے تو حرج نہیں۔ (ج6،ص622)

سوال: جو شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دے، اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: تمام اہل سنت کا عقیدۂ اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے افضل ہیں، ائمۂ دین کی تصریح ہے جو مولیٰ علی کو ان پر فضیلت دے مبتدع بدمذہب ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (الغرض) تفضیلیوں کے پیچھے نماز سخت مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ (ج6،ص622)

سوال: دکاندار آدمی کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز چیز بیچنا اور جائز طور بیچنا کچھ حرج نہیں رکھتا، نہ اسکے سبب امامت میں کوئی خلل آئے، ہاں اگر ناجائز چیز بیچے یا مکروفریب کذب یا عقودِ فاسدہ مثل ربٰو وغیرہ کا ارتکاب کرے تو آپ بھی فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ۔ (ج6،ص623)

سوال: جو پیشہ ور فقیر ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: فقیری کا پیشہ کہ تندرست ہوتے ہوئے بھیک مانگتے پھرتے ہیں حرام ہے، اور اس کی کمائی خبیث اور اُسے امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ، اس میں سے کسی پرہیزگار جو سنّی صحیح العقیدہ ہو وضو غسل ٹھیک کرتا ہو نماز صحیح پڑھتا ہو امام بنائیں۔ (ج6،ص623)

سوال: ایک لڑکا جس کی عمر ۱۴ برس کی ہے جو دیکھنے میں بالغ معلوم ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں بالغ ہوں مجھ میں بالغ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے لیکن بعض لوگ اس کو نابالغ کہتے ہیں اس کی بات کا یقین نہیں کرتے، دریافت طلب یہ بات ہے کہ وہ نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: چودہ برس کی عمر کا لڑکا جب کہے کہ میں بالغ ہوں اُس کا قول واجب القبول ہے اسے بالغ مانا جائے گا اور اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی جبکہ ظاہر حال اس کی تکذیب نہ کرتا ہو۔ (ج6،ص62)

سوال: زید بدمذہبوں کے یہاں علانیہ کھاتا ہے بدمذہبوں سے میل جول رکھتا ہے مگر خود سنّی ہے اُس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اس صورت میں وہ فاسق معلن ہے اور امامت کے لائق نہیں۔ (ج6ص625)

سوال: امامت کن لوگوں کی ناجائز اور مکروہ، اور کن کی جائز ہے اور سب سے بہتر امامت کس شخص کی ہے؟

جواب: جو قرأت غلط پڑھتا ہو جس سے معنی مفسد ہوں وضو یا غسل صحیح نہ کرتا ہو یا ضروریاتِ دین سے کسی چیز کا منکر ہو جیسے وہابی، رافضی، غیر مقلد، نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہم یا وہ جو ان میں سے کسی کے عقائد پر مطلع ہو کر اس کے کفر میں شک کرے یا اسکے کافر کہنے میں تامل کرے اُن کے پیچھے نماز محض باطل ہے۔

اور جس کی گمراہی حدِ کفر تک نہ پہنچی ہو جیسے تفضیلیہ (کہ) مولیٰ علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے افضل بتاتے ہیں یا تفسیقیہ کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمرو بن عاص و ابوموسیٰ اشعری و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز بکراہتِ شدیدہ تحریمیہ مکروہ ہے کہ انھیں امام بنانا حرام ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں سب کا پھیرنا واجب۔

اور انھیں کے قریب ہے فاسقِ معلن مثلاً داڑھی منڈا یا خشخشی رکھنے والا یا کتروا کر حدِ شرع سے کم کرنے والا یا کندھوں سے نیچے عورتوں کے سے بال رکھنے والا خصوصاً وہ جو چوٹی گُندھوائے اور اس میں موباف ڈالے یا ریشمی کپڑے یا مغرق ٹوپی یا ساڑھے چار ماشے زائد کی انگوٹھی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا ایک نگ کی دو انگوٹھی اگرچہ مل کر ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی ہوں یا سُود خور یا ناچ دیکھنے والا اُن کے پیچھے بھی نماز مکروہ تحریمی ہے۔

اور جو فاسق معلن نہیں یا قرآن میں وُہ غلطیاں کرتا ہے جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی یا نابینا یا جاہل یا غلام یا ولدالزنا یا خوبصورت امرد یا جذامی یا برص والا جس سے لوگ کراہت و نفرت کرتے ہوں اس قسم کے لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے کہ پڑھنی خلافِ اولیٰ اور پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں،

اور اگر یہی قسمِ اخیر کے لوگ حاضرین میں سب سے زائد مسائلِ نماز و طہارت کا علم رکھتے ہوں تو انھیں کی امامت اولیٰ ہے بخلاف ان سے پہلی دو قسم والوں سے کہ اگرچہ عالم متبحر ہو وہی حکم کراہت رکھتا ہے مگر جہاں جُمُعَہ یا عیدین ایک ہی جگہ ہوتے ہوں اور ان کا امام بدعتی یا فاسق معلن ہے اور دوسرا امام نہ مل سکتا ہو وہاں ان کے پیچھے جُمُعَہ و عیدین پڑھ لئے جائیں بخلاف قسم اول مثل دیوبندی وغیرہم، نہ ان کی نماز نماز ہے نہ اُن کے پیچھے نماز نماز، الغرض وہی جُمُعَہ یا عیدین کا امام ہو اور کوئی مسلمان امامت کے لئے نہ مل سکے تو جُمُعَہ و عیدین کا ترک فرض ہے جُمُعَہ کے بدلے ظہر پڑھیں اور عیدین کا کچھ عوض نہیں، امام اُسے کیا

جائے جو سنّی العقیدہ صحیح الطہارۃ صحیح القرأۃ مسائلِ نماز وطہارت کا عالم غیر فاسق ہو نہ اُس میں کوئی ایسا جسمانی یا روحانی عیب ہو جس سے لوگوں کو تنفر ہو۔
(ج6ص625)

سوال: امام کہاں کھڑا ہو؟

جواب: سنّت یہ ہے کہ امام مسجد کے وسط میں کھڑا ہو، اگر مثلاً اندر کی مسجد چھوٹی ہو اور باہر کی مسجد جنوب یا شمال کی طرف زیادہ وسیع ہو تو جب اندر پڑھائیں اُس حصہ کے وسط میں امام کھڑا ہو اور جب باہر پڑھائیں تو اس حصہ کے وسط میں۔

(ج6ص626)

سوال: جو شخص غلط اور جھوٹے مسئلے بیان کرے اُس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر قصداً جھوٹا فتویٰ دیا قابلِ امامت نہیں کہ سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا اور جہالت سے ایک آدھ بار فتویٰ میں دخل دیا اُسے سمجھایا جائے تائب ہو اور آئندہ باز رہے تو اس کی امامت میں حرج نہیں اور اگر عادی ہے اور نہیں چھوڑتا تو فاسق ہے اور لائقِ امامت نہیں۔
(ج6ص627)

سوال: داڑھی منڈے کی اپنی نماز کا کیا حکم ہے؟ اسے امام بنانا کیسا؟ اگر وہ پہلی صف میں کھڑا ہو تو کیا اسے ہٹا دیا جائے؟

جواب: داڑھی منڈانا فسق ہے اور فسق سے متلبس ہو کر بلا توبہ نماز پڑھنا باعث کراہت نماز ہے جیسے ریشمی کپڑے پہن کر یا صرف پائجامہ پہن کر، اور داڑھی منڈانے والا فاسق معلن ہے، نماز ہو جانا بایں معنٰی ہے کہ فرض ساقط ہو جائے گا ورنہ گناہگار ہوگا اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، باقی اگر وہ صف اول میں آئے تو اسے ہٹانے کا حکم نہیں۔
(ج6ص627)

سوال: ایک شخص پیسے لے کر امامت کرتا ہے، امامت نہ ہو تو جماعت سے نماز بھی نہیں پڑھتا، قبر پر قرآن پڑھنے کی نوکری کرتا ہے، اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیانِ سائل سے واضح ہوا کہ یہ شخص باوصفِ قدرت اصلاً جماعت میں نہیں آتا اور اپنا آنا اس شرط پر مشروط کرتا ہے کہ مجھے تنخواہ دو تو امامت کروں، اور قبر پر قرآن مجید پڑھنے کی نوکری کیا کرتا ہے، تلاوت قرآن مجید کی نوکری تو ناجائز حرام ہے۔

اور امامت کی نوکری اگرچہ اب جائز ہے۔۔ مگر نہ اس طرح کہ نوکری نہ ہو جماعت ہی کو نہ آئے ایسا تارکِ جماعت باوصفِ قدرت بیشک فاسق مردود الشہادۃ ہے۔۔ اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام ہے۔۔ جہاں کہ جُمُعَہ متعدد مساجد

میں ہوتا ہے نمازِ جُمُعَہ بھی ہرگز نہ پڑھی جائے ۔۔ ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے۔ (ج6،ص 628)

سوال:امام مصلّٰی پر کھڑا ہو اور مقتدی بغیر مصلّے کے کھڑے ہوں تو اس صورت میں نماز مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب: نماز میں کچھ کراہت نہیں کہ حدیث وفقہ میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، نہ امام کی تعظیم شرعاً ممنوع ہے نہ یہ انفراد علی المکان (علیحدہ مکان میں کھڑے ہونے) کی قبیل سے ہے ۔۔ البتہ اگر امام براہ تکبر واسنحلا ایسا امتیاز چاہے تو اُس کی یہ نیت سخت گناہ وحرام وکبیرہ ہے۔ (ج6،ص 629)

سوال:امام کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کا امام کی مرضی کے بغیر زبردستی مصلے پر کھڑے ہوکر جماعت کروانا کیسا؟ اسی طرح مؤذن کی موجودگی میں اس کی مرضی کے بغیر اذان دینا کیسا ہے؟

جواب:امام معیّن موجود حاضر ہے تو بے اس کی مرضی کے دوسرا زبردستی بلا وجہ شرعی امام بن جانا ناجائز وگناہ ہے۔ اور مؤذن مقرر کیے ہوئے کے خلاف مرضی بلا وجہ شرعی اذان دینا اس کے حق میں ناحق دست اندازی، اور نفرت دلانا ہے اور صحیح حدیث میں اس سے منع فرمایا ''بشروا ولا تنفروا'' ترجمہ: لوگوں کو خوش کرو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔

(صحیح البخاری، ج2،ص 904، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ایسے لوگ مفسد ہیں اگر نہ مانیں تو مسجد سے باہر کردینے کا حکم ہے۔

ہاں اگر امام نا قابلِ امامت ہے مثلاً غلط خواں یا وہابی وغیرہ تو نہ وہ امام ہے نہ اُسکا پڑھانا امامت، یونہی اگر موذن ایسی حالت پر جس کی اذان کے لئے شرعاً حکمِ اعادہ ہے تو ایسوں کو اذان وامامت سے باز رکھنا بجا ہے۔ (ج6،ص 630)

سوال:امام کے بدمذہب ہونے کی وجہ سے نماز گھر میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :اگر واقعی امام بدمذہب یا فاسقِ معلن یا فاسق القراۃ ہو اور اس کو تبدیل نہ کرسکتا ہو، نہ مسجد میں دوسری جماعت کرواسکتا ہو تو اس صورت میں گھر میں اپنے اہل کے ساتھ جماعت قائم کرکے یا تنہا ادا کرے اگر کوئی دوسرا گھر نہ ہو۔

(ج6،ص 631)

سوال:اگر مقتدی عمامہ باندھے ہوں اور امام فقط ٹوپی پہنے تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

جواب:اس میں شک نہیں کہ نماز عمامہ کے ساتھ نماز بے عمامہ سے افضل کہ وُہ اسبابِ تجمل (زینت کے اسباب میں سے) ہے ہی اور یہاں تجمل محبوب اور مقام ادب کے مناسب ۔۔ مگر باایں ہمہ صورتِ مستفسرہ (پوچھی گئی صورت) میں صرف ترکِ اولیٰ ہوا تو اُس سے کراہت لازم نہیں آتی۔ (ج6،ص 631)

سوال:فساق اور بدمذہب کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: امامتِ فساق کی نسبت علما کے دونوں قول ہیں کراہت تنزیہی۔۔کراہت تحریمی۔۔اور ان میں توفیق یہ ہے کہ فاسق غیر معلن کے پیچھے مکروہ تنزیہی اور معلن کے پیچھے تحریمی۔

مبتدع (بد مذہب) کی بدعت اگر حد کفر کو پہنچی ہو اگرچہ عند الفقہا یعنی منکر قطعیات ہو اگرچہ منکر ضروریات نہ ہو، تو صحیح یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔۔کہ وہی احتیاط جو متکلمین کو اس کی تکفیر سے باز رکھے گی اس کے پیچھے نماز سے فساد کا حکم دے گی۔۔ورنہ (اگر حدِ کفر تک نہ پہنچی ہو تو اس کے پیچھے نماز) مکروہ تحریمی۔

جن صورتوں میں کراہت تحریم کا حکم ہے صلحاء وفساق سب پر اعادہ واجب ہے، جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اور اس کی تقدیم بکراہت تحریم اور واجب ومکروہ تحریم دونوں ایک مرتبہ میں ہیں و درء المفاسد اهم من جلب المصالح ،ترجمہ: مفاسد کا دور کرنا مصالح کے حصول سے اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ہاں اگر جُمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جُمعہ پڑھیں کہ وہ فرض ہے اور فرض اہم۔

اسی طرح اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں کہ ﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ ترجمہ: فتنہ قتل سے بڑی برائی ہے۔

(ج6،ص632)

سوال: اگر استاد وہابی ہو تو شاگرد اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: وہابی کے پیچھے نماز جائز نہیں اگرچہ اپنا استاد ہو بلکہ اُسے استاد بنانا ہی اُس کے حق میں زہر قاتل سے بدتر ہے فوراً پرہیز کرے کہ صحبتِ بد آدمی کو بد بنا دیتی ہے نہ کہ بد کی تعلیم ،رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم ''اُن سے دُور بھاگو اور اُن کو اپنے سے دُور کرو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(صحیح مسلم، ج1،ص10، نور محمد اصح المطابع، کراچی) (ج6،ص633)

سوال: جوتا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے پڑھی ہے؟

جواب: تعظیم وتوہین کا مدار عرف پر ہے عرب میں باپ کو کاف اور انت سے خطاب کرتے ہیں جس کا ترجمہ ''تو'' ہے اور یہاں باپ کو ''تو'' کہے بیشک بے ادب گستاخ اور اس آیہ کریمہ کا مخالف ہے ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ ترجمہ: ماں باپ کو ہُوں نہ کہہ نہ جھڑک اور ان سے عزت کی بات کہہ۔

صدہا سال سے عرف عام ہے کہ استعمالی جوتے پہن کر مسجد میں جانے کو بے ادبی سمجھتے ہیں ائمہ دین نے اُس کے بے ادبی ہونے کی تصریح فرمائی۔۔آج اگر کسی نواب کے دربار میں آدمی جُوتا پہنے جائے تو بے ادب ٹھہرے، نماز اللہ واحد قہار کا دربار ہے، مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنا اور اُن میں فتنہ وفساد پیدا کرنا اور انھیں نفرت دلانا قرآنِ عظیم واحادیثِ صحیحہ کے

نصوص قاطعہ سے حرام اور سخت حرام ہے۔ (ج6ص634)

سوال: ایک شخص کثرتِ احتلام کی وجہ سے غسل کے بجائے تیمم سے نماز ادا کرتا ہے اور امامت کرتا ہے، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: کثرتِ احتلام تو خود کوئی وجہ جواز تیمم کی نہیں جب تک نہانے سے مضرت نہ ہو، بے صحیح اندیشۂ مضرت کے تیمم سے پڑھے تو اس کی خود نماز نہ ہوگی دوسرے کی اُس کے پیچھے کیا ہو، ہاں جسے بالفعل ایسا مرض موجود ہو جس میں نہانا نقصان دے گا یا نہانے میں کسی مرض کے پیدا ہوجانے کا خوف ہے اور یہ نقصان وخوف تو اپنے تجربے سے معلوم ہوں یا طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کے بتائے سے، تو اُس وقت اُسے تیمم سے نماز جائز ہوگی اور اب اس کے پیچھے سب مقتدیوں کی نماز صحیح ہے، غرض امام کا تیمم اور مقتدیوں کا پانی سے طہارت سے ہونا صحت امامت میں خلل انداز نہیں، اس امام نے تیمم ہی بے اجازت شرع کیا ہو تو آپ ہی نہ اس کی ہوگی نہ اُس کے پیچھے اوروں کی۔ (ج6ص638)

سوال: ایک امام فقط نمازِ جُمعہ پڑھاتا ہے اور اس امامتِ جُمعہ کے عوض میں سال بھر کے بعد رمضان المبارک کے آخری جُمعہ میں اور نیز عیدین کی نماز کے بعد اجرتِ امامتِ جُمعہ وامامت عیدین نمازیوں سے طلب کرتا ہے یہ اُجرت اُس کو حلال ہے یا حرام؟ ایسے شخص کے پیچھے نمازِ جُمعہ وعیدین مکروہ ہے یا ناجائز؟

جواب: اُجرت امامت اگر اس شخص سے قرار پاگئی ہے کہ فی جُمعہ یا ماہوار یا سال اس قدر دیں گے یا خاص اس سے قرارداد نہ ہو مگر اس کی تنخواہ معیّن ہے اسے بھی معلوم تھی یہ اُسی کے لئے امام بنا اور امام بنانے والوں نے بھی جانا اور مقبول رکھا غرض صراحۃً یا دلالۃً تعینِ اجرت ہولیا تو یہ اُجرت اُسے حلال ہے اور اس وجہ سے اُس کے پیچھے نماز میں کچھ کراہت نہیں کہ امامت واذان وتعلیم فقہ وتعلیم قرآن پر اُجرت لینے کو ائمہ نے بضرورتِ زمانہ جائز قرار دیا ہے۔ اور جب تعیّن ہولیا تو اجارہ صحیح ہُوا جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اگر اجارہ صراحۃً خواہ دلالۃً واقع تو ہُوا یعنی اس نے اُجرت کے لئے امامت کی اور قوم نے بھی اسے اجیر سمجھا مگر تعینِ اجرت نہ بیان میں آیا نہ قرائن سے واضح ہوا تو اجارہ فاسدہ ہے وہ اُجرت اُس کے حق میں خبیث ہے اُسے تصدق کردینے کا حکم ہے مگر اصل اجارہ اب بھی باطل نہیں، نہ طلبِ اُجرت ظلم ہے، ایسا اجارہ اگر متعدد بار کرے گا فاسق ہوگا اور اُس کے پیچھے نماز مکروہ۔

اور اگر سرے سے اجارہ ہی نہ ہو صراحۃً نہ دلالۃً اور اب اُجرت مانگتا ہے تو صریح ظلم وفسق وکبیرہ ہے یہاں مطلقاً اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ (ج6ص639)

سوال :امام مسجد یہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد مصافحہ درست نہیں اور اہل محلہ کہتے ہیں درست ہے اور کہتے ہیں کہ اگر تم اس کے جواز کے قائل نہ ہو گے تو ہم تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، لہذا فرمائیے کہ شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

جواب :صحیح یہ ہے کہ مصافحہ بعد نماز مباح ہے۔ امام اگر سنی المذہب ہے صرف اس مسئلہ میں اس کا خیال بنظر بعض عبارات فقہیہ یہ ہے تو اُسے سمجھا دینا چاہئے کہ تصحیح و ترجیح جانبِ جواز ہے صرف اتنی بات پر وہ ترکِ اقتدا کا مستحق نہیں ،اوراگر بر بنائے وہابیت اس کا انکار کرتا ہے تو وہابی بلا شبہ لائق امامت نہیں اہل محلہ کو چاہئے ہرگز اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔

(ج6،ص640)

سوال :امامت کی تنخواہ معین کر کے لینا درست ہے یا نہیں؟

جواب :درست ہے مگر بچنا بہتر ہے اللہ کے واسطے پڑھائے اور نمازی اسے حاجتمند دیکھ کر اللہ کے لئے اس کی اعانت کریں یہ صاف کر لیا جائے کہ امامت کی اُجرت کچھ نہ لی دی جائے گی یوں بلا دغدغہ حلال طیب ہے۔ (ج6،ص640)

سوال :کوئی امام بعدِ فراغتِ نماز اگر مقتدیوں کو مجبور کرے کہ اُس کی اتباع میں ویسے ہی بیٹھے رہیں اور اس میں مقتدیوں کا قریب نصف گھنٹہ کے ضائع ہوا اور کوئی شخص بوجہِ مجبوری شرکت نہ کرے تو اس پر تہمت لگائے اور اس کا نام سنتِ نبوی رکھے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب :امام کو سلام کے بعد مقتدیوں پر کوئی جبر کا اختیار نہیں، سلام سے تو اس کی ولایت منقطع ہو چکی عین نماز میں جب تک وہ متبوع تھا (یعنی اس کی پیروی کی جارہی تھی) اور اس کی پیروی مقتدیوں پر واجب تھی اُس وقت بھی اُسے حرام تھا کہ سنت سے زیادہ کوئی بات ایسی کرے جو مقتدیوں پر ثقیل وگراں ہو، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غضبِ شدید فرمایا اور ایسا کرنے والے کو فتان بتایا یعنی سخت فتنہ گر، تو بعد نماز بلا وجہ شرعی مجبور کرنا اور نہ ماننے والے کو جھوٹا اتہام لگانا کیسا سخت حرام شدید اور ظلم بعید ہے۔ پھر اس ظلم وحرام کا نام معاذ اللہ سنت رکھنا نہایت سخت اشد اور صریح گمراہی اور سنت پر افترا ہے۔

(ج6،ص641)

سوال :فرض، واجب، سنت مؤکدہ، مستحب اور مباح کا ترک کرنے والا کس درجہ کا گناہگار ہے، نیز اس کی امامت کا حکم ہے؟

جواب :فرض کے ایک بار ترک سے فاسق ہے اور ترکِ واجب کی عادت سے، سنت موکدہ حکم میں قریب واجب ہے، فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور فاسق بالاعلان ہو تو اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، مستحب ومباح کے ترک میں کچھ گناہ نہیں، نہ ان کے تارک کی امامت میں کچھ نقص۔ (ج6،ص641)

سوال: امام سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانے میں اس قدر دیر کرتا ہے کہ کلمۂ طیبہ پڑھ لیا جائے، اس قدر دیر کرنا امام کو جائز ہے یا نہیں، اس کو منع کیا گیا کہ اس قدر دیر نہ کیا کرو، وہ کہتا ہے کہ سورت سوچنے میں دیر ہو جاتی ہے اور دیر کرنے کو نہیں چھوڑتا ہے، اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: سورۃ سوچنے میں اتنی دیر جس میں تین بار سبحان اللہ کہہ لیا جائے ترک واجب وموجب سجدۂ سہو ہے۔ تو یہ جس کی عادت ہے اس کے پیچھے نماز میں ضرور کراہت ہے۔ عالمگیریہ ومحیط میں ہے ''من یقف فی غیر مواضعہ و لایقف فی مواضعہ لاینبغی لہ ان یؤم و کذا من یتنحنح عند القراءۃ کثیرا'' ترجمہ: جو نہ ٹھہرنے کی جگہ وقف کرے اور وقف کی جگہ وقف نہ کرے اسے چاہئے کہ وہ امام نہ بنے، اور اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو قرأت کرتے وقت کثرت سے کھانستا ہو۔

(فتاویٰ ہندیہ، ج 1، ص 86، نورانی کتب خانہ، پشاور)

جو وقف وصل بے جا کرے یا پڑھتے وقت بار بار کھنکارے جب اسے فرماتے ہیں کہ اس کی امامت سزاوار نہیں حالانکہ مراعاتِ وقف ووصل واجبات نماز سے نہیں، تو جو واجبِ نماز یعنی وصل سورۃ و فاتحہ بے اجنبی کے ترک کا عادی ہو بدرجۂ اولیٰ لائق امامت نہیں۔

ہاں فاتحہ کے بعد اتنی دیر کہ دم راست (سانس سیدھا) کرے آمین کہے، کوئی سورۃ ابتداء سے پڑھنی ہو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے کہ یہ دیر بھی تقریباً کلمہ طیبہ پڑھنے کے برابر ہو جائے گی، بلا شبہ مباح وسنت ومستحب ہے۔

(ج 6، ص 642)

سوال: زید کہتا ہے کہ بغیر قمیض کے نماز ہو جاتی ہے۔

جواب: صرف پائجامہ پہنے بالائی حصہ بدن کا ننگا رکھ کر نماز بایں معنیٰ تو ہو جاتی ہے کہ فرض ساقط ہو گیا، مگر مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ واجب ترک ہوتا ہے فاعل گنہگار ہوتا ہے اس کا پھیرنا گردن پر واجب رہتا ہے نہ پھیرے تو دوسرا گناہ سر پر آتا ہے۔

ہاں اگر اتنے ہی کپڑے کی قدرت ہے تو ایسی محتاجی میں مجبوری و معافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لایصلّی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ من شیء'' ہرگز تم میں کوئی شخص ایک ہی کپڑا پہن کر نماز نہ پڑھے کہ کندھے پر اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (صحیح بخاری، ج 1، ص 52، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

خطیب بغدادی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ''نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الصلٰوۃ فی السراویل وحدہ'' یعنی صرف پائجامہ سے نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

(تاریخ بغداد، ج 5، ص 138، دار الکتاب العربی، بیروت) (ج 6، ص 642)

سوال: زید یہ بھی کہتا ہے کہ نماز میں قرأت فرض نہیں۔

جواب: نماز میں فرضیتِ قرأت کا انکار احادیثِ کثیرہ صحیحہ صریحہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رد اور اجماعِ ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خرق بلکہ بعدِ انقطاعِ اقوالِ شاذہ اجماعِ مستقر کا خلاف اور اب گمراہی وضلالت صاف صاف ہے۔

رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ میں ہے "اتفقوا علی ان القراۃ فرض علی الامام والمنفرد فی رکعتی الفجر وفی الرکعتین الاولین من غیرھا" ترجمہ: فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام اور منفرد پر فجر کی دونوں رکعات اور اس کے علاوہ دیگر نمازوں کی پہلی دو رکعت میں قرأت فرض ہے۔ (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ص 38، مصطفیٰ البابی مصر)

طحطاوی میں ہے "من کان خارجاً عن ھذہ الاربعۃ فی ھذا الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار" ترجمہ: جو ان چاروں مذہب سے اس زمانہ میں باہر ہے وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، ج 4 ص 153، دار المعرفۃ، بیروت) (ج 6 ص 643)

سوال: زید یہ بھی کہتا ہے کہ نماز میں الحمد اور سورت کی کچھ حاجت نہیں۔

جواب: نماز میں الحمد وسورۃ کی حاجت نہ ماننا بھی جہلِ قبیح اور ارشاداتِ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکارِ صریح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لاصلٰوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" یعنی بے سورۂ فاتحہ کے نماز ناقص ہے۔
(صحیح بخاری، ج 1 ص 104، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "من صلی صلاۃ لم یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فھی خداج" یعنی جو نماز بے سورۂ فاتحہ کے ہو وہ ناقص ہے۔ (صحیح مسلم، ج 1 ص 170، نور محمد اصح المطابع، کراچی) (ج 6 ص 644)

سوال: زید یہ بھی کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد محمد رسول اللہ کی کیا ضرورت ہے، اگر جنت میں نہ جائے گا تو کیا اعراف (جنت اور دوزخ کے درمیان جگہ) میں بھی نہ جائے گا۔

جواب: اگر اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ اسلام لانے کو صرف لا الٰہ الا اللہ ماننا کافی ہے محمد رسول اللہ کی حاجت نہیں جب تو قطعاً یقیناً نرا کافر مرتد ہے، عورت اُس کی اُس کے نکاح سے نکل گئی پاس جائے گا تو زنا ہوگا، اولاد ہو تو ولد الزنا ہوگی، عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔

اور اگر یہ مراد نہیں تاہم ناپاک کلام کا طرزِ سوق (کلام چلانے کی طرز) سخت گستاخی وبے باکی سے خبر دے رہی ہے۔ اور وہ لفظ "جنت میں نہ جائے گا تو کیا اعراف میں بھی نہ جائے گا" دینِ متین کے ساتھ استہزا کا پتا دیتا ہے، بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ شخصِ مذکور فاسق فاجر گمراہ بدمذہب ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز وممنوع ہے۔ مسلمان اس سے توبہ لیں اگر توبہ کرلے فبہا ورنہ اس کے ساتھ وہ معاملہ برتیں جو بددینوں کے ساتھ چاہئے۔ (ج 6 ص 646)

سوال: غیر مقلدین کے بارے میں یہ بیان فردیں کہ یہ کہاں سے نکلے اور ان کا مقصد کیا ہے؟

جواب: یہ فرقۂ غیر مقلدین کہ تقلیدِ ائمۂ دین کے دشمن اور بیچارہ عوام اہلِ اسلام کے رہزن (ڈاکو) ہیں، مذاہب اربعہ کو چوراہا بتائیں، ائمۂ ہدیٰ کو احبار (پادری) و رہبان (جوگی) ٹھہرائیں، سچے مسلمانوں کو کافر و مشرک بنائیں، قرآن وحدیث کی آپ سمجھ رکھنا، ارشادات ائمہ کو جانچنا پرکھنا ہر عامی جاہل کا کام کہیں۔

بے راہ چل کر بیگانہ مچل کر حرام خدا کو حلال کردیں حلال خدا کو حرام کہیں، ان کا بدعتی بدمذہب گمراہ بے ادب ضال (گمراہ) مُضل (گمراہ کرنے والا) غوی مبطل ہونا نہایت جلی واظہر (بہت زیادہ واضح ہے) بلکہ عندالانصاف یہ طائفہ تالفہ بہت فرق اہلِ بدعت (بہت سارے گمراہ فرقوں) سے اشرّ (زیادہ شریر) واضرّ (زیادہ نقصان پہنچانے والا) واشنع (زیادہ برا) وافجر (زیادہ فاجر ہے) کما لایخفی علی ذی بصر (جیسا کہ کسی بھی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے ''کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی ایات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین'' یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج کو بدترین خلق اللہ جانتے کہ انہوں نے وہ آیتیں جو کافروں کے حق میں اتریں اُٹھا کر مسلمانوں پر رکھ دیں۔

بعینہٖ یہی حالت ان حضرات کی ہے۔ آیہ کریمہ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ترجمہ: انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا بنالیا۔

کہ کفار اہلِ کتاب اور اُن کے عمائد دار باب (راہنماؤں کے بارے) میں اُتری ہمیشہ یہ بیباک لوگ اہلسنت وائمہ اہلسنت کو اس کا مصداق بتاتے ہیں۔

علامہ طاہر قول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کر کے فرماتے ہیں ''قال المذنب تاب اللہ علیہ واشر منھم من یحعل ایات اللہ فی شرار الیھود علی علماء الامۃ المعصومۃ المرحومۃ طھر اللہ الارض عن رجسھم'' ترجمہ: مذنب کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، ان خارجیوں سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ اشرار یہود کے حق میں جو آیتیں اُتریں انھیں امتِ محفوظہ مرحومہ کے علماء پر ڈھالتے ہیں اللہ تعالیٰ زمین کو اُن کی خباثت سے پاک کرے۔ (مجمع بحارالانوار، ج 1، ص 242، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

اصل اس گروہِ ناحق پژدہ کی نجد سے نکلی، صحیح بخاری شریف میں ہے ''عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال اللّٰھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یارسول اللہ وفی نجدنا قال اللّٰھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یارسول اللہ وفی نجدنا فاظنّہ قال فی الثالثۃ ھناک الزلزال والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان'' ترجمہ: نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پُرنور سیّد

عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی الٰہی !ہمارے لئے برکت دے ہمارے شام میں، ہمارے لئے برکت رکھ ہمارے یمن میں،
صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ!ہمارے نجد میں حضور نے دوبارہ وہی دُعا کی الٰہی !ہمارے لئے برکت کر ہمارے شام میں
الٰہی !ہمارے لیے برکت بخش ہمارے یمن میں، صحابہ نے پھر عرض کی یارسول اللہ ہمارے نجد میں، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
فرماتے ہیں میرے گمان میں تیسری دفعہ حضور نے نجد کی نسبت فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہیں سے نکلے گا شیطان کا
سینگ۔ (الصحیح البخاری، ج 1، ص 141، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس خبرِ صادق مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (سچی خبر دینے والے کی سچی خبر) کے مطابق عبدالوہاب نجدی کے پسر واتباع نے۔۔تیرھویں صدی میں حرمین شریفین پر خروج کیا اور ناکردنی کاموں (نہ کرنے والے کاموں) ناگفتنی باتوں (نہ کرنے والی باتوں) سے کوئی دقیقہ زلزلہ وفتنہ کا اُٹھا نہ رکھا۔

حاصل اُن کے عقائدِ زائغہ (باطل عقائد) کا یہ تھا کہ عالم میں وہی مشت ذلیل (مٹھی بھر ذلیل) موحد (توحید ماننے والے) مسلمان ہیں باقی تمام مومنین معاذاللہ مشرک۔ اسی بناء پر انھوں نے حرمِ خدا و حریمِ مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء کو عیاذاً باللہ دارالحرب اور وہاں کے سُکانِ کرام (وہاں کے رہنے والے معزز لوگوں) ہمسائیگانِ خدا و رسول کو (حاکم بدہانِ گستاخاں) کافر ومشرک ٹھہرایا اور بنامِ جہاد وخروج کرکے لوائے فتنہ عظمیٰ پر شیطنت کبریٰ کا پرچم اُڑایا۔

علامہ فہامہ خاتمۃ المحققین مولٰنا امین الدین محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی نے کچھ تذکرہ اس واقعہ ہائلہ کا فرمایا:
''کماوقع فی زماننا فی اتباع بن عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین و کانوا ینتحلون مذھب الحنابلة لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون و ان من خالف اعتقاد ھم مشرکون واستباحوا بذلك قتل اھل السنة وقتل علمائھم حتی کسر اللّٰہ تعالیٰ شوکتھم وخرب بلادھم وظفربھم عساکر المسلمین عام ثلث وثلثین ومائتین والف ''یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں پیروانِ عبدالوہاب سے واقع ہوا جنھوں نے نجد سے خروج کرکے حرمین محترمین پر تغلب کیا اور وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے مگر اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان اور جو اُن کے مذہب پر نہیں وہ مشرک ہیں اس وجہ سے انھوں نے اہلسنّت وعلمائے اہلسنت کا قتل مباح ٹھہرالیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُنکی شوکت توڑ دی اور اُن کے شہر ویران کئے اور لشکرِ مسلمین کو اُن پر فتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں۔ (ردالمحتار، ج 3، ص 339، مصطفی البابی، مصر)

غرض یہ فتنہ شنیعہ وہاں سے مطرود اور خدا اور رسول کے پاک شہروں سے مدفوع ومردود ہوکر اپنے لئے جگہ ڈھونڈتا ہی تھا کہ نجد کے ٹیلوں سے اس دارالفتن ہندوستان کی نرم زمین اسے نظر پڑی، آتے ہی یہاں قدم جمائے، بانی فتنہ (اسماعیل دہلوی) نے کہ اس مذہب نامہذب کا معلم ثانی ہوا وہی رنگ آہنگ کفروشرک پکڑا کہ ان معدودے چند کے سوا تمام مسلمان مشرک،

یہاں یہ طائفہ۔ خود متفرق ہوگیا ایک فرقہ بظاہر مسائلِ فرعیہ میں تقلیدِ ائمہ کا نام لیتا رہا دوسرے نے۔ اسے بھی بالائے طاق رکھا، چلئے آپس میں چل گئی وہ انھیں گمراہ یہ اُنھیں مشرک کہنے لگے۔

مگر مخالفتِ اہلسنت وعداوت اہلِ حق میں پھر ملت واحدہ (یکجا) رہے، ہر چندان اتباع (پیرکاروں) نے بھی تکفیرِ مسلمین (مسلمانوں کو کافر بنانے) میں اپنی چلتی گئی نہ کی لیکن پھر کلام الامام امام الکلام (امام کا کلام، کلام کا امام ہوتا ہے) ان کے امام وبانی وثانی کو شرک وکفر کی وہ تیز وتند چڑھی کہ مسلمانوں کے مشرک کافر بنانے کو حدیث صحیح مسلم "لا یذھب اللیل و النھار حتی یعبد اللات والعزّٰی (الٰی قولہ) یبعث اللہ ریحا طیبۃ فتوفی کل من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فیبقی من لاخیر فیہ فیرجعون الٰی دین اٰبائھم" مشکوٰۃ سے نقل کرکے بے دھڑک زمانہ موجودہ پر جمادی جس میں حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ "زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزّٰی کی پھر سے پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالٰی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اُٹھالے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا انتقال کرے گا جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہوجائے گی"

اس حدیث کو نقل کرکے صاف لکھ دیا سو پیغمبرِ خدا کے فرمانے کے موافق ہوا، انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

ہوشمند نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ اگر یہ وہی زمانہ ہے جس کی خبر حدیث میں دی تو واجب ہُوا کہ روئے زمین پر مسلمان کا نام ونشان باقی نہ ہو بھلے مانس اب تُو اور تیرے ساتھی کدھر بچ کر جاتے ہیں، کیا تمھارا طائفہ (گروہ) دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستا ہے، تم سب بھی انہیں شرار الناس وبدترین خلق میں ہوئے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان کا نام نہیں اور دین کفار کی طرف پھر کر بتوں کی پوجا میں مصروف ہیں۔

سچ آیا حدیثِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ "حبک الشیء یعمی ویصم" ترجمہ: شے کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کردے گی۔

(مسند احمد بن حنبل، ج5، ص194، دارالفکر، بیروت)

شرک کی محبت نے اس ذی ہوش کو ایسا اندھا بہرا کردیا کہ خود اپنے کفر کا اقرار کر بیٹھا، غرض تو یہ ہے کہ کسی طرح تمام مسلمان معاذ اللہ مشرک ٹھہریں اگرچہ پرائے شگون کو اپنا ہی چہرہ ہموار ہوجائے۔

اور اس بیباک چالاک کی نہایت عیاری یہ ہے کہ اُسی مشکوٰۃ کے اُسی باب لاتقوم الساعۃ الاعلٰی شرار الناس (قیامت صرف شریرترین لوگوں پر قائم میں ہوگی) میں اسی حدیثِ مسلم کے برابر متصل اسی صحیح مسلم کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے وُہ (حدیث) موجود تھی جس سے اس حدیث کے معنٰی واضح ہوتے اور اُس میں صراحۃً ارشاد ہوا تھا کہ یہ وقت کب آئے گا اور کیونکر آئے گا اور آغازِ بُت پرستی کا منشا کیا ہوگا۔

وہ حدیث مختصراً یہ ہے ''وعن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج الدجال فی اُمتی فیمکث اربعین فیبعث اللہ عیسی بن مریم فیھلکہ ثم یمکث فی الناس سبع سنین لیس بین اثنین عداوۃ ثم یرسل اللہ ریحاباردۃ من قبل الشام فلا یبقی علی وجہ الارض احد فی قلبہ مثقال ذرّۃ من خیر اوایمان الاقبضتہ حتی لوان احدکم دخل فی کبد جبل لدخلتہ علیہ حتی تقبضہ قال فیبقی شرار الناس فی خفۃ الطیر واحلام السباع لا یعرفون معروفا ولاینکرون منکرا فیتمثل لھم الشیطان فیقول الاتستحیون فیقولون فما تأمرنا فیامرھم بعبادۃ الاوثان ثم ینفخ فی الصور (ملخصا) ''یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت میں دجّال نکل کر چالیس تک ٹھہرے گا پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجے گا وہ اُس کو ہلاک کریں گے پھر سات برس تک لوگوں میں اس طرح تشریف رکھیں گے کہ کوئی دو دل آپس میں عداوت نہ رکھتے ہوں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا کہ روئے زمین پر جس دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کی روح قبض کرلے گی یہاں تک کہ اگر تم میں کوئی پہاڑ کے جگر میں چلا جائے گا تو وہ ہوا وہاں جاکر بھی اُس کی جان نکال لے گی اب بدترین خلق باقی رہ جائیں گے فسق وشہوت میں پرندوں کی طرح ہلکے، سبک اور ظلم وشدّت میں درندوں کی طرح گراں وسخت جواصلاً نہ کبھی بھلائی سے آگاہ ہوں گے نہ کسی بدی پر انکار کریں گے شیطان ان کے پاس آدمی کی شکل بن کر آئے گا اور کہے گا تمھیں شرم نہیں آتی یہ کہیں گے تم ہمیں کیا حکم کرتا ہے وہ اُنھیں بُت پرستی کا حکم دے گا اس کے بعد نفخِ صور ہوگا۔ (صحیح مسلم، ج2، ص403، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

عیار ہوشیار اس حدیث کو الگ بچا گیا کہ یہاں تو سارے مکر کی قلعی کھلتی اور صاف ظاہر ہوتا کہ حدیث میں جس زمانے کی خبر دی ہے وُہ بعدِ خروج وہلاکِ دجال وانتقال عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آئے گا اُس وقت کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہ رہے گا جس طرح احمد ومسلم وترمذی کی حدیث میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''لاتقوم الساعۃ حتی لایقال فی الارض اللہ اللہ'' قیامت نہ آئے گی جب تک زمین میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا رہے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص84، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اللہ اللہ یہ حدیث بھی مشکوٰۃ بحوالہ مسلم اسی باب کے شروع میں ہے مزوّر (دھوکے باز) چالاک دلدادۂ اشراک برابر کی حدیثیں نقل کرتا تو مسلمانوں کو کافر ومشرک کیونکر بناتا اور اس جھوٹے دعوے کی گنجائش کہاں سے پاتا اپنے زمانے کی نسبت کہہ دیا ''سو پیغمبرِ خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔''

مسلمان دیکھیں کہ جو عیار صریح واضح متداول حدیثوں میں ایسی معنوی تحریفیں کریں بے پر کی اڑانے میں اپنے باطنی

معلم کے بھی کان کتریں جھوٹے مطلب دل سے بنائیں اور انہیں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصود ٹھہرائیں حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متواتر حدیث میں ارشاد فرمائیں ''من کذب علیّ متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النّار'' ترجمہ: جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (جامع الترمذی، ج 2، ص 90، امین کمپنی، دہلی)

ایسوں کا مذہب معلوم اور عمل بالحدیث کا مشرب معلوم۔

جب اصول میں یہ حال ہے تو ظاہر ہے کہ فروع مسائلِ فقہیہ میں حدیثوں کی کیا کچھ گت نہ بناتے ہوں گے، پھر دعویٰ یہ ہے کہ ہم تو خیر البریہ یعنی قرآن اور قولِ خیر البریہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی حدیث پر چلتے ہیں، سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعویٰ۔

سچ فرمایا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''یأتی فی اٰخر الزمان قوم حدثاء الاسنان سفهاء الاحلام یقولون من خیر قول البریة یمرقون من الاسلام کما یمرق السهم من الرمیة لایجاوز ایمانهم حناجرهم'' آخر زمانہ میں کچھ لوگ حدیث السن (زبانوں پر حدیث) سفیہ العقل (عقل سے کورے) آئیں گے کہ اپنے زعم میں قرآن یا حدیث سے سند پکڑیں گے وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے ایمان ان کے گلوں سے نیچے نہ اُترے گا۔

(صحیح البخاری، ج 2، ص 756، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

واقعی یہ لوگ اُن پُرانے خوارج کے ٹھیک ٹھیک بقیہ و یادگار ہیں وہی مسئلے وہی دعوے وہی انداز وہی وتیرے (طریقے)

خارجیوں کا داب (دھوکہ دینے کا طریقہ) تھا (کہ) اپنا ظاہر اس قدر متشرع (شریعت کے مطابق) بناتے کہ عوام مسلمین انہیں نہایت پابندِ شرع جانتے پھر بات بات پر عمل بالقرآن کا دعویٰ عجب دام در سبزہ تھا مسلک وہی کہ ہم ہی مسلمان ہیں باقی سب مشرک۔

یہی رنگ ان حضرات کے ہیں آپ موحد اور سب مشرکین، آپ محمدی اور سب بددین، آپ عامل بالقرآن والحدیث اور سب چنیں وچناں بزعم خبیث، پھر ان کے اکثر مقلبین ظاہری پابندی شرع میں خوارج سے کیا کم ہیں اہلسنت کان کھول کر سُن لیں دھوکے کی ٹٹی میں شکار نہ ہوجائیں، ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ''تحقرون صلاتکم مع صلاتهم وصیامکم مع صیامهم وعملکم مع عملهم'' تم حقیر جانو گے اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے سامنے اور اپنے روزے ان کے روزوں کے سامنے اور اپنے اعمال کو اُن کے اعمال کے مقابل۔ (صحیح البخاری، ج 2، ص 756، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(اس کے باوجود) ارشاد فرمایا ''ویقرئون القراٰن لایجاوز حناجرهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة'' ان اعمال پر ان کا یہ حال ہوگا کہ قرآن پڑھیں گے پر گلوں سے تجاوز نہ کرے گا دین سے نکل جائیں گے

جیسے تیر شکار سے۔ (صحیح البخاری، ج2، ص756، قدیمی کتب خانہ کراچی)

پھر شانِ خدا کہ ان مذہبی باتوں میں خارجیوں کے قدم بقدم ہونا درکنا خارجی بالائی باتوں میں بھی بالکل یک رنگی ہے انہی ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے "قیل ماسیماهم قال سیماهم التحلیق" عرض کی گئی: یارسول اللہ! اُن کی علامت کیا ہوگی؟ فرمایا سر منڈانا۔ یعنی اُن کے اکثر سر مُنڈے ہونگے۔ (صحیح البخاری، ج2، ص756، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بعض احادیث میں یہ بھی آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کا پتا بتایا "مشمری الازار" گھٹنی ازار والے (یعنی شلوار زیادہ اوپر کرنے والے)۔ (صحیح البخاری، ج2، ص1128 قدیمی کتب خانہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کے بے شمار درودیں حضور عالم ماکان ومایکون پر، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بالجملہ یہ حضرات (خوارج سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں) یہ انھیں بھی نہ سوجھی تھی کہ شرک وکفرِ تمام مسلمین کا دعویٰ اس حدیث سے ثابت کر دکھاتے جس سے ذی ہوش مذکور نے استدلال کیا۔

مگر حضرتِ حق عزوجل کا حسنِ انتقام لائق عبرت ہے حفر بیرا لاخیه فقد وقع فیه (جو شخص کسی کے لئے کنواں کھودتا ہے خود اسی میں گرتا ہے) حدیث سے سند لائے تھے مسلمانوں کے کافر ومشرک بنانے کو اور بحمد اللہ خود اپنے مشرک وکافر ہونے کا اقرار کرلیا کہ جب یہ وقت وہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہیں تو یہ مستدل بھی انھیں کافروں میں کا ایک ہے قضی الرجل علی نفسه (آدمی نے اپنے خلاف فیصلہ کیا)۔۔ اور مسلمانوں کو تو خدا کی امان ہے اُن کے لئے اُن کے سچے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی بشارت آئی ہے کہ یہ امتِ مرحومہ ہرگز شرک اور غیر خدا کی پرستش نہ کرے گی۔ امام احمد مسند اور ابن ماجہ سنن اور حاکم مستدرک اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کی نسبت فرماتے ہیں "اما انهم لایعبدون شمسا ولاقمرا ولاحجرا ولاوثنا ولکن یراؤن باعمالهم" خبردار ہو بیشک وہ نہ سورج کو پوجیں گے نہ چاند کو نہ پتھر کو نہ بُت کو، ہاں یہ ہوگا کہ دکھاوے کے لئے اعمال کریں گے۔ (المسند للامام احمد بن حنبل، ج4، ص124، دارالفکر، بیروت)

اسی لئے جب قیامت آنے کو ہوگی اور شرک محض کا وقت آئے گا ہوا بھیج کر مسلمانوں کو اٹھالیں گے والحمد للہ رب العلمین۔ (ج6، ص656 تا 668)

سوال: غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: بلاشبہہ غیر مقلد کے پیچھے نماز مکروہ وممنوع ولازم الاحتراز۔۔ اور اگر بجبوری اُن کے پیچھے پڑھ لی یا پڑھنے کے بعد حال کھلا تو نماز پھیر لے اگرچہ وقت جاتا رہا ہو اگرچہ مدت گزر چکی ہو۔ (ج6، ص670)

سوال: غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر کیا دلیل ہے؟

جواب: (امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس پر پانچ دلیلیں ارشاد فرمائیں)

دلیل نمبر(۱)

(پہلی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ بدعتی و بدمذہب ہیں اور اہل بدعت کی نسبت تمام کتب فقہ میں موجود ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں) طائفہ مذکورہ (مذکورہ گروہ) بدعتی بلکہ بدترین اہلِ بدعت سے ہے (پھر ان کے بدعتی ہونے پر متعدد دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں) اہلِ بدعت کی نسبت تمام کتب فقہ ومتون وشروح وفتاوی میں صریح تصریحیں موجود کہ ان کے پیچھے نماز مکروہ، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے یعنی حرام کی مقارب (قریب)، گناہ کی جالب (اس کے کرنے سے گناہ ہوتا ہے)، اعادۂ نماز کی موجب (سبب ہے)۔

(اس کے بعد متعدد احادیث واقوالِ ائمہ سے ثابت کیا کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں) علماء فرماتے ہیں نماز اعظم شعائر دین ہے اور مبتدع کی توہین شرعاً واجب اور امامت میں اُس کی توقیر وتعظیم مقصودِ شرع سے بالکل مجانب (دور)۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام" جو کسی بدعتی کی توقیر کرے اس نے دین اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔ (شعب الایمان، ج7، ص61، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دلیل نمبر(۲)

(دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ غیر مقلد بدمذہب ہونے کے ساتھ ساتھ فاسقِ معلن (علانیہ گناہ کرنے والے) بھی ہیں اور کتبِ فقہ میں موجود کہ فاسقِ معلن کے پیچھے بھی نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں) غیر مقلد بدمذہبی کے علاوہ فاسقِ معلن بیباک مجاہر بھی ہیں اور فاسق متہتک کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی (پھر فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہونے کے دلائل دینے کے بعد غیر مقلدین کے فسق بیان فرمائے)

فسق اول: سب ودشنام اہلِ اسلام (پہلا فسق اہل اسلام کو گالیاں دینا) ہے، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیثِ مشہور میں فرماتے ہیں "سباب المسلم فسوق" مسلمان کو سب وشتم کرنا فسق ہے۔

(صحیح البخاری، ج2، ص893، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

فسق دوم: طعن علماء (علماء پر طعن کرنا)، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ثلثة لا یستخف بحقهم الا منافق ذوالشیبة فی الاسلام ذوالعلم وامام مقسط" تین شخص ہیں جن کی تحقیر نہ کرے گا مگر منافق ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، دوسرا ذی علم، تیسرا امامِ عادل۔ (المعجم الکبیر، ج8، ص238، المکتبہ الفیصلیہ، بیروت)

فسق سوم: عداوتِ اولیائے کرام قدست اسرارہم جس کی تفصیل کو دفتر درکار، جس نے ان کے اصول و فروع پر نظر کی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ان کی بنائے مذہب محبوبانِ خدا کے نہ ماننے اور ان کی محبت و تعظیم کو جہاں تک بن پڑے گھٹانے مٹانے پر ہے یہاں تک کہ ان کے بانی مذہب نے تصریح کر دی کہ اللہ کو مانے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے۔

اور چوڑھے چمار اور ناکارے لوگ تو نوکِ زبان پر ہے، خود حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت صاف کہہ دیا کہ وہ بھی مر کر مٹی میں مل گئے۔۔ سبحان اللہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں "ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا حرام کیا ہے۔ (سنن النسائی، ج 1 ص 162 مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، لاہور)

اور رب العالمین جل مجدہ ان کے غلاموں یعنی شہدائے کرام کی نسبت ارشاد فرمائے ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ جو خدا کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں۔

اور فرمائے ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ﴾ خبردار شہیدوں کو مُردہ نہ جانو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی دیے جاتے ہیں شاد شاد ہیں۔

اور ایک سفیہ (بیوقوف) مغرور محبوبانِ خدا سے نفور خود حضور پرنور اکرم المحبوبین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی نسبت وہ ناپاک الفاظ کہے اور وہ بھی یوں کہ معاذ اللہ حضور ہی کی حدیث کا یہ مطلب ٹھہرائے یعنی میں بھی ایک مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، قیامت میں ان شاء اللہ مر کر مٹی میں ملنے کا مزا الگ کھلے گا اور یہ جدا پوچھا جائے گا کہ حدیث کے کون سے لفظ میں اس ناپاک معنی کی بوتھی جو تو نے یعنی کہہ کر محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا کیا حضور پر افترا خدا پر افترا ہے اور خدا پر افترا جہنم کی راہ کا پرلا (آخری) سرا (کنارہ)، ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ، مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ یہ دنیا متاعِ قلیل ہے اور ان کے لئے (آخرت میں) المناک عذاب ہے۔

بھلا جب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ ہیں تو اولیائے کرام کا کیا ذکر ہے اور حضرت حق عز جلالہ (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے "من عادی لی ولیًا فقد اٰذنتہ بالحرب" (صحیح البخاری، ج 2 ص 963، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور حضور پرنور سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من عادی اولیاء اللّٰہ فقد بارز اللّٰہ بالمحاربۃ" جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی وہ سرِ میدان خدا کے ساتھ لڑائی کو نکل آیا۔ (سنن ابن ماجہ، ص 296، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی سچی محبت پر دنیا سے اُٹھائے، آمین۔

فسق چہارم: ہم اوپر بیان کر آئے کہ ان کا خلاصہ مذہب یہ ہے کہ گنتی کے ڈھائی آدمی ناجی (نجات پانے والے) باقی تمام مسلمین شرک میں پڑ کر ہلاک ہو گئے اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اذا سمعت الرجل یقول هلك الناس فهو اهلكهم" جب تو کسی کو یوں کہتے سنے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔

(الادب المفرد،ص 198، المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ہل)

حدیث سے ثابت ہوا کہ حقیقۃً یہی لوگ جو ناحق مسلمانوں کو چنیں وچناں کہتے ہیں خود ہلاکِ عظیم کے مستحق ہیں اور اللہ جل جلالہ فرماتا ہے "فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ کون ہلاک ہوا سوا فاسق لوگوں کے۔

پھر ان کے اشد الفاسقین سے ہونے میں کیا شبہ ہے والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالیٰ۔

پھر ستم بر ستم یہ کہ وہ ان محرمات کا صرف ارتکاب ہی نہیں کرتے انہیں حلال ومباحات بلکہ افضل حسنات بلکہ اہم واجبات سمجھتے ہیں ہیہات اگر تاویل کا قدم درمیان نہ ہوتا تو کیا کچھ ان کے بارے میں کہنا نہ تھا۔

دلیل نمبر (۳)

☆ (اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ان کے طہارت وغیرہ کے مسائل احناف وغیرہ سے اتنے مختلف ہیں کہ اگر ان مسائل پر عمل کیا جائے تو احناف کی نماز ہی نہیں ہوتی، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے مذہب والے شافعی وغیرہ (جو اہل حق ہیں) کے پیچھے نماز صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ وہ احناف کے مسائل کی رعایت کرے، اور ان غیر مقلدین کا تعصب بالکل واضح ہے یہ تو جان بوجھ کر خلاف ہی کریں گے۔

امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے ان کے چند مسائل بیان فرمائے ہیں:

مسئلہ نمبر ۱: پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے۔ امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس مسئلے کا مطلب یہ ہوا کہ کنواں تو بڑی چیز ہے اگر پاؤ بھر پانی میں دو تین ماشے اپنا یا کتے کا پیشاب ڈال دیجئے پاک رہے گا مزے سے وضو کیجئے، نماز پڑھئے کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲: شراب ومردار وخون کی حرمت ان کی نجاست پر دلیل نہیں جو انہیں ناپاک بتائے دلیل پیش کرے۔

مسئلہ نمبر ۳: منی پاک ہے، خنزیر کے نجس ہونے میں اختلاف ہے، بہتا خون پاک ہے۔

مسئلہ نمبر ۴: پگڑی پر مسح کرنا کافی ہے یعنی وضو میں سر کا مسح نہ کیجئے پگڑی پر ہاتھ پھیر لیجئے وضو ہو گیا اگرچہ قرآن عظیم فرمایا کرے ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ ترجمہ: اپنے سروں کا مسح کرو۔

مسئلہ نمبر ۵: جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس کی نماز بغیر غسل کے درست ہے۔

مسئلہ نمبر ٦: وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح فرض ہے۔) ☆

(غیر مقلدین کے ان مسائل کو بیان کرنے کے بعد امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے کتب فقہ کی وہ عبارات نقل کی ہیں جن میں شوافع وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنے کے احکام علماء نے نقل کئے پھر فرماتے ہیں) سبحان اللہ جبکہ بے احتیاط شافعی کے پیچھے نماز جمہور ائمہ کے نزدیک ناجائز، تو ان مبتدعین تہورین کو اہلِ حق وہدایت سے کیا نسبت ان کے پیچھے بدرجہ اولیٰ ناجائز وممنوع تر ہونا چاہئے۔

دلیل نمبر (۴)

حضرت امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "جو متکلم ضروریاتِ عقائد کی بحث میں (کہ جن میں لغزش موجبِ کفر ہوتی ہے) یہ چاہے کہ کسی طرح اس کا مخالف خطا کر جائے وہ کافر ہے کہ اس نے اس کا کافر ہونا چاہا اور مسلمان کو بتلائے کفر چاہنا رضا بالکفر (اس کے کفر پر راضی ہونا) ہے اور رضا بالکفر آپ ہی کفر (ہے)، علماء فرماتے ہیں ایسے متکلم کے پیچھے نماز جائز نہیں۔۔ جب اس متکلم کے پیچھے نماز ناجائز ہوئی جس کے انداز سے کفرِ غیر پر رضا نکلتی ہے تو یہ صریح متعصبین جن کا اصل مقصود تکفیرِ مسلمین (مسلمانوں کو کافر قرار دینا)، دن رات اسی میں ساعی (کوشش کرتے) رہیں اور جب تقریراً وتحریراً اس کی تصرتحسیں کر چکے اور مکابر ہر طرح اپنی ہی بات بالا چاہتا ہے تو قطعاً ان کی خواہش یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان کافر ٹھہریں اور شک نہیں کہ اپنے زعمِ باطل میں اس کی طرف کچھ راہ پائیں تو خوش ہو جائیں اور جب بحمد اللہ مسلمانوں کا کفر سے محفوظ ہونا ثابت ہو غم وغصہ کھائیں تو ان کا حکم کس درجہ اشد ہوگا اور ان کی اقتدا کیونکر روا۔

دلیل نمبر (۵)

یہاں تک تو ان کے بدعت وفسق وغیرہما کی بناپر کلام تھا مگر ایک امر اور اشد واعظم ان کے طائفہ تالفہ سے صادر ہوتا ہے جس کی بناپر ان کے نفسِ اسلام (مسلمان ہونے ہی) میں ہزاروں دقتیں ہیں یہاں تک کہ احادیثِ صریحہ صحیحہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقوال جماہیر فقہائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے ان کا صریح کافر ہونا اور نماز کا ان کے پیچھے محض باطل جانا نکلتا ہے وہ کیا یعنی ان کا تقلید کو شرک اور حنفیہ مالکیہ شافعیہ حنبلیہ سب مقلدان ائمہ کو مشرکین کو بتانا کہ یہ صراحۃً مسلمانوں کو کافر کہنا ہے اور پھر ایک کو نہ دو کو لاکھوں کروڑوں اور پھر آج کل کے ہی نہیں گیارہ سو برس کے عامۂ مومنین کو جن میں بڑے بڑے محبوبانِ حضرت عزت وارکین امت واساطین ملت وحملۂ شریعت وکملۂ طریقت تھے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رسالہ انصاف میں لکھتے ہیں "بعد المائتین ظهر بينهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه" دوصدی کے بعد مسلمانوں میں تقلید شخصی نے ظہور کیا، کوئی کم

ہی رہا جو ایک امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو۔

(رسالہ انصاف، ص 59 مجتبائی، دہلی)

(اس پر متعدد دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں) بالجملہ اصلاً محلِ شبہ نہیں ان صاحبوں نے تقلید کو شرک وکفر اور مقلدین کو کافر و مشرک کہہ کر لاکھوں کروڑوں علماء و اولیاء و صلحاء و اصفیا بلکہ امت مرحومہ محمدیہ علی مولیہا وعلیہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے دس حصوں سے نو کو علی الاعلان کافر و مشرک ٹھہرایا۔۔ اور جو شخص ایک مسلمان کو بھی کافر کہے ظواہر احادیثِ صحیحہ کی بنا پر وہ خود کافر ہے اور طرفہ یہ کہ اس فرقۂ ظاہریہ کو ظاہر احادیث ہی پر عمل کا بڑا دعوٰی ہے۔۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "ایما امرء قال لاخیه كافر فقدباء بها احدهما ان كان كما قال والارجعت عليه" یعنی جو شخص کلمہ گو کو کافر کہے تو اُن دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی اگر جسے کہا وہ حقیقۃً کافر تھا جب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔

(صحیح مسلم، ج 1، ص 57، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "اذا قال الرجل لاخيه ياكافر فقد باء به احدهما" جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کو "یا کافر" کہے تو اُن دونوں میں ایک کا رجوع اس طرف بیشک ہو۔

(صحیح البخاری، ج 2، ص 901، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(مذکورہ بات کہ مسلمان کو کافر کہنے سے کفر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے پر احادیث اور اقوالِ فقہاء سے بہت سے دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں) اہلسنت کو چاہئے ان سے بہت پرہیز رکھیں، ان کے معاملات میں شریک نہ ہوں، اپنے معاملات میں انہیں شریک نہ کریں، ہم اوپر احادیث نقل کر آئے کہ اہلِ بدعت بلکہ فساق کی صحبت و مخالطت سے ممانعت آئی ہے اور بیشک بدمذہب آگ ہیں اور صحبت مؤثر (اثر کرنے والی ہے) اور طبیعتیں سراقہ اور قلوب منقلب (دل بدل جانے والے ہیں)، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "انما مثل الجليس الصالح وجليس السوء كحامل المسك ونافخ الكير فحامل المسك اما ان يحذيك واما ان تبتاع منه واما ان تجدمنه ريحا طيبة ونافخ الكير اما ان يحرق ثيابك واما ان تجدمنه ريحا خبيثة" ترجمہ: نیک ہم نشین اور بدجلیس کی مثال یونہی ہے جیسے ایک کے پاس مشک ہے اور دوسرا دھونکنی دھونکتا ہے مشک والا یا تو تجھے مشک ہبہ کرے گا یا تو اس سے خریدے گا، اور کچھ نہ ہو تو خوشبو تو آئے گی، اور وہ دوسرا یا تیرے کپڑے جلادے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا۔

(صحیح البخاری، ج 2، ص 830، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

خصوصاً اُن کے پیچھے نماز سے تو احتراز واجب، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "ان سركم ان تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم" اگر تمہیں پسند آتا ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے نیک تمہاری امامت کریں۔

(کنز العمال، ج 7، ص 596، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم ''اگر تمہیں اپنی نمازوں کا قبول ہونا خوش آتا ہو تو چاہیے جو تم میں اچھے ہوں وہ تمہارے امام ہوں کہ وہ تمہارے سفیر ہیں تم میں اور تمہارے رب میں۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج3، ص222، دار الفکر، بیروت)

تلخیص فتاوی رضویہ

(جلد 7)

مؤلف

استاذ الفقہ والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

جماعت کا بیان

سوال: امام صف کے کس طرف کھڑا ہو؟

جواب: امام کے لئے سنتِ متوارثہ کہ زمانۂ اقدس رسالت سے اب تک معہود (معروف) ہے وسطِ مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہو تو امام وسطِ صف میں ہو اور یہی جگہ محرابِ حقیقی ومتورث ہے، محرابِ صوری کہ طاق نما ایک خلا وسطِ دیوارِ قبلہ میں بنانا حادث ہے اُسی محرابِ حقیقی کی علامت ہے۔ (ج7،ص37)

سوال: محراب اگر صف کے درمیان میں نہ ہو تو محراب کی رعایت کریں گے یا صف کے وسط کی؟

جواب: یہ علامت اگر غلطی سے غیرِ وسط میں بنائی جائے اس کا اتباع نہ ہوگا مگر مراعاتِ توسط ضروری ہوگی کہ اتباع سنت وانتفائے کراہت وامتثالِ ارشاد حدیث **توسطوا الامام** (امام درمیان میں کھڑا ہو) ہو۔ (ج7،ص37)

سوال: ایک مسجد کا صحن محراب کے ہر دو جانب میں مساوی نہیں ہے بلکہ سیدھے ہاتھ کی جانب ١٦ فٹ بڑھا ہوا ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ جب صحنِ مسجد میں جماعت قائم ہوجائے تو امام کو وسطِ صف کی رعایت لازم ہے یا طاق نما محراب کی رعایت ضروری ہے؟

جواب: جس مسجد میں مسقف (چھت والا) حصہ نہ ہو وہاں یہ محرابِ صوری ہوتی ہی نہیں جیسے افضل المساجد مسجد الحرام شریف، اور اس میں ہر مسجد کا صحن داخل ہے کہ باختلافِ موسم مسجدِ مستقل ہے فقہائے کرام درجہ مسقفہ (چھت والے حصے) کو مسجد شتوی

(سردیوں کی مسجد) کہتے ہیں اور غیر مسقف (جس حصے میں چھت نہ ہو اس) کو مسجد صیفی (گرمیوں کی مسجد) کہتے ہیں۔

جب ان (مسجد شتوی اور صیفی) کے وسط متطابق (برابر) نہ ہوں تو ہر مسجد کے لئے اس کا اپنا وسط معتبر ہے پس صورت مستفسرہ (پوچھی گئی صورت) میں جبکہ مسجدِ صیفی مسجدِ شتوی سے سولہ فٹ جانب راست (سیدھی جانب) زائد ہے تو امام محراب صوری اندرونی کی محاذات سے آٹھ فٹ جانب راست ہٹ کر صحن میں کھڑا ہو کہ اس مسجد کی محراب میں قیام حاصل ہو۔

(ج7،ص37)

سوال: امام کا تنہا مسجد کے اندر والے حصے میں در کے اندر (دو ستونوں کے درمیان) کھڑے ہوکر نماز پڑھانی کیسی ہے اور باہر کا صحن اندر کے صحن سے نیچا بھی ہو۔

جواب: امام کو در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔۔ پھر امام ومقتدیان کا درجہ بدلا ہونا کہ امام درجہ مسقف میں ہے اور سب

مقتدی صحن میں، یہ دوسری کراہت ہے۔۔ پھر اگر در کی کرسی صحن سے بقدرِ امتیاز بلند ہوئی تو یہ تیسری کراہت ہے۔ (ج7ص38)

سوال: دین کے طالب علم پر جماعتِ نمازِ پنجگانہ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: علماء نے طالب و مشتغل علم کو احیاناً (کبھی کبھی) ترکِ جماعت میں معذور رکھا ہے بچند شرائط (چند شرائط کے ساتھ):

(۱) اس کا اشتغال خاص علم فقہ سے ہو کہ مقصودِ اصلی ہے نہ نحو و صرف ولغت و معانی و بیان و بدیع وغیرہا اگر چہ بوجہِ آیت (آلہ ہونے کی وجہ سے) داخلِ علم دین ہیں۔

(۲) اور وہ اشتغال بدرجۂ استغراق ہو جس کے سبب فرصت نہ پائے نہ یہ کہ اشتغالِ فقہ کا بہانہ کر کے جماعت تو ترک کرے اور اپنا وقت بطالت و فضولیات میں گزارے جیسا کہ بہت طلبائے زمانہ کا انداز ہے۔

(۳) یا حالت ایسی ہو کہ کسی وقت اہتمامِ جماعت کے سبب اس کے کام میں حرج واقع ہو جس کا بندوبست نہ کر سکے نہ دوسرا وقت اس کا بدل سکتا ہو مثلاً ایک مجمع طلبہ کے ساتھ فقہ کا درس رکھتا ہے اگر اس جماعت کو جائے یہ جماعت نہ پائے۔

(۴) پھر بایں ہمہ (ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ) کسلِ نفس (نفس کی سستی) کے لئے اس مسئلہ کو حیلہ بنا کر ترکِ جماعت پر مداومت نہ کرے بلکہ احیاناً واقع ہو ورنہ معذور نہ ہوگا بلکہ مستحقِ تعزیر ٹھہرے گا۔ (ج7ص39)

سوال: اگر صفِ اول کے مقتدی امام کے ایسے متصل کھڑے ہوں کہ ان کے پنجے امام کی ایڑی کے برابر ہوں یا ایک بالشت امام کی ایڑی سے پیچھے ہوں اس غرض سے کہ دوسری صف بھی مسجد کے اندر ہو جائے حالانکہ صحن میں جگہ ہے اور صفِ اول کا کوئی مقتدی امام کے پیچھے نہ ہو یعنی عین امام کے پیچھے جگہ خالی ہو، اس صورت میں کراہت ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کیسی کراہت ہوگی؟

جواب: صورت مستفسرہ (پوچھی گئی صورت) میں بیشک کراہت تحریمی ہوگی اور ایسے امر کے مرتکب آثم وگنہگار کہ امام کا صف پر مقدم ہونا سنت دائمہ ہے جس پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ مواظبت فرمائی اور مواظبتِ دائمہ دلیل وجوب ہے اور ترکِ واجب مکروہ تحریمی، اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ۔ (ج7ص40)

سوال: صف میں ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا مس نہ کرنا بلکہ درمیان میں فرجہ چھوڑ دینا کیسا ہے؟

جواب: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکمیلِ صف کا نہایت اہتمام فرماتے اور اس میں کسی جگہ فرجہ چھوڑنے کو سخت ناپسند فرماتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ارشاد ہوتا ''اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی ارٰکم من وراء ظھری'' اپنی صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو کہ بیشک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری، ج 1، ص 100، قدیمی کتب خانہ کراچی)

دوسری حدیث میں ہے ''سدوالخلل فان الشیطان یدخل فیما بینکم بمنزلۃ الحذف ''یعنی صف چھدری نہ رکھو کہ شیطان بھیڑ کے بچے کی وضع پر اس چھوٹی ہوئی جگہ میں داخل ہوتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج 5، ص 262، دار الفکر، بیروت)

ابوداؤد طیالسی کی روایت میں یوں ہے ''اقیموا صفوفکم وتراصوا فوالذی نفسی بیدہ انی لاری الشیاطین بین صفوفکم کانھا غنم عفر ''اپنی صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک میں شیاطین کو تمہاری صفوں میں دیکھتا ہوں گویا وہ بکریاں ہیں بھکسے رنگ کی۔

(مسند ابوداؤد الطیالسی، ص 282، دار المعرفۃ، بیروت)

فائدہ: بھیڑ بکری کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اکثر دیکھا ہے کہ جہاں چند آدمی کھڑے دیکھے اور دو شخصوں کے بیچ میں کچھ فاصلہ پایا وہ اس فرجہ میں داخل ہو کر اِدھر سے اُدھر نکلتے ہیں یوں ہی شیطان جب صف میں جگہ خالی پاتا ہے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کو آ گھستا ہے اور بھکسے رنگ کی تخصیص شاید اس لئے ہے کہ حجاز کی بکریاں اکثر اسی رنگ کی ہیں یا شیاطین اس وقت اسی شکل پر متشکل ہوئے۔

(اس کے بعد امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے احادیث وفقہ سے کچھ ایسے احکام بیان فرمائے جن سے پتا چلتا کہ صف کا رخنہ (فرجہ) بند کرنا شرعاً کس قدر مطلوب ہے، فرماتے ہیں)

اگر اگلی صف میں کچھ فرجہ رہ گیا اور نیتیں باندھ لیں اب کوئی مسلمان آیا وہ اس فرجہ میں کھڑا ہونا چاہتا ہے مقتدیوں پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے تو انہیں حکم ہے کہ دب جائیں اور جگہ دے دیں تاکہ صف بھر جائے۔

اور نہایت یہ کہ اگر اگلی صف والوں نے فرجہ چھوڑا اور صفِ دوم نے بھی اس کا خیال نہ کیا مگر اپنی صف گھنی کر لی اور نیتیں بندھ گئیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ صفِ اول والوں نے بے اعتدالی کی تھی تو یہ پہلے اس کی تکمیل کر کے دوسری صف باندھتے، اب ایک شخص آیا اور اس نے صفِ اول کا رخنہ دیکھا اسے اجازت ہے کہ اس دوسری صف کو چیر کر جائے اور فرجہ بھر دے کہ صفِ دوم بے خیالی کر کے آپ تقصیروار ہے اور اس کا چیرنا روا۔

یونہی اس رخنہ بندی کے لئے پچھلی صف کے نمازیوں کے آگے گزرنا جائز ہے کہ انہوں نے خود اس امرِ عظیم میں بے پروائی کر کے جس کا شرع میں اس درجہ اہتمام تھا اپنی حرمت ساقط کر دی۔ حدیث میں ہے ''من نظر الی فرجۃ فی صف فلیسدھا بنفسہ فان لم یفعل فمرمار فلیتخط علی رقبتہ فانہ لاحرمۃ لہ ''یعنی جسے صف میں فرجہ نظر آئے وہ خود وہاں کھڑا ہو کر اسے بند کر دے اگر اس نے نہ کیا اور دوسرا آیا تو وہ اس کی گردن پر قدم رکھ کر چلا جائے کہ اس کے لئے کوئی حرمت نہ

رہی۔ (المعجم الکبیر،ج 11،ص 105،مکتبہ فیصلیہ،بیروت)

یونہی اگر صفِ دوم میں کوئی شخص نیت باندھ چکا اس کے بعد اسے صفِ اول کا رخنہ نظر آیا تو اجازت ہے کہ عین نماز کی حالت میں چلے اور جا کر فرجہ بند کر دے کہ یہ مشی قلیل (تھوڑا چلنا) حکمِ شرع کے امتثال (پیروی) کو واقع ہوئی، ہاں دو صف کے فاصلہ سے نہ جائے کہ مشی کثیر ہو جائے گی۔

یہ احکام فقہ وحدیث باعلٰی ندا منادی (اونچی آواز سے نداء کررہے ہیں) کہ وصلِ صفوف اور ان کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترکِ فرجہ ممنوع وناجائز، یہاں تک کہ اس کے دفع کو نمازی کے سامنے گزر جانے کی اجازت ہوئی جس کی بابت حدیثوں میں سخت نہی وارد تھی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں''لویعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه لکان ان یقف اربعین خیراله من ان یمر بین یدیه'' اگر نمازی کے سامنے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس برس کھڑا رہنا اس گزر جانے سے اس کے حق میں بہتر تھا۔ (صحیح البخاری،ج 1،ص 72،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

حافظ نے بلوغ المرام میں کہا کہ مسند بزار میں ایک اور سند سے مروی الفاظ یہ ہیں''اربعین خریفاً'' چالیس سال۔ میں کہتا ہوں احادیث آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ (ج 7،ص 41 تا 47)

سوال: آٹھ نو برس کا سمجھ دار لڑکا جو نماز خوب جانتا ہے اگر تنہا ہو تو آیا اسے یہ حکم ہے کہ صف سے دور کھڑا ہو یا صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے؟

جواب :صورتِ مستفسرہ میں اسے صف سے دور یعنی بیچ میں فاصلہ چھوڑ کر کھڑا کرنا تو منع ہے۔ اور یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ وہ صف کے بائیں ہی ہاتھ کو کھڑا ہو علماء اسے صف میں آنے اور مردوں کے درمیان کھڑے ہونے کی صاف اجازت دیتے ہیں۔

بعض بے علم جو یہ ظلم کرتے ہیں کہ لڑکا پہلے سے داخلِ نماز ہے اب یہ آئے تو اسے نیت بندھا ہوا ہٹا کر کنارے کر دیتے اور خود بیچ میں کھڑے ہو جاتے ہیں یہ محض جہالت ہے، اسی طرح یہ خیال کہ لڑکا برابر کھڑا ہو تو مرد کی نماز نہ ہوگی غلط وخطا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ (ج 7،ص 51)

سوال :اگر کوئی نماز کسی وجہ سے دہرائی جائے تو وہ شخص کہ پہلے اس نماز میں شریک نہیں تھا وہ جماعتِ ثانیہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: نماز اگر ترکِ فرض کے سبب دہرائی جائے نیا شخص شریک ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ (ج 7،ص 52)

سوال :امام فرض پڑھا رہا ہے ایک مقتدی دوسری یا تیسری رکعت میں ملا تو اس کی جو رکعتیں فرض چھوٹ گئی ہیں

جب اپنی پڑھے گا تو آوازِ بلند پڑھے یا آہستہ؟

جواب :علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات میں منفرد ہے، اور تصریح فرماتے ہیں کہ منفرد کو جہری رکعتوں میں جہر جائز بلکہ افضل ہے مگر اس میں یہ دقت ہے کہ منفرد کا جہر اور کے شامل ہونے کا داعی (دعوت دینے والا) ہوگا اور یہ دعوتِ خیر ہے کہ دونوں کو جماعت مل جائے گی لیکن مسبوق کا جہر کہ ناواقف کو شرکت کی طرف داعی ہو، امر ناجائز کی طرف داعی ہوگا اور اس کا وہ عمل باطل ہو جائے گا لہٰذا یہی اصوب (زیادہ درست) معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہر نہ کرے۔

(ج7،ص52)

سوال :امام رمضان میں جمعۃ الوداع کو فجر سے عشاء تک پانچ نمازیں جہر کے ساتھ قضاء عمری کے طور پر پڑھائے تو کیا سب عمر بھر کی قضا ادا ہو جائے گی؟

جواب :یہ قضاء عمری کی جماعت جاہلوں کی ایجاد اور محض ناجائز و باطل ہے۔ (ج7،ص52)

سوال:نمازِ جُمُعَہ میں اگر کوئی شخص تشہد میں شریک ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب:سلام سے پہلے جو شریک ہو گیا اسے جُمُعَہ مل گیا۔ (ج7،ص52)

سوال:اگر مقتدی ابھی التحیات پوری نہ کرنے پایا تھا کہ امام کھڑا ہو گیا یا سلام پھیر دیا تو مقتدی التحیات پوری کرلے یا اتنی ہی پڑھ کر چھوڑ دے؟

جواب:ہر صورت میں پوری کرلے اگرچہ اس میں کتنی ہی دیر ہو جائے۔ (ج7،ص52)

سوال:زید نمازِ فرض پڑھ رہا تھا، دو شخص مسجد میں داخل ہوئے اور انہوں نے اپنی اپنی نماز پڑھی، زید کے مقتدی نہ بنے، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا ان کی نماز درست ہوئی؟

جواب:اگر زید قابلِ امامت تھا اور انہیں معلوم تھا کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اور انہوں نے اقتدا نہ کی بلکہ جدا جدا فرض پڑھے تو اگر جماعت اولیٰ ہو چکی ہے جب تو فضل سے محروم رہے اور اگر یہی جماعت اولیٰ ہوئی تو گنہگار ہوئے اور اگر زید قابلِ امامت نہیں اور ان دونوں میں کوئی قابل امامت تھا تو اب بھی وہی احکام ہیں، اور اگر ان میں بھی کوئی قابل امامت نہیں تو اصلاً حرج نہ ہوا اور نماز تینوں صورتوں میں مطلقاً ہو جائے گی۔ (ج7،ص53)

سوال :اگر ہیجڑا یا عورت یا نابالغ یا شیعہ جن کی امامت بالاتفاق ناجائز ہے نماز فرض پڑھ رہا ہے مسجد میں یا باہر، اور زید بھی نمازِ فرض پڑھنا چاہتا ہے، آیا اسی مصلے پر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہ؟ کیا اس شخص کی نماز ختم ہونے تک زید کو انتظار لازم ہے؟

جواب:پڑھ سکتا ہے اور ختمِ نماز تک انتظار کرنا کچھ ضرور نہیں۔ (ج7،ص53)

سوال: جماعتِ ثانیہ کی نسبت کیا حکم ہے؟ یہاں بعض لوگ اس کی ممانعت میں شدت کرتے ہیں، جماعتِ اولیٰ کے بعد آٹھ آٹھ دس دس آدمی جمع ہو جاتے ہیں مگر جماعت نہیں کراتے برابر کھڑے ہو کر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں یہ کیسا ہے؟

جواب: (۱) مسجد اگر شارعِ عام یا بازار کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں جب تو بالاجماع اس میں تکرارِ جماعت باذانِ جدید وتکبیرِ جدید (نئی اذان اور نئی تکبیر کے ساتھ) جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بہ نوبت جو لوگ آئیں نئی اذان واقامت سے جماعت کرتے جائیں۔

(۲) اور اگر مسجد محلہ ہے تو اگر اس کے غیر اہل جماعت کر گئے ہیں تو اہلِ محلہ کو تکرارِ جماعت بلاشبہ جائز۔

(۳) یا اول اہلِ محلہ ہی نے جماعت کی مگر بے اذان پڑھ گئے۔

(۴) یا اذان آہستہ دی تو ان کے بعد آنے والے باذانِ جدید بروجہِ سنت اعادۂ جماعت کریں۔

(۵) یا اگر امام میں کسی نقص قرأت وغیرہ یا فسق یا مخالفتِ مذہب کے باعث جماعت اولیٰ فاسد یا مطلقاً مکروہہ یا باقی ماندہ لوگوں کے حق میں غیر اکمل واقع ہوئی جب بھی انہیں اعادۂ جماعت سے مانع نہیں۔

یہ سب صورتیں تو قطعی یقینی ہیں اب رہی ایک صورت کہ مسجد مسجدِ محلہ ہے اور اس کے اہل بروجہ مسنون اذان دے کر امام نظیف موافق المذہب کے پیچھے جماعت کر چکے اب غیر لوگ یا اہل محلہ ہی سے جو باقی رہ گئے تھے آئے، انہیں بھی اس مسجد میں جماعتِ ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ مختلف فیہا (اس میں اختلاف) ہے۔۔ اور قولِ محقق منقح (تحقیق شدہ اور تنقیح شدہ قول) یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اذانِ جدید کے ساتھ اعادۂ جماعت کریں تو مکروہ تحریمی، ورنہ اگر محراب نہ بدلیں تو مکروہ تنزیہی ورنہ اصلاً کسی طرح کی کراہت نہیں، یہی صحیح ہے اور یہی ماخوذ للفتوی۔

(دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں)

بالجملہ جماعتِ ثانیہ جس طرح عامۂ بلاد میں رائج ومعمول (ہیں) درر ومنح وخزائن شروح معتمدہ کے طور پر تو بالاجماع اور عند التحقیق قولِ صحیح ومفتی بہ پر بلاکراہت جائز ہے کہ دوسری جماعت والے تجدیدِ اذان نہیں کرتے اور محراب سے ہٹ ہی کر کھڑے ہوتے ہیں اور ہم پر لازم کہ ائمۂ فتوی جس امر کی ترجیح وتصحیح فرما گئے اس کا اتباع کریں۔ درمختار میں ہے "اما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وماصححوہ کما لوافتونا فی حیاتھم" ترجمہ: رہا ہمارا معاملہ تو ہم پر اس قول کی اتباع لازم ہے جسے علماء نے ترجیح دی اور جس کی انہوں نے تصحیح فرمائی، جیسے اس صورت میں ہم پر ان کی پیروی لازم تھی کہ اگر وہ ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے اور فتوی دیتے۔ (درمختار، ج1، ص15، مطبع مجتبائی، دہلی)

پھر خلافِ صحیح مذہب اختیار کر کے اسے ناجائز وممنوع بتانا اور اس کے سبب لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو گنہگار ٹھہرانا محض بے جا ہے۔

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں): حالِ زمانہ کی رعایت اور مصلحتِ وقت کا لحاظ بھی مفتی پر واجب، علماء فرماتے ہیں ''من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل'' ترجمہ: جو شخص اپنے دور کے لوگوں کے احوال سے آگاہ نہیں وہ جاہل ہے۔

اب دیکھئے کہ جماعتِ ثانیہ کی بندش میں کوشش وکاوش سے یہ تو نہ ہوا کہ عوام جماعتِ اولیٰ کا التزامِ تام کر لیتے، رہا وہی کہ کچھ آئے کچھ نہ آئے، ہاں یہ ہوا کہ آٹھ آٹھ دس دس جو رہ جاتے ہیں ایک مسجد میں ایک وقت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر ناحق روافض سے مشابہت پاتے ہیں۔ حضرات مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے زمانے میں ایسی مشابہت پیدا ہونا درکنار خود جماعت کی برکات عالیہ ظاہریہ وباطنیہ سے محروم رہنا ایک سخت تازیانہ (کوڑا) تھا جس کے ڈر سے عوام خواہی نخواہی جماعت اولیٰ کی کوشش کرتے، اب وہ خوف بالائے طاق اور اہتمامِ التزام معلوم۔

جماعت کی جو قدر رے وقعت نگاہوں میں ہے کہ اگر رہ گئے اور تنہا پڑھی ایک طرح کی خجلت وندامت ہوتی ہے جب بفتوی مفتیان یہی انداز رہے اور گروہ کے گروہ اکیلے اکیلے پڑھا کئے تو۔۔شدہ شدہ عادت پڑ جاتی ہے چندروز میں یہ رہی سہی وقعت بھی نظر سے گر جائے گی اور اس کے ساتھ ہی سستی وکاہلی اپنی نہایت پر آئے گی۔

اب تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ خیر اگر پہلی جماعت فوت ہوئی ایسی دیر تو نہ کیجئے کہ اکیلے ہی رہ جائیں اور تنہا پڑھ کر محرومی وندامت کا صدمہ اٹھائیں، جب یہ ہوگا کہ جماعت تو آخر ہو چکی اول ہو چکی اب جماعت تو ملنے سے رہی اپنی اکیلی نماز ہے جب جی میں آیا پڑھ لیں گے یا پھر مسجد کی بھی کیا حاجت ہے لاؤ گھر ہی میں سہی، لہٰذا ائمہ فتوی رحمہم اللہ تبارک وتعالیٰ کچھ سوچ سمجھ کر ترجیح وتصحیح فرمایا کرتے ہیں من وتو سے ان کے علومِ وسیعہ عقولِ رفیعہ لاکھوں درجے بلند وبالا ہیں روایت ودرایت ومصالحِ شریعت وزمانہ وحالت کو جیسا وہ جانتے ہیں دوسرا کیا جانے لگا۔

تنبیہ: مگر یہ ان کے لئے ہے جو احیاناً کسی عذر کے باعث حاضریٔ جماعتِ اولیٰ سے محروم رہے نہ یہ کہ جماعتِ ثانیہ کے بھروسہ پر قصداً بلا عذرِ مقبول شرعی جماعتِ اولیٰ ترک کریں یہ بلاشبہہ ناجائز ہے۔ (ج7ص54تا57)

سوال: وہ جماعت جو کراہتِ تحریمی پر مشتمل ہے جیسے پانچ چھ مقتدی امام کے برابر کھڑے ہیں یا امام نے آستین کہنیوں تک چڑھائی ہوئی ہیں یا وہ کلام مجید صحیح نہیں پڑھتا اس میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟

جواب: غلط خوانیٔ امام اگر تاحدِ فساد ہے جب تو ظاہر کہ اس جماعت میں شرکت نہ کی جائے کہ شرعاً وہ جماعت ونماز ہی نہیں اور اگر صرف اس قدر کہ مثلاً حرفِ صحیح تو خوب ادا کر لیتا ہے مگر پورے اوصاف زائد مثل تفخیم وترقیق لام وراء (لام اور راء کو

موٹا اور پتلا پڑھنا) وغیرہما نہیں ادا ہوتے یا اظہار و اخفا یا مد و قصر و تحقیق و تسہیل وغیرہا ان قواعدِ تجوید کی رعایت نہیں کرتا جن کی مراعات اگرچہ تجویداً واجب ہو فقہاً صحتِ نماز کے لئے کچھ ضرور نہیں تو ضرور شریک ہو کہ جماعت کا ترک یا اس سے اعراض صرف اتنی بات پر ہرگز روا (جائز) نہیں۔

یونہی اگر جماعت کراہت تحریم پر مشتمل ہو تو شرکت نہ کرے فان سلب المفاسد اھم من جلب المصالح (کیونکہ مفسدات کو ختم کرنا مصلحات کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے) اور اگر صرف کراہۃ تنزیہیہ ہو جیسے امامت فاسق غیر معلن میں تو اگر دوسری جماعتِ پاکیزہ ملے اس میں بھی شرکت نہ چاہئے ورنہ شریک ہو جائے کہ ترکِ جماعت کراہت تنزیہی سے اشد ہے بخلاف کراہت تحریم کہ اس کا مرتبہ قولِ سنیتِ جماعت پر ترکِ جماعت سے بدتر، اور مسلکِ معتمدین وجوب جماعت پر ہمسر و برابر ہے۔ (ج7، ص58)

سوال: امام کے ساتھ ایک مقتدی برابر کھڑا ہے دوسرا اور آیا نہ وہ مقتدی اول پیچھے ہٹا نہ امام آگے بڑھا، تو یہ اس مقتدی کو نیت باندھ کر کھینچے یا بے نیت باندھے؟

جواب: دونوں صورتیں جائز ہیں۔ مگر یہاں واجب التنبیہ یہ بات کہ کھینچنا اسی کو چاہئے جو ذی علم ہو یعنی اس مسئلہ کی نیت سے آگاہ ہو ورنہ نہ کھینچے کہ مبادا (کہیں ایسا نہ ہو کہ) وہ بسببِ ناواقفی اپنی نماز فاسد کرلے۔

تحقیق منقح اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نماز میں جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے سوا دوسرے سے کلام کرنا مفسد ہے یونہی اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے سوا کسی کا کہنا ماننا، پس اگر ایک شخص نے کسی نمازی کو پیچھے کھینچا یا آگے بڑھنے کو کہا اور وہ اس کا حکم مان کر پیچھے ہٹا نماز جاتی رہی اگرچہ یہ حکم دینے والا نیت باندھ چکا ہو اور اگر اس کے حکم سے کام نہ رکھا بلکہ مسئلۂ شرع کے لحاظ سے حرکت کی تو نماز میں کچھ خلل نہیں اگرچہ اس کہنے والے نے نیت نہ باندھی ہو اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کے کہتے ہی فوراً حرکت نہ کرے بلکہ ایک ذرہ تامل کرلے تاکہ بظاہر غیر کے حکم ماننے کی صورت بھی نہ رہے جب فرق صرف نیت کا ہے اور زمانہ پر جہل غالب، تو عجب نہیں کہ عوام اس فرق سے غافل ہو کر بلاوجہ اپنی نماز خراب کرلیں، ولہٰذا علماء نے فرمایا: غیر ذی علم کو اصلاً نہ کھینچے اور یہاں ذی علم وہ جو اس مسئلہ اور نیت کے فرق سے آگاہ ہو۔ (ج7، ص60)

رہا یہ کہ جب نہ مقتدی ہٹے نہ امام بڑھے نہ وہ ذی علم ہو کہ یہ کھینچ سکے یا مثلاً امام قعدۂ اخیرہ میں ہو جہاں ان باتوں کا محل ہی نہیں تو ایسی صورت میں اس آنے والے کو کیا کرنا چاہئے، اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو اس کے بائیں ہاتھ پر مل جائے کہ امام کے برابر دو مقتدیوں کا ہونا صرف خلاف اولیٰ ہے۔

اور اگر پہلے سے دو ہیں تو یہ پیچھے شامل ہو جائے کہ امام کے برابر تین مقتدیوں کا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ (ج7، ص62)

سوال: سورۂ اخلاص پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر روایت میں ہے" قل ھو اللّٰہ احد تعدل ثلث القرآن "ترجمہ قل ھو اللہ احد یعنی سورہ اخلاص کی تلاوت قرآن کی تہائی کے برابر ہے۔ (صحیح البخاری، ج2ص750، قدیمی کتب خانہ کراچی)(ج7ص70)

سوال: ایک شخص کسی عذرِ شرعی کی وجہ سے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا، اس صورت میں اسے جماعت کا ثواب ملے گا؟

جواب: نہ ایسی حالت میں بے ادائے جماعت ثواب جماعت ملنا ثابت۔ قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر و العلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ فی مسألۃ الاعمی وقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لہ ماأجدلک رخصۃ معناہ لااجد لک رخصۃ تحصل لک فضیلۃ الجماعۃ من غیر حضورھا لاالایجاب علی الاعمی لانہ علیہ الصلوۃ والسلام رخص لعتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی مافی الصحیحین "ترجمہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیۃ میں مسئلہ اعمٰی کے تحت یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نابینا کو فرمانا کہ "میں تیرے لئے رخصت نہیں پاتا" اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیرے لئے جماعت کی فضیلت وثواب بغیر حاضری جماعت کے نہیں پاتا اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ نے حاضری جماعت کے نابینا پر لازم فرمائی کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دوسرے صحابی عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی عذر کی بنا پر جماعت سے رخصت عنایت فرمائی ہے جیسا کہ بخاری ومسلم میں موجود ہے۔

(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ،ص510، سہیل اکیڈمی)(ج7ص71)

سوال: ایک شخص اپنے ایک پیر سے معذور ہے چونکہ اس کو شب کو دوبارہ مسجد میں آنے سے تکلیف ہوتی ہے تو وہ شخص مسجد میں قبلِ اذان وجماعت کے اپنی نماز عشاء ہمراہ ایک شخص کے اقامت کہہ کر پڑھ لیتا ہے پس شخصِ مذکور کو جماعت کا ثواب ہوگا یا نہ؟ اور جو جماعت مع اذان کے بعد کو ہوگی اس میں کچھ کراہت ہوگی یا نہ؟ نیز چند شخصوں کو کوئی ضرورت درپیش ہے وہ چند شخص قبل اذان وجماعت اپنی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھیں جائز ہے یا نہ؟

جواب: اس معذور اور اس کے شریک اور ان ضرورت والوں کا یہ فعل جماعتِ مسنونہ معتبرۂ شرعیہ نہیں بلکہ مکروہ ممنوعہ ہے اور جو جماعت باذان واقامت اس کے بعد ہوگی اس میں کچھ کراہت نہ ہوگی بلکہ وہی جماعت مسنونہ وجماعت اولیٰ ہے۔

ثانیاً جب یہ جماعت جماعت نہیں تو دقیق نظر حاکم (گہری نظر یہ فیصلہ کرے گی) کہ ان کا یہ فعل بعدِ دخولِ وقت مسجد سے بے نیت شہود جماعت باہر جانا ہوا یہ بھی مکروہ اور حدیث میں اس پر وعیدِ شدید وارد، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے

ہیں"من ادرکه الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجة وھو لایرید الرجعة فھو منافق "ترجمہ: جس نے اذان کو مسجد میں پایا پھر وہاں سے نکل گیا حالانکہ اسے نکلنے کی کوئی حاجت بھی نہ تھی اور واپسی کا ارادہ نہ رکھتا ہوتو وہ منافق ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ص 54، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) (ج 7 ص 78)

سوال : مذکورہ پیر سے معذور شخص کے ساتھ جو نماز پڑھتا ہے اور بعد والی جماعت فوت کر کے جلدی اس لئے جاتا ہے کہ کہیں اس کی تہجد فوت نہ ہو جائے، یہ جائز یا ناجائز؟

جواب: خوفِ فوتِ تہجد نہ ترک جماعت ماموربہا (جس کا جماعت کا حکم دیا گیا ہے اس کے ترک) کا مجوز (جائز کرنے والا) ہوسکتا ہے نہ بعدِ دخولِ وقت بے شرکتِ جماعتِ شرعیہ مسجد سے نکل جانے کا مبیح (مباح کرنے والا)، نہ جماعت مکروہہ ممنوعہ کا داعی نہ خود اس عذر کا غالباً کوئی محصل صحیح۔

غرض یہ بہانہ مسموع نہیں اگر چہ تہجد سنت ہی سہی کہ

اولاً وہ برتقدیر سنیت بھی معارضۂ جماعت کا صالح نہیں دربارۂ تہجد صرف ترغیبات ہیں اور ترک جماعت پر سخت ہولناک وعیدیں کہ حکمِ کفر تک وارد۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں فرمایا" لو ترکتم سنة نبیکم لکفرتم " (سنن ابی داؤد، ج 1 ص 81، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور جماعتِ عشا کے نہ حاضر ہونے پر گھر جلا دینے کا قصد فرمانا ثابت۔ کما فی الصحیحین من حدیث ابی ھریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم (جیسا کہ بخاری و مسلم میں اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا) (صحیح البخاری، ج 1 ص 90، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ثانیاً فوتِ سنتِ آئندہ کے خوفِ متیقن سے فی الحال اپنے ہاتھوں سنتِ جلیلہ چھوڑ دینے کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص مرگ فردا (مستقبل میں مرنے) کے اندیشہ سے آج خودکشی کر لے۔

ثالثاً یہ کہ جاگنے میں قصداً مکروہات و منہیاتِ شرعیہ کا ارتکاب ہوگا اور تہجد نہ بھی ملا تو حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوم میں تفریط (قصور) نہ رکھی۔ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا"لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظة "ترجمہ: تفریط نیند میں نہیں بلکہ بیداری میں ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج 1 ص 64، آفتاب عالم پریس، لاہور)

بلکہ بہ نیتِ تہجد سونے والے کو اگر چہ تہجد نہ پائے ثوابِ تہجد کا وعدہ فرمایا اور اس کی نیند کو رب العزت جل جلالہ کی طرف سے صدقہ بتایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" من اتی فراشه وھو ینوی ان یقوم فیصلی من اللیل فغلبته عیناہ حتی یصبح کتب له ما نوی وکان نومه صدقة علیه من ربه عزوجل "ترجمہ: جو شخص بستر پر اس نیت سے لیٹا کہ رات کو اٹھ کر

نماز (تہجد) پڑھے گا مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح تک اس کی آنکھ نہ کھلی تو اسے اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا اور اس کی نیند اللہ عزوجل کی طرف سے اس پر صدقہ ہوگی۔ (سنن ابن ماجہ، ص96، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو حثمہ اور ان کے صاحبزادہ سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جماعت صبح میں نہ دیکھا ان کی زوجہ اور ان کی والدہ شفا رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سبب پوچھا، کہا نماز شب کے سبب نیند نے غلبہ کیا نماز صبح پڑھ کر سو رہے، فرمایا: مجھے جماعت صبح میں حاضر ہونا نماز تمام شب سے محبوب تر ہے۔

(المصنف لعبد الرزاق، ج1، ص526، مکتب اسلامی، بیروت) (ج7، ص81 تا 84)

سوال :ایک شخص ہمیشہ قیلولہ (دن میں آرام) اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعتِ اولیٰ ترک ہو جاتی ہے اور عذر اس کا خوفِ فوتِ تہجد ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب :اس مسئلہ میں جوابِ حق اور حق جواب یہ ہے کہ عذر مذکور فی السؤال (سوال میں مذکور عذر) سرے سے بیہودہ سراپا اہمال ہے وہ زعم (گمان) کرتا ہے کہ سنتِ تہجد کا حفظ و پاس اسے تفویتِ جماعت (جماعت فوت کرنے) پر باعث ہوتا ہے اگر تہجد بروجہِ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوتِ واجب سے اس کی محافظت کرتا نہ کہ الٹا فوت کا سبب ہوتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿ان الصلٰوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''علیکم بقیام اللیل فانه داب الصلحین قبلکم وقربة الی اللّٰه تعالیٰ ومنهاة عن الاثم وتکفیر للسیأت ومطردة للداء عن الجسد'' تہجد کی ملازمت کرو کہ وہ اگلے نیکوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہ سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دور کرنے والا۔

(جامع الترمذی، ج2، ص194، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

تو فوتِ جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے اگر میزانِ شرعِ مطہر (شرع مطہر کا ترازو) لے کر اپنے احوال وافعال تولے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا بھلا یہ تہجد وقیلولہ وہ ہیں جو اس نے خود ایجاد کئے جب تو انہیں تفویتِ شعارِ عظیم اسلام (اسلام کے عظیم شعار کو فوت کرنے) کے لئے کیوں عذر بناتا ہے اور اگر وہ ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قولاً وفعلاً منقول ہوئے تو بتایئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب ایسے تہجد وقیلولہ کی طرف بلایا جن سے جماعتِ فریضہ فوت ہو، کیا قرآن وحدیث ایسے ہی تہجد کی ترغیب دیتے ہیں؟ کیا سلف صالح نے ایسے ہی قیام لیل کئے ہیں؟

یا ہذا (اے شخص) سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہِ سنت ادا کر، یہ کیا کہ سنت لیجئے اور واجب فوت کیجئے، ذرا بگوش

ہوش (ہوش کے کانوں سے) سن اگر چہ حق تلخ (کڑوا) گزرے، وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیانِ زمانہ پر پیش کرے جس کا خیال ترغیباتِ تہجد کی طرف جائے تجھے تفویتِ جماعت کی اجازت دے جس کی نظر تاکیداتِ جماعت پر جائے تجھے ترکِ تہجد کی مشورت دے کہ من ابتلی ببلیتین اختار اھو نھما (دو بلاؤں میں مبتلا شخص ان دو میں سے آسان کو اختیار کرے) بہر حال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے مگر حاشا خدام فقہ وحدیث نہ تجھے تفویتِ واجب کا فتوٰی دیں گے نہ عادی تہجد کو ترکِ تہجد کی ہدایت کر کے ارشادِ حضور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم " یا عبداللہ لاتکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك قیام اللیل " ترجمہ: اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جو رات کا قیام کرتا تھا مگر اب اس نے ترک کر دیا۔

(صحیح البخاری، ج 1 ص 154، قدیمی کتب خانہ کراچی)

کا خلاف کریں گے۔

یہ اس لئے کہ وہ بتوفیقہ عزوجل (اللہ تعالیٰ کی توفیق سے) حقیقتِ امر سے آگاہ ہیں ان کے یہاں عقلِ سلیم ونظرِ قویم دو عادل گواہ شہادت دے چکے ہیں کہ تہجد وجماعت میں تعارض نہیں ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں بلکہ یہ ہوائے نفسِ شریر (نفس شریر کی خواہش) وسوئے طرزِ تدبیر (برے طریقۂ تدبیر) سے ناشی (پیدا) ہوا۔

یاھذا (اے شخص) اگر تو وقتِ جماعت جاگتا ہوتا اور بطلبِ آرام پڑا رہتا ہے جب تو صراحۃً آثم (گناہ گار) وتارکِ واجب، اور اس عذرِ باطل میں مبطل وکاذب ہے۔

اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ کہ یہ فتنۂ خواب (سونے کا فتنہ) کیونکر جاگا اور یہ فسادِ عجاب (عجیب فساد) کہاں سے پیدا ہوا اس کی تدبیر کر، کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقتِ جماعت نزدیک ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا، یوں ہے تو اول وقت خواب کر، اولیائے کرام قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم نے قیلولہ کے لئے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز وتلاوت نہیں یعنی ضحوہ کبرٰی سے نصف النہار تک، وہ فرماتے ہیں چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر خواب (نیند) خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہئے کہ پیش از زوال وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر وقتِ زوال کہ ابتدائے ظہر ہے ذکر وتلاوت میں مشغول ہو۔

ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال (زوال سے پہلے) بیدار ہو لیا اس سے فوتِ جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں، کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے، اچھا ٹھیک دوپہر کو سو مگر نہ اتنا کہ وقتِ جماعت آ جائے، ایک ساعتِ قلیلہ قیلولہ بس ہے، اگر طولِ خواب سے خوف کرتا ہے (تو یہ تدابیر کر کہ)

(۱) تکیہ نہ رکھ بچھونا نہ بچھا کہ بے تکیہ وبے بستر سونا بھی مسنون ہے۔

(۲) سوتے وقت دل کو خیالِ جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی۔

(۳) کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقتِ نوم (نیند کے وقت) تک بخاراتِ طعام فرو (ختم) ہولیں اور طول منام (لمبی نیند) کے باعث نہ ہوں۔

(۴) سب سے بہتر علاج تقلیل غذا (کم غذا) ہے، سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ماملأ ادمیّ وعاءً شرًا من بطنه بحسب ابن أدم اكلاتٌ يقمن صلبه فان كان لامحاله فثلث لطعامه وثلث لشرابه وثلث لنفسه" آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لئے تہائی پانی تہائی سانس کو رکھے۔ (جامع الترمذی، ج2، ص60، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

پیٹ بھر کر قیامِ لیل کا شوق رکھنا بانجھ سے بچہ مانگنا ہے، جو بہت کھائے گا بہت پئے گا، جو بہت پئے گا بہت سوئے گا، جو بہت سوئے گا آپ ہی یہ خیرات و برکات کھوئے گا

حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "ان كثرة الاكل شؤم" بیشک بہت کھانا منحوس ہے۔

(شعب الایمان، ج5، ص32، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۵) یوں بھی نہ گزرے تو قیامِ لیل میں تخفیف کر دو رکعتیں خفیف وتام بعد نمازِ عشاء ذرا سونے کے بعد شب میں کسی وقت پڑھنی اگرچہ آدھی رات سے پہلے ادائے تہجد کو بس ہیں، مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں تہجد ہو گیا، حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "يحسب احدكم اذاقام من الليل يصلي حتى يصبح انه قدتهجد انما التهجد المرء يصلي الصلوة بعد رقدة" تم میں کسی کا یہ گمان ہے کہ رات کو اٹھ کر صبح تک نماز پڑھے جبھی تہجد ہو تہجد صرف اس کا نام ہے کہ آدمی ذرا سو کر نماز پڑھے۔ (المعجم الکبیر، ج3، ص225، مکتبہ فیصلیہ، بیروت)

(٦) سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیقِ جماعت کی دعا اور اس پر سچا توکل مولیٰ تبارک وتعالیٰ جب تیرا حسنِ نیت وصدقِ عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ ﴿من يتوكل على الله فهو حسبه﴾ ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ پر توکل وبھروسہ کرتا ہے اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

(۷) اپنے اہلِ خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعین کر کہ وقتِ جماعت سے پہلے جگادے۔

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے ان شاء اللہ تعالیٰ فوتِ جماعت سے محفوظ ہوگا اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی اور جگانے والا بھی بھول گیا یا سو رہا۔ تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا اور امید ہے کہ صدقِ نیت وحسنِ تدبیر پر ثواب جماعت پائے گا۔

کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دو پہر سے اس تک سونے کا وقفہ نہیں جب تو سب وقتوں سے چھوٹ گیا سو کر پڑھی یا پڑھ کر سوئے بات تو ایک ہی ہے جماعت پڑھ ہی کر سوئے کہ خوفِ فوت اصلاً نہ رہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم روزِ جمعہ کیا کرتے تھے۔

غرض یہ تین صورتیں ہیں پیش از زوال سو اٹھنا، بعدِ جماعت سونا ان میں کوئی خدشہ ہی نہیں، اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں رب عزوجل سے ڈرے اور بصدقِ عزیمت ان پر عمل کرے پھر دیکھیں کیونکر تہجد تفویتِ جماعت کا موجب (سبب) ہوتا ہے، بالجملہ مہر نیمروز (نصف دن کے سورج) کی طرح روشن ہوا کہ عذرِ مذکور یکسر مدفوع ومحض نامسموع، جماعت وتہجد میں اصلاً تعارض نہیں کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز کیجئے اور بوجہِ تعذرِ جمع (دونوں کے اجتماع کے عذر کی وجہ سے) راہِ ترجیح لیجئے۔ (ج7،ص85تا91)

سوال: اگر بالفرض وہ شخص ظہر کی جماعتِ اولیٰ اور تہجد میں سے ایک ہی پا سکتا ہو تو کیا تہجد کو ترجیح دے؟

جواب: فرض خلاف واقع (خلاف واقع کے فرض کرنے) کا مان لینا ہی ضرور تو جماعت اولیٰ پر تہجد کی ترجیح محض باطل ومہجور، اگر حسبِ تصریحِ عامۂ کتب تہجد مستحب وحسبِ اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانئے جب تو ظاہر کہ واجب ومستحب کی کیا برابری، نہ کہ اس کو اس پر تفضیل وبرتری۔

اور اگر تہجد میں اعلی الاحوال کی طرف ترقی اور جماعت میں ادنی الاحوال کی جانب تنزل کر کے دونوں کو سنت ہی مانئے تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں جماعت برتقدیرِ سنیت بھی تمام سنن حتی کہ سنت فجر سے بھی اہم وآکد واعظم ہے ولہذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے اور سمجھے کہ سنتیں پڑھے گا تو تشہد بھی نہ ملے گا تو بالاجماع سنتیں ترک کر کے جماعت میں مل جائے۔

اور سنت فجر بالاتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل، ولہذا بصورت فوت مع الفریضہ (فرض کے ساتھ فوت ہونے کی صورت میں) بعدِ وقت قبلِ زوال ان کی قضا کا حکم ہے بخلاف سائر سنن (باقی سنتوں کے) کہ وقت کے بعد کسی کی قضا نہیں، ولہذا بلاعذر مبیح (مباح کرنے والے عذر کے بغیر) سنتِ فجر کو بیٹھ کر پڑھنا ناجائز بخلاف دیگر سنن کہ بے عذر بھی روا اگرچہ ثواب آدھا، ولہذا صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کہ قائلِ سنیتِ وتر ہوئے (وتر کو سنت کہتے ہیں) سنتِ فجر کو اس سے آکد ماننے کی طرف گئے۔

پھر مذہب اصح پر سنتِ قبلیہ ظہر بقیہ سنن سے آکد ہیں۔

اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنت فجر کے بعد افضل وآکد رکعتیں مغرب ہیں پھر رکعتیں ظہر پھر رکعتیں عشاء پھر قبلیہ ظہر کما فی الفتح وغیرہ۔

پھر شک نہیں کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب (مؤکدہ سنتیں) تہجد سے اہم وآکد

ہیں۔

تو تہجد جماعت کے کمتر از کمتر از کمتر سے کمتر پانچویں درجہ میں واقع ہے سب سے آکد جماعت پھر سنتِ فجر پھر قبلیہ ظہر پھر باقی رواتب پھر تہجد وغیرہ سنن ونوافل، اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جا کر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت پھر سنت فجر پھر سنت مغرب پھر بعدیہ ظہر پھر بعدیہ عشاء پھر قبلیہ ظہر پھر تہجد وغیرہا۔

پس تہجد کو سنت ٹھہرا کر بھی جماعت سے افضل کیا، برابر کہنے کی بھی اصلاً کوئی راہ نہیں، نہ کہ مستحب مان کر۔

اگر کہیے یہاں کلام جماعتِ اولیٰ میں ہے کہ سوال میں اس کی تصریح موجود اور واجب یا اس اعلیٰ درجہ کی مؤکد مطلق جماعت ہے نہ خاص جماعت اولیٰ بلکہ وہ صرف افضل واولیٰ اور فضل تہجد اس سے اعظم واعلیٰ تو حفظِ تہجد کے لئے ترک اولیٰ جائز وروا۔

(جواب اس کا یہ ہے کہ) نہ احادیثِ حضور پرنور سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام اس کے مساعد (احادیث اس بات کی مدد کرنے والی نہیں)، نہ کلمات وروایاتِ علمائے کرام وفقہائے عظام مؤید وشاہد، گر ایسا ہو تو بے عذرِ فوتِ تہجد وغیرہ بھلے چنگے بیٹھے بٹھائے بھی جماعت اولیٰ قصداً فوت کر دینا جائز وروا ہو جبکہ ایک آدمی اپنے ساتھ جماعت کے لئے حاضر ومہیا ہو کہ آخر کچھ گناہ نہ کیا صرف ایک اولویت ترک کی جس میں حکم کراہت بھی نہیں۔

معاذ اللہ مسلمان اگر اس پر عمل کریں تو امرِ جماعت میں کس قدر تفرقۂ شنیعہ واقع ہوتا ہے وجوب جان کر ترک پر سخت سخت وعیدیں سن کر تو بہت لوگ کسل وکاہلی کر جاتے ہیں کاش یہ سن پائیں کہ جماعتِ اولیٰ کی حاضری شرعاً کچھ ضرور نہیں ایک بہتر بات ہے کی کی نہ کی، تو ابھی جو رہا سہا انتظام ہے سب درہم برہم ہوا جاتا ہے، لوگ مزے سے اذان سنیں اور اپنے لہو ولعب میں مشغول رہیں کہ جلدی کیا ہے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنالیں گے، کیا ایسی ہی متفرق بے نظم جماعتوں کی طرف حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلایا، کیا انہیں کے ترک پر سخت سخت جگر شگاف وعیدوں کا حکم سنایا! حاش للہ ثم حاش للہ! ذرا نگاہِ انصاف درکار کہ یہ قصداً تفریقِ جماعت وتقلیلِ حضار کس قدر مقاصدِ شرع سے دور اور نورانیتِ حق وصواب سے بعید ومہجور ہے، نہیں نہیں بلکہ یقیناً وجوب وتاکد مذکور، خاص جماعت اولیٰ کے لئے منظور اور وہی صدرِ اول سے معہود، اور وہی احادیث وعید علی الترک میں مقصود، اور زنہار زنہار ہرگز جائز نہیں کہ بے عذرِ مقبول شرعی جماعتِ ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولیٰ قصداً چھوڑ دیجئے اور داعی الٰہی کی اجابت نہ کیجئے، جماعتِ ثانیہ کی تشریع (مشروع ہونا) اس غرض سے ہے کہ احیاناً (کبھی کبھی) بعض مسلمین کسی عذرِ صحیح مثل مدافعت اخبثین (پیشاب پاخانہ کے شدت) یا حاجتِ طعام وغیرہا کے باعث جماعت اولیٰ سے رہ جائیں وہ برکت جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں بے اعلان وتداعی (بغیر اذان کے) محراب سے جدا ایک گوشے میں

جماعت کرلیں نہ کہ اذان ہوتی رہے داعی الٰہی پکارا کرے جماعت اولیٰ ہوا کرے (یہ) مزے سے گھر میں بیٹھے باتیں بنائیں یاپاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں کہ عُجلت کیا ہے ہم اور کرلیں گے یہ قطعاً یقیناً بدعت سیۂ شنیعہ ہے۔ (اس کے بعد امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے جماعتِ اولیٰ کے وجوب پر متعدد دلائل دیئے۔ (ج7ص91تا100)

سوال: بغیر اذان واقامت کے محراب سے ہٹ کر جماعتِ ثانیہ قائم کرنا کیسا ہے؟

جواب: صورتِ مستفسرہ میں جماعتِ ثانیہ بلا کراہت مطلقہ مطلقاً جائز ومباح عند اہل التحقیق ہے۔

اَوّلاً تکرارِ جماعت کے جواز وافضلیت کی وہ صورتیں سنئے جن میں اصلاً نزاع کو گنجائش نہیں:

(۱) جو مسجد شارع عام یا بازار یا اسٹیشن یا سرا کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں، وقت پر جو لوگ گزرے یا اترے یا آئے یا پڑھ گئے غرض کسی محلۂ خاص سے خصوصیت نہیں رکھتی کہ وہاں کی معمولی جماعت وہی ہے اوروں کا آنا اتفاقی وعارضی ہے ایسی مسجد میں بالاجماع تکرارِ جماعت باذانِ جدید وتکبیرِ جدید (نئی اذان وتکبیر کے ساتھ) جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بنوبت جو لوگ آئیں نئی اذان واقامت سے جماعت کرتے جائیں اگرچہ (ایک نماز کے) وقت میں دس بیس جماعتیں ہوجائیں۔

(۲) مسجد محلہ کہ ایک محلۂ خاص سے اختصاص رکھتی ہے اس میں اقامتِ جماعت (جماعت قائم کرنا) انہیں کا حق ہے اگر ان کے غیر جماعت کر گئے تو اہلِ محلہ کو تکرارِ جماعت بلاشبہہ جائز ہے جیسے کہ نمازِ جنازہ، حالانکہ اس کی تکرار اصلاً مشروع نہیں پھر بھی اگر غیر ولی بے اذنِ ولی پڑھا جائے اب ولی آئے اعادہ کا مجاز ہے کہ حق اس کا تھا۔

(۳) بعض اہل ہی جماعت کر گئے مگر بے اذان پڑھ گئے۔

(۴) اذان بھی دی تھی مگر آہستہ، ان صورتوں میں بھی بعد کو آنے والے باذانِ جدید بروجہِ سنت اعادۂ جماعت کریں کہ جماعتِ معتبرہ وہی ہے جو اذان سے ہو اور اذان وہ جو اعلان سے ہو۔

(۵) محلے میں حنفی وغیر حنفی دونوں رہتے ہیں پہلے غیرِ حنفی امام نے جماعت کرلی اور حنفیہ کو معلوم ہے کہ اس نماز میں اس نے مذہبِ حنفی کے کسی فرضِ طہارت یا فرضِ صلوۃ یا شرطِ امامت کو ترک کیا ہے مثلاً چہارم سر سے کم کا مسح یا آبِ قلیل نجاست افتادہ (ایسا تھوڑا یعنی دہ دردہ سے کم پانی جس میں نجاست گری ہو) سے وضو یا جسم یا کپڑے قدرِ درہم سے زیادہ منی یا صاحبِ ترتیب کا باوصف یاد و وسعتِ وقت بے ادائے فائتہ وقتیہ پڑھنا یا نمازِ وقت تنہا پڑھ کر پھر اسی نماز میں امامت کرنا تو ایسی حالت میں حنفیہ بلاشبہہ اپنی جماعتِ جداگانہ کریں کہ اگرچہ شرع اُن جماعت کرنے والوں کے لئے اسے جماعت اولیٰ مانے مگر حنفی تو اس میں اقتدا نہیں کرسکتا اگر کرے تو نماز ہی نہ ہو۔

(۶) اس خاص نماز کا تو حال معلوم نہیں مگر اس امام کی بے احتیاطی اور فرائض میں ترکِ لحاظِ مذہب حنفی ثابت ہے جیسے عامۂ غیر مقلدین کہ خواہی نخواہی اہلِ حق سے مخالفت اور مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب مہذب حنفیہ کی مضادّت (مخالفت) پر حریص ہوتے ہیں جب بھی حنفیہ کو ان کی اقتدا گناہ وممنوع ہے اپنی جماعت جدا کریں۔

(۷) اس کی نسبت امورِ مذکورہ کی مراعات کا عادی ہونا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں جیسے کوئی نامعلوم الحال شافعی مالکی حنبلی اس صورت میں بھی ان کی اقتدا خالی از کراہت نہیں تو جماعتِ ثانیہ کا فضل مبین (اس صورت میں بھی جماعتِ ثانیہ کی فضیلت واضح ہے)۔

(۸) عادتِ مراعات بھی معلوم ہی سہی تاہم بتصریح ائمہ امام موافق المذہب کے پیچھے جماعتِ ثانیہ ہی افضل واکمل، اور اسی پر حرمین محترمین ومصروشام وغیرہا بلاد دارالاسلام میں جمہور مسلمین کا عمل۔

(۹) جس نے جماعت اولیٰ کی فاسد العقیدہ بدمذہب بدعتی تھا مثلاً وہابی یا تفضیلی یا معاذ اللہ امکانِ کذب الٰہی تعالیٰ شانہ ماننے والا یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کسی کو برا جاننے والا کہ عند التحقیق ایسوں کی اقتداء بکراہتِ شدیدہ سخت مکروہ ہے۔

(۱۰) فاسق تھا جیسے شرابی، زناکار یا داڑھی منڈا سودخوار کہ یہ لوگ ان وہابیوں کذابیوں وغیرہم بدمذہبوں کے مولویوں متقیوں سے بھی اگرچہ لاکھ درجہ بہتر حال میں ہیں پھر بھی ان کی اقتدا شرعاً بہت ناپسند۔

(۱۱) امام اولیٰ نرا بے علم جاہل نماز وطہارت کے مسائل سے غافل تھا جیسے اکثر گنوار غلام وغیرہم عوام کہ ایسے کی امامت بھی کراہت انضمام (کراہت سے ملی ہوئی ہے)

(۱۲) قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا تھا جس سے معنی فاسد ہوں مثلاً ع یا ت، ط یا ث،س، ص یا ح، ہ یا ذ،ز،ظ میں تمیز نہ کرنے والے کہ آج کل اس دار الفتن (فتنوں کے گھر) ہند میں اکثر بلکہ عام عوام بلکہ بہت بلکہ اکثر پڑھے لکھے بھی اس بلا میں مبتلا ہیں۔۔ پھر خواہ بے خیالی بے احتیاطی یا سیکھنے میں بے پروائی یا زبان کی نادرستی کوئی سبب ہو مذہب معتمد پر صحیح خواں کی نماز اس کے پیچھے مطلقاً فاسد ہے اگرچہ ان میں بعض صور (صورتوں) میں مذہب متاخرین خود اس کی اپنی نماز کے لئے بہت وسعتیں دے۔۔ تو اگر یہی صورت صحت واقع ہو کر وہ جماعتِ اولیٰ ٹھہرے لاجرم صحیح خوانوں کو جماعتِ ثانیہ ہی کا حکم ملے۔۔ غرض ایسی صورتیں جماعتِ ثانیہ کی خاص تاکید یا فضل مزید کی ہیں جن میں بالاجماع یا علی الاصح اصلاً کلام کی گنجائش نہیں۔

ضابطہ یہ ہے کہ جب جماعت اولیٰ اہلِ مسجد یا اہل مذہب کی نہ ہو یا اپنے مذہب میں فاسدہ یا مکروہہ ہو تو ہمیں جماعتِ ثانیہ کی مطلقاً اجازت بلکہ درصورتِ کراہت (کراہت کی صورت میں) قصداً تفویتِ اولیٰ (جماعتِ اولیٰ فوت کرنے) کی رخصت جبکہ ثانیہ نظیفہ (دوسری پاک صاف جماعت) مل سکتی ہو اور درصورتِ فساد (فساد کی صورت میں) تو اس میں شرکت ہی

سے صاف ممانعت اگر چہ ثانیہ بھی میسر نہ ہو۔

اب محلِ نظر صرف ایک صورت رہی کہ مسجدِ محلہ میں اہلِ محلہ نے باذان واقامت (اذان واقامت کے ساتھ) بروجہ سنت (سنت طریقہ پر) امام موافق المذہب (اپنے مذہب کے امام) سالم العقیدہ متقی مسائل داں صحیح خواں کے ساتھ جماعت اولیٰ خالیہ عن الکراہۃ ادا کرلی پھر باقی ماندہ لوگ آئے انہیں دوبارہ اس مسجد میں جماعت قائم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں، اور ہے تو بکراہت یا بے کراہت؟ اس بارے میں عین تحقیق ۔۔ یہ ہے کہ اس صورت میں تکرارِ جماعت باعادۂ اذان (اذان کے اعادہ کے ساتھ) ہمارے نزدیک ممنوع وبدعت ہے، یہی ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب مہذب وظاہر الروایہ ہے۔

جس کا حاصل عندالتحقیق کراہت اذان جدید کی طرف راجع نہ نفس جماعت کی طرف۔

اور اگر بغیر اس کے تکرارِ جماعت کریں تو قطعاً جائز وروا ہے اسی پر ہمارے علماء کا اجماع ہوا ہے۔

پھر یہ جواز مطلقاً محض وخالص ہے یا کہیں کراہت سے بھی مجامع (ملا ہوا ہے)، اس میں صحیح یہ ہے کہ اگر محراب میں جماعتِ ثانیہ کریں تو مکروہ، اور محراب سے ہٹ کر تو اصلاً کراہت نہیں، خالص مباح وماذون فیہ (اجازت یافتہ) ہے۔

(ج7،ص113تا128)

سوال :زید نے وقتِ مغرب ایک مسجد میں داخل ہوکر دیکھا کہ جماعت ہورہی ہے اور امام اونچی آواز سے قرأت پڑھ رہا ہے زید نے اس امام کی اقتداء نہ کی اور اس آنِ واحد میں علیحدہ اپنی قرأت بجہر شروع کردی اور دوسری جماعت قائم کی پس زید کا کیا حکم ہے؟

جواب :تفریقِ جماعتِ حاضرین حضرت حق سبحٰنہ وتعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے حتی کہ انتہا درجہ کی ضرورت میں یعنی جب عساکرِ مسلمین (مسلمانوں کے لشکر) ولشکرِ کفار میں صف آرائی ہو مورچہ بندی کرچکے ہوں اور وقتِ نماز آجائے اس وقت بھی نمازِ خوف کی وہ صورت قرآن مجید میں تعلیم فرمائی جس سے تفریق جماعت نہ ہونے پائے اور ایک ہی امام کے پیچھے نماز ہو ورنہ ممکن تھا کہ نصف برسرِ معرکہ رہیں اور نصف باقی اپنی جماعت کرلیں پھر یہ نصف مقابلہ پر چلے جائیں اور وہ آکر اپنی نماز پڑھ لیں اتحادِ جماعت کی عنداللہ ایسی ہی تو کچھ سخت ضرورت ہے جس کے لئے عین نماز میں مشی کثیر (زیادہ چلنا) جو مفسدِ صلوٰۃ ہے روا رکھی گئی۔

علاوہ بریں (اس کے علاوہ) صدہا آیات واحادیث اس فعل کی مذمت پر دال ہیں اور حکمت ایک جماعت کی مشروعیت کہ ائتلاف مسلمین ہے کہ نہایت محبوب الٰہی ہے یہ فعل بالکلیہ اس کے مناقض (الٹ) ہے۔

(خلافت حقہ کے بعد جس وقت) سلطنت فساق وفجار بلکہ بدمذہبان فاسد العقیدہ کو پہنچی تھی وہ لوگ امامت کرتے اور

صحابہ وتابعین وکافۂ مسلمین (تمام مسلمان) بجبوری ان کے پیچھے نماز پڑھتے اس وقت بھی ان اکابرِ دین نے تفریقِ جماعت گوارا نہ کی۔

پس اس دوسری جماعت کی شناعت میں کوئی شبہہ نہیں اور فاعل اس کا (اس کا کرنے والا) عوض ثواب کے (ثواب کے بدلے) مستوجب طعن وملام (طعن وملامت کا مستحق) ہوا خصوصاً جبکہ وہ اس تفریق کا سبب کسی بغض دنیاوی کے جواسے امامِ اول سے تھا مرتکب ہوا یا بوجہ اپنے فاسدالعقیدہ ہونے کے عناداً امام اول کو بدمذہب ومبتدع ٹھہرا کر اس کی اقتدا سے استنکاف (انکار) کیا کہ ان صورتوں میں تشنیع اس پر اشدواکد ہے۔

مگر یہ کہ درحقیقت امام اول سے بدعت تا بحد کفر وارتداد مرتقی ہوگئی ہو (امام اول سے ایسی بدمذہبی جو حد کفر تک جا پہنچی ہو سرزد ہوگئی ہو) مثلاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عیاذاً باللہ توہین کرتا ہو، حضور کے ختم نبوت میں کلام رکھتا ہو، حضور والا کے بعد کسی کے حصولِ نبوت میں حرج نہ جانتا ہو حضور اقدس کی تعظیم جو بعدِ تعظیم الٰہی کے تمام معظمین کی تعظیم سے اعلیٰ واقدم ہے مثل اپنے بڑے بھائی کی تعظیم کے جانتا ہو وعلیٰ ہذاالقیاس دیگر عقائد زائغہ مکفرہ (دیگر ٹیڑھے کفریہ عقائد) رکھتا ہو اس تقدیر پر تو البتہ یہ فعل زید کا نہایت محمود ہوگا اور وہ اس پر اجر جزیل پائے گا کہ صورتِ مذکورہ میں وہ جماعت عنداللہ جماعت ہی نہ تھی کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز رأساً (بالکل) باطل ہے۔

اور اگر صورتِ مرقومہ (صورتِ مذکورہ یعنی امام کے بدمذہب ہونے کی صورت) میں امام ثانی مقتدا ومتبوع حضار کا (امام ثانی حاضرین کا مقتداء ورہنما) ہو اور جس وقت وہ شخص امامت کر رہا ہے عین اسی حالت میں اس کا دوسری جماعت قائم کر دینا اور اس کے پیچھے نماز سے احتراز مجمع میں ظاہر کرنا باعث اس کے زجر وتوبیخ یا حاضرین کی نگاہ سے اس کے گر جانے کا ہو تو اب یہ فعل اور بھی موکد وضروری ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کفر وارتداد کے سوا اور کوئی وجہ ایسی ہو جس کے سبب اس کے پیچھے نماز باتفاقِ روایات باطل محض ہوتی ہو تو جب بھی یہ جماعتِ ثانیہ قطعاً جائز ہوگی۔

لیکن اس فعل میں اگر کوئی غرض صحیح شرعی نہ ہو تو اس تقدیر پر اس سے احتراز اولیٰ ہے ختمِ جماعت کا انتظار کر کے اپنی جماعت کر لے۔ (ج7،ص129)

سوال: امام صاحب کسی کام گئے اور نمازِ عشاء میں کہہ گئے کہ میرا انتظار کرنا، کافی انتظار کے بعد جب امام صاحب نہ آئے تو کسی کو آگے کھڑا کر کے نماز پڑھوا دی، جب امام صاحب واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، تو یہ قول امام صاحب کا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور امام صاحب کوئی فتوی اپنے رائے سے خواہش نفس کے واسطے دیں تو شرعاً کیا حکم ہوگا؟

جواب: مقتدیوں کے ذمہ امامِ معین ہی کے انتظار میں بیٹھا رہنا اور جب تک وہ نہ آئے جماعت نہ کرنا ہرگز ضرور نہیں، بعض اوقات حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں کسی اور محلّہ میں تشریف لے گئے ہیں اور واپس تشریف لانے میں دیر ہوئی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جماعت ادا کرلی ہے، ایک بار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام کیا، ایک بار عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔

امام کا کہنا کہ تمہاری نماز نہ ہوئی اگر صرف اسی بنا پر ہے کہ میرا انتظار نہ کرنے اور دوسرے کو امام بنا لینے سے تمہاری نماز نہ ہوئی تو محض باطل اور شریعت مطہرہ پر صریح افترا ہے اپنی خواہش نفسانی کے لئے اپنی رائے سے فتوی دینے والا لائق امامت نہیں۔

ہاں جس شخص کو اس کی غیبت (غیر موجودگی) میں مقتدیوں نے امام بنایا وہ اگر قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا تھا جس سے فسادِ نماز ہو یا معاذ اللہ اس کے مذہب میں ایسا فساد تھا جس سے اس کی امامت صحیح نہ ہو تو اس بنا پر امام کا قول درست ہے کہ تمہاری نماز نہ ہوئی اس تقدیر پر مقتدیوں نے سخت خطا کی، انہیں توبہ چاہئے اور اس نماز کی قضا پڑھیں (ج7،ص131)

سوال: تارک الجماعت کس کو کہتے ہیں؟

جواب: تارکِ جماعت وہ کہ بے کسی عذرِ شرعی قابلِ قبول کے قصداً جماعت میں حاضر نہ ہو مذہبِ صحیح معتمد پر اگر ایک بار بھی بالقصد ایسا کیا گنہگار رہا تارکِ واجب ہوا مستحقِ عذاب ہوا والعیاذ باللہ تعالیٰ اور اگر عادی ہو کہ بارہا حاضر نہیں ہوتا اگرچہ بارہا حاضر بھی ہوتا ہو تو بلاشبہہ فاسق فاجر مردود الشہادۃ ہے فان الصغیرۃ بعد الاصرار تصیر کبیرۃ (صغیرہ اصرار کی بنا پر کبیرہ ہو جاتا ہے)۔ (ج7،ص131)

سوال: ایک مسلمان جو کہ پاخانہ اٹھانے کا پیشہ کرتا ہو، پنج وقتہ نماز پڑھتا ہو اس طرح پر کہ اپنے پیشہ سے فارغ ہو کر غسل کرکے پاک کپڑے پہن کر مسجد میں جائے تو وہ شریک جماعت ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر جماعت میں شریک ہو تو کیا پچھلی صف میں کھڑا ہو یا جہاں اس کو جگہ ملے یعنی اگلی صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے اور اس طرف بعدِ نمازِ صبح وبعدِ نمازِ جُمُعَہ نمازی آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو کیا وہ بھی مسلمانوں سے مصافحہ اور مسجد کے لوٹوں سے وضو کر سکتا ہے اور جو صرف جاروب کشی بازار وغیرہ کی کرتا ہو اس کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیشک شریکِ جماعت ہو سکتا ہے اور بیشک سب سے مل کر کھڑا ہوگا اور بے شک صف اول یا ثانی میں جہاں جگہ پائے گا قیام کرے گا، کوئی شخص بلا وجہ شرعی کسی کو مسجد میں آنے یا جماعت میں ملنے یا پہلی صف میں شامل ہونے سے ہرگز نہیں روک سکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ بیشک مسجدیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''العباد عباد اللہ'' بندے سب اللہ کے بندے ہیں۔

(مسند امام احمد بن حنبل ... [illegible])

جب بندے سب اللہ کے، مسجدیں سب اللہ کی، تو پھر کوئی کسی بندے کو مسجد کی کسی جگہ سے بے نکرائی روکتا ہے۔ اللہ عزوجل نے کہ ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں خدا کا نام لینے سے۔

اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ بادشاہ حقیقی عز جلالہ کا یہ عام دربار خاں صاحب شیخ صاحب مغل صاحب یا تاجر زمیندار معافی داری کے لئے ہے کم قوم یا ذلیل پیشہ والے نہ آنے پائیں، علماء جو ترتیب صفوف لکھتے ہیں اس میں کہیں قوم یا پیشہ کی بھی خصوصیت ہے ہرگز نہیں، وہ مطلقاً فرماتے ہیں ''یصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثی ثم النساء'' یعنی صف باندھیں مرد پھر لڑکے پھر خنثی پھر عورتیں۔ (درمختار، ج 1، ص 84، مجتبائی دہلی)

بیشک زبال یعنی پاخانہ کمانے والا یا کناس یعنی جاروب کش مسلمان پاک بدن پاک لباس جبکہ مرد بالغ ہو تو وہ اگلی صف میں کھڑا ہو جائے گا اور خان صاحب اور شیخ صاحب مغل صاحب کے لڑکے پچھلی صف میں جو اس کا خلاف کرے گا حکم شرع کا عکس کرے گا۔

شخص مذکور جس صف میں کھڑا ہو اگر کوئی صاحب اسے ذلیل سمجھ کر اس سے بچ کر کھڑے ہوں گے کہ بیچ میں فاصلہ رہے وہ گنہگار ہوں گے اور اس وعید شدید کے مستحق کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''من قطع صفا قطعہ اللہ'' جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے کاٹ دے گا۔ (سنن ابوداؤد، ج 1، ص 97، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور جو متواضع مسلمان صادق الایمان اپنے رب اکرم و نبی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم بجالانے کو اس سے شانہ بشانہ خوب مل کر کھڑا ہو گا اللہ عزوجل اس کا رتبہ بلند کرے گا اور وہ اس وعدہ جمیلہ کا مستحق ہو گا کہ حضور انور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''من وصل صفا وصلہ اللہ'' جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل فرمائے گا۔

(سنن ابوداؤد، ج 1، ص 97، آفتاب عالم پریس، لاہور)

دوسری جگہ ہمارے نبی کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم فرماتے ہیں ''الناس بنو آدم و آدم من تراب'' لوگ سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے ہے۔ (جامع الترمذی، ج 2، ص 169، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

دوسری حدیث میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی ان

اکرمکم عنداللہ اتقٰکم ''اے لوگو! بیشک تم سب کا رب ایک اور بیشک تم سب کا باپ ایک، سن لو کچھ بزرگی نہیں عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر مگر پرہیزگاری سے، بیشک تم میں بڑے رتبے والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (شعب الایمان، ج4 ص289، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ہاں اس میں شک نہیں کہ زبالی شرعاً مکروہ پیشہ ہے، جبکہ ضرورت اس پر باعث نہ ہو مثلاً جہاں نہ کافر بھنگی پائے جاتے ہوں جو اس پیشہ کے واقعی قابل ہیں نہ وہاں زمین مثل زمین عرب ہو کہ رطوبت جذب کر لے ایسی جگہ اگر بعض مسلمین مسلمانوں پر سے دفعِ اذیت وتنظیفِ بیوت (گھروں کی پاکی وصفائی) وحفظ صحت کی نیت سے اسے اختیار کریں تو مجبوری ہے اور جہاں ایسا نہ ہو تو بیشک کراہت ہے۔۔ وہ بھی ہرگز حد فسق تک منتہی نہیں۔

مگران قوم دار حضرات کا اس سے تنفر ہرگز اس بنا پر نہیں کہ یہ ایک امر مکروہ کا مرتکب ہے وہ تنفر کرنے والے حضرات خود صدہا امور محرمات وگناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو اگر اس وجہ سے نفرت ہو تو وہ زیادہ لائق تنفر ہیں ان صاحبوں کی صفوں میں کوئی نشہ باز یا قمار یا سودخوار شیخ صاحب تجار یا رشوت ستاں مرزا صاحب عہدہ دار آکر کھڑے ہوں تو ہرگز نفرت نہ کریں گے اور اگر کوئی کپتان یا کلکٹر صاحب یا جنٹ مجسٹریٹ صاحب یا اسسٹنٹ کمشنر صاحب یا جج ماتحت صاحب آ کر شامل ہوں تو ان کے برابر کھڑے ہونے کو تو فخر سمجھیں گے حالانکہ اللہ ورسول کے نزدیک یہ افعال اور پیشے کسی فعل مکروہ سے بدرجہا بدتر ہیں۔

تو ثابت ہوا کہ ان کی نفرت خدا کے لئے نہیں بلکہ محض نفسانی آن بان اور رسمی تکبر کی شان ہے، تکبر ہر نجاست سے بدتر نجاست ہے اور دل ہر عضو سے شریف تر عضو افسوس کہ ہمارے دل میں تو یہ نجاست بھری ہو اور ہم اس مسلمان سے نفرت کریں جو اس وقت پاک صاف بدن دھوئے پاک کپڑے پہنے ہے، غرض جو حضرات اس بیہودہ وجہ کے باعث اس مسلمان کو مسجد سے روکیں گے وہ اس بلائے عظیم میں گرفتار ہوں گے جو آیت کریمہ میں گزری کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے، اور جو حضرات خود اس وجہ سے مسجد و جماعت ترک کریں گے وہ ان سخت سخت ہولناک وعیدوں کے مستحق ہوں گے جو ان کے ترک پر وارد ہیں، یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی ویدعوا الی الفلاح فلایجیبہ ''، ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی مؤذن کو سنے کہ نماز کے لئے بلاتا ہے اور حاضر نہ ہو۔ (المعجم الکبیر، ج20 ص183، مکتبہ فیصلیہ، بیروت)

اور جو بندۂ خدا اللہ عزوجل کے احکام پر گردن رکھ کر اپنے نفس کو دبائے گا اور اس مزاحمت ونفرت سے بچے گا مجاہدۂ نفس وتواضع کا اللہ سے ثواب جلیل پائے گا۔

بھلا فرض کیجئے کہ ان مساجد سے تو ان مسلمانوں کو روک دیا وہ مظلوم بیچارے گھروں پر پڑھ لیں گے، سب میں افضل

داعلیٰ مسجد مسجد الحرام شریف سے انہیں کون روکے گا، اس مسلمان پر اگر حج فرض ہو تو کیا اسے حج سے روکیں گے اور خدا کے فرض سے باز رکھیں گے یا مسجد الحرام سے باہر کوئی نیا کعبہ اسے بنادیں گے کہ اس کا طواف کرے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔

اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ مسجد کے لوٹے جو عام مسلمانوں پر وقف ہیں ان سے وضو کو بھی اسے کوئی منع نہیں کرسکتا جبکہ اس کے ہاتھ پاک ہیں۔ رہا مصافحہ خود ابتدا کرنے کا اختیار ہے کیجئے یا نہ کیجئے، فان المصافحة بعد الصلوات علی الاصح من المباحات والمباح لایلام علی فعله ولا ترکه، ترجمہ: اصح قول کے مطابق نمازوں کے بعد مصافحہ مباح ہے اور مباح کے کرنے یا نہ کرنے پر ملامت نہیں ہوتی۔

مگر جب وہ مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور آپ اپنے اس خیال بے معنی پر ہاتھ کھینچ لیجئے تو بیشک بلاوجہِ شرعی اس کی دل شکنی، اور بیشک بلاوجہِ شرعی مسلمان کی دل شکنی حرام قطعی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من اذی مسلما فقد أذاني ومن أذاني فقد أذى الله'' جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے بیشک مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے بیشک اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (مجمع الزوائد، ج2، ص179، دارالکتاب، بیروت) (ج7، ص132)

سوال: ایک مقام پر نماز کی جماعت ہوتی ہے اور زید بھی نماز پڑھتا ہے اور جماعت کے وقت حاضر بھی رہتا ہے جماعت ترک کرکے جماعت سے پہلے یا جماعت کے بعد نماز پڑھتا ہے اس میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر امام میں کوئی ایسا نقص ہو جس کے سبب اس کے پیچھے نماز فاسد یا مکروہ تحریمی ہو مثلاً قرآن عظیم غلط پڑھنا جس سے نماز میں فساد آئے یا وہابی رافضی یا غیر مقلد ہو یا کم از کم تفضیلیہ یا فاسق ہونا، تو زید پر الزام نہیں، اور اگر بلاوجہِ شرعی جماعت ترک کرتا ہے تو سخت گنہگار فاسق ہے، اس پر توبہ واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ ترجمہ: جو شخص ہدایت کے واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسری راہ چلے، اسے ہم اسی طرف پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرا اور ہم اسے جہنم میں ڈال دیتے ہیں جو نہایت برا ٹھکانہ ہے۔

بحکمِ قرآن ایسا معلن شخص کہ بلاعذر شرعی جماعت ترک کرے مستحق جہنم ہے خصوصاً ترک بھی ایسا کہ جماعت ہوتی رہے اور یہ بیٹھا رہے۔ (ج7، ص137)

سوال: امام نے ایک مقتدی کے ساتھ نماز شروع کی، ایک رکعت کے بعد دوسرا اور ایک شخص آیا تو اس صورت میں امام آگے بڑھے گا یا وہ شخص مقتدی کو پیچھے کی طرف کھینچے گا، اگر امام آگے بڑھے تو اشارہ سے پہلے یا بعدِ اشارہ، اگر بعدِ اشارہ کے

تو آنے والا قبل تکبیر تحریمہ کے اشارہ کرے گا یا بعد، اگر تکبیر تحریمہ سے پہلے اشارہ کرے گا تو امام کو کرے گا یا مقتدی کو، اور قبل تحریمہ کے وہ شخص مقتدی کو اپنی جانب کھینچے گا تو اس صورت میں نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

جواب : جب امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو اور دوسرا آئے تو افضل یہ ہے کہ مقتدی پیچھے ہٹے، ہاں اگر مقتدی مسئلہ نہ جانتا ہو یا پیچھے ہٹنے کو جگہ نہیں تو ایسی صورت میں امام کو بڑھنا چاہئے کہ ایک کا بڑھنا دو کے ہٹنے سے آسان ہے۔

پھر اگر (مقتدی) مسئلہ جانتا ہو تو جب کوئی دوسرا ملا چاہتا ہے تو خود ہی پیچھے ہٹنا چاہئے خواہ امام خود ہی آگے بڑھ جائے ورنہ اس آنے والے شخص کو چاہئے کہ مقتدی کو اور وہ مسئلہ نہ جانتا ہو تو امام کو اشارہ کرے، انہیں مناسب ہے کہ معاً اشارہ کے ساتھ ہی حرکت نہ کریں کہ امتثالِ امر غیر (غیر کے حکم کی پیروی) کا شبہہ نہ ہو بلکہ ایک تامل خفیف (تھوڑی دیر ٹھہرنے) کے بعد اپنی رائے سے اتباع حکم شرع وادائے سنت کے لئے، نہ اس کا اشارہ ماننے کی نیت سے حرکت کریں۔

اس صورت میں برابر ہے کہ یہ آنے والا مقتدی نیت باندھ کر اشارہ کرے خواہ بلانیت کے بہرحال وہ اطاعتِ حکمِ شرع کریں گے، نہ اس کے حکم کی اطاعت اور جو جاہل اس کا حکم ماننے کی نیت کرے گا تو اس کا تکبیر تحریمہ کے بعد اشارہ کرنا کیا نفع دے گا کہ امام یا مقتدی کو دوسرے مقتدی کا حکم ماننا کب جائز ہے، لقمہ قرأت میں یا افعال میں لینا کہ امام کو جائز ہے وہ بھی بحکمِ شرع ہے نہ کہ اطاعتِ حکمِ مقتدی جو اس کی نیت کرے گا اس کی نماز خود ہی فاسد ہو جائے گی اور جب وہ امام ہے تو اس کے ساتھ سب کی جائے گی۔ (ج7،ص138)

سوال : جماعت کے دوران امام کا مصلیٰ مقتدیوں کی صف سے ملا رہے یا علیحدہ، اگر علیحدہ ہو تو کس قدر فاصلہ پر ہو؟

جواب : فصل بقدرِ کفایت وحاجت ہو جس میں مقتدی بخوبی سجدہ کرلیں اور اس سے زائد فصل کثیر مکروہ وخلاف سنت ہے۔ (ج7،ص140)

سوال : اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ مسجد میں آتے ہیں اور جماعت اولیٰ پڑھی نہیں گئی اور امام کے حاضر ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے وہ اپنے کام کے واسطے امام معین کا انتظار نہیں کرتے، اور اپنی جماعت کروا کر چلے جاتے ہیں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

جواب : جو لوگ جماعت معینہ سے پہلے جماعت کر کے چلے جائیں اس میں چند صورتیں ہیں:

اگر امام معین محلہ میں واقعی کوئی معذور شرعی ہے مثلاً وضو طہارت کا ٹھیک نہ ہونا یا تجوید وقرأت میں ایسی غلطی کہ مورثِ فسادِ نماز (نماز فاسد کرنے والی)) ہو یا معاذ اللہ بدمذہبی مثل وہابیت وغیر مقلدی وغیرہما یا فسق بالاعلان مثلاً داڑھی حد شرع سے کم رکھنا تو ان تین صورتوں میں ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں بلکہ اسی جماعت محلہ پر الزام ہوگا جو ایسے امام نا قابل امامت یا ممنوع

القدیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

یونہی اگر وہ مسجد کسی خاص جماعت کی مسجد نہ ہو جیسے مسجدِ شارع وسرا واسٹیشن، جب بھی کوئی الزام نہیں کہ وہاں امام معین ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا جو جماعت آئے جدا اذان کہے اور جدا اقامت کرے اور اپنے سے ایک شخص صالح امامت کو امام بنا کر جماعت پڑھے یہ سب جماعتیں جماعت اولیٰ ہوں گی ان میں سے کسی دوسرے پر ترجیح نہیں۔

اور اگر مسجدِ محلہ ہے جس کے لئے امام و جماعت معین ہے اور امام میں کوئی معذور شرعی نہیں اور چند لوگ اپنی کسی ضرورتِ خاصہ شرعیہ سے پیش از جماعت نماز پڑھ کر جانا چاہتے ہیں مثلاً کہیں انہیں جانے کی ضرورتِ جائزہ ہے اور جماعت کا انتظار کریں تو ریل کا وقت جاتا رہے گا ایسی صورت میں بھی ان کو اجازت ہوگی کہ باہم جماعت کر کے چلے جائیں کہ شرع نہ ان کو یہ حکم دے گی کہ جماعت کا انتظار کرو اور ریل نکل جانے دو نہ یہ حکم دے گی کہ جبکہ تم جماعت کا انتظار نہیں کر سکتے (تو) الگ الگ پڑھو اور جماعت نہ کرو نہ اس جماعت میں منصبِ امام معین سے کوئی منازعت ہوگی کہ وہ محلہ کی جماعت اولیٰ کا امام معین ہے، اہلِ محلہ کے لئے جماعت اولیٰ وہی ہوگی جو وہ اپنے امام کے ساتھ اپنے وقت معین پر پڑھیں گے، ان چند آدمیوں کا بضرورت پہلے جماعت کر جانا ان کے ثواب جماعت میں کچھ کمی نہ کرے گا اور جب منازعت نہیں تو استیذانِ امام (اجازتِ امام) کی بھی حاجت نہیں۔

پھر بھی احسن یہ ہے کہ محراب سے ہٹ کر جماعت کریں تاکہ صورتِ معارضہ سے بچیں اور باعثِ تنفیر دوحشت امام معین نہ ہو اور اگر ان کی کوئی ضرورتِ شرعیہ نہیں تو ضرور موردِ الزامِ شرعی ہیں کہ مرتکب تفریق جماعت ہوئے پھر نیت کے اختلاف سے حکم اشد ہوتا جائے گا مثلاً اپنے کسی لہو ولعب مباح کی جلدی کے باعث جماعت کر گئے تو صرف تفریق جماعت کا الزام ہے اور اگر کسی لہو ولعب ناجائز کی جلدی تھی یا کسی ناجائز جگہ جانے والے تھے اور وقت ریل کے سبب جلدی کی تو الزام دوچند ہے اور اگر اپنی بدمذہبی کے باعث امام سنی صحیح العقیدہ صالح امامت کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہی تو الزام سب میں سخت تر ہے۔ (ج 7، ص 141)

سوال: امام کے مصلیٰ کو کسی دوسرے شخص کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: مصلائے امام کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ وہ خاص اس کی ملک ہو کہ اس نے اپنے لئے مسجد میں بچھا رکھا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ بے اس کے اذن کے کسی کام میں استعمال نہیں ہو سکتا جو استعمال کرے گا گنہگار ہوگا۔

دوسرے یہ کہ مصلیٰ وقف ہو، اس میں پھر تین صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ واقف نے صرف امام کے لئے وقف کیا تو اسے کوئی نمازی منفرد یا مقتدی بھی نہیں لے سکتا چہ جائیکہ غیر۔

بلکہ اگر خاص امامِ جماعت اولیٰ کے لئے وقف کیا ہو تو امامِ جماعت ثانیہ بھی نہ لے سکے گا جبکہ واقف نے اسے جائز نہ رکھا ہو۔

تیسرے یہ کہ مسجد کے لئے وقف کیا اور صراحۃً یا دلالۃً حاضران مسجد کے لئے اس کا استعمال مطلق ہے جس طرح چٹائیوں میں معروف ہے تو اسے نماز کے لئے بھی لے سکتے ہیں اور غیرِ وقتِ نماز میں کسی ایسے جلوس (بیٹھنے) کے لئے بھی کہ شرعاً مسجد میں جائز ہو۔

پھر اتنا لحاظ رہے کہ بحالِ اطلاق بھی جس طرح صفیں جماعت کے لئے ہوتی ہیں مصلّے میں حقِ امام زیادہ ملحوظ ہوتا ہے تو عین وقتِ امامت امام کو اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا، ہاں خالی وقت میں لے لینا اور وقتِ امامت کے لئے مقامِ امام پر پھر بچھا دینا بھی کوئی حرج نہیں رکھتا ہے۔ (ج7،ص143)

سوال: ظہر کی نماز دو بج کر پچیس منٹ پر تین شخص جماعت کر لیں وہ بہتر ہے یا دو بج کر پینتیس منٹ پر پچیس آدمیوں کی جماعت ہو یہ بہتر ہے ان دونوں جماعتوں میں کون سی جماعت اولیٰ ہے؟

جواب: جماعت جتنی کثیر ہوگی ثواب عظیم ہوگا اور اس دس منٹ میں کچھ وقت تنگ نہیں ہوتا کثرتِ جماعت ہی کے لئے شرع مطہر نے نماز فجر کو آخر وقت میں پڑھنے پر ثواب زیادہ رکھا ہے اصل حکم یہ ہے اور اگر کسی جگہ کوئی خاص صورت باعثِ فتنہ ہو تو فتنہ سے بچنا لازم ہے اور وبال فتنہ کرنے والے پر۔

اور مسجد محلّہ میں امام معین اکثر اہل محلّہ کے ساتھ جو جماعت بروجہِ سنت ادا کرے وہ جماعتِ اولیٰ ہے اس سے پہلے دو چار بلاوجہ یا اپنے کسی کام کے سبب جماعت کر جائیں تو وہ ان اکثرین کی جماعت کا ثواب کم نہ کرے گی۔ (ج7،ص143)

سوال: امام صاحب ضرورتاً محرابِ مسجد میں کھڑا ہو کر جماعت کروائے اور اپنے دائیں و بائیں برابر ایک ایک یا زیادہ مقتدی کھڑے کر لئے باقی اور صفیں محراب سے باہر ہوں تو ایسی صورت میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: وقتِ ضرورت امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں اور اپنے برابر کسی مقتدی کے لینے کی حاجت نہیں بلکہ دو مقتدیوں کا امام کے برابر ہونا خود مکروہ ہے، امام کا محراب میں ہونا بضرورت تھا کہ مکروہ نہ رہا یہ کس ضرورت سے ہوا اور اگر تین یا زیادہ مقتدی امام کے برابر ہو جائیں گے تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو جائے گی، محراب میں بلا ضرورت کھڑا ہونا بھی ایسا ہی مکروہ بلکہ یہ سخت و شدید مکروہ ممنوع ہے۔ (ج7،ص150)

سوال: امام مذہبِ حنفی امامت کر رہا ہے اور اس کے مقتدی کل حنفی ہیں اور ان میں چند اشخاص غیر مقلد شریک ہو کر

آمین بالجہر ورفع یدین کریں تواس صورت میں ادائے نماز حنفی میں نقص واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: غیر مقلدینِ زمانہ بحکمِ فقہاوتصریحاتِ عامۂ کتبِ فقہ کافر تھے ہی۔۔۔تجربہ نے ثابت کردیا کہ وہ ضرور منکرانِ ضروریاتِ دین ہیں اوران کے منکروں کے حامی وہمراہ، تویقیناً قطعاً اجماعاً ان کے کفر وارتداد میں شک نہیں، اور کافر کی نماز باطل، تو وہ جس صف میں کھڑے ہوں گے اتنی جگہ خالی ہوگی اور صف قطع ہوگی اور قطعِ صف حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله" جو صف کو ملائے اللہ اپنی رحمت سے اسے ملائے اور جو صف قطع کرے اللہ اپنی رحمت سے اسے جدا کرے۔ (سنن ابوداؤد، ج1، ص97، آفتاب عالم پریس، لاہور)

تو جتنے اہلسنت ان کی شرکت پر راضی ہوں گے یا باوصفِ قدرت منع نہ کریں گے سب گنہگار و مستحقِ وعیدِ عذاب ہوں گے اور نماز میں بھی نقص آئے گا کہ قطعِ صف مکروہ تحریمی ہے اور اگر صرف ایک ہی صف ہو اور اس کے کنارہ پر غیر مقلد کھڑا ہو تو اس صورت میں اگرچہ فی الحال قطعِ صف نہیں مگر اس کا احتمال واندیشہ ہے کہ ممکن کہ کوئی مسلمان بعد کو آئے اور اس غیر مقلد کے برابر یا دوسری صف میں کھڑا ہو تو قطع ہوجائے گا اور جس طرح فعلِ حرام حرام ہے یونہی وہ کام کرنا جس سے فعلِ حرام کا سامان مہیا اور اس کا اندیشہ حاصل ہو وہ بھی ممنوع ہے ولہٰذا حدود اللہ میں فقط وقوع کو منع نہ فرمایا بلکہ ان کے قرب سے بھی ممانعت ہوئی کہ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ ترجمہ: یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔

مع ھذا (اس کے ساتھ ساتھ) ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم" ترجمہ: نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ (کنزالعمال، ج11، ص540، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

بدمذہبوں کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ (ج7، ص150)

سوال: کیا کسی امام کے مذہب میں آمین بآواز بلند کہنا جائز ہے؟ اگر کوئی جماعت میں آمین زور سے کہتا ہوا اس کے حنفی سنیوں کی جماعت میں شریک کرنے سے نماز میں تو کچھ نقص واقع نہیں ہوتا۔

جواب: آمین بالجہر امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ہے اگر کوئی سنی شافعی مذہب آمین بآواز کہے وہ بلاتکلف حنفیوں کی جماعت میں شریک ہو بلکہ بشرائطِ مذکورۂ کتبِ فقہ وہ امامت کرے ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے کہ ہم اور وہ سب حقیقی بھائی ہیں، ہمارا باپ اسلام، ہماری ماں سنتِ سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔

مگر یہاں جو آمین بالجہر والے ہیں یہ غیر مقلد وہابی ہیں یہ اللہ و رسول کی توہین کرنے والے ہیں یہ ہمارے ائمہ کرام کو گالیاں دینے والے ہم کو مشرک کہنے والے ہیں ان کی شرکت جماعت حنفی سے ضرور ضرر ہے کہ ان کے عقائدِ باطلہ تکذیبِ خدا و توہینِ رسول کے باعث ان کی نماز ہی نہیں تو جماعت میں ان کا کھڑا ہونا بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص بے نماز بیچ میں داخل ہے

اس سے صف قطع ہوگی اور صف کا قطع کرنا حرام۔۔حدیث میں حکم فرمایا کہ نماز میں خوب مل کر کھڑے ہو کہ بیچ میں شیطان نہ داخل ہو۔ یہاں آنکھوں دیکھا شیطان صف میں داخل ہے یہ جائز نہیں تو بشرط قدرت اسے ہرگز اپنی جماعت میں نہ شامل ہونے دیں اور جو مجبور ہے معذور ہے۔ (ج7ص151)

سوال: آپ جماعتِ ثانیہ کی اجازت دیتے ہیں، کیا اس طرح لوگ پہلی جماعت سے سستی نہیں کریں گے؟

جواب : ہم جماعتِ اولی کے عمداً ترک کو دوسری جماعت پر بھروسا کی بنا پر مباح نہیں رکھتے اور جس شخص نے بھی اللہ تعالی کی طرف سے بلاوا سنا اور اس نے اسے قبول نہ کیا وہ گنہگار ہوگا اور وہ قابل تعزیر ہے تو یہاں اطلاق کہاں ہے، ہم تو ان لوگوں کی بات کر رہے ہیں جو موجود نہ تھے اب آئے یا وہ کسی معاملہ میں مشغول تھے مثلاً سخت بھوک کی وجہ سے کھانا کھا رہے تھے یا رفعِ حاجت کے لئے گئے تھے یا اس جیسے دوسرے اعذار ہوں تو اب ایسے لوگوں کا پہلی جماعت سے رہ جانا باجازتِ شرع ہوگا، اب ان پر جماعت سے محروم ہونے کی وجہ سے کیونکر ملامت کی جاسکتی ہے۔ (ج7ص162)

سوال: کیا امام کا وسط میں کھڑا ہونا سنت ہے؟

جواب : فی الواقع سنتِ متوارثہ یہی ہے کہ امام وسط مسجد میں کھڑا ہو اور صف اس طرح ہو کہ امام وسطِ صف میں رہے محراب کا نشان اسی غرض کے لئے وسط مسجد میں بنایا جاتا ہے اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر امام ایک کنارے کی طرف جھکا ہوا کھڑا ہو تو اگر جماعت زائد ہے فی الحال امام وسطِ صف میں نہ ہوگا اور ارشادِ حدیث "توسطوا الامام" (امام کو درمیان میں کھڑا کرو) کا خلاف ہوگا اور اگر ابھی جماعت قلیل ہے تو آئندہ ایسا ہونے کا اندیشہ ہے۔

لاجرم خود امامِ مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا نص ہے کہ گوشہ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کنارۂ مسجد میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ حدیث کا ارشاد ہے امام کو وسط میں رکھو۔

یہ طاق جسے اب عرف میں محراب کہتے ہیں حادث ہے زمانۂ اقدس و زمانۂ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین میں نہ تھا محرابِ حقیقی وہی صدر مقام اس کا مسجد میں قریب حدِ قبلہ ہے یہ محراب صوری اس کی علامت ہے جس مسجد کے دو حصے ہوں ایک مسقف (چھت والا) دوسرا صحن، جیسا کہ اب اکثر مساجد یوں ہی ہیں، وہ دو مسجدیں ہیں مسقف مسجد شتوی ہے یعنی جاڑوں (سردیوں) کی مسجد اور صحنِ مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد، ہر مسجد کے لئے وہ محراب حقیقی موجود ہے، اگرچہ محراب صوری صرف مسجد شتوی میں ہوتی ہے۔

اعتبار اسی محراب حقیقی کا ہے یہاں تک کہ اگر محراب صوری وسط میں نہ ہو یا جانب مسجد بنادینے سے اب وسط میں نہ رہے تو امام اس میں نہ کھڑا ہو بلکہ محرابِ حقیقی میں (کھڑا ہو) کہ وسطِ مسجد ہے۔ (ج7ص172)

سوال: حدیث پاک میں ہے ''اذا جئت الصلوۃ فوجدت الناس فصل معھم وان کنت قدصلیت تکن لك نافلة وهذه مكتوبة'' جب تو نماز کے لئے آیا تو لوگوں کو نماز ادا کرتے پایا توان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جا اگر تو نماز پڑھ چکا تو وہ نفلی ہوگی اور یہ فرضی ہوگی۔ (سنن ابوداؤد، ج 1، ص 85، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اس میں پہلی نماز جو پڑھ چکا ہے نفل ہو جائے گی یا دوسری جو ابھی امام کے ساتھ پڑھے گا؟

جواب: (اس میں پہلے جو فرض کی نیت سے ادا کر چکا ہے وہی فرض ہوگی اور اب امام کے ساتھ نفل کی نیت سے شامل ہو جائے گا، امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس پر متعدد دلائل دیئے جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں)

اوّلاً: اس وقت پڑھنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہو گیا اب نہ وہ وقت میں عود کر سکتا ہے نہ وقت میں دو فرض ہو سکتے ہیں تو یقیناً یہ دوسری نہ ہوگی مگر نفل، ہاں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ برکت وثواب جماعت میں حصہ ملے گا۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''فذلك له سهم جمع'' ترجمہ: یہ اس کے لئے جماعت کے ثواب کا حصہ ہے۔ (سنن ابی داؤد، ج 1، ص 85، آفتاب عالم پریس، لاہور)

ثانیاً: اگر ثانی فرض ہو تو طلبِ جماعت فرض ہو حالانکہ اس حکم کو حدیث نے مصلی (نمازی) کے آنے پر محمول فرمایا ہے کہ ''اذا جئت الی الصلاۃ فوجدت الناس فصل معھم وان کنت قدصلیت'' ترجمہ: جب تو نماز کے لئے اور لوگوں کو نماز میں پائے توان کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تو نماز پڑھ چکا ہو۔ (سنن ابوداؤد، ج 1، ص 85، آفتاب عالم پریس، لاہور)

یہ نہیں فرمایا ''اذا صلیت فی رحلك افترض علیك ان تأتی الجماعة فتصلی معھم'' ترجمہ: جب تو نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تو تجھ پر فرض ہے کہ تو جماعت کی طرف آئے اور ان کے ساتھ نماز ادا کرے۔

بلکہ حدیث میں تخییر (اختیار) کی تصریح ہے کہ جی میں آئے تو شامل ہو جاؤ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا'' سیکون علیکم بعدی امراء تشتغلھم اشیاء عن الصلوۃ لوقتھا حتی یذھب وقتھا فصلوا الصلوۃ لوقتھا فقال رجل یارسول اللہ اصلی معھم قال نعم ان شئت'' ترجمہ: عنقریب میرے بعد تم پر ایسے امراء آئیں گے جنہیں بعض اشیاء کی مشغولیت نماز بروقت سے غافل رکھے گی یہاں تک کہ وقت چلا جائے گا، تو تم نماز بروقت ادا کرو، ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ان کے ساتھ نماز پڑھوں؟ فرمایا: ہاں اگر تو چاہے تو پڑھ۔ (سنن ابوداؤد، ج 1، ص 62، آفتاب عالم پریس، لاہور)

فرض میں اختیار کیسا!

ثالثاً: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اذا صلیت فی اھلك ثم ادرکت فصلھا الا الفجر والمغرب'' ترجمہ: جب تو نے اپنے اہل میں نماز ادا کر لی پھر تو نے جماعت کو پالیا تو اسے دوبارہ پڑھ سوائے فجر و مغرب کے۔

(المصنف لعبد الرزاق، ج1،ص 422، المکتب الاسلامی، بیروت)

فجر ومغرب کا استثناء اسی بناء پر ہوسکتا ہے کہ یہ دوسری نفل ہو کہ نہ فجر میں تنفل ہے نہ نفل میں ایتار، اگر یہ فرض ہوتی تو فجر ومغرب میں ادائے فرض سے کون مانع ہے۔

رابعاً: اگر یہی مانا جائے کہ نافلہ پہلی اور مکتوبہ (فرض) دوسری کو فرمایا تو فقیر کے ذہن میں یہاں ایک نکتہ بدیعہ ہے ظاہر ہے کہ نماز تنہا ناقص اور جماعت میں کامل ہے، جس نے فرض اکیلے پڑھ لئے پھر نادم ہوکر جماعت میں ملا تو قضیہ اصل وحکم عدل یہ ہے کہ اس کے فرض ناقص اور نفل کامل ہوئے مگر اس کی ندامت اور جماعت کی برکت نے یہ کیا کہ سرکار فضل نے اس کامل کو اس کی فہرستِ فرائض میں داخل فرمالیا اور ناقص کو نفل کی طرف پھیر دیا تو یہ نفل کامل فرض لکھے گئے اور وہ فرض ناقص نفل میں محسوب ہوئے کہ کمال فرض کا جمال فضل پائے اور یہ اس کی رحمت سے بعید نہیں جو فرماتا ہے ﴿فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں کے ساتھ بدل دیتا ہے۔

جب اس کا کرم گناہوں کو نیکیوں سے بدل لیتا ہے نفل کو فرض میں گن لینا کیا دشوار ہے۔

اب حاصل یہ رہا کہ ہے تو پہلی ہی فرض اور دوسری نفل مگر رحمت الٰہی اس نفل کو فرض میں شمار فرمائے گی، اسی طرف مشیر ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد جب ان سے پوچھا گیا میں ان دونوں میں کس کو اپنی نماز یعنی فرض تصور کروں؟ فرمایا ''و ذلك الیك انما ذلك الی اللّٰہ عزوجل یجعل ایتھما شاء'' ترجمہ: یہ کیا تیرے ہاتھ ہے، یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے ان میں جسے چاہے (فرض) شمار فرمائے گا۔ (موطا امام مالک، ص116، میر محمد کتب خانہ، کراچی) (ج7،ص180)

سوال: عید الاضحیٰ ہونے میں علماء کا اختلاف ہوا، تو قربانی کو اختلافِ علماء سے بچنے کے لئے احتیاطاً ایک روز مؤخر کرنے والا مجرم ہے یا نہیں؟

جواب: محل اختلاف علماء میں مراعات خلاف جہاں تک ارتکاب مکروہ کو مستلزم نہ ہو بالاجماع مستحب ہے، مستحب جرم نہیں ہوتا بلکہ اسے جرم کہنا جرم ہے۔ (ج7،ص186)

سوال: امام فجر کے فرض پڑھا رہا ہے، اب ایک مقتدی آیا، وہ امام کے ساتھ مل جائے یا پہلے سنتیں پڑھ لے، اور اگر امام کی آواز آرہی ہو تب بھی پہلے سنتیں پڑھے؟

جواب: اگر جانتا ہے سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوسکے گا اور صف سے دور سنتیں پڑھنے کو جگہ ہے تو پڑھ کر ملے ورنہ بے پڑھے، پھر بعدِ بلندیٔ آفتاب پڑھے، اس سے پہلے پڑھنا گناہ ہے، کان میں آواز آنے کا اعتبار نہیں، امام اندر پڑھ رہا ہو باہر پڑھے، باہر پڑھتا ہو اندر پڑھے، حدِ مسجد کے باہر پاک جگہ پڑھنے کو ہو تو سب سے بہتر۔ (ج7،ص191)

سوال: بعض نمازیوں کی کسی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے وقتِ مستحبہ کے علاوہ پر جماعت کرانا کیسا ہے؟

جواب: عام جماعت کو ضرورت ہو تو حرج نہیں ایک کے لئے جماعت منتشر کرنا یا سب کو ترکِ وقتِ مستحبہ کی طرف بلانا بے جا ہے۔ (ج7،ص192)

سوال اگر کوئی شخص مبتلائے جزام ہو، اس کے مسجد آنے کی وجہ سے لوگ کم آتے ہوں تو کیا اس کو جماعت میں شرکت کرنے کے لئے مسجد آنے سے روکا جا سکتا ہے؟

جواب: ہاں جبکہ اس کے آنے سے مسجد میں نجاست کا ظنِ غالب ہو تو وجوباً اور ایسا نہ ہو صرف نفرتِ عوام واحتمالِ تقلیلِ جماعت ہو تو استحباباً۔ (ج7،ص192)

سوال :ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے اگر وہ غسل کرتا ہے تو فجر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے تو اس وقت اسے کیا کرنا چاہئے؟

جواب: تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور غسل کر کے پھر اعادہ کرے۔ (ج7،ص192)

سوال: امام رکوع میں ہے اور ایک شخص ایک تکبیر کہہ کر شاملِ جماعت ہو گیا، اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب :اگر اس نے تکبیر تحریمہ کہی یعنی سیدھے کھڑے ہوئے تکبیر کہی کہ ہاتھ پھیلائے تو زانو تک نہ جائے تو نماز ہو گئی اور اگر تکبیرِ انتقال کہی یعنی جھکتے ہوئے تکبیر کہی تو نماز نہ ہو گی اسے دو تکبیر کہنے کا حکم ہے تکبیر تحریمہ اور تکبیرِ انتقال، پہلی تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں اور دوسری تکبیرِ انتقال رکوع کو جاتے ہوئے۔ (ج7،ص192)

سوال :دو شخص ایک چٹائی ایک مصلے پر جدا جدا برابر کھڑے ہو کر ایک ہی نمازِ فریضہ قبلِ جماعت یا بعدِ جماعت پڑھ رہے ہیں ان کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب :نماز تو ہر طرح ہو جائے گی لیکن قبلِ جماعت الگ الگ پڑھیں اور ایک کا حال دوسرے کو معلوم ہو اور ان میں ایک قابلِ امامت ہے اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو ان پر ترکِ جماعت کا الزام ہے۔ (ج7،ص193)

سوال: پہلی صف میں تین چار داڑھی منڈے کھڑے ہوں، اور پچھلی صف میں کچھ متقی لوگ، تو کیا داڑھی منڈوں کو پیچھے بھیج کر متقی لوگوں کو آگے کیا جا سکتا ہے؟

جواب :داڑھی کترانا منڈانا حرام ہے اور اس کے مرتکب فاسق ان کو تفہیم ہدایت کی جائے، بہتر یہ ہے کہ امام کے قریب دانشور لوگ ہوں، حدیث میں فرمایا ''لیلینی منکم اولوالاحلام والنھی'' ترجمہ: تم میں سے دانشور اور عقلمند لوگوں کو میرے قریب ہونا چاہئے۔ (صحیح مسلم، ج1،ص181، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور وہی دانشور ہے جو متقی ہو، متقیوں کو چاہئے تھا کہ یہی پہلے آتے کہ سب سے اول میں جگہ پاتے اب کہ وہ دوسری قسم کے لوگ پہلے آگئے تو انہیں مناسب ہے کہ متقیوں کے لئے جگہ خالی کردیں ورنہ انہیں ہٹانے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جبکہ سبب فتنہ ہو اعمال میں ہدایت نرمی سے چاہئے کہ سختی سے ضد نہ بڑھے۔ (ج7،ص193)

سوال :ایک شخص پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے اور صوم وصلوٰۃ کا بھی پابند ہے مگر مسجد میں صرف تین وقت کی نمازیں ظہر وعصر ومغرب باقی عشاء وفجر کی اپنے مکان پر تنہا پڑھتا ہے اور وجہ تنہائی میں پڑھنے کی یہ ہے کہ بعد نماز عشاء وفجر کے وظیفہ میں زیادہ وقت لگتا ہے اور قرآن عظیم کی تلاوت بھی کرتا ہے، تنہا پڑھنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

جواب :پانچوں وقت کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ واجب ہے ایک وقت کا بھی بلا عذر ترک گناہ ہے، وظیفہ وتلاوت باعثِ ترک نہیں ہوسکتے فرض مسجد میں باجماعت پڑھ کر وظیفہ وتلاوت مکان پر کرے ورنہ صورت مذکورہ فسق وکبیرہ ہے فان کل صغیرۃ بالاعتیاد کبیرۃ وکل کبیرۃ فسق (ہر صغیرہ گناہ کا معمول اسے کبیرہ بنادیتا ہے اور ہر کبیرہ گناہ فسق ہے) حدیث میں ہے ظلم اور کفر نفاق سے ہے یہ بات کہ آدمی اللہ کے منادی یعنی مؤذن کو پکارتا سنے اور حاضر نہ ہو۔

وہ وظیفہ وتلاوت کہ جماعتِ مسجد سے روکیں وظیفہ وتلاوت نہیں بلکہ ناجائز ومعصیت۔ (ج7،ص194)

سوال :جماعتِ ثانیہ میں اقامت کہی جائے یا نہیں اور جماعتِ ثانیہ میں امام کو جہری نماز میں زور سے قرأت کرنی چاہئے یا جماعت اولیٰ کے لوگ جو سنتیں پڑھ رہے ہوں ان کے خیال سے برائے نام آواز سے پڑھے؟

جواب:جماعتِ ثانیہ کے لئے اعادۂ اذان ناجائز ہے تکبیر میں حرج نہیں اور اس کا امام نمازِ جہری میں بقدرِ حاجتِ جماعت جہر کرے گا اگرچہ اور لوگ سنتیں پڑھتے ہوں (ج7،ص194)

سوال :ایسے دو اشخاص جو آپس میں ناراض ہوں ان کو جماعت سے علیحدہ کرنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ جس جماعتِ نماز میں دو ایسے شخص شریک ہوں جن کی آپس میں رنجش ہو تو کسی کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور نہ ہی کسی کی دعا قبول ہوتی ہے، کیا زید کا یہ کہنا درست ہے؟

جواب :اس صورت میں اس کو جماعت سے علیحدہ کرنا جائز نہیں اور یہ کہنا محض باطل ہے کہ جس جماعت میں دو شخص آپس میں رنج رکھتے ہوں نماز نہیں ہوگی اور یہ بھی غلط محض ہے کہ وہاں دعا قبول نہیں ہوگی۔

ہاں باہم اہلسنت کے اتفاق رکھنے کا حکم ہے اور دو بھائیوں میں کسی دنیوی وجہ سے قطع مراسم تین دن سے زیادہ حرام ہے اور جو باہم موافقت کی طرف سبقت کرے گا وہ جنت کی طرف سبقت کرے گا اور جس سے اس کا بھائی معافی چاہے گا اور وہ بلا عذر شرعی معاف نہ کرے گا تو حدیث میں فرمایا کہ اسے روزِ قیامت حوضِ کوثر پر میرے پاس حاضر ہونا نصیب نہ ہوگا۔

(ج7،ص195)

سوال :عشاء کی جماعت کا وقت آٹھ بجے مقرر ہے، ابھی کچھ نمازی وضو کر رہے ہوں اور وقت پورا ہو جائے تو ان کا انتظار کیا جائے یا نہیں؟

جواب :اگر اذان کے بعد انتظار بقدرِ مسنون کر لیا گیا ہو پھر زیادہ انتظار کی حاجت نہیں اور اگر وقت میں وسعت ہو اور حاضرین پر گراں نہ ہو تو جو آ گئے ہیں ان کے وضو کا انتظار کر لینا بہتر۔

اذان کے بعد غیرِ مغرب میں بحالتِ وسعتِ وقت اتنا انتظار مسنون ہے کہ کھانے والا کھانے سے فارغ ہو جائے جیسے قضائے حاجت کرنی ہے اس سے فراغ پائے اور طہارت و وضو کر کے آ جائے۔ (ج7،ص196)

سوال :ایک روز زید نے بوقتِ عشاء گھر میں کوئی نہ ہونے کی وجہ سے گھر میں ہی نماز پڑھ لی، جس کی وجہ سے اس سے بائیکاٹ کر دیا گیا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :اگر واقعی مکان تنہا تھا اور تنہا چھوڑ کر آنے میں اندیشہ تھا تو یہ عذر قابل قبول ہے اور ایسی حالت میں سزا دینا ظلم ہے، اور اگر کوئی عذرِ صحیح نہ ہو بلا عذر جماعت چھوڑے تو شرعاً قابل سزا ہے۔ (ج7،ص196)

سوال :کوئی شخص ایسا ہو کہ وہابی کے مدرسہ میں پڑھتا ہو اور ان کے اقوال بھی جانتا ہے اور پھر وہابی کے مکان میں رہتا ہے اس کے یہاں کھانا کھاتا ہے تو اس صورت میں اسے اہلسنت کی نماز جماعت میں کھڑا ہونے دیں یا نہیں؟ اور اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

جواب :اگر وہ وہابیہ کے عقائد سے واقف ہو کر انہیں مسلمان جانتا ہے تو ضرور صف میں اس کے کھڑے ہونے سے فصل لازم آئے گا اور صف قطع ہو گی اور قطع صف حرام ہے۔

اور اگر وہابیہ کو کافر جانتا ہے تو ان سے میل جول کے باعث جس میں سب سے بدتر اُن سے پڑھنا ہے سخت فاسق ہے امامت کے قابل نہیں، نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہو گی مگر صف میں اس کے کھڑے ہونے سے صف قطع نہ ہو گی۔ (ج7،ص197)

سوال :ایک جماعت میں چار صفیں ہیں، صفِ اول میں کسی مقتدی یا امام کا وضو جاتا رہا تب وہ مقتدی یا امام باہر کس طرح آ سکتا ہے کیونکہ درمیان میں تین صفیں ہیں جو شانہ سے شانہ ملائے ہیں اور مقتدی کی جو جگہ خالی ہے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب :مقتدی جس طرف جگہ پائے چلا جائے، یونہی امام دوسرے کو خلیفہ بنا کر، اب صفوں کا سامنا سامنا نہیں کہ امام کا سترہ سب کا سترہ ہے اور مقتدی کی جو جگہ خالی رہی کوئی نیا آنے والا اسے بھر دے یا یونہی رہنے دے۔ (ج7،ص197)

سوال: محلّہ کی مسجد میں دو دو جماعتیں ہوتی ہیں پہلی جماعت دیو بندی فرقہ کی ہوتی ہے اور دوسری اہلسنت کی، دیو بندی عداوت کی وجہ سے مغرب اور فجر کی نماز میں دیر کردیتے ہیں اس میں نماز قضا ہونے کا اندیشہ ہے اگر سنی اپنی جماعت پہلے کرانا چاہتے ہیں تو وہ لوگ فساد پر آمادہ ہوتے ہیں ایسی حالت میں سنیوں کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: عین ان کی جماعت ہونے کی حالت میں سنی اپنی جماعت کر سکتے ہیں کہ نہ ان کی جماعت جماعت ہے نہ اُن کی نماز نماز۔ (ج7،ص198)

سوال: ایک مسجد میں ایک وقت میں اندر حنفیوں کی جماعت ہو اور صحن میں شافعیوں کی جماعت، کیسا ہے؟

جواب: ایک مسجد میں ایک فرض کی دو جماعتیں ایک ساتھ قصداً کرنا بلا وجہ شرعی ناجائز و ممنوع ہے لیکن ایک جماعت حنفیہ کی امام حنفی کے پیچھے ہو اور دوسری شافعیہ یا مالکیہ یا حنبلیہ کی اپنے ہم مذہب امام کے پیچھے ہو اس میں حرج نہیں جس طرح حرمین شریفین میں معمول ہے کہ یہ وجہ شرعی سے ہے۔ (ج7،ص198)

سوال: ایک صف پر دو یا چار شخص علیحدہ علیحدہ فرض پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر جماعت کر سکتے ہوں تو ترکِ جماعت نہ کریں رافضیوں سے مشابہت نہ کریں اور اگر یہ جماعت جماعتِ اولیٰ ہے جب تو اس کا ترک گناہ اور ناجائز ہے مگر نماز سب کی بہر حال ہو جائے گی۔ (ج7،ص199)

سوال: جماعت کے لئے تعین وقت گھڑی سے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ (ج7،ص200)

سوال: امام کو کسی مقتدی کے لئے جو ممبرِ مسجد اور سید ہو وقت مقررہ گذر جانے کے باوجود جماعت کے لئے انتظار کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست ہے جبکہ حاضرین پر گراں نہ ہو اور وقت وسیع ہو۔ (ج7،ص200)

سوال: امام کے نزدیک تمام مقتدیوں کی عزت برابر ہونی چاہئے یا نہیں؟

جواب: جس کو دینی عزت زائد ہے ہر مسلمان کے نزدیک زائد ہے، اس کی وہ رعایت کی جائے گی جو دوسرے کی نہ ہوگی جب تک کوئی حرجِ شرعی لازم نہ آئے۔ (ج7،ص200)

سوال: ایک مقتدی کو جو ممبر مسجد و میر محلّہ اور سید ہو دوسرے مقتدی پر فوقیت ہے یا نہیں۔

جواب: ہے مگر نہ ایسی کہ اس کی ذاتی رعایت اوروں پر باعثِ بار ہو اور عین نماز میں کسی معین کی رعایت جائز نہیں مثلاً امام رکوع میں ہے اور کوئی شریک ہونے کو آیا اگر امام نے نہ پہچانا تو اس کے لئے رکوع میں بعض تسبیحیں زائد کر سکتا ہے جس

میں وہ شامل ہو جائے کہ یہ دین میں اعانت ہے لیکن اگر پہچانا کہ فلاں ہے اور اس کی خاطر سے زائد کرنا چاہے تو جائز نہیں۔ ویخشی علیہ امر عظیم (اس پر امرِ عظیم کا خوف ہے)۔ (ج7،ص200)

سوال: اگر کوئی مقتدی سنت وغیرہ نماز پڑھتا ہو تو اس کی سنت ختم ہونے تک امام انتظار کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: انتظار کر سکتا ہے اگر وقت میں وسعت ہو اور اوروں پر گرانی نہ ہو۔ (ج7،ص200)

سوال: سنت مؤکدہ کی تعریف کیا ہے؟

جواب: سنت موکدہ وہ امر دینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر نادراً کبھی ترک نہ فرمایا مگر اتفاق سے کسی نے ترک کیا تو اس پر انکار بھی نہ فرمایا۔ (ج7،ص200)

سوال: کسی مقتدی کی مالداری کی وجہ سے جماعت کے لئے اس کا انتظار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: خاص اس کی مالداری کے سبب رعایت کی اجازت نہیں لیکن اس حالت میں کہ رعایت نہ کرنے سے فتنہ ہو۔ (ج7،ص200)

سوال: امام کا کہنا کہ ہم کو مقتدیوں کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ مقتدیوں کو امام کے انتظار کی ضرورت ہے صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: مقتدیوں کو امام کا انتظار چاہئے امام کو تاحدِ وسعت مقتدیوں کا انتظار چاہئے۔ حدیث میں ہے "لوگ جلد جمع ہو جاتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلد نماز پڑھ لیتے اور لوگ دیر میں آتے تو تاخیر فرماتے۔ (ج7،ص200)

سوال: امام کو جماعت کے وقتِ معین پر آنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز کیا بلکہ مناسب ہے۔ (ج7،ص201)

سوال: امام کا کہنا کہ گھڑی کا معین صرف مؤذن کی اذان کے لئے ہے جماعت کے لئے نہیں درست ہے یا نہیں؟

جواب: تعیین وقت جماعت ہی کے لئے کی جاتی ہے، لوگ جب وقت معین پر آجائیں تو امام کو بلاضرورت زیادہ دیر لگانے کی اجازت نہیں کہ وجہِ ثقل و باعثِ نفرت جماعت ہوگا۔ (ج7،ص201)

سوال: باوجود تعیین وقت گھڑی امام کا کہنا کہ جب امام نماز کے لئے کھڑا ہو جائے وہی وقت نماز کا ہے درست ہے یا نہیں؟

جواب: جب وقت معین ہو چکا تو اس کے بعد دیر کر کے امام کا نماز پڑھانا اس کا حکم ابھی سوال سابق میں گزرا اور اس سے پہلے جلدی کر کے پڑھ لینا باعثِ تفریق جماعت ہوگا اور وہ بلاضرورت جائز نہیں۔ (ج7،ص201)

سوال: مقتدیوں کا پیش امام سے یہ کہنا کہ آپ وقت معین سے دس منٹ پہلے تشریف لایا کریں، درست ہے یا نہیں؟

جواب: پیشتر کی استدعا فضول ہے، یہ استدعا کریں کہ وقت معین پر تشریف لایا کیجئے۔ (ج7،ص201)

سوال: امام کا کہنا میں حشر تک نہ آؤں گا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر پیشتر آنے سے انکار ہے تو بیجا نہیں، امام انتظار کے لئے نہیں بنایا گیا۔ (ج7،ص201)

سوال: اگر امام کے پیچھے صرف ایک مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو اور اگر دو ہوں تو کہاں کھڑے ہوں، اور دو سے زیادہ کہاں کھڑے ہوں؟

جواب: جب صرف ایک مقتدی ہو تو سنت یہی ہے کہ وہ امام کے برابر دا ہنی طرف کھڑا ہو مگر اس کا لحاظ فرض ہے کہ قیام، قعود، رکوع، سجود کسی حالت میں اس کے پاؤں کا گٹا امام کے گٹے سے آگے نہ بڑھے۔ اسی احتیاط کے لئے امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنا پنجہ امام کی ایڑی کے برابر رکھے، اور اگر دو مقتدی ہوں تو اگر چہ سنت یہی ہے کہ پیچھے کھڑے ہوں، پھر بھی اگر امام کے دہنے بائیں برابر کھڑے ہو جائیں گے حرج نہیں۔ مگر دو سے زیادہ مقتدیوں کا امام کے برابر کھڑا ہونا یا امام کا صف سے کچھ آگے بڑھا ہونا کہ صف کی قدر جگہ نہ چھوٹے یہ ناجائز و گناہ ہے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ (ج7،ص201)

سوال: نمازی کثیر ہیں اور جگہ تنگ ہے امام اور پہلی صف کے درمیان پوری صف کی جگہ نہیں چھوڑ سکتے تو کیا کریں؟

جواب: اگر مقتدیوں کی کثرت اور جگہ کی قلت ہے باہم صفوں میں فاصلہ کم چھوڑیں پچھلی صف اگلی صف کی پشت پر سجدہ کرے اور امام کے لئے جگہ بقدرِ ضرورت پوری چھوڑیں اور اگر اب بھی امام کو جگہ ملنا ممکن نہ ہو نہ ان میں کچھ لوگ دوسری جگہ نماز کو جا سکیں مثلاً معاذ اللہ کسی ایسی کوٹھڑی میں محبوس ہیں جس کا عرض جانب قبلہ گز سوا گز ہے تو یہ صورت مجبوری محض ہے اس میں قواعدِ شرع سے ظاہر یہ ہے کہ جماعت کریں امام بیچ میں کھڑا ہو پھر تنہا تنہا اس کا اعادہ کریں، جماعت اقامتِ شعار کے لئے اور اعادہ رفعِ خلل کے واسطے۔ (ج7،ص201)

سوال: امام کے انتظار میں جماعتِ نماز میں تاخیر کرنا مقتدیوں کو درست ہے یا نہیں؟

جواب: وقتِ کراہت تک انتظارِ امام میں ہرگز تاخیر نہ کریں، ہاں وقتِ مستحب تک انتظار باعثِ زیادتِ اجر و تحصیلِ افضلیت ہے، پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقتِ مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہوگی کہ سب اس پر راضی ہیں تو جہاں تک تاخیر ہوا تنا ہی ثواب ہے کہ سارا وقت ان کا نماز ہی میں لکھا جائے گا۔ وقد صح عن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم

انتظار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی مضی نحو من شطر اللیل وقداقرھم علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وقال انکم لن تزالو فی صلاۃ ماانتظرتم الصلاۃ، ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہاں تک انتظار کرنا ثابت ہے کہ رات کا کافی حصہ گزر جاتا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا اور فرمایا: تم جب سے نماز کے انتظار میں ہو وہ تمام وقت تمہارا نماز میں گزرا۔ (صحیح البخاری، ج 1، ص 84، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ورنہ اوسط درجہ تاخیر میں حرج نہیں جہاں تک حاضرین پر شاق نہ ہو۔ (ج 7، ص 205)

سوال: کوئی پیر مسجد کے قریب رہتا ہو اور بلا عذر جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو، کیا وہ قابلِ اتباع ہے؟

جواب: ترکِ جماعت اور ترکِ حاضری مسجد کا عادی فاسق ہے اور فاسق قابلِ اتباع نہیں۔ (ج 7، ص 206)

سوال: جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو مستحب کہے اس کو علمائے دین کیا کہیں گے؟

جواب: جماعت کو مستحب سمجھنے کے اگر یہ معنی ہیں کہ اسے واجب یا سنتِ مؤکدہ نہیں جانتا صرف ایک مستحب بات مانتا ہے تو سخت مبطل شدید خاطی ہے اور احادیثِ صحیحہ اور تمام کتبِ فقہ کے ارشاد کا مخالف ہے۔ (ج 7، ص 207)

سوال: جماعت صرف عورتوں کی جن کا محض امام مرد ہو درست ہے یا نہیں؟ اور امام کے سہو کو وہ لڑکی یا عورت بتا سکتی ہے یا نہیں جس سے پردہ نہیں ہوتا؟

جواب: اگر یہ جماعت مسجد میں ہو مطلقاً مکروہ ہے کہ عورات کو حاضریٔ مسجد منع ہے اور اگر مکان ہو اور مرد کو حاضریٔ مسجد سے کوئی عذرِ صحیح شرعی مانع نہیں تو مطلقاً مکروہ ہے کہ مرد پر حاضری مسجد واجب ہے اور اگر اسے عذر ہے اور جماعت میں جتنی عورتیں اس کی محرم یا زوجہ یا غیر مشتہاۃ لڑکیوں کے سوا نہیں تو مطلقاً بلا کراہت جائز ہے اور نامحرم مشتہاۃ ہیں تو مکروہ بہر حال۔

اگر امام کو سہو ہو تو عورت تصفیق سے اسے متنبہ کرے یعنی سیدھی ہتھیلی بائیں پشت دست پر مارے آواز سے تسبیح وغیرہ نہ کہے کہ مکروہ ہے۔

اقول ہاں اگر امام نے قرأت میں وہ غلطی کی جس سے نماز فاسد ہو تو عورت مجبورانہ آواز ہی سے بتائے گی جبکہ وہ تصفیق پر امام کو یاد نہ آجائے وذلك لان الضرورات تبیح المحظورات (اور وہ اس لئے کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں)

(ج 7، ص 208)

سوال: آپ نے پہلے میرے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ امام کے برابر تین مقتدی ہو جائیں گے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ایک حافظ صاحب کہ آدمی ذی علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جناب مولوی صاحب نے جو حوالہ دیا ہے وہ درمختار کے متن سے نہیں بلکہ شرح سے ہے، اور چاہتے ہیں کہ اصول سے جواب تحریر فرمادیں۔

جواب : یہ مطالبہ سخت عجیب ہے درمختار تو شرح ہی کا نام ہے، کیا شروح معتبر نہیں ہوتیں یا ان میں درمختار نامعتبر ہے یا متن میں شرح کے خلاف لکھا ہے اور جب کچھ نہیں تو ایسا مطالبہ اہل علم کی شان سے بعید۔

درمختار بحرِ علم کی وہ درِ مختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق ومغارب ارض (زمین کے مشارق ومغارب) میں فتوائے مذہب حنفی کا گویا مدار اس کی تحقیقات عالیہ وتدقیقات غالیہ پر ہوگیا، اللہ عزوجل رحمت فرمائے علامہ سید ابن عابدین شامی پر کہ فرماتے ہیں ''ان کتاب الدرالمختار، شرح تنویر الابصار، قدطار فی الاقطار وسار فی الامصار وفاق فی الاشتهار علی الشمس فی رابعة النهار، حتی اکب الناس علیه وصار مفزعهم الیه وهو الحری بان یطلب ویکون الیه المذهب، فانه الطراز المذهب فی المذهب، فلقد حوی من الفروع المنقحة والمسائل المصححة، مالم یحوه غیرمن کبارالاسفار ولم تنسج علی منواله یدالافکار '' خلاصہ یہ کہ درمختار نے تمام عالم میں آفتاب چاشت کی طرح شہرت پائی، مخلوق ہمہ تن اس سے گرویدہ ہوکر اپنے مہمات میں اس کی طرف التجا لائی، یہ کتاب اسی لائق ہے کہ اسے مطلوب بنائیں اور اس کی طرف رجوع لائیں کہ یہ دامنِ مذہب کی زرنگار گوٹ ہے، وہ تصحیح وتنقیح کے مسائل جمع ہیں کہ بڑی بڑی کتابوں میں مجتمع نہیں، آج تک اس انداز کی کتاب تصنیف نہ ہوئی۔ (ردالمحتار، ج1، ص2، مصطفی البابی مصر)

سبحان اللہ کیا ایسی کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ارشاد بلاوجہ محض قبول نہ کریں خیر فتح القدیر تو معتبر ہوگی جس کے مصنف امام ہمام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ وہ امام اجل ہیں کہ ان کے معاصرین تک ان کے لئے منصب اجتہاد ثابت کرتے تھے۔

تبیین الحقائق تو مقبول ہوگی جس کے مصنف امام اجل فخر الدین ابومحمد عثمان بن علی زیلعی شارح کنز ہیں جن کی جلالت شان آفتاب نیمروز سے روشن تر ہے۔ یہ امام محقق علی الاطلاق سے مقدم اور ان کے مستند ہیں۔

کافی، امام نسفی تو معتمد ہوگی جس کے مصنف امام برکۃ الانام حافظ الملۃ والدین ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی صاحب کنزالدقائق ہیں۔

سب جانے دو ہدایہ بھی ایسی چیز ہے جس کے اعتماد واستناد میں کلام ہوسکے یہ سب اکابر آئمہ تصریح فرماتے ہیں کہ جماعت رجال میں امام کا قوم کے برابر ہونا حرام ومکروہ تحریمی ہے۔ (ج7، ص210)

سوال : زید کی امامت سے جماعتِ ثانیہ مسجدِ بازار یا سرائے میں ہورہی ہے اسی مسجد میں بکر بھی آیا اس کو معلوم ہوگیا کہ یہ جماعتِ ثانیہ ہے اس نے علیحدہ وتنہا جماعت کے قریب یا کسی قدر فاصلے سے اپنی نماز ادا کی تو نماز بکر کی ادا ہوگئی یا نہیں؟

جواب : نماز بایں معنی تو ہوگئی کہ فرض سر سے اتر گیا مگر سخت کراہت ولزومِ معصیت کے ساتھ کہ بے عذرِ شرعی ترک

جماعت گناہ وشناعت ہے نہ کہ خود بحالِ قیامِ جماعت صریح خلاف واضاعت (ضائع کرنا)۔

یہاں تک کہ اگر کسی نے تنہا فرض شروع کر دیئے ہنوز (ابھی تک) جماعت قائم نہ تھی اس کے بعد قائم ہوئی اور اس نے بھی پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا تو اسے شرع مطہر مطلقاً حکم فرماتی ہے کہ نیت توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے بلکہ مغرب وفجر میں تو جب تک دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو حکم ہے کہ نیت توڑ کر مل جائے اور باقی تین نمازوں میں دو بھی پڑھ چکا ہو تو انہیں نفل ٹھہرا کر جب تک تیسری کا سجدہ نہ کیا ہو شریک ہو جائے۔

جب پیش از جماعت تنہا شروع کرنے والے کو یہ حکم ہے حالانکہ اس نے ہرگز مخالفت جماعت نہ کی تھی اور نیت توڑنا بے ضرورتِ شرعیہ سخت حرام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ اپنے عمل باطل نہ کرو۔

مگر شرع مطہر نے جماعت حاصل کرنے کے لئے نیت توڑنے کو ابطالِ عمل (عمل کو باطل کرنا) نہ سمجھا اکمالِ عمل (عمل کو مکمل کرنا) تصور فرمایا تو یہاں کہ جماعتِ قائمہ کے خلاف اپنی الگ پڑھتا ہے کیونکر شرع مطہر کو گوارا ہو سکتا ہے بلکہ جو شخص مسجد میں نماز تنہا پوری پڑھ چکا ہو اب جماعت قائم ہوئی ہے اگر ظہر یا عشا ہے تو شرعاً اس پر واجب ہے کہ جماعت میں شریک ہو کہ مخالفتِ جماعت کی تہمت سے بچے اور باقی تین نمازوں میں حکم ہے کہ مسجد سے باہر نکل جائے تاکہ مخالفت جماعت کی صورت نہ لازم آئے۔

جب جماعت سے پہلے تنہا پڑھنے والا جماعت میں شریک نہ ہو تو متہم اور مخالف جماعت اور وزرِ عظیم (بڑے گناہ) میں مبتلا پاتا ہے تو جو باوصف قیام جماعت قصداً مخالفت کر کے اپنی الگ شروع کر دے کیونکر سخت متہم وصریح مخالف وگرفتار گناہ شدید نہ ٹھہرے گا بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ قیامِ جماعت کی حالت میں اگر کچھ لوگ آ کر دوسری جماعت جدا قائم کر دیں مبتلائے کراہت ہوں گے کہ تفریقِ جماعت کی حالانکہ یہ نفس جماعت کے تارک نہ ہوئے نہ ان پر اصل جماعت سے مخالفت کی تہمت آ سکتی ہے تو اکیلا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنانے والا کس قدر شدید مخالف ہوگا۔

اور اس جماعت کا جماعتِ ثانیہ ہونا ان شناعتوں سے نہیں بچا سکتا اگرچہ جماعتِ ثانیہ کی مخالفت کا تہمت سے مطلقاً بری ہونا مان بھی لیا جائے کہ جب مسجد مسجدِ محلہ نہیں بازار یا سرا کی مسجد ہے تو اس کی ہر جماعت جماعت اولیٰ ہے کما حققناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاویٰ میں کی ہے)۔

ہاں اگر یہ امام قرآن عظیم ایسا غلط پڑھتا ہے جو مفسد نماز ہو یا اس کی بد مذہبی تا حدِ فساد ہے یا نقصِ طہارت وغیرہ کوئی اور وجہ فساد کی ہے تو الزام نہیں کہ ان صورتوں میں وہ جماعت خود جماعت ہی نہیں بلکہ اب اس میں شرکت ممتنع ہوگی۔ (ج7ص213)

سوال: ایک عالم صاحب فرماتے ہیں کہ جماعتِ ثانیہ کیا بلکہ جماعتِ اولیٰ بھی ہوتی ہو تو اس وقت کوئی دوسرا شخص

اس مسجد میں آئے اور تنہا اپنی نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہوجائے گی جماعت کا پچیس گنا ثواب نہ ملے گا، نماز ہوجانے کا سبب یہ بتایا کہ جماعت سنتِ مؤکدہ ہے نہ فرض ہے نہ واجب، اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟

جواب :اس کا جواب سوالِ اول سے واضح ہے، ہو جانا بمعنی سقوطِ فرض (فرض ساقط ہوگیا) مسلم (تسلیم ہے) مگر اس قائل کے فحوائے کلام (سیاقِ کلام) سے ظاہر ہے کہ صرف اس قدر اس کی مراد نہیں بلکہ اس میں فقط کمی ثواب ماننا اور لحوق اثم (گناہ ہونے) سے پاک جانتا ہے ولہٰذا تعلیل (علت بیان کرنے) میں نہ واجب کا لفظ بڑھایا اور نہ سقوطِ فرض، تو بحالِ ترکِ جمیع واجبات بھی حاصل ہے اب یہ قول محض غلط ہے، اولاً مذہبِ معتمد میں جماعت واجب ہے اور اسے سنت مؤکدہ کہنا بوجہ ثبوت بالسنۃ ہے اور نہ بھی سہی تاہم اس کے قصدی ترک میں لحوقِ گناہ سے مفر نہیں۔ (ج7،ص216)

سوال :نماز میں امام کے واسطے مصلیٰ مخصوص کرنا اور مقتدی بغیر مصلے کے قصداً کھڑے کرنا اس نیت سے کہ امام بہ نسبت مقتدیوں کے ممتاز ہونا چاہئے مکروہ ہے یا غیر مکروہ؟

جواب :اتفاقاً ایسا ہوجائے تو مضائقہ نہیں یا امام نے خود نہ چاہا نہ کسی مقتدی نے نہ اس لئے کہ امام و مقتدی میں امتیاز چاہئے بلکہ امام کو کسی فضلِ دینی کی تعظیم کے لئے مثلاً وہ عالمِ دین ہے اس کے نیچے مصلیٰ بچھادیا تو بھی حرج نہیں اور خاص اس نیت سے بالقصد مقتدیوں کو بے مصلیٰ کھڑا کرنا کہ نماز میں امام و مقتدیان کا یوں امتیاز ہونا چاہئے محض بے اصل وخلافِ سنت اور دین میں نئی بات نکالنا ہے۔ (ج7،ص218)

سوال :ایسا شخص جو ایک مسجد میں جماعت قائم کرتا ہے، رمضان میں وہ قرآن سننے کے لئے دوسری مسجد جاتا ہے کیونکہ اس کی مسجد میں تراویح میں ختمِ قرآن نہیں ہوتا، اس شخص کے جانے سے اس مسجد میں عشاء کی نماز بالکل نہیں ہوتی، کیا یہ شخص مقیمِ جماعت نہیں؟ اس شخص کا قرآن سننے کے لئے دوسری مسجد میں جانا کیسا ہے؟

جواب :ایسا شخص بلاشبہ مقیمِ جماعت ہے اسے چاہئے کہ نمازِ فرض اپنی مسجد میں پڑھا کر تراویح کے لئے دوسری مسجد میں چلا جائے کہ جب اپنی مسجد میں قرآن عظیم نہ ہوتا ہو تو دوسری مسجد میں اس غرض سے جانا کوئی باک نہیں رکھتا بلکہ مطلوب ومندوب ہے، ہاں تعطیل جماعتِ فرض جائز نہیں، ولہٰذا فرض یہاں پڑھا کر دوسری جگہ جائے۔ (ج7،ص218)

سوال: جماعتِ نماز میں صفیں بنانے میں کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟

جواب :دربارۂ صفوف شرعاً تین باتیں بتاکیدِ اکید (بہت زیادہ تاکید کے ساتھ) مامور بہ (حکم فرمائی گئی) ہیں اور تینوں آج کل معاذ اللہ کالمتروک ہورہی ہیں، یہی باعث ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔

اول تسویہ کہ صف برابر ہو خم نہ ہو کج نہ ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں سب کی گردنیں شانے ٹخنے آپس میں محاذی (برابر)

ایک خطِ مستقیم پر واقع ہوں جو اس خط پر کہ ہمارے سینوں سے نکل کر قبلہ معظمہ پر گزرا ہے عمود ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں "عباد اللہ لتسون صفوفکم اولیخالفن اللہ بین وجوھکم" "اللہ کے بندو! ضرور یا تم اپنی صفیں سیدھی کروگے یا اللہ تمہارے آپس میں اختلاف ڈال دے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صف میں ایک شخص کا سینہ اوروں سے آگے نکلا ہوا ملاحظہ کیا، اس پر یہ ارشاد فرمایا۔

(صحیح مسلم، ج 1، ص 182، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم "راصّوا صفوفکم وقاربوا بینھا وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاری الشیاطین تدخل من خلل الصف کانھا الحذف" "اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں شیاطین کو دیکھتا ہوں کہ رخنہ صف سے داخل ہوتے ہیں جیسے بھیڑ کے بچے۔

(سنن النسائی، ج 1، ص 93، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

تیسری حدیث صحیح میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم "اقیموا الصفوف فانما تصفون بصف الملئکۃ وحاذوا بین المناکب" "صفیں سیدھی کرو کہ تمہیں تو ملائکہ کی سی صف بندی چاہئے اور شانے ایک دوسرے کے مقابل رکھو۔

(سنن ابوداؤد، ج 1، ص 97، آفتاب عالم پریس، لاہور)

دوم اتمام کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری نہ کریں اس کا شرع مطہرہ کو وہ اہتمام ہے کہ اگر کوئی صف ناقص چھوڑے مثلاً ایک آدمی کی جگہ اس میں کہیں باقی تھی اسے بغیر پورا کئے پیچھے اور صفیں باندھ لیں، بعد کو ایک شخص آیا اس نے اگلی صف میں نقصان پایا تو اسے حکم ہے کہ ان صفوں کو چیرتا ہوا جاکر وہاں کھڑا ہو اور اس نقصان کو پورا کرے کہ انہوں نے مخالفتِ حکمِ شرع کرکے خود اپنی حرمت ساقط کی جو اس طرح صف پوری کرے گا اللہ تعالی اس کے لئے مغفرت فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا "الاتصفون کما تصف الملئکۃ عن ربھا" "ایسی صف کیوں نہیں باندھتے جیسی ملائکہ اپنے رب کے حضور باندھتے ہیں۔

صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ملائکہ کیسی صف باندھتے ہیں؟

فرمایا "یتمون الصف الاول ویتراصون فی الصف" "اگلی صف پوری کرتے اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم، ج 1، ص 181، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم "اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر" "پہلی صف پوری کرو پھر جو اس کے قریب ہے کہ جو کمی ہو تو سب سے پچھلی صف میں ہو۔

(سنن ابوداؤد، ج 1، ص 98، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله'' جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل کرے اور جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ (سنن النسائی، ج 1، ص 94، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''من نظر الیٰ فرجة فی صف فلیسدها بنفسه فان لم یفعل فمر مار فلیتخط علی رقبته فانه لاحرمة له'' جو کسی صف میں خلل دیکھے وہ خود اسے بند کردے اور اگر اس نے بند نہ کیا اور دوسرا آیا تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اس خلل کی بندش کو جائے کہ اس کے لئے کوئی حرمت نہیں۔

(المعجم الکبیر، ج 11، ص 105، مکتبہ فیصلیہ، بیروت)

سوم تراص یعنی خوب مل کر کھڑا ہونا کہ شانہ سے شانہ چھلے، اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ جیسے ایک صف کے گویا وہ دیوار ہے رانگا پلائی ہوئی۔

رانگ پگھلا کر ڈال دیں تو سب درزیں بھر جاتی ہیں کہیں رخنہ فرجہ نہیں رہتا، ایسی صف باندھنے والوں کو مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ دوست رکھتا ہے اس کے حکم کی حدیثیں اوپر گزریں، اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظهری'' اپنی صفیں سیدھی اور خوب گھنی کرو کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

یہ بھی اسی اتمامِ صفوف کے متممات سے اور تینوں امر شرعاً واجب ہیں۔

اور یہاں چوتھا امر اور ہے تقارب کہ صفیں پاس پاس ہوں بیچ میں قدرِ سجدہ سے زائد فضول فاصلہ نہ چھوٹے۔

(ج 7، ص 219)

سوال: کچھ لوگ بلا عذرِ شرعی فرض، وتر، عیدین اور تراویح بیٹھ کر پڑھتے ہیں، اگر وہ دورانِ جماعت صف کے درمیان ہوں تو اس سے باقی نمازیوں کی نماز پر اثر پڑھتا ہے یا نہیں؟

جواب: بیٹھنے والے محض کسل (سستی) و کاہلی کے سبب بے معذوری شرعی بیٹھیں گے تو فرائض و واجبات مثل عیدین و وتر میں امر دوم (اتمام) و سوم (تراص) کا خلاف لازم آئے گا کہ جب بلا عذر بیٹھے تو ان کی نماز نہ ہوئی اور قطع صف لازم آیا کہ نمازیوں میں غیر نمازی دخیل (داخل) ہیں، ان بیٹھنے والوں کو خود فسادِ نماز ہی کا گناہ کیا کم تھا مگر انہیں یہاں جگہ دینا اور اگر قدرت ہو تو صف سے نکال نہ دینا یہ باقی نمازیوں کا گناہ ہوگا کہ وہ خود اپنی صف کی قطع پر راضی ہوئے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے، ان پر لازم تھا کہ انہیں کھڑے ہونے پر مجبور کریں اور اگر نہ مانیں تو صفوں سے نکال کر دور کریں، ہاں نمازی اس پر قادر نہ ہوں تو معذور ہیں اور قطع صف کے وبالِ عظیم میں یہی بیٹھنے والے ماخوذ ہیں، یہ حکم فرائض و واجبات کا تھا۔

رہی تراویح اس میں ہمارے علما کو اختلاف ہے کہ آیا یہ بھی مثل واجبات وسنت فجر بلا عذر بیٹھ کرنا جائز وفاسد ہوتی ہیں یا مثل باقی سنن جائز ہو جاتی ہیں اگر چہ خلافِ توارث کے سبب مکروہ ہوتی ہیں بعض علما حکمِ اول کی طرف گئے اور صحیح ثانی ہے۔

قولِ اول پر کاہلوں کا بلا عذر صف میں بیٹھنا ویسا ہی ناجائز وموِرثِ گناہ وموجبِ قطعِ صف ہوگا جیسا واجبات میں کہ اس قول پر یہ لوگ بھی نماز سے خارج ہیں اور قولِ ثانی پر مستحب ہوگا کہ ان اہلِ کسل کو مؤخر کیا جائے اور صفوں میں یوں دخیل نہ ہونے دیا جائے کہ ایک قول پر وہ گناہ ومعصیت ہے اور دوسرے پر محض بے ضرورت ہے تو اس سے احتراز ہی میں فضیلت ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے مذاہب جو اپنے مذہب سے بے علاقہ ہیں جیسے حنفیہ کے لئے شافعیت مالکیت حنبلیت ان کے خلاف کی رعایت رکھنی بالاجماع مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کا مکروہ نہ لازم آتا ہو تو یہ خلاف تو خود اپنے علمائے مذہب میں ہے۔

(ج7،ص223)

ســــوال: زید نے اپنی کتاب میں یہ عبارت لکھی ہے کہ چار مصلے جو کہ مکہ معظمہ میں مقرر کئے ہیں، یہ غلط ہے کہ تکرارِ جماعت وافتراق اس سے لازم آ گیا کہ ایک جماعت ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریکِ جماعت نہیں ہوتی اور مرتکب حرام ہوتے ہیں، زید کا یہ قول کیسا ہے؟

جواب: حقیقتِ امر یہ ہے کہ حرمین طیبین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً میں چاروں مذاہبِ حقہ اہلسنت حفظہم اللہ تعالیٰ کے لوگ مجتمع ہیں اور اُن میں باہم طہارت ونماز کے مسائل میں اختلافِ رحمت ہے، ایک بات ایک مذہب میں واجب دوسرے میں ممنوع، ایک میں مستحب دوسرے میں مکروہ، ایک کے نزدیک ایک امر ناقضِ طہارت (طہارت کو توڑنے والا) دوسرے کے نزدیک نہیں، ایک کے یہاں کسی صورت میں وضو تمام دوسرے کے یہاں نہیں۔

تو جب امام کسی مذہب کا ہو اگر اس نے دوسرے مذہب کے فرائضِ طہارت وصلاۃ کی رعایت اور ان کے نواقض ومفسدات سے مجانبت نہ کی جب تو اس مذہب والوں کی نماز اس کے پیچھے باطل وفاسد ہی ہوگی اور اگر مراعات ومجانبت مشکوک ہو تو مکروہ اور تلفیقِ مذاہب باجماع جمہور ائمہ حرام وباطل اور بحالِ رعایت بھی ہر مذہب کے مکروہات سے بچنا یقیناً محال اور بعض امور ایک مذہب میں سنت اور دوسرے میں مکروہ ہیں اگر بجالایا تو مذہبِ ثانی اور تارک ہوا تو مذہبِ اول پر کراہت، ولہٰذا غایت امکان قدر فرائض ومفسدات تک ہے۔

محققین نے تصریح فرمائی کہ بہرحال موافق المذہب کی اقتداء اکمل وافضل، تو انتظارِ موافق کے لئے نوافل یا ذکر وغیرہما میں مشغول رہنا جماعت سے اعراض نہیں بلکہ اکمل واعلیٰ کی طلب ہے اور یہ تفریق جماعت نہیں بلکہ تکمیل وتحسین ہے خصوصاً ان دو مسجد مبارک میں کہ مسجد محلہ نہیں ہر جماعت جماعتِ اولیٰ ہے اس لئے آٹھ سو برس یا زائد سے مکہ معظمہ ومدینہ

طیبہ و بیت المقدس وجدہ ومصروشام وغیرہا بلادِ اسلام میں عامۂ مسلمین کا عمل اس پر جاری وساری رہا اور بعض کا انکار شاذ ومہجور قرار پایا تو بعدِ وضوحِ حق (حق واضح ہونے کے بعد) واستقرارِ امر اسے زبون وحرام وبدعت کہنا باطل وجہل وسغابت ہے، چار مصلّے ہونا اسی طریقۂ انیقہ سے عبارت جسے علمائے مذاہب نے بنظرِ مصالحِ جلیلہ مذکورہ پسند ومقرر رکھا باقی کسی مکان یا علامت کا بننا کہ یہ بھی صدہا سال سے معہود ومقبول ہے نہ اس کے لئے ضرور نہ ان میں مخل بلکہ وہ بھی منافع پر مشتمل۔ (ص ۲۲۶)

سوال: مقتدیوں کو امام پر تحکم کرنا کیسا؟ اوقاتِ معینہ کے بعد امام کو مقتدی کا انتظار کرنا کیسا؟ بالخصوص ایسے مقتدی کا جو بے علم اور مشہور جھگڑالو ہو، اور یہ چاہتا ہو کہ جب ہم کہیں جب ہی اذان ہو اور جب ہم کہیں جب ہی نماز ہو اگرچہ وقت کچھ ہی ہو جائے اور امام پانچوں وقت بعد اذان کے خود آ کر ہمیں گھر سے بلا لے جایا کرے، ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: مقتدی کو امام پر تحکم نہیں پہنچتا اور وہ خیالات جو سوال میں مذکور ہوئے محض ظلم واثم (گناہ) ہیں امام کو ایسے شخص کا اتباع اور اس کی ان نفسانی خواہشوں کا لحاظ ہرگز نہ چاہئے مگر جبکہ شریر وموذی ہو اور اس کے ترک انتظار میں مظنۂ فتنہ ہو تو بجبوری تاحدِ امکان انتظار کر سکتا ہے کہ فتنہ سے بچنا ضرور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ ترجمہ: فتنہ قتل سے بدتر ہے۔

ملتزمانِ جماعت (جو جماعت میں پابندی سے حاضر ہوتے ہیں) جب تک حاضر نہ ہوں اور وقت میں کراہت نہ آئے امام انتظار کرے ورنہ نہیں۔ (ج7، ص229)

سوال: کھانا تیار ہے اور جماعت بھی تیار ہے تو اول کھانا کھائے یا نماز پڑھ لے؟

جواب: جماعت تیار ہے اور کھانا سامنے آیا اور وقت تنگ نہ ہو جائے گا اور پہلے جماعت کو جائے تو بھوک کے سبب دل کھانے میں لگا رہے یا کھانا سرد ہو کر بے مزا ہو جائے گا یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہو کر نہ چبائی جائے گی تو اجازت ہے کہ پہلے کھانا کھا لے اور اگر کھانے میں کوئی خرابی یا وقت نہ آئے گی نہ اسے ایسی بھوک ہے تو جماعت نہ کھوئے۔

(ج7، ص229)

سوال: جماعت کا وقت ہو گیا اور دو چار شخص اور آ گئے ان کو وضو سے فارغ نہ ہونے دیا اور فوراً کھڑے ہو گئے، ان کا انتظار کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟

جواب: یہ دو چار شخص جو بعد کو آئے اور ان کے وضو کا انتظار نہ کیا اور جماعت قائم کر دی اگر یہ لوگ اہل محلّہ سے نہ تھے انہیں اس تعیین وقت پر جو اہلِ مسجد نے مقرر کر لی ہے اطلاع نہ تھی اور وقت میں تنگی بھی نہ تھی اور حاضرین میں کسی پر انتظار سے کوئی حرج بھی نہ تھا تو اس صورت میں ان کے وضو کا انتظار کر لینا مناسب تھا خصوصاً جبکہ اس انتظار نہ کرنے میں ان کی دل شکنی ہو

کہ بلا وجہ کسی مسلمان کی دل شکنی بہت سخت بات ہے، دو چار منٹ میں وضو ہو جائے گا، اس میں ان کا ایک نفع اور اپنے تین، ان کا تو یہ کہ تکبیر اولیٰ پالیں گے۔

او اپنا پہلا نفع یہ کہ اس فضیلت کے ملنے میں مسلمانوں کی اعانت ہوئی اور اس کا اجر عظیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ ترجمہ: نیکی اور تقویٰ پر لوگوں کے ساتھ تعاون کرو۔

یہاں تک کہ عین نماز میں امام کو چاہئے کہ اگر رکوع میں کسی کی پچل (چاپ) سنے اور اسے پہچانا نہیں تو ایک تسبیح زیادہ کر دے کہ وہ شامل ہو جائے۔

دوم اس رعایت سے ان مسلمانوں کا دل خوش کرنا متعدد احادیث میں ہے "احب الاعمال الی اللہ بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم" فرائض کے بعد سب اعمال میں اللہ کو زیادہ پیارا مسلمان کا دل خوش کرنا ہے۔

(الجامع الصغیر، ج 1، ص 167، دار المعرفۃ، بیروت)

سوم صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ "انکم فی صلوۃ ماانتظرتم الصلوۃ" بیشک تم نماز ہی میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں ہو۔ (صحیح بخاری، ج 1، ص 84، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ورنہ انتظار نہ کرنے میں کوئی حرج نہ ہوا۔ (ج 7، ص 230)

سوال: ہماری ہاں ایک نئی مسجد تیار ہو رہی ہے، جس کے متعلق یہ ارادہ ہے کہ چھت پر عورتوں کے نماز پڑھنے کی جگہ تیار ہو اس حالت میں جماعت کی صورت یہ ہوگی کہ بعض مردوں کی صفیں جو نیچے زمین پر ہوں گی عورتوں کی صفوں سے مقدم اور بعض برابر اور بعض مردوں کی صفیں جو کہ اندر کی مسجد کی دیوار کے باہر صحن میں ہیں وہ عورتوں کی صفوں سے مؤخر ہوں گی، اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: جبکہ بیچ میں سقف (چھت) وجدار (دیوار) حائل ہیں باعث بطلان نماز رجال (مردوں کی نماز کے بطلان کا سبب) نہیں ہو سکتا کہ محاذات نہ ہوئی۔

مگر یہ صورت بوجوہ (کچھ وجوہات سے) کراہت وممانعت سے خالی نہ ہوگی،

اولاً عورتوں کا مسجد میں جانا خود ممنوع ہے تو ایک ممنوع کے لئے سامان کرنا ہے۔

ثانیاً بے ضرورت شرعیہ مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ شدت گرمی بھی اس کے لئے عذر نہ مانی گئی۔

ثالثاً یہ اگرچہ تقدیم محسوس نہیں مگر واقع میں بعض صفوف رجال (مردوں کی صفوں) سے تقدیم (آگے ہونا) اور [illegible] معیت ضرور ہے اور حکم یہ ہے کہ "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" (ان کو موخر رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤخر فرمایا ہے)۔

لہٰذا اس سے احتراز ہی کیا جائے۔ (ج 7، ص 231)

مسبوق کابیان

☆جس نمازی کو پوری جماعت نہ ملی ہو یعنی جس کی ایک دو رکعتیں رہ گئی ہوں اسے مسبوق کہتے ہیں☆

سوال :س کہتا ہے کہ جس نے مغرب کی ایک رکعت امام کے ساتھ پائی وہ جب اپنی دو رکعتیں ادا کرے گا تو پہلی کے بعد قعدہ کرے گا، کیا اس کا یہ قول صحیح ہے؟

جواب:قول س کا صحیح ہے، ائمہ فتوی سے اسی کا اختیار مفید ترجیح ہے، کتب معتمدہ میں اس کی تصریح ہے۔

یہاں تک کہ غنیۃ شرح منیہ میں فرمایا اگر ایک رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کیا تو قیاس یہ ہے کہ نماز ناجائز ہو یعنی ترکِ واجب کے سبب ناقص و واجب الاعادہ البتہ استحساناً حکمِ جواز وعدمِ وجوبِ اعادہ دیا گیا کہ یہ رکعت من وجہ پہلی بھی ہے۔ (ج7ص233)

سوال : جماعت رکوع میں ہو تو آنے والے نمازی کو تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھ باندھنے کی حاجت ہے یا نہیں؟ اور فقط ایک ہی تکبیر کہہ کر رکوع میں مل جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب :ہاتھ باندھنے کی تو اصلاً حاجت نہیں اور فقط تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں مل جائے گا تو نماز ہو جائے گی مگر سنت یعنی تکبیرِ رکوع فوت ہوئی لہٰذا یہ چاہئے کہ سیدھا کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہے اور سبحنک اللھم پڑھنے کی فرصت نہ ہو یعنی احتمال ہو کہ امام جب تک سر اٹھالے گا تو معاً دوسری تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور امام کا حال معلوم ہو کہ رکوع میں دیر کرتا ہے سبحنک اللھم پڑھ کر بھی شامل ہو جاؤں گا تو پڑھ کر رکوع کی تکبیر کہتا ہوا شامل ہو یہ سنت ہے۔

اور تکبیر تحریمہ کھڑے ہونے کی حالت میں کہنی تو فرض ہے بعض ناواقف جو یہ کرتے ہیں کہ امام رکوع میں ہے تکبیر تحریمہ جھکتے ہوئے کہی اور شامل ہو گئے اگر اتنا جھکنے سے پہلے کہ ہاتھ پھیلائیں تو گھٹنے تک پہنچ جائیں اللہ اکبر ختم نہ کر لیا تو نماز نہ ہوگی، اس کا خیال لازم ہے۔ (ج7ص235)

سوال :نماز ظہر کی جماعت کھڑی ہے میں نے وضو کیا تب تک تین رکعت ختم ہو گئیں، چوتھی میں جا ملا، اب میں تین رکعت کس ترتیب سے ادا کروں؟

جواب :سلامِ امام کے بعد کھڑے ہو کر سبحنک اللھم الخ پہلے اگر نہ پڑھا تھا تو اب پڑھے ورنہ اعوذ سے شروع کرے اور الحمد و سورت پڑھ کر رکوع و سجدہ کر کے بیٹھ کر التحیات پڑھے پھر کھڑا ہو کر الحمد و سورت پڑھے اور رکوع و سجدہ کر کے بغیر بیٹھے کھڑا ہو جائے اور چوتھی رکعت میں فقط الحمد پڑھ کر رکوع و سجدہ کر کے التحیات پڑھے اور نماز تمام کرے۔

(ج7ص235)

سوال: امام کو سہو ہوا، وہ سجدۂ سہو کر رہا ہے یا کرنے کے بعد قعدہ کر رہا ہے، ابھی آنے والا نمازی امام کے ساتھ ملے یا نہیں؟

جواب: ضرور مل جائے ہر حال میں اقتدا درست وصحیح ہے۔ (ج7ص236)

سوال: جب زید صبح کی نماز کے وقت وضو کر کے فارغ ہوا تو گمان کیا کہ امام نصف التحیات پڑھ چکا اور جماعت دوسری بھی تیار ہے اس نے سنت پڑھنا شروع کیا، بعد سنت کے جماعت ثانی ہوئی زید اس میں شریک ہوا، آیا یہ سنتیں اس کی ہوئی یا نہیں؟ اور زید امام اول کی التحیات میں شریک نہ ہونے سے گنہگار رہا یا نہیں؟ اور اس التحیات میں شریک ہونا اسے ضروری تھا یا نہیں؟

جواب: سنتیں ہو تو ہر حال میں گئیں مگر زید کو حکم یہی تھا کہ امام اول کی التحیات میں شریک ہو جائے، جماعت ثانیہ کے اعتماد پر اولیٰ کی شرکت نہ چھوڑے، زید بالقصد بلا عذر صحیح شرعی جماعت اولیٰ فوت کر دینے سے گنہگار رہا۔

ہاں اگر جماعت اولیٰ کا امام غلط خواں یا معاذ اللہ بد مذہب گمراہ یا فاسق معلن تھا، اور امام ثانی ان بلاؤں سے پاک، تو زید نے بہت اچھا کیا ایسا ہی چاہئے تھا بلکہ اگر امام اول مثلاً شافعی المذہب تھا اور اس نے امام حنفی المذہب کی اقتدا چاہی اس نیت سے تاخیر کی جب بھی گناہ نہ ہوا۔

(ج7ص236)

سوال: مسبوق کے بارے میں ہے کہ وہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد ختم کرنے کے بعد شہادتین کا تکرار کرتا رہے، اگر السلام علیك ایها النبی کی تکرار کرے تو کچھ حرج ہے؟

جواب: فقہا نے تکرار تشہد ہی کو لکھا ہے اور اگر السلام سے تکرار کرے جب بھی کوئی ممانعت نہیں۔ (ج7ص237)

سوال: امام کو سجدۂ سہو ہوا تو مسبوق امام کی متابعت سجدہ وسلام دونوں میں کرے گا یا فقط سجدہ میں؟

جواب: مسبوق صرف سجدہ میں متابعت کرے، نہ سلام میں، اگر سلام میں قصداً متابعت کرے گا اگرچہ اپنے جہل سے یہی سمجھ کر کہ مجھے شرعاً سلام میں بھی اتباع امام چاہئے تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی، ہاں اگر سہواً سلام کیا تو نماز مطلق نہ جائے گی اور سجدۂ سہو بھی اپنی نماز کے آخر میں کرنا نہ ہوگا اگر یہ سلام سہواً سلام امام سے پہلے یا معاً اس کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر کے تھا اور اگر سلام امام کے بعد بھول کر سلام پھیرا تو اس سجدۂ سہو میں تو امام کی متابعت کرے ہی، پھر جب اپنی باقی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ختم پر اس کے سہو سلام کے لئے سجدہ سہو کرے۔

(ج7ص238)

سوال: اگر مقیم نے امام مسافر کی اقتدا کی اور ایک یا دونوں رکوع نہ پائے (یعنی ایک یا دو رکعتیں نہ پائیں) مثلاً دوسری رکعت یا صرف التحیات میں شریک ہوا تو بعد سلام امام کے اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟

جواب: یہ صورت مسبوق لاحق کی ہے وہ پچھلی رکعتوں میں کہ مسافر سے ساقط ہیں مقیم مقتدی لاحق ہے لانہ لم یدر کھما مع الامام بعد ما اقتدی بہ (اس لئے کہ اس نے اقتداء کے بعد امام کے ساتھ ان دو رکعتوں کو نہیں پایا) اور اس کے شریک ہونے سے پہلے ایک رکعت یا دونوں جس قدر نماز ہو چکی ہے اس میں مسبوق ہے لانہا فاتتہ قبل ان یقتدی (اقتدا سے قبل اس نے اسے فوت کیا ہے)۔

اور حکم اس کا یہ ہے کہ جتنی نماز میں لاحق ہے پہلے اسے بے قراءت ادا کرے یعنی حالتِ قیام میں کچھ نہ پڑھے بلکہ اتنی دیر کہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے محض خاموش کھڑا رہے بعدہ (اس کے بعد) جتنی نماز میں مسبوق ہوا اسے مع قراءت یعنی فاتحہ وسورت کے ساتھ ادا کرے۔

پس اگر دونوں رکوع نہ پائے تھے تو پہلے دو رکعتیں بلا قرأت پڑھ کر بعد التحیات دو رکعتیں فاتحہ وسورت سے پڑھے۔

اور اگر ایک رکوع نہ ملا تھا تو پہلے ایک رکعت بلا قرأت پڑھ کر بیٹھے اور التحیات پڑھے کیونکہ یہ اس کی دوسری ہوئی، پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور ویسی ہی بلا قرأت پڑھ کر اس پر بھی بیٹھے اور التحیات پڑھے کہ یہ رکعت اگرچہ اس کی تیسری ہے مگر امام کے حساب سے چوتھی ہے اور رکعات فائتہ کو نماز امام کی ترتیب پر ادا کرنا ذمۂ لاحق لازم ہوتا ہے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت بفاتحہ وسورت پڑھ کر بیٹھے اور بعدِ تشہد نماز تمام کرے۔ (ج7،ص239)

سوال: امام نماز ظہر پڑھتا ہے اور ایک یا دو رکعت پڑھ چکا ہے کہ دوسرا شخص آ کر شامل ہوا تو نماز ختم ہونے کے بعد یہ مقتدی اپنے رکعاتِ باقیہ جو پڑھے تو اس میں فاتحہ وسورت وقراءت کرے یا بقدر پڑھنے فاتحہ وسورت کے ساکت رہ کر رکوع وسجود بجالائے گا؟ اور اسی طرح اگر مسافر نصف پڑھ کر ختم کرے تو مقتدی فاتحہ پڑھے یا بقدر قرأت ساکت رہے؟

جواب: صورتِ اولیٰ میں مقتدی کہ بعدِ سلام امام رکعت اولیٰ یا اولیین قضا کرے فاتحہ وسورت وجوباً پڑھے کیونکہ وہ مسبوق ہے اور مسبوق اپنے رکعات میں مثل منفرد، اور منفرد پر قراءت لازم۔

اور صورتِ ثانیہ میں مقیم کہ بعدِ سلامِ مسافر رکعتین اخیرتین ادا کرے۔ بجائے قراءت ساکت رہے کہ وہ ان رکعات میں لاحق ہے اور لاحق حکماً مقتدی اور مقتدی کو قرأت ممنوع۔ (ج7،ص241)

سوال: جس امام کے ساتھ چار رکعت کی نماز میں ایک رکعت ملی، وہ باقی نماز کیونکر ادا کرے؟

جواب: امام کے سلام کے بعد اٹھ کر ایک رکعت فاتحہ وسورت کے ساتھ پڑھے اور اس پر التحیات کے لئے بیٹھے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت فاتحہ وسورت کے ساتھ پڑھے اور اس پر نہ بیٹھے پھر ایک رکعت صرف فاتحہ کے ساتھ پڑھے اور قعدہ اخیرہ کر کے سلام پھیر دے۔ (ج7،ص242)

نماز میں خلیفہ بنانے کا بیان

سوال: اگر نماز پڑھاتے ہوئے امام کا وضو جاتا رہے تو مقتدی کیا کریں اور ان کی نماز کیونکر درست رہے؟

جواب: یہ صورت استخلاف (نماز میں خلیفہ بنانے) کی ہے کہ امام قبل اس کے کہ وضو کرنے کو مسجد سے باہر نکلے مقتدیوں میں سے کسی صالح امامت کو اپنا خلیفہ کردے اور وہ خلیفہ نہ کرے تو مقتدی اپنے میں سے ایک کو امام کردیں یا ان میں سے کوئی خود ہی آگے بڑھ جائے بشرطیکہ امام ابھی مسجد سے خارج نہ ہوا ہو کہ خلیفہ اس کی جگہ جا کھڑا ہو ان صورتوں میں بعد لحاظ شرائط کثیرہ نماز قائم رہے گی اور اگر پانی مسجد ہی میں مل سکے کہ وضو کے لئے باہر جانا نہ پڑے تو ان باتوں کی حاجت نہیں بلکہ مقتدی اپنی حالت پر باقی رہیں اور امام وضو کر کے آجائے اور نماز جہاں سے چھوڑی تھی شروع کردے۔

مگر یہ مسئلہ استخلاف ایک سخت دشوار و کثیر الشقوق (بہت ساری شقوں پر مشتمل) مسئلہ ہے جس میں بہت شرائط اور بکثرت اختلافِ صور سے اختلافِ احکام ہے جن کی پوری مراعات (رعایت کرنا) عام لوگوں سے کم متوقع، لہٰذا وہ ان امور کے خیال میں نہ پڑیں بلکہ جو بات احسن و افضل و اعلیٰ و اکمل ہے اسی پر کاربند رہیں یعنی اس نیت کو توڑ کر از سر نو نماز پڑھنا کہ جو لوگ علم کافی رکھتے اور مراعات جمیع احکام پر قادر ہیں ان کے لئے بھی افضل یہی ہے تو عام لوگ ایک خلافِ افضل بات کے حاصل کرنے کو ایسے راہ دشوار گزار میں کیوں پڑیں۔

(ج7،ص249)

سوال: امام کو حدث ہوا (اس کا وضو ٹوٹا) اس نے ایک اُمّی (جس کو قرآن پڑھنا نہیں آتا) مقتدی کو خلیفہ کیا، اس خلیفہ نے دوسرے کو خلیفہ کردیا، آیا یہ نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟

جواب: اگر یہ خلیفہ فی الحقیقۃ امی ہے کہ ایک آیت بھی قرآن کی اسے یاد نہیں اور اس نے قبل اس کے کہ امام مسجد سے باہر جائے اور آپ امام کی جگہ پہنچے دوسرے شخص صالح امامت کو خلیفہ کردیا اور وہ امام کے نکلنے سے پہلے اس کی جگہ پر پہنچ گیا تو نماز صحیح ہوگئی کہ ہر چند اُمّی صلاحیتِ خلافت نہیں رکھتا لیکن اس حالت میں خلیفہ دوسرا شخص ہے نہ وہ۔

اور جو امام نے اسے تشہد میں یا اس سے پہلے خلیفہ کیا اور اس نے امام کی جگہ پر پہنچنے کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ کیا تو نماز فاسد ہوئی اب اصلاح اس کے دوسرے کو خلیفہ کرنے سے متصور نہیں۔

اسی طرح دوسرا شخص امام کی جگہ پر بعد اس کے کہ امام مسجد سے خارج ہو پہنچا تو نماز فاسد ہوگئی۔

اور جو خلیفہ اول کو ایک آیت قرآن کی یاد ہے تو وہ صالح خلافت تھا ایسی صورت میں دوسرے کو خلیفہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہوگئی کہ استخلاف بدونِ ضرورت (بغیر ضرورت) کے نماز کو فاسد کرتا ہے۔

(ج7،ص250)

سوال :امام کا نماز میں وضو ٹوٹ گیا اور امام رکوع ان ابراھیم کان پڑھ رہا تھا اور جو خلیفہ امام نے بنایا اس کو رکوع مذکور یاد نہیں تھا،اب وہ خلیفہ کوئی سورت یعنی اخلاص یا اور کوئی سورت پڑھے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟اور وضو کے بعد امام اپنی جگہ پر آسکتا ہے یا نہیں؟

جواب :نماز ہو جائے گی اور امام کے خلیفہ نے جتنی پڑھی اُتنی پڑھ کر اگر خلیفہ نماز میں ملے (یعنی خلیفہ کو نماز میں پائے تو) اس کا شریک ہو جائے،یہ نہیں ہو سکتا کہ باقی نماز میں اسے ہٹا کر خود امام ہو جائے۔ (ج7ص252)

مفسداتِ نماز کابیان

سوال: غالباً مجمع البرکات میں ہے کہ نمازی کو غیر نمازی پنکھا کرے تو نمازی کو اگر اس پر رضا مندی ہے تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی، کیا حکم یہی ہے؟ اور یہ مجمع البرکات کس کی کتاب ہے؟

جواب: مجمع البرکات مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی تصنیف ہے اگر یہ عبارت اس کے کسی نسخہ صحیحہ میں ہو تو اس سے مراد نمازِ قلبی کا فساد ہوگا، نہ نمازِ فقہی کا کہ ادائے فرض ودفعِ کبیرہ ترک کے لئے باذنہٖ تعالیٰ کافی ہے ظاہر ہے کہ فعلِ غیر پر رضا عمل قلیل بھی نہیں کثیر درکنار، تو فسادِ نمازِ فقہی ناممکن ہے ہاں نمازِ قلبی تذلل وتضرع وتخشع ہے۔ (ج7،ص254)

سوال: نمازی کے آگے سے نکلنے والا گنہگار ہوتا ہے اور نمازی کی نماز میں تو کوئی خلل نہیں ہوتا ہے اور نمازی کے آگے سے کس قدر دور تک گزرنا نہیں چاہئے؟

جواب: نماز میں کوئی خلل نہیں آتا نکلنے والا گنہگار ہوتا ہے، نماز اگر مکان یا چھوٹی مسجد میں پڑھتا ہو تو دیوارِ قبلہ تک نکلنا جائز نہیں جب تک بیچ میں آڑ نہ ہو اور صحرا یا بڑی مسجد میں پڑھتا ہو تو صرف موضع سجود تک نکلنے کی اجازت نہیں اس سے باہر نکل سکتا ہے۔

موضع سجود کے یہ معنی ہیں کہ آدمی جب قیام میں اہلِ خشوع وخضوع کی طرح اپنی نگاہ خاص جائے سجود پر جمائے یعنی جہاں سجدے میں اس کی پیشانی ہوگی تو نگاہ کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے روک نہ ہو تو جہاں جمائے وہاں سے کچھ آگے بڑھتی ہے جہاں تک آگے بڑھ کر جائے وہ سب موضع میں ہے اس کے اندر نکلنا حرام ہے اور اس سے باہر جائز۔ (ج7،ص254)

سوال: کون سی مسجد بڑی شمار ہوگی؟

جواب: مسجد کبیر صرف وہ ہے جس میں مثلِ صحرا اتصالِ صفوف شرط ہے جیسے مسجد خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، باقی عام مساجد اگرچہ دس ہزار گز مکسر ہوں مسجد صغیر ہیں اور ان میں دیوارِ قبلہ تک بلا حائل مرور ناجائز۔ (ج7،ص257)

سوال: امام کو لقمہ کب دے سکتے ہیں اور کب نہیں؟

جواب: ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ بتانا اگرچہ لفظاً قرأت یا ذکر مثلاً تسبیح وتکبیر ہے اور یہ سب اجزا واذکارِ نماز سے ہیں مگر معنیً کلام ہے کہ اس کا حاصل امام سے خطاب کرنا اور اسے سکھانا ہوتا ہے یعنی تو بھولا، اس کے بعد تجھے یہ کرنا چاہئے، پر ظاہر کہ اس سے یہی غرض مراد ہوتی ہے اور سامع کو بھی یہی معنی مفہوم، تو اس کے کلام ہونے میں کیا شک رہا اگرچہ صورۃً قرآن یا ذکر، وللہذا اگر نماز میں کسی یحیٰی نامی کو خطاب کی نیت سے یہ آیہ کریمہ ﴿ یٰیَحْیٰی

ھٰذَا الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ پڑھی بالاتفاق نماز جاتی رہی حالانکہ وہ حقیقۃً قرآن ہے۔

اس بناء پر قیاس یہ تھا کہ مطلقاً بتانا اگر چہ برمحل ہو مفسد نماز ہو کہ جب وہ بلحاظ معنی کلام ٹھہرا تو بہر حال افساد نماز کرے گا مگر حاجت اصلاح نماز کے وقت یا جہاں خاص نص وارد ہے ہمارے ائمہ نے اس قیاس کو ترک فرمایا اور بحکم استحسان جس کے اعلیٰ وجوہ سے نص وضرورت ہے جواز کا حکم دیا۔

ولہذا صحیح یہ ہے کہ جب امام قرأت میں بھولے مقتدی کو مطلقاً بتانا روا اگر چہ قدر واجب پڑھ چکا ہو اگر چہ ایک سے دوسرے کی طرف انتقال ہی کیا ہو کہ صورت اولیٰ میں گو واجب ادا ہو چکا مگر احتمال ہے کہ رکنے اور الجھنے کے سبب کوئی لفظ اس کی زبان سے ایسا نکل جائے جو مفسد نماز ہو، لہذا مقتدی کو اپنی نماز درست رکھنے کے لئے بتانے کی حاجت ہے، بعض عوام حفاظ کو مشاہدہ کیا گیا کہ جب تراویح میں بھولے اور یاد نہ آیا تو ایں آں یا اور اسی کی قسم الفاظ بے معنی ان کی زبان سے نکلے اور فساد نماز کا باعث ہوئے۔

اور صورت ثانیہ میں اگر چہ جب قرأت رواں ہے تو صرف آیت چھوٹ جانے سے فسادِ نماز کا اندیشہ نہ ہو مگر اس بات میں شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نص وارد۔

ولہذا اگر کوئی مکان میں آنے کا اذن (اجازت) چاہے اور یہ اس غرض سے کہ اسے نماز میں ہونا معلوم ہو جائے تسبیح یا تکبیر یا تہلیل کہے نماز فاسد نہ ہوگی کہ اس بارے میں بھی حدیث وارد۔

بس جو بتانا حاجت ونص کے مواضع سے جدا ہو وہ بیشک اصلِ قیاس پر جاری رہے گا کہ وہاں اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں اس لئے اگر غیر نمازی یا دوسرے نمازی کو جو اس کی نماز میں شریک نہیں یا ایک مقتدی دوسرے مقتدی یا امام کسی مقتدی کو بتائے قطعاً نماز قطع ہو جائے گی کہ اس کی غلطی سے اس کی نماز میں کچھ خلل نہ آتا تھا جو اسے حاجت اصلاح ہوتی تو بے ضرورت واقع ہوا اور نماز گئی بخلاف امام کہ اس کی نماز کا خلل بعینہ مقتدی کی نماز کا خلل ہے تو اس کا بتانا اپنی نماز کا بنانا ہے۔ (ج7،ص257)

سوال :اگر امام کو قعدۂ اولیٰ میں اپنی عادت سے زیادہ دیر لگی اور مقتدی نے یہ خیال کر کے کہ امام کو سہو ہوا ہوگا لقمہ دے دیا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

جواب :جب امام کو قعدۂ اولیٰ میں دیر ہوئی اور مقتدی نے اس گمان سے کہ یہ قعدۂ اخیرہ سمجھا ہے تنبیہ کی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو واقع میں اس کا گمان غلط ہوگا یعنی امام قعدۂ اولیٰ ہی سمجھا ہے اور دیر اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار التحیات زیادہ ترتیل سے ادا کی جب تو ظاہر ہے کہ مقتدی کا بتانا نہ صرف بے ضرورت بلکہ محض غلط واقع ہوا تو یقیناً کلام ٹھہرا اور مفسدِ نماز ہوا۔

یا اس کا گمان صحیح تھا، غور کیجئے تو اس صورت میں بھی اس بتانے کا محض لغو و بے حاجت واقع ہونا اور اصلاح نماز سے اصلاً تعلق نہ رکھنا ثابت کہ جب امام قعدۂ اولیٰ میں اتنی تاخیر کر چکا جس سے مقتدی اس کے سہو پر مطلع ہوا تو لاجرم یہ تاخیر بقدر کثیر ہوئی اور جو کچھ ہونا تھا یعنی ترکِ واجب و لزومِ سجدۂ سہو وہ ہو چکا اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہو سکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل و فسادِ نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کر چکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطعِ نماز اس سے واقع ہو جائے، اس سے پہلے نہ خللِ واقع کا ازالہ تھا نہ خللِ آئندہ کا اندیشہ، تو سوا فضول و بے فائدہ کے کیا باقی رہا۔

لہٰذا مقتضائے نظرِ فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز ہے، نظیر اس کی یہ ہے کہ جب امام قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر پورا کھڑا ہو جائے تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے، ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑے ہونے کے بعد امام کو قعدۂ اولیٰ کی طرف عود نا جائز تھا تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کی رو سے کلام ٹھہر کر مفسدِ نماز ہوا۔

(ج7،ص262)

سوال: یہاں اکثر لوگ بے پڑھے نماز ظہر و عصر و مغرب و عشا کے فرض تنہا پڑھنے کی حالت میں تکبیراتِ انتقالیہ بآوازِ بلند اس غرض سے کہتے ہیں کہ دوسرے نمازی معلوم کر لیں کہ یہ شخص فرض پڑھتا ہے اور شریک ہو جائیں اس صورت میں جہر کے ساتھ تکبیر کہنے سے نماز میں فساد ہوتا ہے یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دوسرا شخص آیا اور اس بات کا منتظر ہے کہ یہ نمازی بجہر (بلند آواز سے) تکبیر کہے تو میں شریک ہو جاؤں، چنانچہ اس نے اس کی اطلاع کی غرض سے تکبیر جہر کے ساتھ کہی، اس صورت نماز فاسد ہوگی یا صحیح؟

جواب: دونوں صورتوں میں اگر نمازیوں نے اصل تکبیراتِ انتقال بہ نیتِ ادائے سنت و ذکرِ الٰہی عزوجل ہی کہیں اور صرف جہر بہ نیتِ اطلاع کیا تو نماز میں کچھ فساد نہ آیا۔

اور شک نہیں کہ واقع ایسا ہی ہوتا ہے نہ یہ کہ نفسِ تکبیر ہی سے ذکر وغیرہ کچھ مقصود نہ ہو صرف بغرضِ اطلاع بہ نیتِ مذکورہ کہی جاتی ہو، ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا قصد کرے تو اس کی نماز ضرور فاسد ہو جائے گی

اقول و باللہ التوفیق (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں) تحقیقِ مقام یہ ہے کہ ان مسائل میں حضراتِ طرفین (امام اعظم اور امام محمد) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک اصل یہ ہے کہ نمازی جس لفظ سے کسی ایسے معنی کا افادہ کرے جو اعمالِ نماز سے نہیں وہ کلام ہو جاتا اور مفسدِ نماز قرار پاتا ہے اگرچہ لفظ فی نفسہٖ ذکرِ الٰہی یا قرآن ہی ہو اگرچہ اپنے محل ہی میں ہو، مثلاً کسی موسیٰ نامی

شخص سے نمازی نے کہا ﴿ما تلک بیمینک یاموسیٰ﴾ (اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟) نماز جاتی رہی، اگرچہ یہ الفاظ آیۂ کریمہ ہیں۔

۲: التحیات پڑھ رہا تھا جب کلمہ تشہد کے قریب پہنچا مؤذن نے اذان میں شہادتیں کہیں اس نے نہ بہ نیت قرأت تشہد بلکہ بہ نیت اجابت مؤذن اشہد ان لاالہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ، ورسولہ کہا نماز جاتی رہی، اگرچہ یہ ذکر اپنے محل ہی میں تھا۔

مگر جبکہ ایسا قصد بضرورتِ اصلاحِ نماز ہو جیسے مقتدیوں کا امام کو بتانا یا اس کے جواز میں خاص نص آ گیا ہو جیسے کوئی دروازے پر آواز دے یہ نماز پڑھتا ہو اس کو مطلع کرنے کے لئے سبحان اللہ یا لاالہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہے تو صرف ان صورتوں میں نماز نہ جائے گی اور ان کے ماوراء میں مطلقاً اسی اصلِ کلی پر عمل ہو کر فسادِ نماز کا حکم دیا جائے گا۔

اور شک نہیں کہ جب نمازی نے اللہ اکبر یا سمع اللہ لمن حمدہ صرف اس اطلاع کی نیت سے کہا کہ میں پڑھ رہا ہوں میرے شریک ہو جاؤ، تو یہ ایک لفظ ہے جس سے ایسے معنی کا افادہ (فائدہ پہنچانا) چاہا جو اعمال نماز سے نہیں کہ اعمال نماز اس کے افعالِ مخصوصہ معلومہ ہیں نہ کسی سے یہ کہنا کہ نماز میں مل جاؤ اور اس خصوص میں نہ نص وارد ہے نہ یہ کہ نہ جاننے والے کو اس کا بتانا ہے کہ میں نماز میں مشغول بلکہ اس سے اپنے فرض میں ہونے کا اعلام (دوسرے کو بتانا) اور اپنی نماز کی طرف بلانا مقصود ہے، یہ دونوں باتیں مجرد (صرف) قصدِ اعلام صلوٰۃ (نماز میں ہونے کو بتانے کے قصد) سے زائد ہیں کہ اس قدر تو وہ آنے والے خود ہی جانتے ہیں کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے تو یہ صورت اُن صورِ استثناء میں داخل نہیں اور حکم فسادِ نماز ہے۔

مگر اگر اصل لفظ سے کوئی امرِ بیرونی مقصود نہیں بلکہ صرف رفعِ صوت بقصدِ دیگر ہے تو یہاں کوئی لفظ ایسا نہ پایا گیا جس سے کسی خارج بات کا قصد کیا گیا ہو اور تنہا رفعِ صوت کلام نہیں تو منا طِ فساد متحقق نہ ہوا۔

والہذا امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ نے جبکہ اُن مکبروں کی نسبت جو تکبیرات انتقالات میں گانے کے طور پر اپنی آواز بنانے کے لئے گھٹاتے بڑھاتے اور سامعین کو اپنی خوش الحانی جتانے کا قصد کرتے ہیں فسادِ نماز کا حکم دیا اسے دو امر پر مبنی فرمایا:

ایک یہ کہ ان تکبیرات سے ان کا قصد اقامتِ عبادت نہیں ہوتا بلکہ اپنی صناعتِ موسیقی کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو اب یہ تکبیریں خود ہی وہ الفاظ ہیں جن سے معنی خارج کا افادہ مراد ہوا۔

دوسرے یہ کہ اس جزر و مد سے حروفِ زائد پیدا ہو جاتے ہیں جو اصل کلماتِ تکبیر میں نہیں تو اگرچہ نفسِ تکبیر سے اُن کا قصد وہ نہ ہو مگر یہ حروف تو ضرور اسی قصد سے بڑھائے گئے اور اب یہ وہ الفاظ بقصدِ افادۂ معنی خارج ہوئے بہر صورت فسادِ نماز

چاہئے۔

(ج7،ص270)

سوال: اگر مقتدی نے رکوع یا سجدہ امام کے ساتھ نہ کیا بلکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد کیا تو نماز اس کی ہوئی یا نہیں؟

جواب: ہوگئی اگرچہ بلاضرورت ایسی تاخیر سے گنہگار ہوا اور بوجہِ ترک واجب اعادۂ نماز کا حکم دیا جائے تحقیقِ مقام یہ ہے کہ متابعتِ امام جو مقتدی پر فرض میں فرض ہے تین صورتوں کو شامل:

ایک یہ کہ اس کا ہر فعل فعلِ امام کے ساتھ کمالِ مقارنت پر محض بلافصل واقع ہوتا رہے یہ عین طریقۂ مسنونہ ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مقتدی کو اسی کا حکم۔

دوسرے یہ کہ اس کا فعل فعلِ امام کے بعد بدیر واقع ہو اگرچہ بعدِ فراغ امام، فرض یوں بھی ادا ہوجائے گا پھر یہ فصل بضرورت ہوا تو کچھ حرج نہیں، ضرورت کی یہ صورت کہ مثلاً مقتدی قعدۂ اولیٰ میں آکر ملا اس کے شریک ہوتے ہی امام کھڑا ہوگیا اب اسے [illegible] التحیات پوری پڑھ کر کھڑا ہو اور کوشش کرے کہ جلد جا ملے، فرض کیجئے کہ اتنی دیر میں امام رکوع میں آگیا تو اس کا قیام قیامِ امام کے بعد [illegible] واقع ہوگا مگر حرج نہیں کہ یہ تاخیر بضرورتِ شرعیہ تھی اور اگر بلاضرورت فصل کیا تو قلیل فصل میں جس کے سبب امام سے جاملنا فوت نہ ہو ترکِ سنت اور کثیر میں جس طرح صورت سوال ہے کہ فعل امام ختم ہونے کے بعد اس نے فعل کیا ترکِ واجب جس کا حکم اس نماز کو پورا کرکے اعادہ کرنا۔

تیسرے یہ کہ اس کا فعل فعلِ امام سے پہلے واقع ہو مگر امام اسی فعل میں اس سے آملے مثلاً اس نے رکوع امام سے پہلے رکوع کردیا لیکن یہ ابھی رکوع ہی میں تھا کہ امام رکوع میں آگیا اور دونوں کی شرکت ہوگئی یہ صورت اگرچہ سخت ناجائز وممنوع ہے اور حدیث میں اس پر وعید شدید وارد، مگر نماز یوں بھی صحیح ہوجائے گی جبکہ امام سے مشارکت ہولے۔

اور اگر ابھی امام مثلاً رکوع یا سجود میں نہ آنے پایا کہ اس نے سر اٹھالیا اور پھر امام کے ساتھ یہ بعد اس فعل کا اعادہ نہ کیا تو نماز اصلاً نہ ہوگی کہ اب فرض متابعت کی کوئی صورت نہ پائی گئی تو فرض ترک ہوا اور نماز باطل۔

(ج7،ص274)

سوال: امام نے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ پڑھی مقتدی کے منہ سے عادۃً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکل گیا نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

جواب: اس میں جوابِ امام مقصود نہیں ہوتا بلکہ امتثالِ امرِ الٰہی (اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی مقصود ہوتی ہے)، لہٰذا فسادِ نماز نہیں۔

سوال: زید ایک مسجد میں تراویح سناتا ہے، عمرو اس کا [illegible] ہے، محمود ایک تیسرا شخص ہے جو ہمیشہ یا کبھی کبھی اسی مسجد

میں زید کے پیچھے تراویح پڑھا کرتا ہے اگر محمود کے خیال میں زید (امام) نے کچھ غلط پڑھا اور عمرو مقرر کیا ہوا سامع سہواً یا عمداً خاموش رہا یا یہ کہ زید نے صحیح پڑھا اور عمرو نے سہواً یا عمداً غلط بتایا یا یہ کہ زید نے غلط پڑھا اور عمرو نے بھی سہواً یا عمداً غلط بتایا تو ان تینوں صورتوں میں محمود شخصِ ثالث کو غلطی کی تصحیح کا اگر چہ وہ غلطی مفسدِ نماز نہ ہو حق حاصل ہے یا نہیں؟

جواب :امام جب ایسی غلطی کرے جو موجبِ فسادِ نماز (نماز فاسد ہونے کا سبب) ہو تو اس کا بتانا اور اصلاح کرانا ہر مقتدی پر فرض کفایہ ہے ان میں سے جو بتادے گا سب پر سے فرض اُتر جائے گا اور کوئی نہ بتائے گا تو جتنے جاننے والے تھے سب مرتکبِ حرام ہوں گے اور نماز سب کی باطل ہو جائے گی۔

اور ایک کا بتانا سب پر سے فرض اس وقت ساقط کرے گا کہ امام مان لے اور کام چل جائے ورنہ اوروں پر بھی بتانا فرض ہوگا یہاں تک کہ حاجت پوری اور امام کو وثوق (یقین) حاصل ہو، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے بتائے سے امام کا اپنی غلط یاد پر اعتماد نہیں جاتا اور وہ اس کی تصحیح کو نہیں مانتا اور اس کا محتاج ہوتا ہے کہ متعدد شہادتیں اس کی غلطی پر گزریں تو یہاں فرض ہوگا کہ دوسرا بھی بتائے اور اب بھی امام رجوع نہ کرے تو تیسرا بھی تائید کرے یہاں تک کہ امام صحیح کی طرف واپس آئے۔

اور اگر غلطی ایسی ہے جس سے واجب ترک ہو کر نماز مکروہ تحریمی ہو تو اس کا بتانا ہر مقتدی پر واجبِ کفایہ ہے اگر ایک بتادے اور اس کے بتانے سے کاروائی ہو جائے سب پر سے واجب اتر جائے ورنہ سب گنہگار رہیں گے۔

اور اگر اس غلطی میں نہ فسادِ نماز ہے نہ ترکِ واجب، جب بھی ہر مقتدی کو مطلقاً بتانے کی اجازت ہے۔

مگر یہاں وجوب کسی پر نہیں لعدمِ الموجب (واجب کرنے والی چیز کے نہ پائے جانے کی وجہ سے)۔

اقول (میں کہتا ہوں) مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ امام غلطی کر کے خود متنبہ ہوا اور یاد نہیں آتا یاد کرنے کے لئے رکا اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی قدر رُکے گا نماز میں کراہتِ تحریم آئے گی اور سجدہ سہو واجب ہوگا۔ تو اس صورت میں جب اُسے رُکا دیکھیں مقتدیوں پر بتانا واجب ہوگا کہ سکوت قدرِ ناجائز تک نہ پہنچے۔

دوسرے یہ کہ بعض ناواقفوں کی عادت ہوتی ہے جب غلطی کرتے ہیں اور یاد نہیں آتا تو اضطراراً اُن سے بعض کلمات بے معنی صادر ہوتے ہیں کوئی اُوں اُوں کہتا ہے کوئی کچھ اور، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو جس کی یہ عادت معلوم ہے وہ جب رکنے پر آئے مقتدیوں پر واجب ہے کہ فوراً بتائیں قبل اس کے کہ وہ اپنی عادت کے حروف نکال کر نماز تباہ کرے۔

اقول (میں کہتا ہوں) اور ان دونوں صورتوں کے سوا جب تراویح میں ختمِ قرآن عظیم ہو تو ویسے بھی مقتدیوں کو بتانا چاہئے جبکہ امام سے نہ نکلے یا وہ آگے رواں ہو جائے اگر چہ اس غلطی سے نماز میں کچھ خرابی نہ ہو کہ مقصود ختمِ کتابِ عزیز ہے اور وہ کسی غلطی کے ساتھ پورا نہ ہوگا، یہاں اگر چہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت نہ بتائے بعدِ سلام اطلاع کردے امام دوسری تراویح میں

اُتنے الفاظ کریمہ کا صحیح طور پر اعادہ کرلے مگر اولیٰ ابھی بتانا ہے کہ حتی الامکان نظمِ قرآن اپنی ترتیب کریم پر ادا ہو۔

اوران تمام احکام میں جملہ مقتدی یکساں ہیں امام کو بتانا کسی خاص مقتدی کا حق نہیں ارشادات حدیث وفقہ سب مطلق ہیں ابن عساکر نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں ''امرنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نرد علی الامام'' ہم کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ امام پر اس کی غلطی رد کریں۔

(المستدرک علی الصحیحین ج 1 ص 270 دار المعرفۃ بیروت)

ابوعبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''من السنۃ ان تفتح علی الامام اذا استطعمك قیل لابی عبدالرحمٰن ما استطعام الامام قال اذا سکت'' سنت ہے کہ جب امام تم سے لقمہ مانگے تو اسے لقمہ دو، ابوعبدالرحمان سے کہا گیا امام کا مانگنا کیا، کہا جب وہ پڑھتے پڑھتے چپ ہو جائے۔

(المستدرک علی الصحیحین ج 1 ص 270 دار المعرفۃ بیروت)

کتب مذہب میں عموماً یجوز فتحہ علی امامہ (اپنے امام کو لقمہ دینا جائز ہے) فرمایا جس میں ضمیر مطلق مقتدی کی طرف ہے کہ اسے امام کو بتانے کی اجازت ہے مسئلہ کی دلیل جو علماء نے فرمائی وہ بھی تمام مقتدی کو شامل ہے۔ بحرالرائق وغیرہ میں ہے ''لانہ تعلق بہ اصلاح صلاتہ'' ترجمہ: کیونکہ اس کے ساتھ مقتدی کی نماز کی اصلاح متعلق ہے۔

(بحرالرائق ج 2 ص 6 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

حتی کہ بالغ مقتدیوں کی طرح تمیز دار بچہ کا بھی اس میں حق ہے کہ اپنی نماز کی اصلاح کی سب کو حاجت ہے۔

قوم کا کسی کو سامع مقرر کرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس کے غیر کو بتانے کی اجازت نہیں اور اگر کوئی اپنے جاہلانہ خیال سے یہ قصد کرے بھی تو اس کی ممانعت سے وہ حق کہ شرع مطہر نے عام مقتدیوں کو دیا کیونکر سلب ہو سکتا ہے اور اس کے سبب کسی مسلمان پر تشدد یا مسجد میں آنے سے ممانعت یا معاذ اللہ مسجد سے نکلوا دینا سخت حرام ہے۔

اس بیان سے جملہ مدارجِ سوال کا جواب منکشف ہوگیا بیشک محمود کو سب صورتوں میں عین نماز میں بتانے کا حق حاصل ہے کہیں وجوباً کہیں اختیاراً، جس کی تفصیل اوپر گزری اور بحال وجوبِ عینی خاموشی میں گناہ ہوگا خصوصاً اس حالت میں کہ عمرو غلط بتائے کہ اب تو بہت جلد فوراً فوراً صحیح بتانے کی طرف مبادرت (جلدی کرنا) واجب ہے کہ بتانا تعلیم وکلام تھا اور بضرورتِ اصلاحِ نماز جائز رکھا گیا اور غلط بتانے میں نہ اصلاح نہ ضرورت، تو اصل پر رہنا چاہئے تو عمرو نے اگر قصداً مغالطہ دیا جب تو یقیناً اس کی نماز جاتی رہی اور اگر امام اس کے مغالطے کو لے گا عام ازیں کہ امام نے غلط پڑھا ہو یا صحیح، تو ایک شخص خارج از نماز کا امتثال (پیروی کرنا) یا اس سے تعلّم (سیکھنا) ہوگا اور یہ خود مفسدِ نماز ہے تو امام کی نماز جائے گی اور اس کے ساتھ سب کی باطل ہوگی، لہٰذا اس فساد کا انسداد فوراً واجب ہے۔

اور اگر سہواً غلط بتایا تو بظاہر حکم کتاب وقضیۂ دلیلِ مذکور اب بھی وہی ہے۔

اقول مگر فقیر امید کرتا ہے کہ شرع مطہر ختمِ قرآن مجید فی التراویح میں اس باب میں تیسیر (آسانی) فرمائے کہ سامع کا خود غلطی کرنا بھی نادر نہیں اور غالباً قاری اسے لے لیتا یا اس کے امتثال کے لئے اوپر سے پھر عود کرتا ہے تو اگر ہر بار بحال سہو فسادِ نماز کا حکم دیں اور قرآن مجید کا اعادہ کرائیں حرج ہوگا والحرج مدفوع بالنص (دین میں تنگی کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے) بہر حال یہ حکم قابلِ غور ومحتاجِ تحریر تام ہے۔

تو اندیشۂ فساد سے تحفظ کے لئے عمرو کے غلط بتانے کی حالت میں مطلقاً دوسروں کو صحیح بتانے کی طرف فوراً فوراً مبادرت (جلدی کرنی) چاہئے۔ (ج7ص280تا286)

سوال: ایک امام مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے اور ایک سامع حافظ بھی اس کی تصحیح کے واسطے مقرر ہے امام اس کی تصحیح سے فائدہ اٹھاتا ہے اب کوئی حافظ بھی امام کو اپنے خیال کے موافق لقمہ دیتا ہے جو کبھی غلط اور کبھی صحیح ثابت ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامع اپنی یادداشت کے موافق اس دوسرے بتانے والے کی تردید بھی کرتا ہے اور امام اس شش وپنج میں پڑ جاتا ہے کہ کس کا قول مانا جائے غرض کہ امام کو کئی شخصوں کے لقمہ دینے سے اور زیادہ شکوک پیدا ہوتے ہیں، اور پریشان ہوکر معمول سے زیادہ غلطی کرنے لگتا ہے، علاوہ ازیں اکثر نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو محض اپنی یاد جتانے کے واسطے ذرا ذرا شبہے پر لقمہ دیتے ہین اور قاری کو پریشان کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: یہاں چند امور ہیں جن کے علم سے حکم واضح ہو جائے گا:

(۱) امام کو فوراً بتانا مکروہ ہے۔

ہاں اگر وہ غلطی کر کے رواں ہو جائے تو اب نظر کریں اگر غلطی مفسدِ معنی ہے جس سے نماز فاسد ہو تو بتانا لازم ہے اگر سامع کے خیال میں نہ آئی ہر مسلمان کا حق ہے کہ بتائے کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کا فساد ہے اور دفعِ فساد لازم اور اگر مفسدِ معنی نہیں تو بتانا کچھ ضرور نہیں بلکہ نہ بتانا ضرور ہے جبکہ اس کے سبب امام کو وحشت پیدا ہو فان الامر بالمعروف یسقط بالایحاش کما فی الفتاوی العلمگیریۃ وغیرھا (وحشت پیدا کرنے والا امر بالمعروف ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری وغیرہ میں ہے)۔

بلکہ بعض قاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر شخص کے بتانے سے اور زیادہ اُلجھ جاتے اور کچھ حروف اس گھبراہٹ میں اُن سے ایسے صادر ہو جاتے ہیں جس سے نماز فاسد ہوتی ہے اس صورت میں اوروں کا سکوت لازم ہے کہ اُن کا بولنا باعثِ فسادِ نماز ہوگا۔

(۲) قاری کو پریشان کرنے کی نیت حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "بشروا ولاتنفروا ویسروا ولاتعسروا" ترجمہ: لوگوں کو خوشخبریاں سناؤ نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو تنگی نہ کرو۔ (صحیح البخاری، ج1،ص16، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور بیشک آج کل بہت حفاظ کا یہ شیوہ ہے یہ بتانا نہیں بلکہ حقیقۃً یہود کے اس فعل میں داخل ہے ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ﴾ (اس قرآن کو نہ سنو اس میں شور ڈالو)۔

(۳) اپنا حفظ جتانے کے لئے ذرا ذرا شبہ پر روکنا ریاء ہے اور ریاء حرام ہے خصوصاً نماز میں۔

(۴) جبکہ غلطی مفسدِ نماز نہ ہو تو محض شبہ پر بتانا ہرگز جائز نہیں بلکہ صبر واجب، بعدِ سلام تحقیق کرلیا جائے، اگر قاری کی یاد صحیح نکلے فبہا اور ان کی یاد ٹھیک ثابت ہوئی تو تکمیل ختم کے لئے حافظ اتنے الفاظ کا اور کسی رکعت میں اعادہ کرلے گا حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ فتح (لقمہ) حقیقۃً کلام ہے اور نماز میں کلام حرام ومفسدِ نماز، مگر بضرورت اجازت ہوئی جب اسے غلطی ہونے پر خود یقین نہیں تو مبیح میں شک واقع ہوا اور محرم موجود ہے لہٰذا حرام ہوا جب اسے شبہ ہے تو ممکن کہ اسی کی غلطی ہو اور غلط بتانے سے اس کی نماز جاتی رہے گی اور امام اخذ کرے (لقمہ لے) گا تو اس کی اور سب کی نماز فاسد ہوگی، تو ایسے امر پر اقدام جائز نہیں ہوسکتا۔

(۵) غلطی کا مفسدِ معنی ہونا مبنائے افسادِ نماز ہے ایسی چیز نہیں جسے سہل جان لیا جائے، ہندوستان میں جو علماء گنے جاتے ہیں ان میں چند ہی ایسے ہوسکیں کہ نماز پڑھتے میں اس پر مطلع ہوجائیں ہزار جگہ ہوگا کہ وہ افساد گمان کریں گے اور حقیقۃً فساد نہ ہوگا جیسا کہ ہمارے فتاوٰی کی مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان امور سے حکمِ مسئلہ واضح ہوگیا، صورتِ فساد میں یقیناً بتایا جائے ورنہ تشویشِ قاری ہو تو نہ بتائیں اور خود شبہ ہو تو بتانا سخت ناجائز، اور جو ریاء وتشویش چاہیں اُن کو روکا جائے نہ مانیں تو اُن کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے کہ موذی ہیں اور موذی کا دفع واجب۔ (ج7،ص286)

سوال: ایک امام صاحب جو کہ فرض نماز پڑھا رہے تھے، قرأت میں غلطی کی، ان کو لقمہ دیا گیا تو انہوں نے فوراً نماز توڑ کر نئے سرے سے نماز شروع کی، اور بعد میں بتایا کہ فرض نماز میں لقمہ دینا جائز نہیں، اگر لقمہ دیا جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی سجدۂ سہو سے بھی ازالہ نہیں ہوسکتا، کیا ایسا ہی ہے؟

جواب: امام جب نماز یا قرأت میں غلطی کرے تو اسے بتانا لقمہ دینا مطلقاً جائز ہے خواہ نماز فرض ہو یا واجب یا تراویح یا نفل، اور اس میں سجدۂ سہو کی بھی کچھ حاجت نہیں، ہاں اگر بھولا اور تین بار سبحان اللہ کہنے کی دیر چپکا کھڑا رہا تو سجدۂ سہو آئے گا جس نے لقمہ دینے کے سبب نیت توڑ دی اس نے محض جہالت برتی اور مبتلائے حرام ہوا کہ بے سبب نیت توڑ دینا حرام ہے۔ (ج7،ص288)

سوال :جُمُعہ کی نماز امام پڑھاتا ہوا ور درمیان میں رک گیا لقمہ دینا چاہیے یانہیں؟ اور اگر لقمہ دیا گیا تو سجدہ سہو جائز ہے یانہیں؟

جواب :امام کو لقمہ دینا ہر نماز میں جائز ہے جُمُعہ ہو یا کوئی نماز، بلکہ اگر اس نے ایسی غلطی کی جس سے نماز فاسد ہوگی تو لقمہ دینا فرض ہے، نہ دے گا اور اس کی تصحیح نہ ہوگی تو سب کی نماز جاتی رہے گی اور لقمہ دینے سے سجدہ سہو نہیں آتا۔ (ج7،ص289)

مکروہاتِ نماز کا بیان

سوال: امام کا دوستونوں کے بیچ میں اور مقتدیوں سے تین گرہ اونچی جگہ پر کھڑا ہونا کیسا ہے؟

جواب: امام کا دوستونوں کے بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

اسی طرح امام کا تمام مقتدیوں سے بلند جگہ میں ہونا بھی مکروہ۔ سنن ابی داؤد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اذا ام الرجل القوم فلایقم فی مکان ارفع من مقامھم اونحو ذلك ''یعنی جب کوئی شخص نمازیوں کی امامت کرے تو اُن سب تمام سے اُونچی جگہ میں نہ کھڑا ہو۔ (سنن ابوداؤد ج 1 ص 88 مجتبائی دہلی)

پھر ہمارے ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ظاہر الروایہ میں اس کراہتِ بلندی وپستی کو کسی مقدارِ معین مثلاً ایک ذراع شرعی (ایک ہاتھ یعنی کہنی سے لے کر درمیانی انگلی کی نوک تک) وغیرہ پر موقوف نہ مانا بلکہ جس قدر سے امام وقوم کا مقام میں امتیاز واقع ہو مطلقاً باعثِ کراہت جانا اور اسی کو امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی نے بدائع میں صحیح اور امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام صاحب فتح القدیر وغیرہ محققین نے اوجہ وارجح فرمایا اور یہی اطلاقِ احادیث کا مفاد، تو اسی پر فتوی اور اسی پر اعتماد۔

ہمارے مذہب کے قواعدِ مقررہ سے ہے کہ عند اختلاف الفتیا (جب فتوی میں اختلاف ہو تو) ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے۔

اور علماء فرماتے ہیں جب روایت (نقلی دلائل) ودرایت (عقلی دلائل) متطابق ہوں تو عدول (پھرنے) کی گنجائش نہیں۔

یہاں جبکہ یہی ظاہر الروایۃ اور اسی کے مطابق دلیل وروایت تو لاجرم قول یہی ہے کہ ادنی مابہ الامتیاز (کم سے کم وہ مقدار جس سے امتیاز پیدا ہو جائے ایسی) بلندی بھی مکروہ ہے۔

ہاں ایسا قلیل تفاوت جس سے امتیاز ظاہر نہ ہو عفو ہے۔ فان فی اعتبارہ حرج اوالحرج مدفوع بالنص (کیونکہ اس کے اعتبار کرنے میں حرج وتنگی ہے اور تنگی نصوص کی وجہ سے مدفوع ہے)۔

یونہی اگر پہلی صف امام کے ساتھ ہو باقی صفیں نیچی تو بھی مذہبِ اصح میں کچھ حرج نہیں۔

اور شک نہیں کہ تین گرہ بلندی قطعاً ممتاز وباعثِ امتیاز ہے کہ ہر شخص بنگاہِ اولیں فوراً تفاوتِ بین جان لے گا تو مذہبِ معتمد پر اس کی کراہت میں شبہ نہیں بلکہ علما تصریح فرماتے ہیں کہ امام کے لئے تخصیص مکانی کراہت میں یہ صورت بھی داخل کہ

مثلاً وہ مکان مسقف (چھت والے) میں ہو اور مقتدی صحن میں۔

یہاں تک کہ امام کے مقتدیوں سے تقدیم کو فرماتے ہیں یہ بھی تخصیصِ مکانی ہے اگر شریعتِ مطہرہ میں اس کا حکم نہ آتا مکروہ ہوتا۔

جب ایسے فرق کو بھی تخصیصِ مکانی ٹھہراتے ہیں حالانکہ مکان واحد اور زمین ہموار ہے جس میں فی نفسہٖ اصلاً کوئی فرق وامتیاز نہیں تو مثلاً کرسی، مکان یا چبوترہ کی بلندی اگرچہ دو تین ہی گرہ ہو بدرجہ اولیٰ تخصیص مکانی باعث کراہت ہوگی کہ یہاں نفسِ مکان میں تفرقہ وتفاوت موجود اور دالان وصحن کے فرق میں تو سرے سے درجہ ہی بدل گیا تو یہ سب صورتیں، ارشاد امام علام صدر الشریعۃ قدس سرہ وتخصیص الامام بمکان (امام کا جگہ مخصوص کرنا) میں داخل ہیں جزاہ اللہ خیر جزاء کیا دو لفظوں میں تمام صور کا احاطہ فرمالیا اور بہت نزاعوں (جھگڑوں) کا تصفیہ (حل) کردیا فالحمد للہ رب العلمین۔

پس ثابت ہوا کہ جہاں دالان مسجد کی کرسی صحن مسجد سے بلندی ممتاز رکھتی ہو جیسا کہ اکثر مساجد میں ہے وہاں امام کا دوستونوں کے درمیان کھڑا ہونا جیسا کہ عوامِ ہند میں مشاہد ہے نہ صرف ایک کراہت بلکہ تین کراہتوں کا جامع ہوگا:

اوّلاً: یہی بین الساریتین (دوستونوں کے درمیان) قیامِ امام (امام کا کھڑا ہونا)۔

ثانیاً: مقتدیوں پر بلندی ممتاز۔

ثالثاً: اس کا زیرِ سقف (چھت کے نیچے) اور مقتدیوں کا صحن پر ہونا۔ (ج7،ص291)

سوال: بعض شخص نماز میں رکوع کے بعد سجدہ کو جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے دونوں پائچوں کو گھٹنوں سے اوپر کو چھڑالیا کرتے ہیں یعنی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

جواب: مکروہ ہے۔ (ج7،ص296)

سوال: آستین اوپر کو چڑھا کر نماز پڑھنے میں کس قدر نقصان ہے؟

جواب: نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اگر نہ پھیرے گا تو گنہگار رہے گا۔ (ج7،ص296)

سوال: نماز کے اندر اگر ٹوپی گر جائے تو اٹھانا چاہیے یا نہیں؟

جواب: اٹھالینا افضل ہے جبکہ بار بار نہ گرے اور اگر تذلل وانکسار کی نیت سے سر برہنہ رہنا چاہے تو نہ اٹھانا افضل (ج7،ص297)

سوال: امام قراءت یا رکوع کو کسی مقتدی کے واسطے دراز کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کسی خاص شخص کی خاطر اپنے کسی علاقۂ خاصہ (خاص تعلق) یا خوشامد کے لئے منظور تو ایک بار تسبیح کی قدر

بھی بڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یخشی علیه امر عظیم یعنی اس پر شرک کا اندیشہ ہے کہ نماز میں اتنا عمل اس نے غیر خدا کے لئے کیا۔

اور اگر خاطر خوشامد منظور نہیں بلکہ عملِ حسن پر مسلمان کی اعانت (اور یہ اس صورت میں واضح ہے کہ یہ اس آنے والے کو نہ پہچانے یا پہچانے اور اس کا کوئی تعلق خاص اس سے نہ ہو نہ کوئی غرض اس سے اٹکی ہو) تو رکوع میں دو ایک تسبیح کی قدر بڑھا دینا جائز بلکہ اگر حالت یہ ہے کہ یہ ابھی سر اٹھائے لیتا ہے تو وہ رکوع میں شامل ہونے نہ ہونے میں شک میں پڑ جائے گا تو بڑھا دینا مطلوب اور جو ابھی نماز میں نہ ملے گا مسجد میں آیا ہے وضو وغیرہ کرے گا یا وضو کرتا ہے اس کے لئے قدر مسنون پر نہ بڑھائے بلکہ اگر بڑھائے موجبِ ثقل حاضرینِ نماز (حاضرینِ نماز پر بھاری ہونے کا سبب) ہوگا تو سخت ممنوع و ناجائز۔

(ج7،ص297)

سوال: زید نے منع کرنے پر کہ آستین چڑھا کر نماز نہ پڑھا کرو آستین اُتار لیا کرو، جواب دیا کہ کس کا قول ہے، کس حدیث میں ہے اور اس کا راوی کون ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، صحیحین کی حدیث ہے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں، اور جاہل کو ایسے سوالات نازیبا۔

(ج7،ص298)

سوال: اگر دھوبی کپڑا بدل کر لائے تو اس کو پہن کر عورتوں کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بدلا ہوا کپڑا پہننا مرد و عورت سب کو حرام ہے اور اس سے نماز مکروہ تحریمی۔

جوڑا باندھنے کی کراہت مرد کے لئے ضرور ہے، حدیث میں صاف نهى الرجل (مرد کو منع فرمایا) ہے، عورت کے بال عورت ہیں پریشان ہوں گے تو انکشاف کا خوف ہے اور چوٹی کھولنے کا اسے غسل میں بھی حکم نہ ہوا کہ نماز میں کفِ شعر (بالوں کو فولڈ کرنا) گندھی چوٹی میں ہے جب اس میں حرج نہیں جوڑے میں کیا حرج ہے، مرد کے لئے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ سجدے میں وہ بھی زمین پر گریں اور اس کے ساتھ سجدہ کریں۔ اور عورت ہرگز اس کے مامور نہیں، لاجرم امام زین الدین عراقی نے فرمایا: هو مختص بالرجال دون النساء (یہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ عورتوں کے لئے)۔ (ج7،ص298)

سوال: (سائل کہتا ہے کہ) مولانا امجد علی صاحب نے بتایا کہ چادر سر کے اوپر سے نہ اوڑھنا بلکہ کندھے پر سے اوڑھنا مکروہ ہے، کیا ایسا ہی ہے؟

جواب: ابو نعیم نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لا ینظر

اللہ الیٰ قوم لایجعلون عمائمھم تحت ردائھم یعنی فی الصلوۃ '' اللہ تعالیٰ اُس قوم کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا جو نماز میں اپنے عمامے اپنی چادروں کے نیچے نہیں کرتے ۔ (الفردوس بماثور الخطاب، ج5، ص146، دار الکتب العلمیہ، بیروت)(ج7،ص299)

سوال: اگر سر پر رومال باندھ کر نماز پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ اور بغیر ٹوپی کے رومال باندھ کر نماز پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: رومال اگر بڑا ہو کہ اتنے پیچ آ سکیں جو سر کو چھپا لیں تو وہ عمامہ ہی ہو گیا، اور چھوٹا رومال جس سے صرف دو ایک پیچ آ سکیں لپیٹنا مکروہ ہے، اور بغیر ٹوپی کے عمامہ بھی نہ چاہئے نہ کہ رومال، حدیث میں ہے '' فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس '' ہم میں اور مشرکوں میں ایک فرق یہ ہے کہ ہمارے عمامے ٹوپیوں پر ہوتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد، ج2، ص208، آفتاب عالم پریس، لاہور)(ج7،ص299)

سوال: ایک شخص کو جاگتے میں کچھ غفلت ہوئی یا نماز پڑھتے میں کچھ شیطانی خیال آیا اور آنکھوں کے سامنے عورت کی فرج کو دیکھا اور اپنا ذکر سامنے کیا لیکن دخول نہ کیا ایک منٹ کے بعد اس خیال کو دور کیا اور نماز تمام کی اب اس نے نہ دخول کیا اور نہ ذکر کھڑا ہوا تھا اور نہ منی یا مذی نکلی ہے ایک ذرا سا یہ خیال اس کو تھا لیکن پیشاب اس کو لگا ہے غسل کرنا ہو گا یا نہیں؟ اور اس کی نماز کیسی ہوئی؟ اس کا خیال ہے کہ مجھ پر غسل نہیں اور نمازیں پڑھتا ہے قرآن مجید پڑھتا ہے اب نمازیں پڑھنا یا قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا سب کیسا ہے ؟

جواب: جب نہ اس نے دخول کیا نہ منی نکلی، تو غسل واجب نہ ہوا، قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے اور سوائے قرآن مجید اور اذکار مثل کلمہ طیبہ و تسبیح و تہلیل و درود شریف وغیرہا تو حالت جنابت میں بھی پڑھ سکتا ہے اور جبکہ صورتِ مذکورہ میں مذی بھی نہ نکلی تو نماز بھی ہو گئی بشرطیکہ اس کا برہنہ عضوِ عورت کی برہنہ شرمگاہ سے ملا نہ ہو ورنہ وضو جاتا رہا اور نماز نہ ہوئی، باقی نماز میں ایسا خیال بہت بد ہے اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا نماز سخت مکروہ ہو گی اور اگر برہنگی ایسی ہو جس سے دوسرے کی نظر سے حجاب نہ ہو تو اسی قدر سے نماز جاتی رہے گی جبکہ چہارم عضو کی قدر برہنہ کرے اگرچہ وضو نہ جائے گا جبکہ برہنہ شرمگاہ زن سے ملنا نہ ہو، یہ سب اسی صورت میں ہے کہ واقعی کوئی عورت موجود ہو ورنہ مجرد خیال سے نہ وضو جائے گا جب تک مذی نہ نکلے نہ غسل واجب ہو گا جب تک منی نہ نکلے۔ (ج7،ص300)

سوال: پتلون پہن کر نماز درست ہے یا نہیں جبکہ پتلون ایسی ہے کہ اس میں نشست و برخاست پوری طور سے ہوتا ہے؟

جواب: پتلون پہننا مکروہ ہے اور مکروہ کپڑے سے نماز بھی مکروہ۔ (ج7،ص301)

سوال: گلوبند یا پگڑی یا رومال سے پیشانی چھپی ہے تو سجدہ درست ہوگا یا نہیں؟

جواب: سجدہ درست ہے اور نماز مکروہ۔

(ج7،ص301)

سوال: جرابیں پہن کر پاؤں میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جبکہ ان کے پہننے سے ٹخنے بند ہوگئے تو نماز مکروہ ہوگی۔

جواب: زید کا قول غلط ہے، موزے پہن کر نماز پڑھنا بہتر ہے۔

(ج7،ص301)

سوال: کسی بزرگ صاحب مزار کے روضہ منورہ کے دروازے کو بند کر کے روضہ کے آگے ہی اگر نماز پڑھ لی جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مذکورہ میں نماز جائز اور بلا کراہت جائز، اور قربِ مزار محبوبان کردگار کے باعث زیادہ مثمر برکات وانوار و مورد رحمتِ جلیلۂ غفار۔

سرکار اعظم مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علی من طیبہا وآلہٖ وسلم میں روضۂ انور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نمازیوں کی صفیں ہوتی ہیں جن کا سجدہ خاص روضۂ انور کی طرف ہوتا ہے مگر نیت استقبالِ قبلہ کی ہے، نہ استقبال روضۂ اطہر کی، لہٰذا ہمیشہ علمائے کرام نے اسے جائز رکھا ہاں بلا مجبوری مزار اقدس کو پیٹھ کرنے سے منع فرمایا اگرچہ نماز میں ہو۔

(۱) امام اجل قاضی عیاض شرح صحیح مسلم شریف پھر (۲) علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ المصابیح پھر (۳) علامہ قاری مرقاۃ المفاتیح نیز (۴) علامہ محدث طاہر فتنی مجمع بحار الانوار نیز (۵) امام قاضی ناصر الدین بیضاوی پھر (۶) امام جلیل علامہ محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر (۷) امام احمد محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری نیز (۸) امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ شریف پھر (۹) شیخ محقق محدث دہلوی لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں، اخیرین کے لفظ یہ ہیں "خرج بذلك اتخاذ مسجد بجوار نبی او صالح والصلوۃ عند قبرہ لا لتعظیمه والتوجه نحوہ بل لوصول مدد منه حتی تکمل عبادته ببرکة مجاورته لتلك الروح الطاهرة فلا حرج فی ذلك لما ورد ان قبر اسمعیل علیه الصلوۃ والسلام فی الحجر تحت میزاب وان فی الحطیم وبین الحجر الاسود وزمزم قبر سبعین نبیا ولم ینه احد عن الصلاۃ فیه "یعنی کسی نبی یا ولی کے قرب میں مسجد بنانا اور ان کی قبر کریم کے پاس نماز پڑھنا نہ ان دو نیتوں سے بلکہ اس لئے کہ اُن کی مدد مجھے پہنچے اُن کے قرب کی برکت سے میری عبادت کامل ہو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ وارد ہوا ہے کہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار پاک حطیم میں میزاب الرحمۃ کے نیچے ہے اور حطیم میں اور سنگِ اسود و زمزم کے درمیان ستر پیغمبروں کی قبریں ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام، اور وہاں نماز پڑھنے سے کسی نے منع نہ فرمایا۔

(لمعات التنقیح، ج3،ص52، معارف علمیہ، لاہور)

شیخ محقق فرماتے ہیں ''کلام الشارحین متطابق فی ذلک'' تمام اصحاب شرح اس بارے میں یک زبان ہیں۔

(لمعات التنقیح، ج3، ص52، معارف علمیہ، لاہور)

الحمدللہ ائمہ کرام کے اس اجماع واتفاق نے جانِ وہابیت پر کیسی قیامت توڑی کہ خاص نماز میں مزاراتِ اولیائے کرام سے استمداد واستعانت کی ٹھہرادی، اب تو عجب نہیں کہ حضراتِ وہابیہ تمام ائمۂ دین کو گور پرست (قبر پرست) کا لقب بخشیں ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

پھر روضۂ مبارک کا دروازہ مبارک بند کرنے کی بھی ضرورت اس حالت میں ہے کہ قبرِ انور نمازی کے خاص سامنے ہو اور بیچ میں چھڑی وغیرہ کوئی سترہ نہ ہو اور قبر اتنی قریب ہو کہ جب یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے تو حالتِ قیام میں قبر پر نظر پڑے، اور اگر مزارِ مبارک ایک کنارے کو ہے یا بیچ میں کوئی سترہ ہے اگرچہ آدھ گز اونچی کوئی لکڑی ہی کھڑی کرلی ہو یا مزارِ مطہر نماز کی جگہ سے اتنی دور ہے کہ نمازی نیچی نظر کئے اپنے سجدہ کی جگہ نظر جمائے تو مزار شریف تک نگاہ نہ پہنچے تو ان صورتوں میں دروازہ بند کرنے کی بھی حاجت نہیں یونہی نماز بلاکراہت جائز ہے۔ (پھر دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

یہ قلبِ وہابیت پر کیسا شاق ہوگا کہ مزارِ مبارک بلاحائل بے پردہ صرف چار پانچ گز کے فاصلے سے عین نماز میں نمازی کے سامنے ہے اور نماز بلاکراہت جائز، کیا یہ فقہائے کرام کو قبر پرست نہ کہیں گے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

یہ سب اُس صورت میں ہے کہ وہ بہ نیتِ فاسدہ نہ ہوں یعنی نماز سے تعظیم قبر کا ارادہ یا بجائے کعبہ نماز میں استقبالِ قبر کا قصد، ایسا ہو تو آپ ہی حرام بلکہ معاذاللہ نیتِ عبادتِ قبر ہو تو صریح شرک وکفر مگر اس میں مزار مقدس کی جانب سے حرج نہ آیا بلکہ اس شخص کا فاسد ارادہ یہ فساد لایا اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی ناخداترس کعبۂ معظمہ کے سامنے اس نیت سے نماز پڑھے کہ وہ کعبہ کی طرف نہیں بلکہ وہ خود کعبہ کو سجدہ کرتا ہے یا نماز تعظیمِ کعبہ کے لئے پڑھتا ہے ایسی نماز بیشک حرام اور نیتِ عبادتِ کعبہ ہو تو سلبِ اسلام مگر اس میں کعبہ معظّمہ کا کیا قصور ہے یہ تو اس کی نیت کا فتور ہے۔

یونہی جو مزارات کے حضور ہے اور مزارِ کریم مستور ہے یا نظرِ خاشعین سے دور ہے تو فاسد نیت سے ماز ور ہے اور تبرک واستمداد کی نیت سے ماجور ہے کہ نماز ونیاز کا اجتماع نورٌ علیٰ نور ہے۔ (ج7، ص302 تا 305)

سوال: وضو، نماز، غسل، جماعت، لباس، نماز جنازہ، کفن، دفن، نکاح وغیرہ میں کتنے کتنے اور کون کون سے فرض، سنت، مستحب، واجب ہیں جس کے ترک سے نماز فاسد یا مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا کہ بطور دہرانے کے یا سجدۂ سہو کے قابل ہوجاتی ہے یا کیا چیز ترک ہو جس سے امام نے دوبارہ جماعت شروع کی اب اور نئے آدمی شامل نہیں ہوسکتے ہیں اور کس ترک کے سبب سے اب نئے آدمی شامل ہوسکتے ہیں، اسی طرح غسل، جماعت، لباس، کفن، دفن، نکاح سب کا حال علیحدہ علیحدہ ترتیب وار

تحریر فرمایا جائے۔

جواب: اس سوال کا جواب اگر مفصل لکھا جائے تو کم از کم دو ہزار ورق ہوں گے سائل کو چاہیے علم سیکھے یہ باتیں آجائیں گی، فرض کے ترک سے نماز فاسد ہوتی ہے اور واجب کے ترک سے مکروہ تحریمی، اور سنتِ مؤکدہ کا ترک بہت برا ہے اور غیر مؤکدہ کے ترک سے مکروہ تنزیہی، اور مستحب کے ترک سے غیر اولیٰ، فرض کے ترک میں پڑھنا فرض ہے کہ پہلی نماز اصلاً نہ ہوئی اور اسی صورت میں نئے آدمی شامل ہو سکتے ہیں، اور واجب بھول کر چھوٹا تو سجدۂ سہو کا حکم ہے اور قصداً چھوڑا یا بھول کر چھوٹا تھا مگر سجدۂ سہو نہ کیا تو اعادہ واجب ہے اور سنت کے ترک میں سنت اور مستحب کے ترک میں مستحب، اور ان سب صورتوں میں نئے آدمی شامل نہیں ہو سکتے۔

(ج7،ص305)

سوال: زید تمبا کو کھانے پینے کی اکثر اشیاء باندھ کر نماز پڑھتا ہے نماز ہوگی؟

جواب: ہاں نماز ہو جائے گی مگر بدبو آئے تو کراہت ہے۔ (ج7،ص306)

سوال: زید اکثر چادر گلے میں ڈال کر نماز پڑھتا ہے، ہوگی یا نہیں؟

جواب: نماز مکروہ ہوگی جب تک ایک پلہ اس کا دوسرے کندھے پر نہ ڈالا جائے۔ (ج7،ص306)

سوال: مرد کو ریشمیں کپڑا پہن کر نماز کیسی ہے؟ اور جب امام باوصف معلوم ہو جانے حرمت کے لباسِ ریشمیں پہن کر امامت کیا کرے تو ساری جماعت کی نماز میں کراہت تحریمی کا وبال امام پر ہوگا یا نہیں؟

جواب: فی الواقع ریشمیں کپڑا پہن کر نماز مرد کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ اسے اتار کر پھر پڑھنا واجب۔

جبکہ اللہ عزوجل نے مرد کو ریشمیں کپڑا گھر میں پہننا حرام کیا تو خود اس کے دربار میں اسے پہن کر حاضر ہونا کس درجہ گستاخی و بے ادبی ہوگا، جو بات گھر بیٹھ کر تنہائی میں کرنا تو قانونِ سلطانی میں جرم ہو وہ خود بارگاہِ سلطانی میں اس کے حضور کھڑے ہو کر کرنا کیسی صریح بیباکی اور بادشاہ کا موجبِ ناراضی ہوگا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور پُر ظاہر کہ نماز امام کی یہ کراہت نماز مقتدیان کی طرف بھی سرایت کرے گی تو اُن سب کی نمازیں خراب و ناقص ہونے کا یہی شخص باعث ہوا اور معاذ اللہ۔

بعینہٖ یہی حکم ان سب چیزوں کا ہے جن کا پہننا ناجائز ہے جیسے ریشمیں کمر بند یا مغرق ٹوپی یا وہ کپڑا جس پر ریشم یا چاندی یا سونے کے کام کا کوئی بیل بُوٹا چار انگل سے زیادہ عرض کا ہو یا ہاتھ خواہ پاؤں میں تانبے سونے چاندی پیتل لوہے کے چھلّے یا کان میں بالی یا بُندا یا سونے خواہ تانبے پیتل لوہے کی انگوٹھی اگرچہ ایک تار کی ہو یا ساڑھے چار ماشے چاندی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا کئی انگوٹھیاں اگرچہ سب مل کر ایک ہی ماشہ کی ہوں کہ یہ سب چیزیں مردوں کو حرام و ناجائز ہیں اور اُن سے نماز مکروہ تحریمی۔

(ج7،ص306)

سوال: آستین کہنی تک چڑھی ہوئی نماز پڑھنی مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب: ضرور مکروہ ہے اور سخت وشدید مکروہ ہے، صحاح ستہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''امرت ان اسجد علی سبعة اعضاء وان لااکف شعرا ولاثوبا'' ترجمہ: مجھے سات اعضا پر سجدہ کا حکم ہے اور اس بات کا کہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں۔ (صحیح مسلم، ج1،ص193، نور محمد اصح المطابع کراچی)

اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔

تولازم ہے کہ آستینیں اتار کر نماز میں داخل ہو اگرچہ رکعت جاتی رہے اور اگر آستین چڑھی نماز پڑھے تو اعادہ کی جائے۔ (ج7،ص309)

سوال: زید سنی المذہب ہے اور اس نے کسی وجہ سے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی، کیا حکم ہے؟

جواب: نماز ہوجائے گی مگر بکراہت لترك السنة (ترک سنت کی بناپر) اعادہ چاہئے علی وجہ الاستحباب (اعادہ مستحب ہے)۔ (ج7،ص312)

سوال: دھوتی ہندوؤں کی طرح ایسے باندھنا پیچھے سے گھرس لی جائے، کیسا ہے اور اس طرح نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ساری پیچھے سے نہ کھولنا کراہتِ نماز کا موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''امرت ان لااکف شعرا و لاثوبا'' ترجمہ: مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں۔

(صحیح مسلم، ج1،ص193، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اور ساری یا دھوتی باندھنا جہاں کے شرفا میں اس کا رواج نہ ہو جیسے ہمارے بلاد وہاں شرفا کے لئے خود بھی کراہت سے خالی نہیں۔

اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباسِ کفار سمجھتے ہوں تو احتراز مؤکد ہے حرج پیچھے گُھرسنے میں ہے ورنہ تہبند تو عین سنت ہے اور ٹخنوں سے اُوپر تک ہونا چاہئے اس سے زیادہ نیچی مکروہ ہے۔ (ج7،ص312)

سوال: فرض، وتر اور سنتِ فجر کب بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے؟

جواب: فرض و وتر و سنتِ فجر بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت صرف اس حالت میں ہے کہ کھڑے ہونے پر اصلاً قدرت نہ ہو نہ دیوار کی ٹیک نہ کسی آدمی یا لکڑی کے سہارے سے، اور عجز بھی ایسا ہو کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے کی دیر تک بھی کھڑا نہ ہو سکے اگر

اتنی ہی دیر قیام کی طاقت ہو اگرچہ کسی سہارے سے، تو فرض ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے پھر طاقت نہ رہے تو بیٹھ جائے، آج کل اکثر لوگ اس کا خلاف کرتے ہیں ذرا تکلیف ہوئی اور نماز بیٹھ کر پڑھ لی اور سید ھے کھڑے ہو کر گھر کو راہی ہوئے، یوں نمازیں قطعاً باطل ہوتی ہیں بلکہ جتنی دیر جس قدر اور جس طرح کھڑے ہونے کی قدرت ہو اتنا قیام ہر رکعت میں فرض ہے، یہ مسئلہ خوب یاد رکھنے کا ہے۔ (ج7،ص313)

سوال: نماز کے دوران جوتے کے دائیں بائیں یا سامنے رکھنے کی ممانعت کا ثبوت کن احادیث سے ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اذا اصلی احدکم فلایضع نعلیه عن یمینه ولاعن یساره فتکون عن یمین غیره الاان لایکون احد ولیضعهما بین رجلیه'' جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو جوتی اپنے دائیں طرف نہ رکھے نہ اپنے بائیں طرف رکھے کہ دوسرا جو اس کے بائیں ہاتھ کو ہے اس کے دہنی طرف ہوں گی ہاں اگر بائیں طرف کو کوئی نہ ہو تو بائیں جانب رکھے ورنہ اپنے پاؤں کے بیچ میں رکھے۔ (سنن ابوداؤد، ج1، ص96، آفتاب عالم پریس، لاہور)

دوسری روایت میں اس ممانعت کی یوں حدیث آئی ''فلایؤذبهما احداً'' کسی کو ایذا نہ دے۔

(المستدرک، ج1، ص259، دار الفکر، بیروت)

علماء نے اس ایذا کی وجہ فرمائی یعنی وفیه نوع اهانة له، جس کی طرف جوتا رکھا جائے اس کی اہانت ہوتی ہے۔

(مرقات المفاتیح، ج2، ص475، مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ)

اعلیٰ درجہ کی حدیثِ صحیح ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اذاکان احدکم یصلی فلایبصق قبل وجهه فان اللہ تعالیٰ قبل وجهه اذا صلی'' جب تم میں کوئی نماز میں ہو تو سامنے کو نہ تھوکے کہ نمازی کے سامنے اللہ عزوجل کا فضل وجلال ورحمت ہوتے ہیں۔ اسے امام مالک نے مؤطا میں امام نافع سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے اور اسی سند سے بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (موطا امام مالک، ج1، ص182، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

ائمہ دین اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں ''یجب علی المصلی اکرام قبلته بما یکرم به من یناجیه من المخلوقین عند استقبالهم بوجهه'' یعنی نمازی پر واجب ہے کہ معظمین کے سامنے کھڑے ہونے میں جس بات میں ان کی تعظیم جانتا ہے وہی ادب اپنی جانب قبلہ میں ملحوظ رکھے کہ اللہ عزوجل سب سے زیادہ احق بالتعظیم ہے۔

(ارشاد الساری شرح البخاری، ج1، ص419، دار الکتاب العربیہ، بیروت)

ان احادیث میں دہنے بائیں کا حکم صاف مصرح ہے اور سامنے کا حکم اس حدیث صحیح کہ دلالۃ النص اور اسی ارشادِ علما کے عموم اور نیز اس قاعدہ مسلمہ مرعیہ عقلیہ شرعیہ سے معلوم کہ توہین و تعظیم کا مدار عرف و عادت ناس و بلاد (لوگوں اور شہروں کی

عادت) پر ہے۔

اور شک نہیں کہ اب عرفِ عام تمام بلاد یہی ہے کہ دربارِ شاہی میں بحضورِ سلطانی باتیں کرنے کھڑا ہو اور جوتا سامنے رکھے بے ادب گنا جائے گا فقیر نے بچشم خود دیکھا ہے کہ کعبہ معظمہ پر پھوہار برسی تھی میزاب رحمت سے بُوندیں ٹپک رہی تھیں مسلمان حاضر تھے اُن بوندوں کو لیتے اور چشم ودل سے ملتے، ان میں کوئی ہندی شخص جوتا ہاتھ میں لئے تھا ترکی خادم دوڑا اور اس کی گردن دبا دی تناجی ربك ونعلاك بيدك جوتیاں ہاتھ میں لئے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے، بلکہ سنن ابن ماجہ میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یوں ہے ''فاجعلهما بين رجليك ولاتجعلهما عن يمينك ولاعن يمين صاحبك ولاورائك فتوذي من خلفك''یعنی جوتے اپنے پیچھے بھی نہ رکھ جو پیچھے ہے اس کے آگے ہوں گے اسے ایذا ہوگی۔

(سنن ابن ماجہ، ج 1، ص 105، آفتاب عالم پریس، لاہور)(ج 7، ص 314)

سوال: وردی جو کہ سپاہی پہنتے ہیں اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: وہ وردی پہن کر نماز مکروہ ہے خصوصاً جبکہ سجدہ بر درجہ مسنون سے مانع ہو۔ (ج 7، ص 318)

سوال: ایک شخص عینک لگا کر نماز پڑھاتا ہے تو مقتدیوں کی نماز میں کچھ قصور تو نہیں؟

جواب: اگر عینک کا حلقہ یا قیمیں چاندی یا سونے کی ہیں تو ایسی عینک ناجائز ہے اور نماز اس کی اور مقتدیوں سب کی سخت مکروہ ہوتی ہے ورنہ تانبے یا اور دھات کی ہوں تو بہتر یہ کہ نماز پڑھتے میں اُتار لے ورنہ یہ خلاف اولیٰ اور کراہت سے خالی نہیں۔ (ج 7، ص 318)

سوال: منفرد (اکیلے نمازی) کا در (دوستونوں) میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کیسا؟ اسی طرح مقتدی اور امام کے لئے حکم ہے؟

جواب: تنہا ایک شخص کہ نہ امام ہے نہ مقتدی بلکہ اپنی نماز جدا پڑھ رہا ہے اسے در میں کھڑے ہو کر اپنی نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے اور مقتدی کو در میں کھڑا ہونا ممنوع ہے مگر بضرورت کہ جگہ نہیں ہے یا مثلاً مینہ برس رہا ہے۔

یہ حکم منفرد ومقتدی کے لئے تھا۔

رہا امام اس کے لئے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ در میں کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ (ج 7، ص 318)

سوال: طاق نما محراب کب وجود میں آیا؟

جواب: اٹھاسی ہجری سے پہلے مساجدِ قدیمہ میں اس کا وجود نہ ہوتا تھا سب سے افضل مسجد مسجدِ حرام اس سے اب تک خالی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات، خلفاءِ راشدین، امیر معاویہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور

میں مسجدِ نبوی میں صورتِ محراب نہیں تھی بلکہ ولید بن عبدالملک مروانی نے اپنے دورِامارت میں محراب بنایا اور یہ تسلیم ہے کہ زینت کے علاوہ امام کی جگہ پر علامت کے طور پر محراب کا ہونا بہتر ہے خصوصاً بڑی مساجد میں تاکہ ہر دفعہ غور وفکر نہ کرنا پڑے اور رات کو بغیر روشنی کے امام کو پایا جاسکے اور امام کے محراب میں سجدہ کی وجہ سے مقتدیوں کو وسعت بھی مل جاتی ہے تو جب محراب میں یہ مصالح تھے تو اس کا رواج ہوگیا اور تمام بلادِ اسلامیہ میں یہ معروف ہوا تو یہ یہاں مدلول کا نام دال کو دیا گیا ہے۔ (ج7،ص345)

سوال: امام کا محراب میں کھڑے ہونے کی کراہت کا کیا سبب ہے؟

جواب: ایک قول کے مطابق امام کے حال کا مشتبہ ہونا اور ایک قول پر یہود کے ساتھ تشابہ، لیکن اصح قول کے مطابق مکان کا مختلف ہوجانا ہے اور ایک وجہ امام محمد کے قول کا اطلاق ہے۔

(ج7،ص348)

سوال: ایک نمازی چادر اس طرح پہنتا ہے کہ پہلے اس کا نصف حصہ اپنی پشت پر ڈالتا ہے اور اس کے دونوں کونوں کو بغلوں کے نیچے سے باہر لاکر اس کی بائیں جانب کو دائیں کاندھے اور اس کے دائیں حصے کو بائیں کاندھے پر ڈالتا ہے حتی کہ اس کے دونوں کونے بھی پشت وسرین تک پہنچ رہے ہوتے ہیں اس حالت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں حضرت عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرمایا'' رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی فی ثوب واحد مشتملا بہ فی بیت ام سلمۃ واضعا طرفیہ علی عاتقیہ '' ترجمہ: میں نے بیتِ حضرت ام سلمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کی دونوں اطراف آپ کے کاندھوں پر تھیں۔

(صحیح مسلم، ج1،ص198، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا'' من صلی فی ثوب واحد فلیخالف بین طرفیہ '' ترجمہ: جو آدمی ایک کپڑے میں نماز ادا کرے اسے چاہئے کہ وہ اس کی دونوں اطراف کو مخالف سمت میں ڈال لے۔

(صحیح بخاری، ج1،ص52، نور محمد اصح المطابع، کراچی)(ج7،ص355)

سوال: پہلی رکعت میں قل یا پڑھے، دوسری رکعت میں انا اعطینا پڑھے، اس طرح الٹا قرآن پڑھنے سے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: ترتیب اُلٹنے سے نماز کا اعادہ واجب ہو نہ سجدہ سہو آئے، ہاں یہ فعل ناجائز ہے اگر قصداً کرے گنہگار ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر بعد کی سورت پڑھنا چاہتا تھا زبان سے اُوپر کی سورت کا کوئی حرف نکل گیا تو اب اسی کو پڑھے اگرچہ خلافِ ترتیب ہوگا کہ یہ اس نے قصداً نہ کیا اور اس کا حرف نکل جانے سے اس کا حق ہوگیا کہ اب اسے چھوڑنا قصداً چھوڑنا ہوگا۔

(ج7،ص357)

سوال: اگر کسی شخص نے صبح کی نماز کے وقت جلدی میں غلطی سے یا اندھیرے میں اُلٹی دلائی اوڑھ کر نماز پڑھی تو وہ نماز مکروہ تحریمی یا واجب الاعادہ ہوگی یا فاسد وغیرہ؟

جواب: واجب الاعادہ اور مکروہ تحریمی ایک چیز ہے، کپڑا اُلٹا پہننا اوڑھنا خلاف معتاد میں داخل ہے اور خلاف معتاد جس طرح کپڑا پہن یا اوڑھ کر بازار میں یا اکابر کے پاس نہ جا سکے ضرور مکروہ ہے کہ دربارِ عزت احق بادب و تعظیم ہے۔

اور ظاہر کراہت تنزیہی۔ فان کراھۃ التحریم لابدلھا من نھی غیر مصروف عن الظاھر کماقال ش فی ثیاب المھنۃ و الظاھر ان الکراھۃ تنزیھیۃ، ترجمہ: کیونکہ کراہت تحریمی کے لئے ایسی نہی کا ہونا ضروری ہے جو ظاہر سے مؤول نہ ہو، جیسا کہ علامہ شامی نے کام کے کپڑوں کے بارے میں کہا کہ ظاہر کراہت تنزیہی ہے۔

اور اسے سدل میں کہ مکروہ تحریمی اور اس سے نہی وارد، دخل نہیں۔ (ج7،ص358)

سوال: سدل (کپڑا لٹکانے) کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: کپڑا اوپر سے اس طرح سے ڈال لینا کہ دونوں جانبیں لٹکتی رہیں مثلاً چادر سر یا کندھوں پر ڈال لی اور دو بالا نہ مارا یا انگرکھا کندھے پر ڈال لیا اور آستین میں ہاتھ نہ ڈالا۔

اور اگر آستینوں میں ہاتھ ڈالے اور بند (یا بٹن وغیرہ) نہ باندھے تو یہ بھی سدل نہ رہا اگرچہ خلاف معتاد ضرور ہے، ہاں امام ابوجعفر ہندوانی نے اس صورت کو مشابہ سدل ٹھہرا کر فرمایا کہ برا کیا، امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں ایک قید اور بڑھائی کہ اگر نیچے کرتا نہ ہو ورنہ حرج نہیں، اور اقرب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں حرج ہے۔ (ج7،ص359)

سوال: جوتا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: سخت اور تنگ پنجے کا جوتا جو سجدہ میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھانے اور اس پر اعتماد کرنے زور دینے سے مانع ہو ایسا جوتا پہن کر نماز پڑھنی صرف کراہت و اساءت درکنار مذہب مشہور و مفتی بہ کی رو سے راساً مفسدِ نماز ہے کہ جب پاؤں کی انگلی پر اعتماد نہ ہوا سجدہ نہ ہوا اور جب سجدہ نہ ہوا نماز نہ ہوئی۔

درمختار میں ہے "منھا (ای من الفرائض) السجود بجبھتہ وقدمیہ ووضع اصبع واحدۃ منھما شرط" ان میں سے (یعنی فرائض میں سے) پیشانی اور قدمین پر سجدہ کرنا ہے اور ان دونوں پاؤں میں سے ایک انگلی کا لگنا شرط ہے۔

(درمختار، ج1،ص70، مطبع مجتبائی دہلی، بھارت)

فتح اللہ المعین میں ہے "وضع اصبع واحدۃ من القدمین شرط" ترجمہ: قدمین کی ایک انگلی کا لگنا شرط ہے۔

(فتح اللہ المعین، ج1،ص169، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

اُسی میں ہے"یفترض وضع واحدة من اصابع القدم" ترجمہ: قدم کی انگلیوں میں سے ایک کا لگنا فرض ہے۔

(فتح اللہ المعین، ج1، ص191، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(بے شمار کتب فقہ سے دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں) اس تمام گفتگو سے آشکار ہوگیا کہ حالتِ سجدہ میں قدم کی دس انگلیوں میں سے ایک کے باطن پر اعتماد مذہبِ معتمد اور مفتی بہ میں فرض ہے اور دونوں پاؤں کی تمام یا اکثر انگلیوں پر اعتماد بعید نہیں کہ واجب ہو اس بنا پر جو حلیہ میں ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بغیر کسی انحراف کے سنت ہے۔

اور شک نہیں کہ ان بلاد میں اکثر جوتے سلیم شاہی پنجابی خوردنو کے منڈے گرگابی وغیرہا خصوصاً جبکہ نئے ہوں ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انگلیوں کا پیٹ زمین پر باعتماد تمام بچھنے نہ دیں گے تو ان جوتوں کو پہن کر مذہب مفتی بہ پر نماز ہوگی ہی نہیں اور گناہ و ناجوازی تو ضرور نقد وقت ہے۔ (ج7، ص363)

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نعلین پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے، اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: عرب شریف کے جوتوں میں صرف پاؤں کے نیچے چمڑا ہوتا تھا اور اوپر بندش (باندھنے) کے لئے تسمہ جسے شراکت کہتے تھے پھر عرب میں نعل کی تعریف یہ تھی کہ نرم و رقیق (باریک) ہو یہاں تک کہ صرف اکہرے پرت کی زیادہ پسند رکھتے۔

مجمع بحار الانوار میں ہے"ان رجلا شکا الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا من الانصار فقال یاخیر من یمشی بنعل فرد، والفرد ھی التی تخصف ولم تطارق وانما ھی طارق واحد والعرب یمدح برقة النعال ویجعلھا من لباس الملوک" ترجمہ: ایک آدمی نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری کی شکایت کرتے ہوئے کہا: اے ایک پرت والے جوتے پہننے والوں میں افضل ترین ذات۔ فرد اس نعل کو کہتے ہیں جس کا ایک پرت ہو، اور عرب جوتے کی نرمی کو پسند کرتے ہیں اور یہ ملوک کا لباس ہے۔ (مجمع بحار الانوار، ج3، ص373، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

تو وہ کیسے ہی نئے ہوتے سجدہ میں فرض وواجب کیا کسی طریقۂ مسنونہ کو بھی مانع نہ ہوتے اُن نعال پر یہاں کی جوتیوں کا قیاس صحیح نہیں۔ (ج7، ص376)

سوال: بالفرض اگر ایسے جوتے ہوں جو درست سجدہ کرنے سے مانع نہ ہوں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: پھر اگر اسی طرح کے جوتے ہوں کہ سنت سجدہ میں بھی خلل نہ ڈالیں تو اگر وہ نئے بالکل غیر استعمالی ہیں تو انہیں پہن کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ افضل ہے اگر چہ مسجد میں ہو۔ درمختار میں ہے"صلاته فیھما افضل" ترجمہ: ان

(درمختار، ج1، ص93، مجتبائی دہلی)

مگر عندالتحقیق استعمالی جوتے پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے اور اگر معاذ اللہ نماز کو کہ حاضری بارگاہ شہنشاہ حقیقی ملک الملوک رب العرش عز جلالہ ہے ہلکا جان کر استعمالی جوتا پہنے ہوئے نماز کو کھڑا ہوگیا تو صریح کفر ہے پھر بے نیت استخفاف نری کراہت بھی اس حالت میں ہے کہ غیر مسجد میں ایسا کرے اور مسجد میں تو استعمالی جوتے پہنے جانا ہی ممنوع و ناجائز ہے نہ کہ مسجد میں یہ جوتا پہنے، شرکتِ جماعت نماز و دخولِ مسجد کے یہ احکام بحمد اللہ تعالیٰ دلائل کثیرہ سے روشن ہیں۔ (اس کے بعد امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس پر متعدد دلائل بیان فرمائے) (ج7،ص377)

سوال: حقہ تمباکو کو پینے والے کے منہ کی بو نماز میں دوسرے نمازی کو معلوم ہوئی تو کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

جواب: منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرے، اور دوسرے نمازی کو ایذا پہنچنی حرام ہے، اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبو سے ملائکہ کو ایذا پہنچتی ہے، حدیث میں ہے ''ان الملئکة تتاذی ممایتاذی منه بنو ادم '' ترجمہ: ملائکہ کو ہر اس شے سے اذیت ہوتی ہے جس سے بنی آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔ (صحیح مسلم، ج1،ص209، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی)(ج7،ص384)

سوال: حالتِ نماز میں کسی مقام پر کھجلی ہوئی تو کھجاوے یا نہیں، اور اگر کھجاوے تو کتنی مرتبہ؟

جواب: ضبط کرے، اور نہ ہو سکے یا اس کے سبب نماز میں دل پریشان ہو تو کھجالے مگر ایک رکن مثلاً قیام یا قعود یا رکوع یا سجود میں تین بار نہ کھجاوے دو بار تک اجازت ہے۔ (ج7،ص384)

سوال: اگر تہبند کے نیچے لنگوٹ بندھا ہو تو نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: درست ہے۔ (ج7،ص385)

سوال: تہبند کا پیچ کھول کر نماز کیوں پڑھتے ہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا سمیٹنے گھرسنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری، ج1،ص113، قدیمی کتب خانہ، کراچی)(ج7،ص385)

سوال: داڑھی میں ڈاٹا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: منع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں بالوں کے روکنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری، ج1،ص113، قدیمی کتب خانہ، کراچی)(ج7،ص385)

سوال: کمر میں پٹکا باندھ کر نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست ہے مگر دامن اس کے پیچھے نہ دب جائے۔ (ج7،ص385)

سوال: کسی چیز کی تصویر اگر جیب میں رکھی ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟ روپیہ پیسہ جیب میں رکھ کر نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: نماز درست ہوگی مگر یہ فعل مکروہ و ناپسند ہے جبکہ کوئی ضرورت نہ ہو روپے اشرفی میں ضرورت ہے

(ج 7 ص 385)

سوال: انگرکھے کے بند یا گھنڈی بلا باندھے یا لگائے یا کرتے کے بٹن جو سامنے سینہ پر گوٹ میں لگے ہوتے ہیں بلا لگائے ہوئے یا کرتہ کی وہ گھنڈی جس کے کہ گوٹ آگے سینہ پر نہیں ہوتے بلکہ دونوں کندھوں پر ایک ایک گھنڈی لگی ہوتی ہے ایک گھنڈی لگا کر نماز پڑھے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ اگر کسی شخص کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ وہ گھنڈی کرتے کے گلے میں جو ہیں ایک کھلی رکھے جس سے کہ کچھ گلا کھلا ہوا رہے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟

☆ انگرکھا، کرتا قمیص کی ہی قسمیں ہیں اور بند، گھنڈی، بوتام یہ بٹن ہی کی قسمیں ہیں، سوال کا مقصود یہ ہے کہ بٹن کل یا بعض کھول کر نماز پڑھنا کیسا؟ ☆

جواب: اصل یہ ہے کہ سدل یعنی پہننے کے کپڑے کو بے پہنے لٹکانا مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ جیسے انگرکھا یا کرتا کندھوں پر سے ڈال لینا بغیر آستینوں میں ہاتھ ڈالے یا بعض بارانیاں وغیرہ ایسی بنتی ہیں کہ اُن کی آستینوں میں مونڈھوں کے پاس ہاتھ نکال لینے کے چاک بنے ہوتے ہیں ان میں سے ہاتھ نکال کر آستینوں کو بے پہنے چھوڑ دینا یا رضائی یا چادر کندھے یا سر پر ڈال کر دونوں آنچل چھوڑ دینا یا شال یا رومال ایک شانہ پر اس طرح ڈالنا کہ اس کے دونوں پلو آگے پیچھے چھوٹے رہیں اور اگر رضائی یا چادر کا مثلاً سیدھا آنچل بائیں شانے پر ڈال لیا اور بایاں آنچل چھوڑ دیا تو حرج نہیں اور کسی کپڑے کو ایسا خلاف عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کر سکے اور کرے تو بے ادب خفیف الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکروہ ہے جیسے انگرکھا پہننا اور گھنڈی یا باہر کے بند نہ لگانا یا ایسا کرتا جس کے بٹن سینے پر ہیں پہننا اور بوتام اتنے لگانا کہ سینہ یا شانہ کھلا رہے جبکہ اوپر سے انگرکھا نہ پہنے ہو یہ بھی مکروہ ہے اور اگر اوپر سے انگرکھا پہنا ہے یا اتنے بوتام لگالئے کہ سینہ یا شانہ ڈھک گئے اگرچہ اوپر کا بوتام نہ لگانے سے گلے کے پاس کا خفیف حصہ کھلا رہا یا شانوں پر کے چاک بہت چھوٹے چھوٹے ہیں کہ بوتام نہ لگائیں جب بھی کرتا نیچے ڈھلکے گا شانے ڈھکے رہیں گے تو حرج نہیں۔

اسی طرح انگرکھے پر جو صدری یا چغہ پہنتے ہیں اور عرف عام میں اُن کا کوئی بوتام بھی نہیں لگاتے اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھتے تو اس میں بھی حرج نہیں ہونا چاہئے کہ یہ خلافِ معتاد نہیں۔ (ج 7 ص 385)

سوال: جس کمرہ میں جاندار کی تصاویر آویزاں ہوں اُس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جاندار کی اتنی بڑی تصویر کہ اسے زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو اعضاء بالتفصیل نظر آئیں بشرطیکہ نہ

سر بریدہ (سرکٹی) ہو، نہ چہرہ محوکردہ (نہ ایسی ہو کہ اس کا چہرہ مٹا دیا گیا ہو)، نہ پاؤں کے نیچے، نہ فرش پا انداز میں، نہ مخفی پوشیدہ ،جس کمرہ میں ہو اس میں نماز مطلقاً مکروہ ہے خواہ آگے ہو یا پیچھے یا دہنے یا بائیں یا اوپر یا سجدہ کی جگہ اور ان سب میں بدتر جائے سجود یا جانب قبلہ ہونا ہے پھر اوپر، پھر دہنے بائیں، پھر پیچھے۔ (ج7،ص387)

سوال: جاندار کی تصویر کی وجہ سے کراہت کیوں ہے؟

جواب :اس میں کراہت کے متعدد وجوہ ہیں اس مکان کا معبدِ کفار سے مشابہ ہونا، تصویر کا بطور اعزاز ظاہر طور پر رکھا یا لگا ہونا، آگے یا جائے سجود پر ہو تو اس کی عبادت سے مشابہ ہو، ملائکہ رحمت کا اس مکان میں نہ آنا متواتر حدیثوں میں ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان الملئکۃ لاتدخل بیتافیہ کلب و لاصورۃ'' بیشک فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ (ج7،ص388)

سوال: جو امام ازار (شلوار) ٹخنوں کے نیچے تک پہن کر نماز پڑھائے وہ نماز مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

جواب :ازار کا گٹوں سے نیچے رکھنا اگر برائے تکبر ہو حرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ورنہ صرف مکروہ تنزیہی، اور نماز میں بھی اس کی غایت اولیٰ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے: صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے جب تک میں اس کا خاص خیال نہ رکھوں فرمایا''لست من یصنعہ خیلاء'' ترجمہ: تم ان میں نہیں ہو جو براہ تکبر ایسا کریں۔ (ج7،ص388)

سوال: قیام میں قبلہ رخ قدم کو نہ رکھنا یا ایک قدم پر کھڑا رہنا نماز میں کیا ہے؟

جواب :دونوں باتیں خلافِ سنت و مکروہ ہیں، ہاں تراوح بین القدمین یعنی تھوڑی دیر ایک پاؤں پر زور رکھنا پھر تھوڑی دیر دوسرے پر سنت ہے۔ (ج7،ص389)

سوال: کیا ننگے سر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کچھ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تواضع و انکساری کی وجہ سے ننگے سر پڑھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتِ کریمہ نماز مع کلاہ و عمامہ ہے اور فقہاء کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے: اگر بہ نیتِ تواضع و عاجزی ہو تو جائز اور بوجہِ کسل (سستی) ہو تو مکروہ، اور معاذ اللہ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر۔

جب مسلمان اپنی نیت تواضع بتاتے ہیں تو اسے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے، ننگے سر رکھنے کا احرام میں حکم ہے اور اس حالت میں شبانہ روز برابر سر برہنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام سب سے ثابت، بغیر اس

کے ننگے سر کی عادت ڈالنا کوچہ و بازار میں اسی طرح پھرنا نہ ہرگز ثابت ہے نہ شرعاً محمود بلکہ وہ منجملہ اسباب شہرت ہے اور ایسی وضع جس پر انگلیاں اُٹھیں شرعاً مکروہ۔ (ج7،ص389)

سوال: امام نے نماز میں ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ پڑھا ایک مقتدی کے منہ سے سہواً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلا اور دوسرے مقتدی نے عمداً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا حضور ان دونوں مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور جو شخص یہ کہے کہ نماز کے اندر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ سہواً کہنا چاہئے نہ عمداً، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ عزوجل کا نام پاک سن کر حکم ہے کہ عزوجل یا جل جلالہ یا اس کی مثل کلماتِ تعظیمی کہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر واجب ہے کہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام یا اس کے مثل کلمات درود کہے۔

مگر یہ دونوں وجوب بیرونِ نماز ہیں نماز میں سوا ان کلمات کے جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر فرما دیئے ہیں اور کی اجازت نہیں، خصوصاً جہریہ نماز میں وقتِ قرأتِ امام مقتدی کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے، یونہی امام کے خطبہ پڑھتے میں جب اللہ عزوجل اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمائے طیبہ آئیں سامعین دل میں کلمات تقدیس و درود کہیں، زبان سے کہنے کی وہاں بھی اجازت نہیں۔

نماز میں نامِ الٰہی سن کر جل وعلا یا نام مبارک سن کر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا اگر بقصدِ جواب ہے نماز جاتی رہے گی سہواً ہو یا قصداً، اور اگر بلا قصدِ جواب تو قصداً ممنوع اور سہواً پر مواخذہ نہیں۔ (ج7،ص390)

سوال: جوتا یا بوٹ پہن کر خشک ہو غلاظت نہ لگی ہو خواہ نیا ہو یا پرانا، نماز جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی نے فرمایا تھا کہ بوٹ نیا ہو یا پرانا، خشک ہو، غلاظت نہ لگی ہو پہن کر نماز جائز اور صحیح بخاری میں لکھا ہوا بتایا تھا۔

جواب: مسجد میں جوتا پہن کر جانا خلافِ ادب ہے، ردالمحتار میں ہے'' دخول المسجد متنعلا سوء الادب ''

ترجمہ: مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا بے ادبی ہے۔ (ردالمحتار، ج1،ص486، مصطفی البابی، مصر)

ادب کی بنا عرف و رواج ہی پر ہے اور وہ اختلافِ زمانہ و ملک وقوم سے بدلتا ہے، عرب میں باپ سے اَنْتَ کہہ کر خطاب کرتے ہیں یعنی تو، زمانہ اقدس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھی یونہی خطاب ہوتا تھا، سیّدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد ماجد سیّدنا ابراہیم شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی اے میرے باپ! تو کر جس بات کا تجھے حکم دیا جاتا ہے اب اگر کوئی بے ادب اسے حجت بنا کر اپنے باپ کو تُو تُو کہا کرے ضرور گستاخ مستحق سزا ہے۔

نماز حاضری بارگاہ بے نیاز ہے کسی نواب کے دربار میں تو آدمی جوتا پہن کر جائے، یہ تو ادب کا حکم ہے۔

اور آج کل لوگوں کے جوتے صحابہ کرام کے جوتوں کی طرح نہیں ہوتے۔ ردالمحتار میں ہے'' نعالھم المتنجسة ''

ترجمہ: لوگوں کے جوتے ناپاک ہوتے ہیں۔ (ردالمحتار ج 1 ص 654، مصطفی البابی مصر)

پھر بوٹ غالباً ایسا پھنسا ہوا ہوتا ہے کہ سجدے میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھانے نہ دے گا تو آداب درکنار سرے سے نماز ہی نہ ہوگی۔ (ج 7 ص 392)

سوال: ایک شخص نے پہلی رکعت میں لم یکن الذین کفروا پڑھی اور دوسری میں سورۂ دہر، اس سے کہا کہ ایک تو تم نے قرآن شریف اُلٹا پڑھا دوسرا پہلی سورہ چھوٹی پڑھی اور بعد کی بڑی، نماز میں کراہت تو نہیں آئی، کہا کچھ حرج نہیں حدیث سے ثابت ہے۔

جواب: اس میں دو کراہتیں ہوئیں: ایک دوسری رکعت کی پہلی سے اس قدر تطویل، اور دوسری سخت اشد کراہت ہے (کہ) قرآن مجید کو معکوس پڑھا یہ گناہ وسخت ناجائز ہے حدیث میں ہے ایسا شخص خوف نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا دل اُلٹ دے۔ (ج 7 ص 393)

سوال: مسجد کے حجرہ میں کوئی شخص علیحدہ نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: مسجد کے حجرہ میں فرضوں کے سوا اور نمازیں پڑھنا بہتر ہے یہاں تک کہ فرائض کے قبل وبعد کے سنن مؤکدہ میں بھی بر بنائے اصل حکم افضل یہی ہے کہ غیر مسجد میں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''افضل صلٰوۃ المرء فی بیتہ الاالمکتوبۃ'' ترجمہ: فرض نماز کے علاوہ آدمی کی نماز گھر میں افضل ہے۔ (صحیح مسلم، ج 1 ص 266، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

مگر فرائض بے عذر قوی مقبول اگر حجرہ میں پڑھے اور مسجد میں نہ آئے گنہگار ہے، چند بار ایسا ہو تو فاسق مردود الشہادۃ ہوگا، حدیث میں ہے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لاصلٰوۃ لجار المسجد الا فی المسجد'' ترجمہ: مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہوتی ہے۔ (سنن الدارقطنی، ج 1 ص 420، نشر السنۃ، ملتان) (ج 7 ص 393)

سوال: چوری کا کپڑا پہن کر نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے میں اگرچہ فرض ساقط ہو جائے گا لان الفساد مجاور (کیونکہ فساد نماز سے باہر ہے) مگر نماز مکروہ تحریمی ہوگی للاشتمال علی المحرم (حرام چیز پر مشتمل ہونے کی وجہ سے) کہ جائز کپڑے پہن کر اس کا اعادہ واجب کالصلٰوۃ فی الارض المغصوبۃ سواء بسواء (جس طرح مغصوبہ زمین پر نماز کا حکم اور یہ برابر ہے)۔ (ج 7 ص 394)

سوال: امام کے سر پر عمامہ نہ ہو اور مقتدی کے عمامہ ہو تو کسی کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے یا نہیں؟

جواب: کسی کی نماز میں کچھ خلل نہیں، عمامہ مستحباتِ نماز سے ہے اور ترکِ مستحب سے خلل در کنار کراہت بھی نہیں آتی، و ذلک لان التعمم من سنن الزوائد و سنن الزوائد حکمہا حکم المستحب، ترجمہ: اس لئے کہ عمامہ باندھنا سنن زوائد میں سے ہے اور سنن زوائد کا حکم مستحب والا ہوتا ہے۔ (ج7 ص394)

سوال: مردہ کی نماز پڑھانے کے واسطے جو جائے نماز ملتی ہے اس سے کُرتا یا کچھ اور کپڑا بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں تو اس سے جو نماز مفروضہ پڑھی گئی وہ لوٹائی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کفن سے یہ جائے نماز کے واسطے کپڑا نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس جائے نماز سے دو غرضیں لوگوں کی ہیں:

ایک یہ اکثر نماز جنازہ راستے وغیرہ بے احتیاطی کے مقامات پر ہوتی ہے مسجد کہ صاف و پاکیزہ رکھی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ منع ہے تو بغرض احتیاط امام کے نیچے جائے نماز بچھادی جاتی ہے کہ سب مقتدیوں کے لئے اس کا مہیا کرنا دشوار ہوتا ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ وہ تمام جگہ ایسی ناپاک ہے کہ سب کی نماز نظر بواقع نہ ہوسکے تو جائے نماز کے سبب امام کی نماز ہوجائے گی اور اسی قدر سب مسلمانوں کی طرف سے ادائے فرض و ابرائے ذمہ کے لئے کافی ہے کہ نمازِ جنازہ میں جماعت شرط نہیں۔

دوسری نفع فقیر کہ وہ جانماز بعد از نماز کسی طالب علم اور فقیر پر تصدق کردی جاتی ہے اور یہ دونوں غرضیں محمود ہیں تو اس کے جواز میں کلام نہیں اور جس فقیر پر وہ تصدیق کی گئی اس کی ملک ہے کُرتا وغیرہ جو چاہے بنالے اس میں نماز مکروہ بھی نہیں نہ اصلاً حاجتِ اعادہ۔ (ج7 ص395)

وتراورنوافل کابیان

سوال : جوشخص نمازظہروعشاء باجماعت پڑھ چکا خواہ امام تھایا مقتدی اب دوسری جماعت قائم ہوئی وہ شریک جماعت ہواتو وہ نیت نماز کی کیا کرے؟

جواب :نفل کی نیت چاہئے،فان الفریضة فی الوقت لاتکرر، وفی الحدیث لایصلی بعد صلوٰة مثلھا'' ترجمہ: کیونکہ وقتی فریضہ میں تکرار نہیں، حدیث میں ہے نماز کی مثل نماز کے بعد ادا نہ کی جائے۔

اوراگرفرض کی نیت کرے گا جب بھی نفل ہی ہوں گے فان الفریضة فی الوقت لاتکرر(کیونکہ فرض ایک وقت میں متکرر نہیں ہوا کرتا)۔ (ج7،ص397)

سوال:نیا کپڑااورجوتا پہن کرنفل پڑھنا کیسا ہے؟

جواب :نیا کپڑا پہن کرنفل پڑھنا بہتر ہے،یونہی نیاجوتا بھی اگراس پنجہ اتنا کڑا نہ ہو کہ پاؤں کی کسی انگلی کا پیٹ زمین سے نہ لگنے دے ایسا ہوگا تو نماز نہ ہوگی۔ (ج7،ص397)

سوال:رمضان میں وتر باجماعت پڑھنا افضل ہے یا بوقت تہجد اکیلے؟

جواب :وترِ رمضان المبارک میں ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کو اختلاف ہے کہ مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا مثلِ نماز گھر میں تنہا، دونوں قول باقوت ہیں اور دونوں طرف تصحیح وترجیح۔

اول کو یہ مزیت کہ اب عامۂ مسلمین کا اس پرعمل ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید نکلتی ہے،ثانی کو یہ فضیلت کہ وہ ظاہرالروایۃ ہے۔

بالجملہ اس مسئلہ میں اپنے وقت وحالت اور اپنی قوم وجماعت کی موافقت سے جسے انسب جانے اس پرعمل کا اختیار رکھتا ہے۔ (ج7،ص398)

سوال :رمضان شریف میں عشاء کی نمازِفرض جس نمازی تہجد گزار یا غیر تہجد گزار نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہو اس کونماز وتر جماعت کے ساتھ ادا کرنا ضرور ہے یا نہیں؟

جواب :کسی کوبھی ضرورنہیں بلکہ افضلیت میں اختلاف ہے،ہمارے اصل مذہب میں افضل یہی ہے کہ تنہا گھر میں پڑھے اور ایک قول پرمسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے،اب اکثر مسلمین کا عمل اسی پر ہے۔۔بہرحال ضروری کسی کے نزدیک نہیں۔ (ج7،ص400)

سوال: نمازِ تہجد واجب ہے یا سنت؟ اگر سنت ہے تو مؤکدہ یا غیر مؤکدہ؟

جواب: تہجد سنتِ مستحبہ ہے تمام مستحب نمازوں سے اعظم واہم، قرآن واحادیث حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی ترغیب سے مالا مال، عامہ کتب مذہب میں اسے مندوبات ومستحبات سے گنا اور سنت مؤکدہ سے جدا ذکر کیا، تو اس کا تارک اگرچہ فضلِ کبیر وخیرِ کثیر سے محروم ہے گنہگار نہیں۔ (ج7،ص400)

سوال: احناف کے نزدیک تو تہجد مستحب ہے، دیگر ائمہ کا کیا موقف ہے؟

جواب: بعض علمائے مالکیہ وشافعیہ۔۔ جانب سنیت گئے، اور بعض ائمہ تابعین حسن بصری وعبیدہ سلمانی ومحمد بن سیرین قائلِ وجوب ہوئے۔۔ قولِ وجوب کو تو جمہور علمائے مذاہبِ اربعہ رد فرماتے اور مخالفِ جماعت بتاتے ہیں۔۔۔ اور ہمارے علماء وجوب وسنیت کی یکساں تضعیف فرماتے ہیں۔

البتہ ہمارے علماء متاخرین سے امام ابن الہمام نے سنیت واستحباب میں تردد اور بالآخر جانب اول میل اور انہیں کے اتباع سے اُن کے تلمیذ علامہ حلبی نے حلیہ میں اسے اشبہ فرمایا، یہ ان امام کی اپنی بحث ہے نہ مذہبِ منصوص۔ (ج7،ص401)

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں تہجد فرض تھی؟

جواب: قولِ جمہور مذہبِ مختار ومنصور حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں فرضیت ہے اسی پر ظاہر قرآن عظیم شاہد اور اسی طرف حدیث مرفوع وارد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ﴾ ترجمہ: اے چادر اوڑھنے والے رات کو قیام کیا کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ ترجمہ: رات کو تہجد ادا کیا کرو۔

ان آیتوں میں خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امرِ الٰہی ہے اور امرِ الٰہی مفید وجوب۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''ثلث هن علیّ فرائض وهن لکم سنة الوتر والسواك وقیام اللیل''

ترجمہ: تین چیزیں مجھ پر فرض اور تمہارے لئے سنت ہیں: وتر ومسواک وقیامِ شب۔ (المعجم الاوسط، ج4،ص165، مکتبۃ المعارف، الریاض)

اگرچہ یہ حدیث (ضعیف ہونے کی وجہ سے) حجت نہیں بن سکتی مگر قرآن عزیز کے ظاہر سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''اُمر صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بقیام اللیل وکتب علیه دون امته'' حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامِ شب کا حکم تھا حضور پر فرض تھا اُمت پر نہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری، ج15،ص90، مطبوعہ مطبعۃ میمنیۃ، مصر)

امام محی السنۃ بغوی معالم میں فرماتے ہیں ''کانت صلٰوة اللیل فریضة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی

[illegible]

...[illegible] ''ترجمہ: ابتداء قیام شب سرورِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور آپ کی امت دونوں پر فرض تھا پھر امت کے حق میں وجوب منسوخ ہو گیا لیکن رسالت مآب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حق میں وجوب باقی رہا۔

(المواہب اللدنیہ، ج 4، ص 174 [illegible]) (ج 7، ص 407)

سوال: تہجد کا وقت کیا ہے؟

جواب: بعد فرض عشاء قدرے سو کر طلوع فجر سے پہلے پڑھے جائیں۔ طبرانی حجاج بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی ''انما تهجد المرء يصلي الصلوة بعد رقدة'' ترجمہ: قدرے سو کر آدمی جو نماز ادا کرے اسے تہجد کہا جاتا ہے۔ (ج 7، ص 409)

سوال: تہجد کا حکم سنتِ مؤکدہ کیوں نہیں ہو سکتا؟

جواب: یہ مستحب سے زائد نہیں ورنہ سونا بھی سنتِ مؤکدہ ہو جائے اور شب بیداری گناہ ٹھہرے کہ تہجد سنتِ مؤکدہ ہوئی اور وہ بے نوم (بغیر سوئے) حاصل نہیں ہو سکتی اور سنتِ مؤکدہ کا حصول جس پر موقوف ہے وہ سنتِ مؤکدہ ہے کہ ان حکم المقدمة حكم ماهي مقدمة له (کیونکہ مقدمہ کا حکم وہی ہوتا ہے جو اس پر موقوف ہونے والے کا ہے)۔

اور سنتِ مؤکدہ کا ترک مطلقاً یا بعد عادت گناہ اور بعد اصرار کبیرہ، شب بیداری کی غایت یہ تھی کہ مستحب ہوتی مگر جب وہ ترکِ سنتِ مؤکدہ کی موجب تو مستحب کیسی، مکروہ و ممنوع ہونی لازم، کوئی مستحب کیسی ہی فضیلت والا ہو جب کسی سنت مؤکدہ کے فوت کا موجب ہو مستحب نہیں ہو سکتا مذموم ہوگا، ہمارے امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے پینتالیس برس عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، کیا معاذ اللہ پینتالیس سال کامل ترک سنت مؤکدہ پر اصرار فرمایا۔ (ج 7، ص 410)

سوال: سنتیں اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟ اور سرور عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی عادت کس طرح تھی؟

جواب: تراویح و تحیۃ المسجد کے سوا تمام نوافل سنن راتبہ ہوں یا غیر راتبہ، مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ گھر میں پڑھنا افضل اور باعث ثوابِ اکمل۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''عليكم بالصلوة في بيوتكم فان خير صلوة المرء في بيته الا المكتوبة'' تم پر لازم ہے گھروں میں نماز پڑھنا کہ بہتر نماز مرد کیلئے اس کے گھر میں ہے سوا فرض کے۔

(صحیح مسلم، ج 1، ص 266، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اور فرماتے ہیں ''صلوة المرء في بيته افضل من صلاته في مسجدي هذا الا المكتوبة'' نماز مرد کی اپنے گھر میں میری اس مسجد میں اس کی نماز سے بہتر ہے مگر فرائض۔ (سنن ابوداود، ج 1، ص 149، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور خود عادت کریمہ سید المرسلین کی اسی طرح تھی۔ احادیث صحیحہ سے حضور والا کا تمام سنن کا شانہ فلک آستانہ میں پڑھنا

ثابت۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں چار رکعت ظہر سے پہلے پڑھتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر گھر میں رونق افروز ہوکر دو رکعتیں پڑھتے، اور مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں جلوہ فرما ہوتے اور دو رکعتیں پڑھتے، اور عشا کی امامت کر کے گھر میں آتے اور دو رکعتیں پڑھتے، جب صبح چمکتی دو رکعتیں پڑھ کر باہر تشریف لے جاتے اور نماز فجر پڑھاتے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص257، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اسی طرح سنن جُمعہ کا مکانِ جنت نشان میں پڑھنا، صحیحین میں مروی زمانہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لوگ مغرب کے فرض پڑھ کر گھروں کو لَوٹ جاتے یہاں تک کہ مسجد میں کوئی شخص نہ رہتا گویا وہ بعد مغرب کچھ پڑھتے ہی نہیں۔

سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ مغرب کے فرض پڑھ کر مسجد میں سنتیں پڑھنے لگے ارشاد فرمایا ''یہ نماز گھر میں پڑھا کرو'' (سنن ابوداؤد، ج1، ص184، آفتاب عالم پریس، لاہور)

گاہے (کبھی کبھی) اگر (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو) بعض سنن مسجد میں پڑھنے کا اتفاق ہوا تو علماء فرماتے ہیں وہ کسی عذر و سبب سے تھا۔

مع ھذا ترک احیاناً (کبھی کبھی ترک کرنا) منافی سنیت و استحباب نہیں بلکہ اس کا مقرر و مؤکد ہے کہ مواظبت محققین کے نزدیک امارتِ وجوب (واجب ہونے کی علامت ہے)۔

علاوہ بریں اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دائماً سب سنتیں مسجد ہی میں پڑھی ہوتیں، تاہم بعد اس کے کہ حضور ہم سے ارشاد فرما چکے ''فرضوں کے سوا تمام نمازیں تمہیں گھر میں پڑھنی چاہئیں'' اور فرمایا ''ماورائے فرائض اور نمازیں گھر میں پڑھنا مسجد مدینہ طیبہ میں پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے'' بلکہ مسجد میں پڑھتے دیکھ کر وہ ارشاد فرمایا کہ ''نماز گھروں میں پڑھا کرو'' کمـــا مر کل ذلك (جیسا کہ یہ سب کچھ پیچھے گزرا ہے) تو ہمارے لئے بہتر گھر ہی میں پڑھنے میں رہے کہ قول فعل پر مرجح (ترجیح والا) ہے اور ان احادیث میں نماز سے صرف نوافل مطلقہ مراد نہیں ہوسکتی کہ ماورائے فرائض میں سنن بھی داخل۔۔ اسی طرح فقہاء بھی عام حکم دیتے اور نوافل کی تخصیص نہیں کرتے۔ (ج7، ص410تا414)

سوال: زید کہتا ہے کہ نوافل و سنن مسجد میں پڑھنی چاہئیں کہ روافض کی مشابہت نہ ہو، کیا اس کا یہ کہنا درست ہے؟

جواب: جب ثابت ہو چکا کہ سنن و نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ اور حضور نے یونہی ہمیں حکم فرمایا تو بخیالِ مشابہتِ روافض اُسے ترک کرنا کچھ وجہ نہ رکھتا ہے، اہلِ بدعت کا خلاف ان کی بدعت یا شعار خاص میں کیا جائے نہ یہ کہ اپنے مذہب کے امورِ خیر سے جو بات وہ اختیار کریں ہم اسے چھوڑتے جائیں آخر رافضی کلمہ بھی تو پڑھتے ہیں۔

بالجملہ اصل حکم استحبابی یہی ہے کہ سننِ قبلیہ مثل رکعتین فجر ورباعی ظہر وعصر وعشا مطلقاً گھر میں پڑھ کر مسجد کو جائیں کہ ثواب زیادہ پائیں، اور سنن بعدیہ مثل رکعتین ظہر ومغرب وعشاء میں جسے اپنے نفس پر اطمینان کامل حاصل ہو کہ گھر جا کر کسی ایسے کام میں جو اسے ادائے سنن سے باز رکھے مشغول نہ ہوگا وہ مسجد سے فرض پڑھ کر پلٹ آئے اور سنتیں گھر ہی میں پڑھے تو بہتر، اور اس سے ایک زیادتِ ثواب یہ حاصل ہوگی کہ جتنے قدم بارادۂ ادائے سنن گھر تک آئے گا وہ سب حسنات میں لکھے جائیں گے۔

اور جسے یہ وثوق نہ ہو وہ مسجد میں پڑھ لے کہ لحاظِ افضلیت میں اصل نماز فوت نہ ہو، اور یہ معنی عارضی افضلیت صلوٰۃ فی البیت کے منافی نہیں، نظیر اس کی نمازِ وتر ہے کہ بہتر اخیر شب تک اس کی تاخیر ہے مگر جو اپنے جاگنے پر اعتماد نہ رکھتا ہو وہ پہلے ہی پڑھ لے۔

مگر اب عام عمل اہل اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں ہے اور عادتِ قوم کی مخالفت موجبِ طعن وانگشت نمائی وانتشارِ ظنون وفتح باب غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس پر مرجح ہے، ائمہ دین فرماتے ہیں ''الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ'' ترجمہ: معمول کے خلاف کرنا شہرت اور مکروہ ہے۔ (ج7،ص415)

سوال: یومِ عاشورا کے نفل پڑھنے چاہیں یا نہیں؟

جواب: عاشورا ایام فاضلہ (فضیلت والے دنوں میں) سے ہے اور نماز بہترین عبادات اور اوقاتِ فاضلہ میں اعمالِ صالحہ کی تکثیر قطعاً مطلوب ومندوب مگر اس دن نوافلِ معینہ بطریق مخصوصہ میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے علماء اسے موضوع وباطل بتاتے ہیں، موضوعات کبیر ملا علی قاری میں ہے ''صلٰوۃ عاشوراء موضوع بالاتفاق'' ترجمہ: عاشورا کی نماز بالاتفاق موضوع ہے۔ (الاسرار المرفوعۃ لملا علی قاری، ص289، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (ج7،ص418)

سوال: وتر میں نیت وتر کی کرے یا واجب کی یا سنت کی؟

جواب: وتر کی نیت تو ضرور ہی ہے پھر چاہے اسی قدر پر قناعت کرے (کہ میں وتر پڑھتا ہوں) اور بہتر یہ ہے کہ وتر واجب کی نیت کرے کہ ہمارے مذہب میں وتر واجب ہی ہیں اور اگر سنت بمعنی مقابل واجب کے نیت کی تو ہمارے امام کے نزدیک وتر ادا نہ ہوں گے۔ (ج7،ص419)

سوال: قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ تہجد میں قیامِ طویل فرماتے حتی کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے اور پھٹ جاتے، یہ قول قابل اعتبار ہے یا نہیں، متورم ہونا اور پھٹنا دونوں

صحاحِ ستہ سے ثابت ہیں یا صحاح کے علاوہ سے، بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ مبارک قدموں کا متورم ہونا تو صحاح سے ثابت ہے مگر پھٹ جانا ثابت نہیں، کس کا قول معتبر ہے؟

جواب : قاضی صاحب کا کلام درست وصحیح ہے اس کا انکار ناواقفیت ہے، پاؤں کا متورم ہونا اور پھٹ جانا دونوں ہی صحاحِ ستہ سے ثابت ہیں۔ (ج7،ص420)

سوال : نمازِ عشاء میں آخری نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہئے یا کھڑے ہوکر؟ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طور پر ادا فرمائے؟

جواب :حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نفل بیٹھ کر پڑھے مگر ساتھ ہی فرمادیا کہ میں تمہارے مثل نہیں، میرا ثواب قیام وقعود دونوں میں یکساں ہے تو اُمت کے لئے کھڑے ہوکر پڑھنا افضل اور دونا ثواب ہے اور بیٹھ کر پڑھنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ (ج7،ص421)

سوال: ایک شخص نمازِ تہجد ادا کرتا ہے لہٰذا اس کو وتر بعدِ فراغتِ تراویح پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: تہجد پڑھنے والا بعدِ تراویح وتر پڑھ سکتا ہے بلکہ جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو پہلے ہی پڑھ لینا بہتر ہے۔ (ج7،ص422)

سوال: کسی کی تراویح اتفاق سے کچھ باقی رہ گئی ہیں تو پہلے وتر امام کے ساتھ پڑھے گا یا پہلے تراویح؟

جواب : جس نے امام کے ساتھ بعض تراویح نہ پائیں تو بعدِ امام اُن کو پڑھے خواہ وتروں سے پہلے یا بعد، اور اول بہتر ہے۔ (ج7،ص422)

سوال: جُمعہ کی پہلی چار سنتیں اگر فرضوں سے پہلے رہ جائیں تو فرض کے بعد وقت کے اندر قضا کرلے یا نہیں؟

جواب: ہاں وقت میں انہیں ادا کرلے وہ ادا ہوگی نہ کہ قضا۔ (ج7،ص422)

سوال : ایک شخص نے فوتِ جماعت کے خوف سے سنتیں فجر کی ترک کیں اور جماعت میں شامل ہوگیا اب وہ ان سنتوں کو فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے یا بعد؟

جواب : جبکہ فرضِ فجر پڑھ چکا تو سنتیں سورج بلند ہونے سے پہلے ہرگز نہ پڑھے، ہمارے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم کا اس پر اجماع ہے بلکہ پڑھے تو سورج بلند ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پڑھ لے، نہ اس کے بعد پڑھے نہ اس سے پہلے۔

اور یہ خیال کہ اس میں قصداً وقت قضا کرانا ہے ناواقفی سے ناشی (یہ اعتراض جہالت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے)، یہ سنتیں جب فرضوں سے پہلے نہ پڑھی گئیں خود ہی قضا ہوگئیں، اُن کا وقت یہی تھا کہ فرضوں سے پیشتر پڑھی جائیں، اب اگر فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے گا جب بھی قضا ہی ہوں گی ادا ہرگز نہ ہوں گیا۔

لیکن طلوع سے پہلے قضا کرنے میں فرضِ فجر کے بعد نوافل کا پڑھنا ہے اور یہ جائز نہیں، لہٰذا ہمارے اماموں نے اس سے منع فرمایا اور بعدِ طلوع وہ حرج نہ رہا لہٰذا اجازت دی۔ (ج7،ص424)

سوال: بکر نمازِ فجر کے لئے وضو کر کے ایسے وقت میں آیا امام قعدۂ اخیرہ میں ہے جو سنت پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے اور جماعت میں ملتا ہے تو سنتیں فوت ہوتی ہیں اس صورت میں سنتیں پڑھے یا قعدہ میں مل جائے؟

جواب: اس صورت میں بالاتفاق جماعت میں شریک ہوجائے کہ جماعت میں ملنا سنتیں پڑھنے سے اہم وآکد ہے، جب یہ جانے کہ سنتیں پڑھوں گا تو جماعت ہو چکے گی بالاتفاق جماعت میں مل جانے کا حکم ہے اگرچہ ابھی امام رکعتِ ثانیہ کے شروع میں ہو، قعدہ تو ختم نماز ہے اس میں کیونکر امید ہوسکتی ہے کہ امام کے سلام سے پہلے یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں مل سکے گا۔ (ج7،ص425)

سوال: یہاں ہم لوگوں میں ایک حافظ قرآن شریف بہت عمدہ تلاوت کرتے ہیں سب جوانوں کا مشورہ ہوا کہ حافظ صاحب ہم کو پورا قرآن سنائیں، اب آپ بتائیں کہ کیا کریں، نمازِ عشاء سے فارغ ہوکر نوافل میں ختم کریں یا عشاء کے فرضوں میں زیادہ تلاوت کرلیں؟ یہ جگہ پہاڑ ہے ایک قلعہ ہے جس میں ہم قریب سَو جوانوں کے رہتے ہیں۔

جواب: استسقاء کے سوا ہر نمازِ نفل وتر اوتراویح وکسوف کے سوا ہر نمازِ سنت میں ایسی جماعت جس میں چار یا زیادہ شخص مقتدی بنیں مکروہ ہے اور وتروں کی جماعت غیر رمضان میں اگر اتفاقاً کبھی ہوجائے تو حرج نہیں مگر التزام کے ساتھ وہی حکم ہے کہ چار یا زیادہ مقتدی ہوں تو کراہت ہے اور فرضوں میں قرأتِ طویل قدرِ سنت سے اس قدر زائد کہ مقتدیوں میں سے کسی شخص پر بار گزرے سخت ناجائز وگناہ ہے یہاں تک کہ اگر ہزار مقتدی ہیں اور سب خوشی سے راضی ہیں کہ قرأت قدرِ سنت سے زیادہ پڑھی جائے مگر ایک شخص کو ناگوار ہے تو اسی ایک کا لحاظ واجب ہوگا اور قدرِ سنت سے بڑھانا گناہ ہوگا۔

پس اگر اس کا بندوبست منظور ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) یہ کہ فرضوں کی دو رکعت پیشیں (پہلی دو رکعت) میں قرأت ہو اس شرط پر کہ جماعت کے آدمی گنے بندھے ہوں اور وہ سب دل سے اس تطویل پر راضی ہوں کسی کو گراں نہ گزرے۔

اگر یہ معدود لوگ راضی ہوں مگر جماعت میں یہی معین نہیں اور لوگ بھی آ کر شریک ہوجاتے ہیں اور اُن کا اس تطویل پر راضی ہونا معلوم نہیں تو جائز نہ ہوگا۔

(۲) سنتوں، نفلوں، وتروں میں حافظ قرأت کرے اور ہر بار مختلف لوگ مقتدی ہوں کہ کسی بار میں تین سے زیادہ مقتدی نہ ہوں مثلاً عشاء کے بعد دو سنتوں میں تین مقتدیوں کے ساتھ آدھا پارہ پڑھ لیا پھر وتروں میں دوسرے تین آدمی شریک

ہوگئے آدھا ان میں پڑھا پھر نفلوں میں دوسرے تین مل گئے آدھا اب پڑھا یا وتروں سے پہلے جتنے نفل چاہے امام نے مختلف تین تین آدمیوں کے ساتھ پڑھے کہ سو یا زیادہ شخص سب کو حصہ رسدایک قرأتِ طویل میں شرکت پہنچ گئی۔

(۳) سنتوں خواہ نفلوں میں سب مقتدی ایک ساتھ شریک ہوکر ایک ہی بار میں ساری قرأت سب سنیں مگر یوں کہ مقتدی سب یا تین سے جتنے زیادہ ہیں یوں منت مان لیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے نذر کی کہ یہ رکعتیں اس امام کے ساتھ باجماعت ادا کروں اس صورت میں بھی کراہت نہ رہے گی اگر چہ کوئی ایسی پسندیدہ بات یہ بھی نہیں۔ (ج7،ص426)

سوال: نمازِ تہجد جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دیگر ایامِ مخصوصہ مثلاً یوم عاشورا، شب قدر وغیرہ میں نفل جماعت سے جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعتِ نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب معلوم ومشہور اور عامۂ کتبِ مذہب میں مذکور ومسطور ہے کہ بلاتداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔

تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اسے کثرتِ جماعت لازمِ عادی ہے اور اس کی تحدید امام نسفی وغیرہ نے کافی میں یوں فرمائی کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلاکراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ، یہ تحدید امام شمس الائمہ سے منقول ہے۔

اور اصح یہ ہے کہ تین مقتدیوں میں بھی کراہت نہیں۔

انہیں امام شمس الائمہ سے خلاصہ وغیرہ میں یوں منقول کہ تین مقتدیوں تک بالاتفاق کراہت نہیں چار میں اختلاف ہے اور اصح کراہت۔

بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ، اور تین اور چار میں اختلافِ نقل ومشائخ، اور اصح یہ کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے۔

تو مذہبِ مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں۔

پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ لمخالفة التوارث (کیونکہ یہ طریقہ توارث کے خلاف ہے) نہ تحریمی کہ گناہ وممنوع ہو۔

صلوٰۃ الرغائب (رجب کی پہلی شبِ جُمُعہ کو باجماعت ادا کئے جانے والے نوافل) وصلوٰۃ البرائۃ (شعبان کی پندرہویں شب کو باجماعت ادا کئے جانے والے نوافل) وصلوٰۃ القدر (شب قدر میں باجماعت ادا کئے جانے نوافل) کہ جماعاتِ کثیرہ کے ساتھ بکثرت بلادِ اسلام میں رائج تھیں متاخرین کا اُن پر انکار اس نظر سے ہے کہ عوام سنت نہ سمجھیں۔

اور بعض ناس (بعض لوگوں) کا غلو وافراط مسموع نہیں اور حدیث بروایت مجاہیل آنا موجب وضع نہیں نہ وضع حدیث موجب منع عمل ہے، عمل بالحدیث الموضوع اور عمل بمانی الحدیث الموضوع میں زمین آسمان کا بل (فرق) ہے۔

خصوصاً ان کا فعل بجماعت اجلہ اعاظم اولیائے کبار وعلمائے ابرار حتی کہ ایک جماعتِ تابعین کرام وائمہ مجتہدین اعلام سے ثابت ومنقول ہے۔ (ج7،ص430)

سوال: وتر کے بعد جو نفل پڑھے جاتے ہیں اُن کا بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے یا کھڑے ہوکر؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا عمل رہا ہے؟

جواب: کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے، بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ان صلی قائما فھو افضل ومن صلی قاعدا فلہ نصف اجر القائم ''ترجمہ: اگر کھڑے ہوکر پڑھے تو وہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے اس کے لئے کھڑے ہوکر پڑھنے والے سے نصف ثواب ہے۔ (صحیح البخاری، ج1،ص150،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ رکعتیں بیٹھ کر بھی پڑھی ہیں جیسا کہ مسلم میں ہے حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ وتر ذکر کرنے کے بعد فرماتی ہیں'' ثم یصلی رکعتین بعد مایسلم وھو قاعد ''ترجمہ: پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعات نماز ادا کرتے۔ (صحیح مسلم، ج1،ص256،اصح المطابع،کراچی)

اور کبھی ان میں قعود وقیام کو جمع فرمایا ہے کہ بیٹھ کر پڑھتے رہے جب رکوع کا وقت آیا کھڑے ہوکر رکوع فرمایا، ابن ماجہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے'' کان یصلی بعد الوتر رکعتین خفیفتین وھو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع ''ترجمہ: رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتروں کے بعد دو رکعات نماز اختصار کے ساتھ بیٹھ کر ادا کرتے تھے اور جب آپ رکوع کا ارادہ فرماتے تو قیام فرماتے پھر رکوع کرتے۔ (سنن ابن ماجہ، ج1،ص85،آفتاب عالم پریس،لاہور)

مگر بیٹھ کر پڑھنا دواماً نہ تھا بلکہ اس بات کے بیان کے لئے کہ بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ خود ان نفلوں کا پڑھنا بھی اس بیان کے واسطے تھا کہ وتر کے بعد نوافل جائز ہیں اگرچہ اولیٰ یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنے ہوں سب پڑھ کر آخر میں وتر پڑھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں''اجعلوا اٰخر صلوتکم باللیل وترا'' اپنی نمازِ شب میں سب سے آخر وتر رکھو۔ (صحیح مسلم، ج1،ص257،اصح المطابع،کراچی)

بلکہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ یہ نفل بیٹھ کر پڑھتے جب بھی ہمارے لئے کھڑے ہوکر پڑھنا ہی افضل ہوتا کہ یہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے لئے فعل ہوتا اور ہمارے لئے صاف وہ ارشاد قولی ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے اور

بیٹھے کا ثواب آدھا ہے، اور اصول کا قاعدہ ہے کہ قول فعل میں ترجیح قول کو ہے کہ فعل میں احتمالِ خصوصیت ہے نہ کہ یہاں تو صراحتاً بیانِ خصوصیت فرمایا ہے، صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے ''مجھے حدیث پہنچی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھے کی نماز آدھی ہے، میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا میں نے سرِ انور پر ہاتھ رکھا (اقول یعنی یہ خیال گزرا کہ شاید بخار وغیرہ کے سبب بیٹھ کر پڑھ رہے ہوں)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر! کیا ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ میں نے سنا تھا کہ حضور نے فرمایا بیٹھے کی نماز آدھی ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا'' اجل ولکن لست کاحد منکم '' ہاں بات وہی ہے کہ بیٹھے کا ثواب آدھا ہے مگر میں تمہاری مثل نہیں میرے لئے ہر طرح پورا کامل اکمل ثواب ہے یہ میرے لئے خصوصیت وفضل رب الارباب ہے۔ (صحیح مسلم، ج1 ص253 نور محمد اصح المطابع کراچی) (ج 7 ص 437)

سوال: صلوٰۃ التسبیح کی کیا فضیلت ہے، اس کے پڑھنے کی کیا ترکیب ہے اور اس کا کیا وقت ہے؟

جواب: اس نماز کی بہت فضیلت اور بڑا ثواب، اور اس میں بڑی معافی کی اُمید ہے وہ چار رکعت نفل ہے کہ غیر وقت مکروہ میں ادا کی جائے یعنی صبحِ صادق کے طلوع ہونے سے آفتاب نکل کر بلند ہونے تک جائز نہیں اور ٹھیک دوپہر کو جائز نہیں، اور جب آفتاب ڈوبنے کے قریب آئے کہ اس پر نگاہ بے تکلف ٹھہرنے لگے اس وقت جائز نہیں، نماز عصر کے فرض پڑھنے کے بعد شام تک جائز نہیں، جس وقت امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت جائز نہیں غرض جتنے وقت نفل نماز کی کراہت کے ہیں اُن اوقات سے بچ کر جس وقت چاہے پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے پڑھے کما فی الھندیة عن المضمرات عن المعلی (جیسا کہ ہندیہ میں مضمرات اور معلّی کے حوالے سے ہے)۔

اور افضل دن جُمعہ کا ہے اور اس کا مناسب طریقہ کہ ہمارے ائمہ کرام کے مذہب سے موافق ہے یہ ہے کہ سبحنك اللھم پڑھ کر پندرہ بار سبحٰن اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پھر الحمد وسورت پڑھ کر یہی کلمہ دس بار پھر رکوع میں تسبیحات رکوع کے بعد دس بار پھر رکوع سے کھڑے ہوکر ربنا ولک الحمد کے بعد دس بار پھر سجدہ میں تسبیحوں کے بعد دس بار پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار پھر دوسرے سجدہ میں اسی طرح دس بار، یہ ایک رکعت میں پچھتر بار ہوا، پھر دوسری رکعت کو کھڑا ہوکر الحمد سے پہلے پندرہ بار پھر الحمد وسورت کے بعد دس بار پھر رکوع میں بدستور کہ یہ بھی پچھتر ہوئے، اسی طرح باقی دونوں رکعتوں میں بھی کہ یہ سب مل کر تین سو بار ہو جائیں گے۔

سورت کا اختیار ہے جو چاہے پڑھے اور بہتر یہ کہ پہلی رکعت میں الھکم التکاثر دوسری میں والعصر تیسری میں قل یاایھا الکفرون چوتھی میں قل ھو اللہ، یہ نماز ہر روز پڑھے ورنہ ہر جُمعہ ورنہ ہر مہینے ورنہ سال میں ایک بار تو ہو جایا کرے اور نہ ہو

تو عمر بھر میں ایک بار تو ہو جائے کہ اس میں بڑی دولت ہے۔ (ج7،ص442)

سوال: چار رکعت تراویح یا اور نوافل ایک نیت سے پڑھے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف و دعا اور تیسری رکعت میں سبحنك اللھم پڑھے یا نہیں؟

جواب: پڑھنا بہتر ہے۔ درمختار میں ہے "لایصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا لایستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلوۃ" ترجمہ: ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور بعد کی چار سنتوں کے پہلے قعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود شریف نہ پڑھا جائے اور تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھی جائے اور باقی چار رکعتوں والی سنتوں اور نفلوں میں درود شریف پڑھا جائے، تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھا جائے گا اگرچہ اس نے نوافل کی نذر مانی ہو کیونکہ یہ جوڑا جوڑا نماز ہے۔ (درمختار، ج1، ص95، مطبع مجتبائی، دہلی بھارت)

مگر تراویح خود ہی دو رکعت بہتر ہے

یہاں تک کہ اگر چار یا زائد ایک نیت سے پڑھے گا تو بعض ائمہ کے نزدیک دو ہی رکعت کے قائم مقام ہونگی اگرچہ صحیح یہ ہے کہ جتنی پڑھیں شمار ہوں گی جبکہ ہر دو رکعت پر قعدہ کرتا رہا ہو۔ (ج7،ص443)

سوال: رمضان شریف میں نابالغ لڑکوں کے پیچھے دن میں دو تین بالغ حافظ وغیر ہا نماز کے اندر قرآن مجید سنتے ہیں یہ امر مشروع ہے یا نہیں؟ بظاہر کتب فقہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ دن کے نوافل میں آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

جواب: یہ امر بالاتفاق نامشروع وممنوع ہے مذہب صحیح پر تو اس لئے کہ وہ جماعت باطل ہے لان نفل البالغ مضمون فلایصح بناء الاقوی علی الاضعف (کیونکہ بالغ کے نوافل اس کے ذمہ لازم ہو جاتے ہیں لہٰذا اقوی کی بناء اضعف پر صحیح نہیں)۔

اور مذہب ضعیف پر اس لئے کہ دن کے نفل میں اخفا واجب ہے۔ حدیث میں ہے "صلوۃ النھار عجما" ترجمہ: دن کی نماز سرّی ہے۔ (الہدایہ، ج1، ص96، مکتبہ عربیہ کراچی) (ج7،ص444)

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ نمازِ ضحیٰ اشراق چاشت کے علاوہ کوئی تیسری نماز ہے، مجھے میرے پیر نے بتایا ہے، اور وہ شخص اس پر کاربند بھی ہے، کیا واقعی ایسا ہے؟

جواب: نمازِ ضحیٰ وہی نمازِ چاشت ہے نوافل پڑھنے کا اختیار ہے تمام اوقاتِ غیر مکروہہ میں اگر نوافل ہی پڑھے کون منع کرتا ہے مگر شرعی معنی میں اپنی طرف سے جدت نکالنا ضرور شنیع ومعیوب ہے ہر شخص جانتا ہے کہ ضحیٰ کا ترجمہ چاشت ہی ہے

توصلوٰۃ الضحیٰ نہیں مگر نماز چاشت۔اوران دو کے سوا کسی تیسری نماز کا اصلاً کسی حدیث سے ثبوت بھی نہیں۔ (ج7،ص 445)

سوال: تہجد کا وقت کیا ہے اور رکعات کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: عشاء کے فرض پڑھ کر آدمی سو رہے پھراس وقت سے صبح صادق کے قریب جس وقت آنکھ کھلے دو رکعت نفل صبح طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لے تہجد ہو گیا اقل درجہ تہجد کا یہ ہے اور سنت سے آٹھ رکعت مروی ہے اور مشائخ کرام سے بارہ اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو ہی رکعت پڑھتے اوران میں قرآن عظیم ختم کرتے،غرض اس میں کمی بیشی کا اختیار ہے اتنی اختیار کرے جو ہمیشہ نبھ سکیں اگر چہ دو ہی رکعت ہو کہ حدیث صحیح میں فرمایا''احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے کہ ہمیشہ ہو اگر چہ تھوڑا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص110 مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی)(ج7،ص 446)

سوال: تہجد کی نماز میں قرأت کیا کرے؟

جواب: قرأت کا بھی اختیار ہے چاہے ہر رکعت میں تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے کہ اس کا ثواب ایک ختم قرآن کے برابر ہے خواہ یوں کہ بارہ رکعتیں ہوں پہلی میں ایک بار، دوسری میں دو بار، یا پہلی میں بارہ دوسری میں گیارہ، اخیر میں ایک کہ یوں ۲۶ ختم قرآن کا ثواب ہوگا، اور پہلی صورت میں بیس کا ہوتا، اور بہتر یہ ہے کہ جتنا قرآن مجید یاد ہو اس نماز میں پڑھ لیا کرے کہ اس کے یاد رہنے کا اس سے بہتر سبب نہیں۔ (ج7،ص 447)

سوال: وتر کس وقت پڑھنا افضل ہے؟

جواب: تہجد پڑھنے والا جسے اپنے اُٹھنے پر اطمینان ہو اسے افضل یہ ہے کہ وتر بعدِ تہجد پڑھے پھر وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جتنے نوافل پڑھنا ہوں وتر سے پہلے پڑھ لے کہ وہ سب قیام اللیل میں داخل ہوں گے اور اگر سونے کے بعد ہیں تو تہجد میں داخل ہوں گے۔ (ج7،ص 447)

سوال: صلوٰۃ التسبیح میں دو رکعت کی نیت کرے یا چار کی؟

جواب: صلوٰۃ التسبیح میں چار رکعت کی نیت کی جائے۔ (ج7،ص 447)

سوال: ایک جگہ پڑھا ہے کہ سنتِ فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ کٰفرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے، کیا اس ترکیب سے نفل بھی پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: سنتِ فجر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی و ماثور سنت وہی ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کٰفرون اور دوسری میں اخلاص اور الم نشرح اور الم تر کیف پڑھنا مشائخ سے بطورِ عمل مروی ہے جس کا فائدہ دفعِ اعداء ہے اور یہ کہ نوافل میں اختیار ہے جس طرح جو چاہے پڑھے۔ (ج7،ص 448)

سوال: کیا وتر کی آخری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: وتر میں اخیر رکعت میں قل ھو اللہ احد شریف پڑھنا ماثور ہے مگر ضرور نہیں، جو چاہے پڑھے، بہتر یہ ہے کہ پہلی میں سبح اسم ربک الاعلیٰ یا انا انزلناہ اور دوسری میں کٰفرون تیسری میں اخلاص۔ (ج7،ص448)

سوال: امام نے ظہر کے وقت چار رکعت نماز سنت ادا کرنے کے بعد کلام دنیا کیا بعد اس کے نماز پڑھائی تو اس فرض نماز میں کچھ نقصان آئے گا یا نہیں؟ اور نمازِ سنت کا ثواب کم ہو جائے گا یا باطل ہو جائے گی؟

جواب: فرض میں نقصان کی کوئی وجہ نہیں کہ سنتیں باطل نہ ہوں گی، ہاں اس کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ (ج7،ص448)

سوال: سنتیں پڑھنے کے بعد اور فرض پڑھنے سے پہلے اگر گفتگو کی جائے تو پھر اعادہ سنتوں کا کرے یا نہیں؟

جواب: اعادہ بہتر ہے کہ قبلی سنتوں کے بعد کلام وغیرہ افعالِ منافی تحریمہ کرنے سے سنتوں کا ثواب کم ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک سنتیں ہی جاتی رہتی ہیں تو تکمیلِ ثواب و خروج عن الاختلاف کے لئے اعادہ بہتر ہے جبکہ اس کے سبب شرکت جماعت میں خلل نہ پڑے مگر فجر کی سنتیں کہ اُن کا اعادہ جائز نہیں۔ (ج7،ص449)

سوال: ہماری مسجد کے ساتھ متصل مدرسہ ہے، لوگ فجر کی نماز کیلئے آتے ہیں تو بعض اوقات جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو وہ مدرسہ میں سنتیں پڑھ لیتے ہیں، اس واسطے مدرسہ میں ایک چٹائی بچھا دی ہے، زید کو اس پر دو وجہ سے اعتراض ہے ایک یہ کہ نمازی جب مسجد کی فصیلوں پر جو وضو کرنے کی جگہ ہے بیٹھ کر وضو کرے گا تو مسجد کے صحن میں سے گزر کر مدرسہ کے صحن میں جو چٹائی بچھی ہے سنتیں ادا کرنے کے واسطے جائے گا تو یہ صورت خلافِ شرعیہ ہے اس وجہ سے کہ بعد از اذان مسجد سے خارج ہونا جائز نہیں اس گناہ کا مرتکب ہوگا۔

دوسری وجہ ممانعت زید کی یہ ہے کہ صحنِ مدرسہ کا بھی فرش پختہ ہے اور چھوٹے لڑکے بعض برہنہ پاؤں پیشاب کو استنجا خانہ میں اور غسل خانہ میں جاتے ہیں اور اسی فرش صحن مدرسہ پر ہو کر گزرتے ہیں اور فجر کو اکثر شبنم کی کچھ نمی فرش پر ہوتی ہے اور کبھی کبھی رات کی بارش کی بھی نمی فرش پر ہوتی ہے پس ایسے مشکوک فرش پر چٹائی کا بچھانا چٹائی کا نجس کرنا اور نیز نمازیوں کی نماز خراب کرنا ہے۔ کیا زید کے یہ اعتراضات ٹھیک ہیں؟

جواب: زید کے دونوں اعتراض باطل و بے معنی ہیں، مسجد سے بے نماز پڑھے باہر جانا دو شرط سے ممنوع ہے ایک یہ کہ وہ خروج بے حاجت ہو ورنہ بلاشبہ جائز ہے مثلاً جس شخص کی ذات سے دوسری مسجد کی جماعت کا انتظام وابستہ ہے وہ بعدِ اذان بلکہ خاص اقامت ہوتے وقت باہر جا سکتا ہے یونہی جسے دوسری مسجد میں بعدِ نماز دینی سبق پڑھنا یا کسی عالم کا وعظ سننا ہو اسی طرح پیشاب یا استنجے یا وضو کی حاجتیں۔

دوسرے یہ کہ شروع جماعت تک واپسی کا ارادہ نہ ہو ورنہ مضائقہ نہیں اگر چہ بے ضرورت ہی آ ئی۔
یہاں دونوں شرطوں سے ایک بھی متحقق نہیں سنتیں بحالِ قیامِ جماعت بیرون مسجد پڑھنے کا حاجتِ شرعی ہونا بھی ظاہر اور قصدِ رجوع بھی بدیہی تو عدمِ جواز وحصول گناہ کا حکم صریح باطل قطعی۔
بعینہ یہ صورت سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے ایک روز وہ ایسے وقت تشریف لائے کہ جماعت فجر قائم ہو چکی تھی انہوں نے ابھی سنتیں نہ پڑھی تھیں ان کی بہن ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرۂ مطہرہ مسجد سے ملا ہوا تھا جس کا دروازہ عین مسجد میں تھا وہاں چلے گئے اور سنتیں حجرے میں پڑھ کر پھر مسجد میں آ کر شامل جماعت ہوئے۔

(شرح معانی الآثار ج 1 ص 258 ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

بلکہ جب وہ مدارس متعلق مسجد، حدودِ مسجد کے اندر ہیں اُن میں اور مسجد میں راستہ فاصل نہیں صرف ایک فصیل سے صحنوں کا امتیاز کر دیا ہے تو ان میں جانا مسجد سے باہر جانا ہی نہیں یہاں تک کہ ایسی جگہ معتکف کو جانا جائز کہ وہ گویا مسجد ہی کا ایک قطعہ ہے۔
چٹائی کو اُن خیالاتِ بعیدہ کی بنا پر نجس بتانا محض پیرویِ اوہام ہے شرع مطہر نے دربارۂ طہارتِ ظاہرا ایسے لیت ولعل کو اصلاً گنجائش نہ دی۔
نیت مذکور سے چٹائی بچھانے والوں کے لئے امید ثواب ہے۔ (ج 7 ص 450)

سوال :ایک سید صاحب نے نماز تراویح میں ایک سلام سے دس رکعت سفر کی حالت میں امامت سے پڑھا دیئے جماعت معترض ہوئی کہ نماز ناجائز ہوئی، اس پر سید صاحب کو برا کہنا اور نماز کو ناجائز وحرام کہنا ان کے حق میں کیسا ہے؟

جواب :نماز کو ناجائز وحرام کہنا باطل ہے اور سید کی توہین و بے ادبی سخت گناہ ہے اور صحیح اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نماز ہوگئی دسوں رکعتیں تراویح میں شمار ہوں گی مگر خلاف ومکروہ ضرور ہوئیں۔ (ج 7 ص 454)

سوال:نابالغ کے پیچھے نماز تراویح جائز یا ناجائز؟

جواب:مسئلہ میں اختلافِ مشائخ اگر چہ بکثرت ہے مگر اصح وارجح واقوی یہی کہ بالغوں کی کوئی نماز اگر چہ نفل مطلق ہو نابالغ کے پیچھے صحیح نہیں۔ (ج 7 ص 455)

سوال:بچہ بالغ کب ہوتا ہے؟

جواب :اقلِ مدتِ بلوغِ پسر (بچے کے بالغ ہونے کی کم از کم مدت) کے لئے بارہ سال اور زیادہ سے زیادہ سب کے لئے (یعنی بچہ ہو یا بچی) پندرہ برس ہے اگر اس تین سال میں اثرِ بلوغ یعنی انزالِ منی خواب خواہ بیداری میں واقع ہو فبہا ورنہ

بعد تمامی پندرہ سال کے شرعاً بالغ ٹھہر جائے گا اگر چہ اثر اصلاً ظاہر نہ ہو۔ (ج7،ص456)

سوال: چودہ سال کا بچہ بالغ مانا جائے گا یا نابالغ؟

جواب: پسر چاردہ سالہ کا بالغ ہونا اگر معلوم ہو (اگر چہ یونہی کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنا بالغ ہو جانا اور انزال منی واقع ہونا بیان کرتا ہے اور اس کی ظاہر صورت و حالت اس بیان کی تکذیب نہ کرتی ہو) تو وہ بالغ مانا جائے گا ورنہ نہیں۔

(ج7،ص456)

سوال: غیر مقلدین نے بیس تراویح کو بدعت عمر (رضی اللہ تعالی عنہ) قرار دیتے ہوئے ان میں تخفیف کر کے گیارہ کر لی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تراویح سنت مؤکدہ ہے محققین کے نزدیک سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہے خصوصاً جب ترک کی عادت بنا لے، تراویح کی تعداد جمہور امت کے ہاں بیس ہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک کے ہاں ان کی تعداد چھتیس ہے۔ درمختار میں ہے" التراویح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين وهى عشرون ركعة "ترجمہ: تراویح سنت مؤکدہ ہیں کیونکہ خلفاء راشدین نے اس پر دوام فرمایا اور وہ بیس رکعات ہیں۔ (درمختار، ج1،ص98 مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی سنت رسالت مآب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ہی سنت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمیں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی اقتدا کا حکم دیا ہے اور خلفاء راشدین کی اتباع سنت میں تاکید کامل فرمائی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا"عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ "ترجمہ: تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اسے دانتوں سے اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔

(سنن ابوداؤد، ج2،ص279، آفتاب عالم پریس، لاہور)

نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا"اقتدوا بالذين من بعدى من اصحابى ابى بكر وعمر "ترجمہ: لوگو! تم میرے بعد میرے صحابہ ابو بکر و عمر کی اقتدا کرنا۔ (جامع الترمذی، ج2،ص207، مطبوعہ امین کمپنی، کراچی)

یہ بیباک لوگ جو اہل تشیع کی نقل کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی سنت کو بدعتِ عمری کہتے ہیں اور ان میں سے کچھ دریدہ دہنی کرنے والے حضرت کے عمل کو گمراہی کہتے ہیں اس کا حساب و کتاب بروز جزا انہیں دینا ہوگا۔ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کس طرف پلٹا کھائیں گے۔ (ج7،ص457)

سوال: تراویح میں پورا کلام اللہ تعالی سننا پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے یا سنت یا مستحب وغیرہ؟

جواب: تراویح میں پورا کلام اللہ شریف پڑھنا اور سننا سنتِ مؤکدہ ہے۔ (ج7،ص458)

سوال: ایک مرتبہ تراویح میں پورا قرآن شریف سن لیا، کیا باقی ایام میں بیس تراویح ہی پڑھنی ہیں؟

جـــــواب: صحیح یہ ہے کہ بعدِ کلامِ مبارک بھی تمام لیالی شہر مبارک (رمضان مبارک کی تمام راتوں) میں بیس رکعت تراویح پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

(ج7،ص458)

ســــــوال: اگر کوئی شخص کسی رات میں بیماری وغیرہ کی وجہ سے تراویح نہ پڑھ سکا تو کیا اس کی قضا دوسرے دن کرنا پڑے گی؟

جواب: تراویح اگر ناغہ ہوگئیں تو اُن کی قضا نہیں۔

سوال: تراویح میں بعد سورۂ فاتحہ سورۂ اخلاص پڑھنا جائز ہے یا مکروہ حالانکہ امام اور سورتیں بھی جانتا ہے؟

جـــواب: جائز ہے بلا کراہت اگرچہ سورۂ فیل سے آخر تک تکرار کا طریقہ بہتر ہے کہ اس میں رکعات کی گنتی یاد رکھنی نہیں پڑتی۔

(ج7،ص459)

سوال: تراویح میں ختمِ قرآن شریف کے لئے ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: ہاں۔ مسلم اور شرح الفواتح میں ہے" البسملة من القران اية فتقرأ فی الختم مرة علی هذا ینبغی ان یقرأها فی التراویح بالجهر مرة ولاتتأدی سنة الختم دونها "بسملہ قرآن کی آیت ہے ختم قرآن میں ایک دفعہ اسے پڑھا جانا چاہئے لہٰذا تراویح میں اسے ایک دفعہ جہراً پڑھنا لازم ہے کیونکہ اس کے بغیر سنت کے مطابق ختم قرآن نہ ہوگا۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ج2،ص14، مطبوعہ قم، ایران)

ســــوال: نمازِ تراویح کی جماعت اس طور پر کہ الم ترکیف سے شروع کرتے ہیں اور والناس تک ایک ایک سورہ ایک ایک رکعت میں پڑھتے ہیں اور پھر الم ترکیف سے والناس تک دوبارہ دس رکعتوں میں پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے" بعضهم اختار قل هو اللّٰہ احد فی کل رکعة وبعضهم اختار قرأة سورة الفیل الی اخر القران وهذا احسن القولین لانه لایشتبه علیه عدد الرکعات ولایشتغل قلبه بحفظها کذا فی التجنیس "بعض نے ہر رکعت میں قل ھو اللہ احد کو اختیار کیا اور بعض نے سورہ فیل سے آخر تک کو، اور یہ احسن قول ہے کیونکہ اس صورت میں عدد رکعات میں اشتباہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے یاد رکھنے میں مصروف ہوتا ہے جیسا کہ تجنیس میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، ج1،ص118، نورانی کتب خانہ، پشاور)(ج7،ص460)

سوال: ہر ترویحہ کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔

(ج7،ص461)

سوال: کسی حافظ کو اس طور پر نمازِ تراویح کی پڑھانی کہ پہلے ایسی قوم کے ساتھ جو آٹھ رکعتیں تراویح منفرد پڑھ چکے ہوں بارہ رکعتیں ختمِ تراویح پڑھا کر پھر دوسری قوم کے پاس جو بارہ رکعتیں تراویح کی منفرد پڑھ چکے ہوں جا کر آٹھ رکعتیں تراویح کی ہر شب میں پڑھانی جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بیس رکعت تراویح سنت عین ہیں کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت بلاعذرِ شرعی ترک کرے مبتلائے کراہت واساءت ہو اور اُن کی جماعت کی مساجد میں اقامتِ سنت کفایہ کہ اگر اہلِ محلہ اپنی اپنی مسجدوں میں اقامتِ جماعت کریں اور اُن میں بعض گھروں میں تراویح تنہا یا باجماعت پڑھیں تو حرج نہیں اور اگر تمام اہلِ محلہ ترک کریں تو سب گنہگار ہوں۔

پس صورتِ مستفسرہ میں امام اور دونوں جگہ کے مقتدی تینوں فریق سے جس کے لئے یہ فعل اس شناعت کا موجب ہو اس کے حق میں کراہت واساءت ہے ورنہ فی نفسہٖ اس میں حرج نہیں مثلاً امام وہر دو قوم کی مساجد میں جماعتِ تراویح جدا ہوتی ہے یہ گھروں پر بطورِ مذکور جماعۃً وانفراداً پڑھتے ہیں تو کسی پر مواخذہ نہیں کہ ہر گروہ مقتدیان نے اگر بعض ترویحات تنہا اور ہر سہ فریق نے مسجد سے جدا پڑھیں مگر جبکہ اُن کی مساجد میں اقامتِ جماعت ہوتی ہے سنتِ کفایہ ادا ہوگئی، ہاں امام دونوں قوموں کو پوری تراویح پڑھاتا تو یہ جدا کراہت ہوتی اس سے صورتِ مستفسرہ خالی ہے۔

اور اگر اُن میں کسی فریق کی مسجد میں یہی جماعت بطور مذکور ہوئی ہے تو اس کے لئے کراہت ہے کہ اس کی مسجد میں پوری تراویح جماعت سے نہ ہوئیں لہٰذا اس صورت میں یہ چاہئے کہ ایک فریق آٹھ یا بارہ رکعتیں دوسرے امام کے پیچھے پڑھ کر باقی میں اس حافظ کی اقتدا کرے اور دوسرا فریق بارہ یا آٹھ رکعات میں دوسرے کا مقتدی ہو کر باقی میں اس کا مقتدی ہو کہ اب دونوں مسجدوں میں پوری تراویح کی اقامتِ جماعت سے ہوجائے گی اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ بعض ترویحات میں ایک امام کی اقتداء ہو اور بعض دیگر میں دوسرے کی، ہاں یہ ناپسند ہے کہ ایک ترویحہ میں دو رکعت کا امام اور ہو دو کا اور۔

(ج7،ص461)

سوال: ایک شخص ایک مسجد میں فرض جماعت سے پڑھا کر تراویح بیس رکعت پڑھاتا ہے پھر وہی شخص دوسری مسجد میں تراویح بیس رکعت جماعت سے پڑھاتا ہے آیا یہ امامت اس کی صحیح ہے نہیں؟

جواب: مذہبِ راجح میں امامت صحیح ہے تراویح ہوجاتی ہے مگر خلافِ علماء واختلافِ تصحیح ومخالفتِ طریقۂ متوارثہ سے بچنے کے لئے بے ضرورت اس سے احتراز کیا جائے۔ (ج7،ص463)

سوال: جو اکثر جگہ رمضان شریف کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں نوافل میں شبینہ پڑھا جاتا ہے یعنی ایک یا ایک

سے زیادہ رات میں ختم قرآن عظیم ہوتا ہے اور یہ نوافل باجماعت پڑھے جاتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ کلام مجید باجماعت نوافل میں ترتیل کے ساتھ ہی کیوں نہ پڑھا جائے وہ بھی ممنوع ہے اور نیز کہتے ہیں کہ جماعتِ نوافل کی سوا تراویح کے اصلاً جائز نہیں ہے۔

جواب : علماء بنظرِ منعِ کسل وملال اقل مدت ختمِ قرآن عظیم تین دن مقرر فرمائی مگر اہل قدرت ونشاط بہر عبادت کو ایک شب میں ختم کی بھی ممانعت نہیں، بہت اکابر دین سے منقول ہے۔

خود امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعت میں قرآن شریف ختم کیا۔

نفل غیر تراویح میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہے ہی چار کی نسبت کتبِ فقہیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہ جس کا حاصل خلافِ اولیٰ ہے نہ کہ گناہ حرام۔

مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابر دین سے جماعت نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعلِ خیر سے منع نہ کئے جائیں گے علمائے امت وحکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے۔

(ج7،ص465)

سوال : زید نے فرض عشاء تنہا ادا کیا اور تراویح جماعت سے اب وتر جماعت سے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : جس نے فرض تنہا پڑھے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہوگا۔

جس نے فرض کسی جماعت میں پڑھے ہوں اس کے باب میں بھی علماء مختلف ہیں کہ وتر جماعت سے ادا کرنا اولیٰ ہے یا تنہا پڑھنا، دونوں طرف ترجیحیں ہیں اور زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ جماعت افضل ہے۔

(ج7،ص467)

سوال : ماہِ رمضان شریف میں دو حافظوں نے ایک مسجد میں قرآن عظیم اس ترتیب سے سنایا کہ ایک حافظ نے اول مثلاً دس تراویح میں ایک یا سوا یا ڈیڑھ پارہ الم سے سنایا اور پھر دوسرے حافظ نے آخر دس تراویح میں وہی پارہ ایک یا سوا یا ڈیڑھ الم کا پڑھا یعنی ابتداء سے انتہا تک یہی طریقہ قرأت کا رکھا کہ جو کچھ پہلے حافظ نے پڑھا تھا وہی پارہ دوسرے حافظ نے پڑھا اور ایک ہی تاریخ پر مثلاً پچیس یا چھبیس تک دونوں نے ختم قرآن کریم فرمایا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب : یہ طریقہ مکروہ ہے اور اگر ثابت ہو کہ بعض مقتدیوں پر گراں گزرنے کا باعث تھا (اور ضرور ہوگا) تو سخت ممنوع ہے کہ یوں دو ختم معاً سنت سے زائد ہیں تو ایک امر زائد از سنت کے لئے مقتدیوں پر گرانی کی گئی اور یہ ناجائز ہے۔

(ج7،ص468)

سوال : رمضان المبارک میں جس نے نماز عشاء جماعت سے نہیں پڑھی ہے مسجد میں جاتے وقت جماعت عشاء ہوگئی تھی اور نماز تراویح کی کھڑی تھی، اس نے جلدی سے نماز عشاء ادا کی اب تراویح کی جماعت میں شامل ہوکر نماز تراویح

ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟ یا اکیلے پڑھنا چاہئے؟

جواب: جس شخص نے نمازِ عشاء تنہا پڑھی وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے تنہا نہ پڑھے، ہاں وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا، جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ وتر بھی تنہا پڑھے۔ (ج7،ص468)

سوال: یہ طریقہ کیسا ہے کہ تراویح میں ختمِ قرآن شریف کے دن بیسویں رکعت میں الم تا مفلحون پڑھنے کے بعد چند مختلف آیات ما کان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہ کے ساتھ تلاوت کی جائے؟

جواب: یہ صورت بلاشبہہ جائز و مباح ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت پست آواز سے پڑھتے دیکھا اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت بلند آواز سے، اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ کچھ ایک سورت سے پڑھا اور کچھ دوسری سے لیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تینوں صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی:

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: قد اسمعت من ناجیت یارسول اللہ میں جس سے مناجات کرتا ہوں وہ اس پست آواز کو بھی سنتا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ اوقظ الوسنان واطرد الشیطان یارسول اللہ میں اس لئے اتنی آواز سے پڑھتا ہوں کہ اونگھتا جاگے اور شیطان بھاگے۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: کلام طیب یجمعہ اللہ بعضہ الیٰ بعض یارسول اللہ قرآن مجید سب پاکیزہ کلام ہے کچھ یہاں سے کچھ وہاں سے ملالیتا ہوں ارادہ الٰہیہ یونہی ہوتا ہے، فرمایا: کلکم قد اصاب تم تینوں نے ٹھیک بات کی درست کام کیا۔ (سنن ابوداؤد، ج1،ص188، آفتاب عالم پریس، لاہور)(ص469)

سوال: جو شخص صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے مگر تراویح قصداً چھوڑ دیتا ہے اس کے واسطے وعید ہے یا نہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین عضوا علیھا بالنواجذ" "تم پر لازم ہے میری سنت کا اتباع اور خلفائے راشدین کی سنت کا، اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو۔

(سنن ابوداؤد، ج2،ص279، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور فرمایا "اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر "ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی پیروی کرو جو میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

(جامع الترمذی، ج2،ص207، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین شب تراویح میں امامت فرما کر بخوفِ فرضیت ترک فرمادی تو اس وقت تک وہ سنت مؤکدہ نہ ہوئی تھی، جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اجرا فرمایا اور عامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر مجتمع

ہوئے اس وقت سے وہ سنتِ مؤکدہ ہوئی نہ فقط فعلِ امیر المومنین سے، بلکہ ارشاداتِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ اب ان کا تارک ضرور تارکِ سنتِ مؤکدہ ہے اور ترک کا عادی فاسق وعاصی۔ (ج7،ص471)

سوال: میں حافظِ قرآن ہوں، تراویح میں قرآن کی اجرت نہیں لینا چاہتا مگر لوگ دیتے ہیں، کیا کروں؟ اگر لے کر اپنے استاد کو دے دوں تو کیسا ہے؟

جواب: مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ ایسے بندوں کو برکت دے جو قرآن عظیم پر اُجرت لینے سے بچیں آپ صاف کہہ دیں کہ محض ادائے سنت وحصولِ ثواب کے لئے پڑھتا ہوں کوئی معاوضہ نہ چاہتا ہوں نہ ہوگا، اس کے بعد امام یا جو مسلمان کچھ خدمت کریں وہ اُجرت نہیں ہوسکتی اُس کا لینا حلال اور استاذ کو دینا سعادت مندی۔ (ج7،ص472)

سوال: ایک حافظ یا چند حافظ مل کر شبینہ کریں یعنی ایک رات میں قرآن ختم کریں، کیسا ہے؟

جواب: شبینہ کہ ایک یا چند حافظ مل کر کرتے ہیں مکروہ ہے، اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے مگر وہ خاص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصاً اکثر بلکہ شاید کل وہی ہوں جو اسے بار (بوجھ) سمجھیں اور شرماشرمی شریک رہیں۔ حدیث صحیح میں ہے "اذا ام احدکم الناس فلیخفف" ترجمہ: جب تم میں کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو تخفیف سے کام لے۔ (صحیح البخاری، ج1،ص97، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور ارشاد فرمایا "لایسأم حتی تسأموا" ترجمہ: اللہ تعالیٰ ثواب میں کمی نہیں فرماتا جب تک تم نہ اکتاؤ۔

(مسند احمد بن حنبل، ج6،ص247، دار الفکر، بیروت) (ج7،ص472)

سوال: تراویح کے ہر چار رکعت پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے یا صرف تسبیح بلا ہاتھ اٹھائے پڑھے؟

جواب: تسبیح میں ہاتھ اٹھانے کی کیا ضرورت، ہاں کوئی دعا مانگے تو ہاتھ اٹھائے۔ (ج7،ص473)

سوال: زید کہتا ہے کہ نماز تراویح کے اندر دو چیزیں ہیں ایک قرأت قرآن مجید کی جو کہ فرض ہے اور دوسری تراویح سنتِ مؤکدہ، جب نماز تراویح میں قرآن شریف پڑھا گیا تو دونوں مذکورہ بالا چیزوں سے ایک ادا ہوئی ایک باقی رہ گئی ہے یعنی تراویح سنت مؤکدہ کا ثواب تو حاصل ہوا مگر قرأت کے ثواب سے محروم رہ گیا جو کہ فرض ہے اس لئے جماعت کے لوگ بعد نماز تراویح کے بیٹھ جائیں کسی سے قرآن شریف سن لیں تاکہ دونوں ثواب حاصل ہوجائیں، کیا یہ قول زید کا صحیح ہے؟

جواب: زید کا قول محض باطل اور دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء ہے، تراویح سنتِ مؤکدہ ہے صرف ایک آیت کا پڑھنا ہر نماز میں ہر مہینے ہر وقت میں فرض ہے تمام قرآن مجید کی تلاوت خارج نماز خاص رمضان شریف میں فرض ہونا یہ جہلِ محض ہے، جب تراویح پڑھیں اور اُن میں قرآن عظیم پورا پڑھا سنا دونوں سنتیں ادا ہوگئیں دونوں کا ثواب بعونہ

تعالیٰ مل گیا، بعدِ تراویح بیٹھ کر پھر قرآن مجید پورا سننا فرض درکنار نہ واجب نہ سنت مؤکدہ نہ غیر مؤکدہ، اگر کوئی کرے تو ایک مستحب ہے جیسے اور اوقات میں تلاوت اور اسے فرض یا واجب یا مؤکد سمجھنا حرام وبدعت، اور وہ قرآن کریم کہ تراویح میں پڑھا گیا اسے ناکافی سمجھنا سخت جہالت ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم۔ (ج7،ص473)

سوال: قرآن شریف کے اندر جو ایک سو چودہ سورتیں ہیں اگر حافظ قرآن تراویح میں ہر سورۃ میں بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نماز میں بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنا منع ہے صرف تراویح میں جب ختم کلام مجید کیا جائے سورۂ بقرہ سے سورۂ ناس تک کسی ایک سورہ پر آواز سے پڑھ لی جائے کہ ختم پورا ہو، ہر سورۃ سے آواز سے پڑھنا ممنوع ہے اور مذہب حنفی کے خلاف، گنگوہ وغیرہ کے بعض جاہلوں نے جو اس کے خلاف فتوی دیا ہے حماقت وجہالت ہے۔ (ج7،ص474)

سوال: نماز تراویح حافظ کے نہ ہونے سے سورہ الم ترکیف سے پڑھی جائیں بیس رکعت، لیکن اس طریق سے کہ ایک ایک رکعت میں ایک سورۃ دوسری میں قل ھو اللہ یہاں تک کہ بیس رکعت میں نو سورہ الم ترکیف سے اور گیارہ سورہ قل ھو اللہ پڑھی جائیں مگر گیارہویں رکعت میں جبکہ سورہ اذا جاء پڑھی جائے اور بارہویں میں قل ھو اللہ تو ایک سورہ تبت بیچ میں رہ جاتی ہے اور اسی طرح سے جب انیسویں رکعت میں قل ھو اللہ اور بیسویں میں ناس تو فلق رہ جاتی ہے اس صورت میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟

جواب: یہ دونوں صورتیں وجہِ کراہت ہوں گی کہ بیچ میں چھوٹی سورت کا چھوڑ دینا مکروہ ہے یہ آسان ہے کہ دس رکعتوں میں سورہ فیل سے سورہ ناس تک پڑھے پھر انہیں کا اعادہ کرے۔ (ج7،ص474)

سوال: شبینہ پڑھنا یعنی ایک شب میں قرآن مجید ختم کرنا تراویح یا تہجد یا نفل میں جائز ہے یا نہیں اور جو شخص قواعد کے ساتھ صاف صاف پڑھتا ہے اس کی اقتداء میں اگر کچھ لوگ ذوق وشوق اور خلوص وہمت سے داخل ہو کر شرکت کریں تو ان مقتدیوں اور امام کی بابت کیا حکم ہے، زید کہتا ہے کہ شبینہ مطلقاً ناجائز ہے اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ حرام ہے صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں کبھی نہیں ہوا، اور یہ جو بعض بزرگوں کی نسبت مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے ایک رات میں اتنے اتنے ختم کئے بالخصوص حضرت سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت وہ محض خصوصیات ہیں اُن کا یہ فعل ہمارے لئے حجت نہیں ہے، اور شبینہ کرانے پر زید (جو کہ امام مسجد ہے) نے بالاعلان ہم سب مسلمانوں کو اسی جامع مسجد میں بعد نمازِ مغرب مصلے پر کھڑے ہو کر ماں بہن کی گالیاں دیں اور کہا شبینہ سننا اور وہاں جانا سب گناہ ہے، اس بارے میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب: شبینہ فی نفسہٖ قطعاً جائز وروا ہے اکابر ائمہ دین کا معمول رہا ہے اسے حرام کہنا شریعت پر افترا ہے، امام الائمہ

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے تیس برس کامل ہر رات ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا ہے۔

بلا دلیلِ شرعی کسی حکم کو بعض عباد (بندوں) سے خاص مان لینا جزاف (بے تکی بات) ہے اور یہ کہنا کہ اُن کا یہ فعل ہمارے لئے حجت نہیں ادب کے خلاف محض لاف ہے، ان کا فعل حجت نہ ہوگا تو کیا زید و عمرو کا ہوگا!

علمائے کرام نے فرمایا ہے سلف صالحین میں بعض اکابر دن رات میں دو ختم فرماتے بعض چار بعض آٹھ، میزان الشریعہ امام عبدالوہاب شعرانی میں ہے کہ سیدی علی مرصفی قدس سرہ نے ایک رات دن میں تین لاکھ ساٹھ ہزار ختم فرمائے۔

(میزان الشریعۃ ج1 ص79 مصطفی البابی مصر)

آثار میں ہے امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم بایاں پاؤں رکاب میں رکھ کر قرآن مجید شروع فرماتے اور دہنا پاؤں رکاب تک نہ پہنچتا کہ کلام شریف ختم ہو جاتا۔

بلکہ خود حدیث میں ارشاد ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے گھوڑے زین کرنے کو فرماتے اور اتنی دیر سے کم میں زبور یا توراۃ مقدس ختم فرما لیتے۔ توراۃ شریف قرآن مجید سے حجم میں کئی حصے زائد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا "خفف علی داؤد القرآن فکان یامر بدوابہ فتسرج فیقرأ القرآن من قبل ان تسرج دوابہ" "حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالی نے تلاوت آسان فرمادی تھی آپ سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور زین رکھی جاتی تو آپ زین رکھنے سے پہلے زبور تلاوت کر لیتے۔

(صحیح البخاری ج1 ص485 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان افعالِ کریمہ کو حجت نہ ماننا کیسی گستاخی ہے، جاہل وہ کہ اسوت اور حجت میں فرق نہ جانے، ہم ان میں اقتداء پر قادر نہیں مگر وہ حجتِ شرعیہ ضرور ہیں کہ فی نفسہ یہ فعل حسن ہے کراہت یا ممانعت اگر آئے گی تو عوارض سے، اور وہ یہاں پانچ ہیں:

اول عدم تفقہ یعنی جلدی کی وجہ سے معانی قرآن کریم میں تفکر و تدبر نہ ہو سکے گا، اصل یہ منصوص فی الحدیث ہی ہے ترمذی میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے "لم یفقہ من قرأ القرآن فی اقل من ثلاث" "جس نے تین رات سے کم میں قرآن مجید ختم کیا اس نے سمجھ کر نہ پڑھا۔ (جامع الترمذی ج2 ص119 امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

یہ وجہ صرف نفی افضلیت کرتی ہے جس سے کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ولہذا عالمگیری میں کراہت شبینہ کے قول کو بصیغۂ ضعف و مرجوحیت نقل کیا۔

اقول (میں کہتا ہوں) پھر یہ بھی ان کے لئے ہے جو تفکرِ معانی کریں یہاں کے عام لوگ کہ کتنی ہی دیر میں پڑھے تفکر سے محروم ہیں اُن کے لئے دیر بے سود ہے اور وہ مقصود لذاتہ نہیں بلکہ اسی لئے مقصود ہے اُن کے لئے معتدل جلدی ہی کا افضل ہونا چاہئے کہ جس قدر جلد پڑھیں گے قرأت زائد ہوگی اور قرآن کریم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں تو کئی ہزار پانسو حرف پڑھے

توہزار کی جگہ پانچ ہزار نیکیاں ملیں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ حسنۃ و الحسنۃ بعشرا مثالہا لااقول الم حرف ولکن الف حرف ولام حرف ومیم حرف "جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ہر نیکی دس نیکیاں، میں نہیں فرماتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (جامع الترمذی، ج 2، ص 115، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

اور ہر ثواب فہم پر موقوف نہیں، امام احمد رضی اللہ عنہ نے رب عزوجل کو خواب میں دیکھا عرض کی: اے میرے رب! کیا چیز تیرے بندوں کو تیرے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ فرمایا: میری کتاب۔ عرض کی: یارب بفہم او بغیر فہم اے میرے رب! سمجھ کر یا بے سمجھ بھی۔ فرمایا: بفہم و بغیر فہم سمجھ کر اور بے سمجھے۔

دوم کسل (سستی)، نبی صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"ان اللہ لایسأم حتی تسأموا" بیشک اللہ تعالیٰ ثواب دینے میں کمی نہیں فرماتا جب تک نہ اکتاؤ۔ (مسند احمد بن حنبل، ج 6، ص 247، دار الفکر، بیروت)

اقول یہ وجہ عام عوام کو عام ہے اور احکام فقہیہ میں غالب ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ مگر اس وجہ کا مفاد صرف کراہت تنزیہی ہے، علماء نے تصریح فرمائی کہ کسلِ قوم کے سبب تراویح میں قرآن نہ چھوڑیں۔

اگر کراہت تحریمی ہوتی اُس سے احتراز احتراز سنت پر مقدم رہتا اور مکروہ تنزیہی جواز و اباحت رکھتا ہے نہ کہ گناہ و حرمت

سوم بعض لوگ ایسا جلد پڑھتے ہیں علیم یاحکیم، یعقلون، تعلمون غرض لفظ ختم آیت کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ نفسِ سنت کا فانی اور بدعت شنیعہ اور اساءت ہے۔

چہارم ترکِ واجبات قرأۃ مثل مد متصل، یہ صورت گناہ و مکروہ تحریمی ہے۔

پنجم امتیازِ حروفِ متشابہ مثل ث س ص، ت ط، ز ذ ظ وغیرہا نہ رہنا، یہ خود حرام و مفسدِ نماز ہے مگر ہندوستان کی جہالتوں کا کیا علاج، حفاظ و علماء کو دیکھا ہے کہ تراویح درکنار فرائض میں بھی اس کی رعایت نہیں کرتے، نمازیں مفت برباد جاتی ہیں۔

شبینۂ مذکورۂ سوال کہ ان عوارض سے خالی تھا اس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ جماعتِ نفل میں تداعی نہ ہوئی ہو کہ مکروہ (تنزیہی) ہے۔

مسلمانوں کو فحش گالیاں دینا خصوصاً ماں بہن کی خصوصاً مسجد میں سخت فسق ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"لیس المؤمن بالطعان ولااللعان ولاالفاحش ولاالبذی "مسلمان نہیں ہوتا ہے بہت طعنہ کرنے والا بہت لعنت کرنے والا نہ بے حیا فحش گو۔ (جامع الترمذی، ج 2، ص 19، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

خصوصاً جو اس کا عادی ہے اس کے سخت فاسق معلن ہونے میں کلام نہیں اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ، اور پڑھ لی تو پھیرنی واجب ہے۔ (ج7 ص476 تا 480)

سوال: حافظ نے تراویح میں فاتحہ اور سورہ توبہ کے درمیان ''اعوذ باللہ من النار و من شر الکفار'' بالجہر قصداً پڑھا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ہوئی تو کیسی؟ اگر اعادہ واجب ہے تو کیا ان دو رکعتوں میں جو قرآن پڑھا اس کا بھی اعادہ کرنا ہوگا؟

جواب: سورۂ توبہ شریف کے آغاز پر بجائے تسمیہ یہ تعوذ محدثاتِ عوام سے ہے شرع میں اس کی اصل نہیں، خیر بیرون نماز اس میں حرج نہ تھا، رہی نماز اگر سورۂ فاتحہ کے بعد ہی سورہ توبہ شروع کی اور اس سے پہلے وہ اعوذ پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی کہ واجب ضمِ سورۃ بوجہ فصل بالاجنبی ترک ہوا مگر اعادہ تراویح سے اعادہ قرآن لازم نہیں یہ جب تھا کہ تراویح باطل ہو جاتی۔

اور اگر فاتحہ کے بعد کچھ آیات انفال پڑھ کر توبہ شروع کی اور اُس سے پہلے وہ تعوذ پڑھا تو اگر چہ کراہتِ تحریم و وجوب اعادہ نہیں مگر جماعتِ تراویح میں مثل جماعت فرائض و واجبات یہ فعل مکروہ و خلافِ سنت ضرور ہے اور اس کا جہر سے پڑھنا اور زیادہ نادانی و قلتِ شعور ہے اُن دو رکعتوں کا اعادہ اولیٰ ہے۔ قرآن عظیم کے اعادہ کی اصلاً حاجت نہیں۔ (ج7 ص481)

سوال: جو شخص کہے نماز تراویح میں قرآن شریف کے سننے سے ذکر ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سننا اچھا ہے، آیا یہ شخص غلطی پر ہے یا نہیں؟

جواب: اگر چہ قرآن عظیم و تہلیل و تکبیر و تسبیح و ذکر شریف حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب ذکرِ الٰہی ہیں آیۂ کریمہ ﴿ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ﴾ کی تفسیر میں حدیث قدسی ہے ''جعلتك ذكرا من ذكرى فمن ذكرك فقد ذكرنى'' ترجمہ: رب العزت عزوجل اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا تو جس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ (کتاب الشفاء، ج1، ص15، شرکۃ صحافیۃ، دولت عثمانیہ، ترکی)

مگر قرآن عظیم اعظم طرقِ اذکار الٰہیہ ہے حدیث قدسی میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں رب عزوجل فرماتا ہے ''من شغله القرآن عن ذكرى و مسألتى اعطيته افضل من اعطى السائلين، وفضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه'' ترجمہ: جسے قرآن عظیم میرے ذکر و دعا سے روکے یعنی بجائے ذکر و دعا قرآن عظیم ہی میں مشغول رہے، اسے مانگنے والوں سے بہتر عطا کروں اور کلام اللہ کا فضل سب کلاموں پر ایسا ہے جیسا اللہ عزوجل کا فضل اپنی مخلوق پر۔

(جامع الترمذی، ج2، ص116، کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

خصوصاً تراویح کا ایک ختم کہ سنتِ جلیلہ ہے اور مجلسِ میلاد مبارک عمل مستحبات اور سنت مستحب سے بلاشبہ افضل۔
ہاں اگر کسی شخص کے لئے کوئی عارضِ خاص پیدا ہو تو ممکن کہ ذکر شریف سننا اس کے حق میں قرآن مجید سننے بلکہ اصل تراویح سے بھی اہم و آکد ہو جائے مثلاً اس کے قلب میں عدو رجیم (مردود دشمن) نے معاذ اللہ حضور پر نور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف سے کچھ وساوس ڈالے اور ایک عالمِ دین مجلس مبارک میں ذکر اقدس فرما رہا ہے اس کا سننا اس وساوس کو دور کرے گا اور دل میں معاذ اللہ معاذ اللہ اُن کے جم جانے کا احتمال ہے تو قطعاً اس پر لازم ہوگا کہ ذکر شریف میں حاضر ہو کہ محبت و تعظیم حبیب کریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم اصل کار و مدار ایمان ہے، معاذ اللہ یہ نہ ہو تو پھر نہ قرآن مفید نہ تراویح نافع، نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں)۔ (ج7،ص462)

سوال :ماہ رمضان میں جماعتِ وتر میں شرکت نہ کرنا اور ہر روز جماعتِ موجودہ سے باہر چلا جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ وتر کی جماعت کے تارک کو فاسق و فاجر وغیرہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب :جماعتِ وتر نہ واجب نہ سنتِ مؤکدہ، اس کے ترک میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جماعت افضل ہے یا تنہا وتر ادا کرنا۔ (ج7،ص 4)

سوال: یہ کچھ قید ہے کہ نمازِ وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ اخلاص ہی ملائی جائے؟

جواب: کوئی قید نہیں اختیار ہے جو سورۃ چاہے پڑھے یا چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت۔ (ج7،ص484)

سوال: وتروں میں دعائے قنوت بھول جانے پر کیا پڑھنا چاہئے؟ اور ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہر دعا پڑھنے سے واجبِ قنوت ساقط ہو جاتا ہے، ہاں اگر بالکل کوئی دعا بھول کر نہ پڑھی تو سجدہ سہو کرے۔ (ج7،ص484)

سوال: وتروں کے مسبوق کو اپنے فوت شدہ رکعت میں قنوت پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

جواب :مسبوق کی اگر وتر کی تینوں رکعتیں فوت ہوئیں اخیر میں قنوت پڑھے اور اگر ایک رکعت بھی ملی ہے اگرچہ تیسری کے رکوع ہی میں شامل ہوا تو اب باقی نماز میں قنوت نہ پڑھے گا۔ (ج7،ص484)

سوال :ایک شخص نمازِ وتر کی تیسری رکعت میں بعد الحمد وقل کے تکبیر کہہ کر دعائے قنوت کے بدلے میں تین بار قل ھو اللہ شریف پڑھ لیتا ہے اور دعائے قنوت اس کو نہیں آتی ہے پس اس کی نماز وتر کی صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب :نماز صحیح ہو جانے میں تو کلام نہیں، نہ یہ سجدۂ سہو کا محل کہ سہواً کوئی واجب ترک نہ ہوا، دعائے قنوت اگر یاد نہیں یاد کرنا چاہئے کہ خاص اس کا پڑھنا سنت ہے، اور جب تک یاد نہ ہو اللھم ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ

وقنا عذاب النار پڑھ لیا کرے، یہ بھی یاد نہ ہو تو اللھم اغفرلی تین بار کہہ لیا کرے، یہ بھی نہ آتا ہو تو صرف یارب تین بار کہہ لے واجب ادا ہو جائے گا، رہا یہ کہ قل ھو اللہ شریف پڑھنے سے بھی یہ واجب ادا ہوا کہ نہیں، اتنے دنوں کے وتر کا اعادہ لازم ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ ادا ہو گیا کہ وہ ثناء ہے اور ہر ثناء دعا ہے۔ (ج7،ص485)

سوال: کیا اطلاق وعموم سے استدلال قیاس کہلاتا ہے اور یہ مجتہد کے ساتھ خاص ہے؟

جواب: اطلاق وعموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص۔۔ مثلاً اس اخیر زمانہ فتن میں طرح طرح کے نشے، قسم قسم کے باجے ایسے پیدا ہوئے جن کی حرمت کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ اقوالِ ائمہ میں، مگر انہیں حرام ہی کہا جائے گا کہ وہ ''کل مسکر حرام'' (ہر نشہ آور شے حرام ہے) کے عموم اور یہ حدیث ''یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف'' (وہ ریشم، شراب اور مزامیر کو حلال سمجھیں گے) (صحیح بخاری، ج2، ص837، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

و(آیۃ) کریمہ ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ (اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں) کے شمول واطلاق میں داخل۔

اب اگر کوئی جاہل کہہ اُٹھے کہ یہ تو تم قیاس کرتے ہو احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے تابعین سے، ہمارا تمہارا قیاس مسائلِ فقہیہ دینیہ میں بیکار ہے تو اس سے یہی کہنا چاہئے کہ اے ذی ہوش! یہ قیاس نہیں بلکہ جب ایک مطلق یا عام احادیث وکلماتِ علمائے کرام میں وارد ہے تو اس کے دائرے میں جو کچھ داخل سب کو وہ حکم محیط وشامل۔

(ج7،ص496)

سوال: ایک شخص جو کہ عالم کہلاتا ہے اس نے جب حضرت عبداللہ بن مسعود کا تذکرہ کیا تو ''رضی اللہ تعالیٰ عنہما'' کہہ کر مسعود کو بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شامل کیا، ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: عالم صاحب کو اتنی خبر نہیں کہ صحابیت در کنار مسعود سرے سے مسلمان ہی نہ ہوا، جاہلیت میں مرا۔ اُسے رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شامل کرنا کیسی جہالت اور دانستہ ہو تو سخت تر آفت۔ (ج7،ص504)

سوال: اس شہر میں ایک مسجد کا امام صاحب دو تین روز سے فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتا ہے یعنی سلطان کے واسطے دعا مانگتا ہے اور سب مقتدی لوگ بلند آواز سے پکارتے ہیں پس دریافت طلب یہ بات ہے کہ مذہب حنفی کی رو سے یہ امام صاحب کیسے ہیں اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگرچہ متون میں مطلق حکم ہے کہ " لایقنت فی غیرہ" غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے۔

(کنز الدقائق، ج1، ص41، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

مگر محققین شراح نے باتباع امام طحاوی وقتِ نازلہ (مصیبت کے وقت) وحدوث بلائے عام (کسی ایسی بلا کے نزول کے وقت جو سب کو عام ہو) نمازِ فجر میں قنوت پڑھنے کی اجازت دی ہے لہٰذا یہ مسئلہ ایسا نہیں جس کی بناپر اس عالم کے پیچھے نماز میں کچھ حرج ہو جبکہ وہ واقع میں سنی المذہب صحیح العقیدہ ہے، اور اگر غیر مقلد ہے تو آپ ہی گمراہ بددین ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز محض۔ درمختار میں ہے ''لایقنت لغیرہ الالنازلۃ'' ترجمہ: صرف مصیبت میں قنوت نازلہ پڑھے۔

(الدرالمختار، ج 1، ص 94 مطبع مجتبائی، دہلی)

غنیۃ میں ہے ''ھو مذھبنا و علیہ الجمھور'' ترجمہ: یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔

(غنیۃ المستملی، ص 420، سہیل اکیڈمی، لاہور)

امام کو چاہئے کہ یہ قنوت بھی آہستہ پڑھے اور مقتدی بھی دعا ہی میں پڑھیں، ہاں اگر امام قنوت بآواز پڑھے تو مقتدی آمین کہیں مگر بآواز نہ کہیں بلکہ آہستہ کہ جہراً آمین نماز میں مکروہ ہے۔

پھر علماء کو اختلاف ہوا کہ یہ قنوت رکعتِ ثانیہ کے رکوع کے بعد ہو یا پہلے، اور تحقیق یہ ہے کہ رکوع سے پہلے ہونا چاہئے۔

(ج 7، ص 526)

سوال: کیا حنفی امام نمازِ فجر میں دعائے قنوت ودیگر دعائیں پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حنفی مذہب میں وتر کے سوا اور نمازوں میں قنوت منع ہے متون کا مسئلہ ہے ''و لایقنت فی غیرہ'' (غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے)۔

مگر جب معاذ اللہ کوئی بلائے عام نازل ہو جیسے طاعون و وباء وغیرہ، تو امام اجل طحاوی و امام محقق علی الاطلاق وغیرہ شراح نے نمازِ فجر میں دعائے قنوت جائز رکھی ہے۔

(ج 7، ص 527)

سوال: ہمارے امام نے فجر میں قنوت پڑھی اور یہ فعل امام نے متواتر تین روز بغیر اطلاع مقتدیوں کے کیا جس سے مقتدیوں کی جداگانہ حالتیں مثلاً کوئی رکوع میں کوئی قیام میں اور کوئی سجدہ میں تھا یہ نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: بےصورتِ نازلہ جو کوئی ایسا کرے گا موجب کراہت ہوگا اسے منع کیا جائے گا اگر نہ مانے اس کی اقتداء نہ کریں۔

جس نے امام سے پہلے کوئی فعل کیا اور امام سے پہلے ہی فارغ ہو لیا اور پھر امام کا اس میں ساتھ نہ دیا مثلاً وہ متوجہ قنوت ہوا اور یہ رکوع میں گیا اور امام رکوع میں نہ آنے پایا تھا کہ اس نے سر اُٹھا لیا اور پھر امام کے ساتھ یا بعد، رکوع نہ کیا تو ایسے مقتدی کی نماز نہ ہوئی، ورنہ ہوگئی اور اس میں بدنظمی ہوئی اس کا وبال امام کے سر ہے، ائمہ دین نے تو جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو معاف

رکھا ہے جبکہ جماعتِ کثیر ہو کہ ہر قسم کے لوگوں کا مجمع ہوگا بعض کو باعثِ وحشت ہوگا کہ یہ کیا چیز ہے حالانکہ یہ وہ بعد ختم نماز ہے نہ کہ عین وسطِ نماز میں، بے اطلاع مقتدیان ایسی نئی حرکت کس قدر باعثِ فتنہ ہے۔ (ج7،ص526)

سوال: کسی حادثہ یا طاعون کی وباء وغیرہ کے پھیلنے کے موقعہ پر حنفی امام فجر کی آخری رکعت میں دعائے قنوت مرویہ اوراس کے ساتھ چند مزید عربی الفاظ جو دفعِ بلاء کے لئے ہوں تین یا سات روز پڑھے تو کیا یہ فعل جمہور احناف کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص امام کے مذکور عمل کی بنا پر امام کو وہابی اور غیر مقلد کہہ دے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب: حنفی محققین مثلاً امام طحاوی، امام ابن ہمام وغیر ہما بڑے حضرات نے مصیبت کے نزول پر قنوت نازلہ کے عمل کا اثبات کیا ہے اوراس معاملہ میں وہابیت غیر مقلدیت کا کوئی دخل نہیں جو یہ طعنہ دے وہ جاہل ہے اسے سمجھانا چاہئے۔

اور عوام کے مجمع میں ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جو عوام میں نفرت پیدا کرے اور غیبت بنے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا" بشروا ولا تنفروا " ترجمہ: لوگوں کے لئے نفرت کی بجائے خوشی کا سامان بنو۔ (صحیح بخاری، ج1، ص16، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اسی لئے ائمہ کرام نے ایسی قراءت جو لوگوں میں معروف ومانوس نہیں ہے پڑھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ لوگوں میں شکوک وشبہات کا فتنہ نہ بنے اگرچہ تمام قرأتیں برحق ہیں، جیسا کہ علامہ ابراہیم حلبی کی غنیۃ وغیرہا میں ذکر فرمایا ہے۔

(ج7،ص528)

سوال: ہمارے امام نے نماز کا نیا طریقہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز میں فرض کی آخری رکعت میں رکوع کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دعا بآوازِ بلند پڑھتا ہے اور مقتدی بآوازِ بلند کئی کئی مرتبہ آمین کہتے ہیں بلکہ بیس بیس مرتبہ سے زیادہ مقتدی آمین کہتے ہیں، یہ نماز عندالاحناف کیسی ہے؟

جواب: یہ طریقہ قنوتِ نازلہ کا ہے جو متونِ مذہب حنفی کے خلاف ہے مگر بعض شراح نے اجازت دی ہے اس سے بھی چار باتوں میں مخالف ہے:

اول: بعدِ رکوع ہمارے نزدیک محلِ قنوت ہی نہیں۔

دوم: امام کا جہر سے دعا پڑھنا مخالفِ قرآن کریم ومذہب حنفی ہے۔

سوم: یونہی مقتدیوں کا آمین بالجہر۔

چہارم: قنوت نازلہ ہمارے یہاں صرف نمازِ فجر میں ہے اور بعض کتب میں نمازِ جہر واقع ہوا، پانچوں نمازوں میں ہونا ہمارے یہاں کسی کا قول نہیں تو ہمارے نزدیک اس کے سبب تاخیرِ فرض لازم آئے گی اوراس کے سبب نماز واجب الاعادہ ہوگی ایسی نماز میں شرکت نہ کی جائے جبکہ خالص حنفی جماعت مل سکتی ہو اور شرکت کی ہو ظہر وعصر بلکہ عندالتحقیق غیر فجر کا اعادہ کرلیں بلکہ

فجر کا بھی جبکہ لوگ بعدِ رکوع قنوت کریں کہ مذہب حنفی میں خلافِ محل ہے اگرچہ شامی و شرنبلالی کو شبہہ ہوا، وہ مذہب میں صاحب قول نہیں۔ (ج7،ص530)

سوال: دعائے قنوت اونچی پڑھنا منع ہے تو کیا اونچی پڑھنے والے کو گناہ ہوگا؟

جواب: امام و مقتدی سب آہستہ پڑھیں۔۔۔ مگر اخفاء واجب نہیں کہ جہر گناہ ہو۔ (ج7،ص535،536)

سوال: سنا ہے کہ دفعِ طاعون و وباء کے لئے نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا منسوخ ہے، کیا ایسا ہی ہے؟

جواب: وقتِ نزولِ نوازل و حلولِ مصائب اُن کے دفع کے لئے نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت اور مشروعیت اس کی مستمر (برقرار) غیرِ منسوخ۔ روی الامام البخاری والامام مسلم فی صحیحهما والحافظ النسائی فی سننه واللفظ للبخاری۔ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم شهرا یدعو علی رعل وذکوان ولفظ المسلم۔ قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم شهرا بعد الرکوع فی صلوۃ الصبح یدعوا علی رعل وذکوان ویقول عصیة عصت اللہ ورسوله۔ ترجمہ: بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں اور حافظ نسائی نے اپنی سنن میں اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قنوت پڑھتے ہوئے رعل اور ذکوان کے خلاف ایک ماہ تک دعا فرمائی، اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک ماہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد رعل، ذکوان اور عصیہ کے خلاف قنوت کے ذریعہ دعا فرمائی اور فرمایا عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

(صحیح بخاری، ج2،ص587، قدیمی کتب خانہ، کراچی) (صحیح مسلم، ج1،ص237، نور محمد اصح المطابع، کراچی) (ج7،ص539)

سوال: جس کی امام کے پیچھے نمازِ وتر میں دو رکعتیں فوت ہوئیں اور وہ جب اپنی باقی نماز پڑھنے کو کھڑا ہو تو اخیر رکعت میں دعائے قنوت دوبارہ پڑھے یا وہی جو امام کے پیچھے پڑھی کافی ہے؟

جواب: اسی پر اکتفا کرے دوبارہ نہ پڑھے کہ تکرارِ قنوت مشروع نہیں۔ (ج7،ص543)

سوال: دو تین آدمی مسجد میں آئے تو امام نمازِ تراویح میں مصروف تھا، کیا یہ آنے والے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے جماعت کرائیں یا علیحدہ علیحدہ پڑھیں اور اس کے بعد تراویح کی جماعت میں شامل ہوں؟ اور کیا یہ لوگ وتر امام کے ساتھ جماعت سے ادا کریں یا اس امام کی جماعت کے ساتھ فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے وتر علیحدہ پڑھیں؟

جواب: تراویح کی جماعت فرض کی جماعت کے لئے مانع نہیں ہے کیونکہ دوسری جماعت کے لئے وہ موجودہ جماعت مانع ہوتی ہے جو کہ تمام آنے والوں کے لئے اپنے اندر داخل ہونے کی داعی ہو، جبکہ بعد میں آنے والے ان لوگوں کو جنہوں نے فرض نماز نہیں پڑھی کے لئے یہ موجودہ جماعتِ تراویح داعی نہیں ہے کہ اس میں شامل ہوں، کیونکہ فرض ادا کرنے

سے قبل تراویح کا پڑھنا صحیح مذہب میں باطل ہے، اسی بناء پر جامع الرموز میں کہ "اذا دخل واحد فی المسجد والامام فی التراویح یصلی فرض العشاء اولا ثم یتابعه" ترجمہ: جب کوئی ایک شخص جماعت تراویح ہوتے وقت آئے تو اس کو پہلے عشا کے فرض پڑھنے ہوں گے اور اس کے بعد تراویح کی جماعت میں شریک ہو۔ (جامع الرموز، ج1، ص214، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس، ایران)

پس بعد میں آنے والے لوگ جب اس بات کے پابند ہیں کہ وہ پہلے فرض ادا کریں اور بعد میں تراویح پڑھیں تو شرعاً اُن کو فرض کی ادائیگی جماعت کرانے میں کیا مانع ہے خصوصاً جبکہ امام تراویح پڑھاتے ہوئے محراب میں ہے تو بعد میں آنے والے اپنی جماعت کو محراب سے ہٹ کر کرائیں گے جس سے پہلی جماعت کی ہیئت تبدیل ہو جائے گی اور دوسری جماعت کی کراہت ختم ہو جائے گی۔۔ ہاں ممکن حد تک ان کو چاہئے کہ تراویح کی جماعت سے دور اپنی جماعت کریں تاکہ آپس میں قرأت اور افعال میں اشتباہ نہ پیدا ہو اور اطمینانِ قلبی سے نماز ادا ہو سکے، نیز تراویح کے امام جو کہ تلاوت میں مصروف ہے کو اشتباہ سے بچایا جا سکے۔ فقہ سے مس رکھنے والے کو یہ تمام معاملہ معلوم ہے۔

اور پھر جو شخص عشاء کے فرض جماعت سے ادا کر چکا ہو خواہ اپنی جماعت کرائی ہو یا کسی اور امام یا اس تراویح والے کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا ہو اس کو تراویح اور وتر کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے، ہاں جس نے فرض بغیر جماعت اکیلے پڑھے ہوں اس کو وتر اکیلے پڑھنے چاہئیں۔ (ج7، ص544)

سوال: آپ کے مبارک قلم سے فتویٰ یوں جاری ہوا ہے کہ جو شخص عشاء کی نماز یعنی فرض جماعت سے پڑھ چکا ہے خواہ خود امام بنا، یا کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھ چکا ہو اس کو اس امام کے ساتھ باجماعت وتر پڑھنے کا اختیار ہے، ہاں جو شخص اکیلے فرض ادا کرے اس کو وتر بھی اکیلے پڑھنے چاہئیں، حالانکہ کتاب "فوائد الاعمال" جو کہ علمِ فقہ میں معتبر ہے، اس میں لکھا ہے کہ فرض کے بعد واجب کا درجہ ہے لہٰذا سنت جماعت کی وجہ سے واجب کو یعنی وتر کو ترک کرنا اور سنت یعنی تراویح کو ادا کرنا کب جائز ہو سکتا ہے اس لئے لازم ہے کہ وتر باجماعت ادا کر کے باقی تراویح کو بعد میں پڑھے اگرچہ اس نے فرض اکیلے ہی پڑھے ہوں، کتبِ فقہ کا یہ حکم ہے۔ آپ اس کی وضاحت فرمادیں۔

جواب: میرے مہربان، کسی کتاب کا متقدمین کے ہاں معتبر ہونا ایک بات ہے اور اس کتاب کی اپنی حیثیت میں معتبر ہونا اور بات ہے نیز کسی کتاب کے معتبر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں جو کچھ موجود ہے وہ تمام معتبر ومختار ہو ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے ائمہ کرام کی کتابوں میں سے کوئی بھی کتاب ایسی نہیں کہ اس کے بعض مقامات قابلِ تنقید و تنقیح نہ ہوں، تو ہم نئے لوگوں کی کتابوں کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سب کچھ درست ہے۔

فوائد الاعمال کے مصنف نے اگر یہ مسئلہ خود اپنی طرف سے کہہ دیا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ورنہ ان پر لازم تھا کہ

وہ کسی ایک کتاب کا ہی حوالہ ذکر کر دیتے اور صرف یہ کہہ دینا کہ کتب فقہ کا یہ حکم ہے، کیسے قابل قبول ہوسکتا ہے حالانکہ کتب فقہ مثلاً منیۃ الفقہاء، غنیۃ، شرح النقایہ اور ردالمحتار میں ہم اس کا خلاف پاتے ہیں۔۔۔اس کا یہ کہنا کہ سنت کی وجہ سے جماعت واجب کا ترک کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، یہ عجیب استدلال ہے، اس میں لفظ واجب اگر جماعت کی صفت ہے تو یہ غلط اور باطل ہے کیونکہ وتر کی جماعت کسی کے ہاں بھی واجب نہیں ہے اور لفظ واجب جماعت کا مضاف الیہ ہے یعنی واجب کی جماعت، تو پھر یہ دلیل واضح طور پر خلل والی ہے کیونکہ بات تو ہو رہی ہے جماعت کے ترک میں نہ کہ واجب یعنی وتر کے ترک میں، اس کا یہ کہنا کہ ''کیسے جائز ہوسکتا ہے'' کیسے جائز اور درست ہوسکتا ہے! الحاصل یہ کہ مسئلہ کا حکم وہی ہے جو اس فقیر نے پہلے فتوے میں لکھا ہے۔

(ج7، ص551)

سوال: دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدۂ اولیٰ بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہوئی یا نہیں اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہوگا یا نہیں اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟

جواب: صورت اولیٰ میں مذہب اصح پر نماز نہ ہوئی اور قرآن عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے۔

اور چار پڑھ لیں اور قعدۂ اولیٰ نہ کیا تو مذہب مفتی بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائم مقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے۔

اور دونوں قعدے کئے تو قطعاً چاروں رکعتیں ہوگئیں۔ (ج7، ص576)

سوال: نماز غوثیہ کا طریقہ کس طرح ہے؟ اور اس کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: امام اجل سیدی ابوالحسن نورالدین علی بن جریر علیہ الرحمہ نے بہجۃ الاسرار میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے کرام نے اپنی اپنی کتب میں غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل ہے ''من صلی رکعتین (زید فی روایۃ بعد المغرب (وزادا) یقرأ فی کل رکعۃ بعد الفاتحۃ سورۃ الاخلاص احدی عشرۃ مرۃ ثم اتفقوا فی المعنی واللفظ للامام ابی الحسن قال ثم یصلی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد السلام ویسلم علیہ ویذکرنی ثم یخطوا الیٰ جھۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ ویذکر اسمی ویذکر حاجتہ فانھا تقضی (زاد الشیخ) بفضل اللہ وکرمہ (وقال اخر) قضی اللہ تعالیٰ حاجتہ'' ترجمہ: جو بعد مغرب دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں بعد فاتحہ سورہ اخلاص یازدہ (گیارہ) بار پھر بعد سلام، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام عرض کرے پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام یاد کرے اور اپنی حاجت ذکر کرے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی مراد پوری ہو، اس عبارت میں ''مغرب کے بعد'' ایک روایت میں زائد ہے اور صاحب بہجۃ الاسرار اور صاحب زبدۃ الآثار نے ''ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد

سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ'' زائد ذکر کیا، پھر شیخ عبدالحق نے بفضل اللہ وکرمہ کو بھی اور دوسرے نے صرف ''قضی اللہ تعالیٰ حاجتہ'' (اللہ تعالیٰ اسکی حاجت پوری فرمائے گا) کو ذکر کیا۔ (بہجۃ الاسرار ص 102، مصطفی البابی مصر) (ج 7 ص 571)

سوال: کیا اس نماز کو علماء ومشائخ نے پڑھا ہے اور کیا یہ واقعی غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے؟

جواب: فی الواقع یہ مبارک نماز حضراتِ عالیہ مشائخ کرام قدست اسرارہم العزیزہ کی معمول اور قضائے حاجات وحصول مرادات کے لئے عمدہ طریق مرضی ومقبول اور حضور پرنور غوث الکونین غیاث الثقلین صلوات اللہ وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ سے مروی ومنقول۔

اجلہ علماء واکابر کملا اپنی تصانیف علیہ (بلند پایا تصانیف) میں اسے روایت کرتے اور مقبول ومقرر ومسلم معتبر رکھتے آئے۔

(اس کے بعد امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے کئی علماء ومشائخ کے نام گنوائے جنہوں نے اس نماز کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ،اس پر عمل کیا، اس کی اجازتیں اپنے مشائخ سے لیں اور اپنے مریدین اور شاگردوں کو اس کی اجازتیں دیں، جن میں سے امام اجل ابوالحسن نورالدین علی بن جریر شطنوفی، عبدالحق محدث دہلوی، امام عبداللہ یافعی مکی، مولانا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم شامل ہیں)۔ (ج 7، ص 571)

سوال: زید کہتا ہے کہ صلوٰۃ غوثیہ اعمالِ مشائخ میں سے نہیں، یہ بدعت ہے۔

جواب: اس کا اعمالِ مشائخ کرام سے ہونا نہ ماننا آفتابِ روشن کا انکار کرنا ہے اور خود کون سی راہ ہے کہ ان ائمہ و اکابر کو خواہی نخواہی جھٹلایئے اور عیاذ باللہ بدعتی وناحق کوش ٹھہرایئے، پھر یہ مقبولانِ خدا صرف اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ اسے خاص حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد بتاتے ہیں اور حضور کے ارشاد واجب الانقیاد پر ردّ وایراد اگر انجانی (عدم علم کی وجہ) سے نہ ہو تو معاذ اللہ وہ آتش سوزاں وبلائے بے درماں وقہر بے امان ہے جس کا مزہ اس دارالغرور والاقتباس میں نہ کلھا تو کل کیا دور ہے۔ حضور (غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خود ارشاد فرماتے ہیں ''تکذیبکم لی سم قاتل لادیانکم و سبب لذھاب دنیاکم واخراکم ''میرے ارشاد کو خلاف بتانا تمہارے دین کے لئے زہر قاتل اور تمہاری دنیا وعقبیٰ دونوں کی بربادی ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور ان اکابرانِ ملت وعلمائے اُمت کو نقل وروایت میں بھی غیر موثوق جاننا اسی دارالفتن ہندوستان میں آسان ہے جہاں نہ کسی منہ کو لگام، نہ کسی زبان کی روک تھام۔ یہ امام ابوالحسن نورالدین علی شطنوفی قدس سرہ کہ بہجۃ الاسرار شریف کے مصنف اور برطرزِ حدیث بسند متصل (محدثین کے طریقے پر متصل سند کے ساتھ) اس روایتِ جلیلہ کے پہلے مخرّج ہیں اجلّہ علماء وائمہ

وقرأت واکابر اولیاء وسادات طریقت سے ہیں۔امام شمس الدین ذہبی مصنف میزان الاعتدال کہ علم حدیث ونقد رجال میں اُن کی جلالت شان عالم آشکار،اس جناب کے معاصر (ہم زمانہ) تھے اور باآنکہ حضرات صوفیہ کرام کے ساتھ اُن کی روش معلوم ہے سامحنا اللہ تعالیٰ وایاہ (ہم پر اوران پر اللہ تعالیٰ نرمی فرمائے) امام ابوالحسن ممدوح کی ملاقات کواُن کی مجلس تدریس میں گئے اوراپنی کتاب طبقات المقرئین میں اُن کی مدح وستائش سے رطب اللساں ہوئے فرماتے ہیں"علی بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد نور الدین شیخ القراء بالدیار المصریة ابوالحسن اصله من الشام ولد بالقاهرة سنة اربع واربعین وستمائة وتصدر للاقراء بجامع الازهر وغیره تکاثر علیه الطلبة وحضرت مجلس اقراء فاعجبتی سمته وسکوته وکان ذاعزام بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالیٰ عنه وجمع اخباره ومناقبه فی نحوثلث مجلدات ملخصا"،یعنی علی بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا ہیں نورالدین لقب ابوالحسن کنیت بلاد مصر میں علمائے قرأت کے استاد ہیں اصل ان کی شام سے ہے،۶۴۴ھ میں قاہرہ مصر میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر وغیرہ میں مسند اقراء پرصدر نشینی کی بکثرت طلبہ ان کے پاس جمع ہوئے میں اُن کی مجلس درس میں حاضر ہوا ان کی نیک روش وکم سخنی مجھے پسند آئی حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیدائی تھے انہوں نے حضور کے فضائل تین مجلد کے قریب میں جمع کیے ہیں۔

پرظاہر کہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مثل سے یہ کلمات جلیلہ اس جناب کی کمال وثاقت وعدالت ووفور علم وجلالت پرشاہد عدل ودلیل فصل ہیں اور خود امام اوحد یعنی بے مثل امام یکتا کالفظ اجل واعظم تمام فضائل ومناقب جلیلہ کا یکتا جامع اکمل واتم ہے۔

وہ جناب سند عالی رکھتے اور زمانہ اقدس حضور پرنور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہایت قریب ہیں انہیں حضور اقدس تک صرف دوواسطے ہیں قاضی القضاۃ امام اجل حضرت سیدنا ابوصالح نصر قدس سرہ کے اصحاب سے ہیں اور وہ اپنے والد ماجد حضرت سیدنا ابوبکر تاج الملۃ والدین عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ اور وہ اپنے والد ماجد حضور پرنور سید السادات غوث الافراد قطب الارشاد غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ومرید وصاحب ومستفید ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں یہ کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم وشریف ومشہور ہے اور اس کے مصنف علمائے قرأت سے عالم معروف ومشہور اوران کے احوال شریفہ کتابوں میں مذکور ومسطور۔

بالجملہ ایسے اکابر کی روایات معتمدہ کو بے وجہ وجیہ رَد کردینا یا سخت جہالت ہے یا خبث وضلالت والعیاذ باللہ سبحنہ وتعالیٰ۔ (ج7،ص573)

سوال: زید کہتا کہ صلوٰۃ غوثیہ کے بارے میں ان علماء کی کتابون میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کا اپنا لکھا ہوا نہیں بلکہ کسی

اور نے ان کتب میں الحاق کیا ہے۔ جیسا کہ شیخ اکبر اور امام شعرانی کی کتب میں ہوا ہے۔

جواب : بے دلیل دعویٰ الحاق محض مردود ورنہ تصانیفِ ائمہ سے امان اُٹھ جائے اور نظام شریعت درہم وبرہم نظر آئے جو سند پیش کیجئے مخالف کہہ دے یہ الحاقی ہے، چلئے تمسک واستناد کا دروازہ ہی بند ہو گیا، ہیہات کیا بزورِ زبان کچھ کہہ دینا، قابلِ قبول ہوسکتا ہے، حاشا وکلا ادعائے بے دلیل مطرود وذلیل، ہاں ہم کو مسلم کہ بعض کتابوں میں بعض الحاق بھی ہوئے مگر اس سے ہر کتاب کی ہر عبارت تو مطروح یا مشکوک نہیں ہوسکتی کسی خاص عبارت کی نسبت یہ دعویٰ زنہار مسموع نہیں جب تک بوجہ وجیہ اس میں الحاق ثابت نہ کر دیں۔

جس کے لئے امثال مقام میں صرف دو طریقے متصور:

ایک تو یہ کہ اس کتاب کے صحیح، معتمد، عمدہ، قدیم نسخے اس عبارت سے خالی ملیں یا خاص مصنف کا اصل مسودہ پیش کیا جائے جس میں اس عبارت کا نشان نہ ہو، حضرت جناب شیخ اکبر و امام شعرانی قدس سرہما کی تصانیف میں الحاق یونہی ثابت ہوا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لواقح الانوار میں فرماتے ہیں ''قدم علینا الاخ العالم الشریف شمس الدین السید محمد ابن السید ابی الطیب المدنی المتوفی ۹۵۵ھ خمس وخمسین و تسعمائة فذاکرته فی ذلک فاخرج لی نسخة من الفتوحات التی قابلها علی النسخة التی علیها خط شیخ محی الدین نفسه بقونیة فلم ارفیها شیئا مما توقفت فیه و حذفته فعلمت ان النسخ التی فی مصر ان کلها کتبت من النسخة التی دسوا علی الشیخ فیها مایخالف عقائد اهل السنة والجماعة کماوقع له ذلک فی کتاب الفصوص وغیره الخ'' یعنی ہمارے دوست عالم شریف سید شمس الدین محمد بن سید ابوالطیب مدنی جن کی وفات ۹۵۵ھ میں ہوئی ہمارے یہاں آئے میں نے فتوحات شیخ اکبر قدس سرہ، کا تذکرہ کیا انہوں نے ایک نسخہ فتوحات نکالا جسے انہوں نے اس نسخے سے مقابلہ کیا تھا جو شہر قونیہ میں کہ شیخ اکبر قدس سرہ، کا وطن ہے خاص شیخ قدس سرہ، کے دستخط شریف سے مزین ہے اس نسخے میں میں نے کہیں ان عبارتوں کا نشان نہ پایا جن میں مجھے تردد تھا اور میں نے فتوحات کے انتخاب میں قلم انداز کر دی تھیں تو مجھے یقین ہوا کہ اب جس قدر نسخے مصر میں ہیں سب اسی نسخے سے نقل ہوئے ہیں جس میں لوگوں نے عقائد اہلسنت وجماعت کے خلاف عبارتیں شیخ پر افترا کر کے ملا دی ہیں جیسا کہ ان کی فصوص وغیرہ کے ساتھ بھی یہی واقع ہوا۔ (کشف الظنون، ج2، ص1238، مکتبۃ المثنی، بغداد)

اب کلامِ امام شعرانی کا حال سنئے، خود امام موصوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میزان میں فرماتے ہیں ''وقع لی ذلک من بعض الاعداء فانهم دسوا فی کتابی المسمی، بالبحر المورود فی المواثیق والعهود، امور اتخالف ظاهر الشریعة و داروبها فی الجامع الازهر وغیره و حصل بذلک فتنة عظیمة وماخمدت الفتنة حتی ارسلت لهم نسختی التی

علیہا خطوط العلماء ففتشہا العلماء فلم یجدوا فیہا شیئا مما یخالف ظاہر الشریعۃ مما دسہ الاعداء فاللہ تعالیٰ یغفرلہم ویسامحہم "یعنی مجھے یہ واقعہ بعض اعدا کے ساتھ پیش آچکا ہے انہوں نے میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والعہود میں خلاف شرع باتیں الحاق کردیں اور اسے جامع از ہر وغیرہ میں لئے پھرے اور اس کے سبب بڑا فتنہ اٹھا اور فرونہ ہوا یہاں تک کہ میں نے ان کے پاس اپنا نسخہ جس پر علما کے دستخط تھے بھیج دیا اہلِ علم نے تلاش کی تو اس میں وہ امورِ مخالفہ شریعت جو دشمنوں نے ملا دیئے تھے اصلاً نہ پائے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور درگزر فرمائے۔

(الیواقیت الکبریٰ ج 1 ص 9 مصطفی البابی مصر)

خیر ایک طریقہ تو ثبوتِ الحاق کا یہ ہے۔

دوسرے یہ مصنف کا امام معتمد و عالم متدین، مستند ہونا معلوم ہے اور یہ کلام کہ بے تواتر حقیقی اس کی طرف نسبت کیا گیا:

(۱) صریح معصیت یا بد مذہبی وضلالت جس میں اصلاً تاویل وتوجیہ کی گنجائش ہی نہیں تو اس وجہ سے کہ علما، تو علما، عام اہلِ اسلام کی طرف بے تحقق وتواتر وثبوتِ قطعی کسی کبیرہ کی نسبت مقبول نہیں کما نص علیہ الامام الاجل حجۃ الاسلام محمد الغزالی قدس سرہ العالی فی الاحیاء (جیسا کہ امام غزالی قدس سرہ نے "احیاء العلوم" میں اس کی تصریح کی ہے) رَد کردیں گے اور تحسیناً للظن (ان سے حسن ظن کرتے ہوئے) الحاق کہیں گے۔

(۲) اور اسی سے ملحق ہے، بات کا ایسا سخیف ورذیل ہونا کہ کسی طرح عقل سلیم اس امام عظیم سے اس کا صدور منظور نہ کرے۔

(۳) اور اسی قبیل سے ہے وہ عبارت جس میں کسی طائفہ زائفہ کے لئے کوئی غرضِ فاسد ہو اور امام مصنف اس سے بَری اور جا بجا خود اس کا کلام اس غرض مردود کے خلاف پر شاہد، جیسے بعض خدا نا ترسوں کا امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی کی طرف معاذ اللہ کلماتِ مذمتِ امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسبت کرنا حالانکہ اُن کی کتب متواترہ احیاء وغیرہ مناقبِ امام کی شاہد عدل ہیں۔

اور مثلِ آفتاب روشن و بے نقاب کہ ما نحن فیہ میں (جس مسئلہ میں ہم بات چیت کررہے ہیں اس میں) ان صورتوں سے کوئی شکل نہیں والحمد للہ رب العلمین۔

اگر منکر بہجۃ الاسرار شریف کے نسخ قدیمہ صحیحہ معتمدہ اس روایت سے خالی دکھا دیتا یا زبانی انکار کے سوا کوئی دلیل معقول قابل قبول ارباب عقول، اس کے یقینی ضلالت ومخالف عقیدۂ اہل سنت ہونے پر قائم کرلیتا تو اس وقت دعویٰ الحاق زیب دیتا۔

(ج 7 ص 576 تا 580)

سوال: زید کہتا ہے کہ صلوٰۃ غوثیہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

جواب: اس نماز کو قرآن وحدیث کے خلاف بتانا محض بہتان وافترا، ہرگز ہرگز قرآن وحدیث میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، نہ مخالف کوئی آیت یا حدیث اپنے دعوے میں پیش کرسکا، ہرجگہ صرف زبانی ادعا سے کام لیا مگر یہ وہی جہالت قبیحہ وسفاہت فضیحہ ہے جس میں فرقۂ جدیدہ وطائفۂ حادثہ قدیم سے مبتلا یعنی قرآن وحدیث میں جس امر کا ذکر نہیں وہ ممنوع ہے اگرچہ اس کی ممانعت بھی قرآن وحدیث میں نہ ہو، ان ذی ہوشوں کے نزدیک امرونہی میں کوئی واسطہ ہی نہیں اور عدم ذکر ذکرِ عدم ہے پھر خدا جانے سکوت کس شے کا نام ہے!

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وماسکت فھو مما عفاعنہ" حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام بتایا اور جس سے سکوت فرمایا وہ عفو ہے یعنی اس میں کچھ مواخذہ نہیں۔ (جامع الترمذی، ج1، ص206، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

اور اس کی تصدیق قرآن عظیم میں موجود کہ فرماتا ہے جل ذکرہ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ اے ایمان والو! وہ باتیں نہ پوچھو کہ تم پر کھول دی جائیں تو تمہیں برا لگے اور اگر قرآن اُترتے وقت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی اللہ نے اُن سے معافی فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا حکم دیتے تو فرض ہوجاتیں اور بہت ایسی کہ منع کرتے تو حرام ہوجاتیں پھر جو انہیں چھوڑتا یا کرتا گناہ میں پڑتا، اس مالک مہربان نے اپنے احکام میں اُن کا ذکر نہ فرمایا یہ کچھ بھول کر نہیں کہ وہ تو بھول اور ہر عیب سے پاک ہے بلکہ ہمیں پر مہربانی کے لئے کہ یہ مشقت میں نہ پڑیں تو مسلمانوں کو فرماتا ہے تم بھی ان کی چھیڑ نہ کرو کہ پوچھو گے حکم مناسب دیا جائے گا اور تمہیں کو دقت ہوگی۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جن باتوں کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ نکلے وہ ہرگز منع نہیں بلکہ اللہ کی معافی میں ہیں۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلاتضیعوھا، وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدودا فلاتعتدوھا، وسکت عن اشیاء من غیرنسیان فلاتبحثوا عنھا" بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کیں انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائیں اُن کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھیں اُن سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بے بھولے سکوت فرمایا اُن میں کاوش نہ کرو۔ (سنن الدارقطنی، ج4، ص184، نشر السنۃ، ملتان)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ذرونی ماترکتکم فانما ھلك من کان قبلکم بکثرۃ سؤالھم

واختلافھم علی انبیائھم فاذا نھیتکم عن شیء فاجتنبوہ واذا امرتکم بامر فأتوا منہ ما استطعتم ''یعنی جس بات میں میں نے تم پر تضییق نہ کی اُس میں مجھ سے تفتیش نہ کرو کہ اگلی اُمتیں اسی بلا سے ہلاک ہوئیں، میں جس بات کو منع کروں اس سے بچو اور جس کا حکم دوں اسے بقدر قدرت بجالاؤ۔ (صحیح مسلم، ج 1، ص 432، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں''ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما من سأل عن شیء لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسألتہ'' بیشک مسلمانوں کے بارے میں اُن کا بڑا گناہگار وہ ہے جو ایسی چیز سے سوال کرے کہ حرام نہ تھی اُس کے سوال کے بعد حرام کردی گئی۔ (صحیح بخاری، ج 2، ص 1082، اصح المطابع، کراچی)

یہ احادیث باعلیٰ ندا منادی (پکار پکار کر نداء کر رہی ہیں) کہ قرآن وحدیث میں جن باتوں کا ذکر نہیں نہ ان کی اجازت ثابت نہ ممانعت وارد، اصل جواز پر ہیں ورنہ اگر جس چیز کا کتاب وسنت میں ذکر نہ ہو مطلقاً ممنوع ونادرست ٹھہرے تو اس سوال کرنے والے کی کیا خطا، اس کے بغیر پوچھے بھی وہ چیز ناجائز ہی رہتی۔

بالجملہ یہ قاعدہ نفیسہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یا برائی ثابت ہو وہ بھلی یا بری ہے اور جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وہ معاف وجائز ومباح ورَوا اور اس کو حرام وگناہ ونادرست وممنوع کہنا شریعت مطہرہ پر افترا۔

(ج 7، ص 581)

سوال: زید کہتا ہے کہ یہ نماز طریقہ خلفائے راشدین کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اسی طرح اس نماز کو طریقہ خلفائے راشدین وصحابہ کرام کے خلاف کہنا بھی اسی سفاہتِ قدیمہ پر مبنی کہ جو فعل اُن سے منقول نہ ہو عموماً ان کے نزدیک ممنوع تھا حالانکہ عدم ثبوتِ فعل وثبوتِ عدمِ جواز (کسی فعل کا ثبوت نہ ملنے اور عدم جواز کا ثبوت مل جانے) میں زمین وآسمان کا فرق ہے، امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں''الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع '' کرنا تو جواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا ممانعت کی دلیل نہیں۔

رافضیوں نے اس طائفۂ جدیدہ کی طرح ایک استدلال کیا تھا اس کے جواب میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثناعشریہ میں لکھتے ہیں''نکردن چیزے دیگر ست ومنع فرمودن چیزے دیگر است ملخصاً'' ترجمہ: نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے۔ (تحفہ اثناعشریہ، ص 269، سہیل اکیڈمی، لاہور) (ج 7، ص 583)

سوال: زید کہتا ہے کہ صلوٰۃ غوثیہ اخلاص اور توکل کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اسے اخلاص وتوکل کے خلاف ماننا عجب جہالتِ بے مزہ ہے اس میں محبوبانِ خدا کی طرف توجہ بغرضِ توسل

ہے اوران سے توسل قطعاً محمود، اور ہرگز اخلاص وتوکل کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈ واور اس کی راہ میں کوشش کرو کہ تم مراد کو پہنچو۔

اور انبیاء وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت فرماتا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ ...﴾ وہ ہیں کہ دعا کرتے اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ودیگر انبیاء وصلحاء وعلماء وعرفاء علیہم التحیۃ والثناء کا قدیماً وحدیثاً حضور اقدس غایۃ الغایات نہایۃ النہایات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات سے حضور کے ظہور پرنور سے پہلے اور بعد بھی حضور کے زمان برکت نشان میں اور بعد بھی عہد مبارک صحابہ وتابعین سے آج تک اور آج سے قیام قیامت وعرصات محشر ودخول جنت تک "استغاثہ وتوسل" احادیث وآثار میں جس قدر وفور وکثرت وظہور وشہرت کے ساتھ وارد محتاج بیان نہیں، جسے اس کی گونہ تفصیل دیکھنی منظور ہو مواہب لدنیہ امام قسطلانی وخصائص کبرائے امام جلال الدین سیوطی وشرح مواہب علامہ زرقانی ومطالع المسرات علامہ فاسی ولمعات واشعہ شروح مشکوٰۃ وجذب القلوب الی دیار المحبوب ومدارج النبوۃ تصانیف شیخ محقق مولانا عبدالحق صاحب دہلوی وغیرہا کتب وکلام علمائے کرام وفضلائے عظام علیہم رحمۃ العزیز العلام کی طرف رجوع لائے کہ وہاں حجاب غفلت منکشف ہوتا ہے اور منصف خطا سے منصرف۔

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طلب باراں (طلب بارش) سے توسل کرنا مروی ومشہور، حصن حصین میں ہے "وان یتوسل الی اللّٰہ تعالٰی بانبیاءہ خ ر مس والصالحین من عبادہ خ "یعنی آداب دعا سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے انبیاء سے توسل کرے۔ اسے بخاری وبزاز وحاکم نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ پکڑے، اسے بخاری نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (حصن حصین ص 18، افضل المطابع، انڈیا)

اور سب سے زیادہ وہ حدیث صحیح ومشہور ہے جسے نسائی وترمذی وابن ماجہ وحاکم وبیہقی وطبرانی وابن خزیمہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔۔۔ جس میں حضور اقدس ملجاء بیکساں، ملاذ دوجہاں، افضل صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہ وعلیٰ ذریتہ نے نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز کہے "اللھم انی اسئلك واتوجہ الیك بنبیك محمد نبی الرحمۃ (صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم) یامحمد انی اتوجہ بك الیٰ ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی "الٰہی! میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو، الٰہی! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

(جامع الترمذی ج2 ص197 امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے ''ان رجلاکان یختلف الی عثمٰن بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حاجۃ لہ فکان عثمٰن لایلتفت الیہ ولاینظر فی حاجتہ فلقی عثمٰن بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فشکا ذلک الیہ فقال لہ عثمٰن بن حنیف:ائت المیضأۃ فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم انی اسألک واتوجہ الیک بنبینا محمدصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یامحمد انی اتوجہ بک الی ربی فتقضی لی حاجتی، وتذکر حاجتک ورح الی حتی اروح معک، فانطلق الرجل فصنع ماقال لہ ثم اتی باب عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجاء البواب حتی اخذہ بیدہ فادخلہ علی عثمن بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاجلسہ معہ علی الطنفسۃ، فقال حاجتک،فذکر حاجتہ فقضاھا ثم قال:ماذکرت حاجتک حتی کانت ھذہ الساعۃ وقال ماکانت لک من حاجۃ فاذکرھا ثم ان الرجل خرج من عندہ فلقی عثمن بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال لہ جزاک اللہ خیرا، ماکان ینظر فی حاجتی ولایلتفت الی حتی کلمتہ فی، فقال عثمن بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللہ ما کلمتہ ولکن شھدت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واتاہ رجل ضریر فشکا الیہ ذھاب بصرہ فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ائت المیضأۃ فتوضأ ثم صل رکعتین ثم ادع بھذہ الدعوات فقال عثمن بن حنیف فواللہ ماتفرقنا وطال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل کانہ لم یکن بہ ضر قط ''یعنی ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لئے امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی انہوں نے فرمایا وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ: الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے اور اپنی حاجت کا ذکر کر، شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں، حاجت مند نے یوں ہی کیا پھر آستان خلافت پر حاضر ہوا دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا مطلب پوچھا، عرض کیا فوراً روا فرمایا اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا پھر فرمایا جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ شخص وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور کہا اللہ تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف التفات نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اُن سے میرے بارے میں عرض کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تو تیرے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا، مگر ہوا یہ کہ میں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی

شکایت کی حضور نے یوں ہی اسے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھے پھر یہ دعا کرے، خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی اندھا ہی نہ تھا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج9، ص17، مکتبۂ فیصلیہ، بیروت)

امام منذری ترغیب میں فرماتے ہیں "قال الطبرانی بعد ذکر طرقه والحدیث صحیح" طبرانی نے اس حدیث کی متعدد اسنادیں ذکر کر کے کہا حدیث صحیح ہے۔ (الترغیب والترہیب، ج1، ص476، مصطفی البابی، مصر)

اور سنئے ابن السنی عبداللہ بن مسعود اور بزار عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں " اذا انفلتت دابة احدکم بارض فلاة فلیناد یاعباد اللہ احبسوا فان للہ تعالیٰ عبادا فی الارض تحبسه" جب تم میں کسی کا جانور جنگل میں چھوٹ جائے تو چاہئے یوں ندا کرے "اے خدا کے بندو! روک لو" کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے زمین میں ہیں جو اسے روک لیں گے۔ (المعجم الکبیر، ج10، ص267، مکتبۂ فیصلیہ، بیروت)

بزار کی روایت میں ہے یوں کہے "اعینوا یاعباداللہ" مدد کرو اے خدا کے بندو!۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لفظوں کے بعد رحمکم اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) اور زیادہ فرماتے ورواہ ابن شیبة فی مصنفه (اسے ابن شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا) (المصنف لابن ابی شیبہ، ج10، ص390، ادارۃ القرآن، کراچی)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اذکار میں فرماتے ہیں "ہمارے بعض اساتذہ نے کہ عالم کبیر تھے ایسا ہی کیا، چھوٹا ہوا جانور فوراً رک گیا، اور فرماتے ہیں: ایک بار ہمارا ایک جانور چھوٹ گیا، لوگ عاجز آ گئے ہاتھ نہ لگا، میں نے یہی کلمہ کہا فوراً رک گیا جس کا اس کہنے کے سوا کوئی سبب نہ تھا" (الاذکار للنووی، ص210، دار الکتاب العربیۃ، بیروت)

امام طبرانی سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اذا اضل احدکم شیئا واراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یاعباداللہ اعینونی یاعباداللہ اعینونی یاعباداللہ اعینونی فان للہ عبادا لایراھم" جب تم میں سے کوئی شخص سنسان جگہ میں بہکے بھولے یا کوئی چیز گم کر دے اور مدد مانگنی چاہے تو یوں کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ (المعجم الکبیر، ج10، ص117، مکتبۂ فیصلیہ، بیروت)

ان احادیث میں جن بندگانِ خدا کو وقتِ حاجت پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کا صاف حکم ہے وہ ابدال ہیں کہ ایک قسم ہے اولیائے کرام سے ۔۔ یہی قول اظہر واشہر ہے کما نص علیه فی الحرز الوصین (جیسا کہ حرز الوصین میں اس کی تصریح کی گئی ہے)۔

اور ممکن کہ ملائکہ یا مسلمان صالح جن، مراد ہوں وکیفما کان ایسے توسل وندا کو شرک وحرام اور منافی توکل واخلاص جاننا

معاذ اللہ شرع مطہر کو اصلاح دینا ہے۔

خیر یہ تو حدیثیں تھیں اب شاہ ولی اللہ صاحب کی سنئے اپنے قصیدہ اطیب النغم کی شرح میں پہلی بسم اللہ یہ لکھتے ہیں کہ ''لابدست از استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ترجمہ: حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی روح پاک سے مدد حاصل کرنا ضروری ہے۔ (شرح قصیدہ اطیب النغم ص 2 مطبع مجتبائی دہلی)

اسی میں ہے ''بنظر نمی آید مرا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ جائے دست زدن اندوہگین ست در ہر شدتے'' ترجمہ: مجھے تو ہر مصیبت میں اور ہر پریشان حال کے لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا دست تصرف ہی نظر آتا ہے۔ (شرح قصیدہ اطیب النغم ص 4 مطبع مجتبائی دہلی)

بالجملہ بندگان خدا سے توسل کو اخلاص وتوکل کے خلاف نہ جانے گا مگر سخت جاہل محروم یا ضال مکابر ملوم (ص ۵۸۲ تا ۵۹۳)

سوال: ایک غیر مقلد نے حصن حصین کا ترجمہ کیا ہے اور اس میں جب توسل والی حدیث ''اللھم انی اسئلك واتوجه الیك ۔۔'' کے تحت لکھا ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی عثمٰن بن خالد بن عمر متروک ہے اور متروک کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوتی۔

جواب: حضرات منکرین کی غایت دیانت سخت محل افسوس وعبرت، اس حدیث جلیل کی عظمت رفیعہ وجلالت منیعہ اوپر معلوم ہو چکی اور اس میں ہم اہل سنت وجماعت کے لئے جواز استمداد والتجا وہنگام توسل، ندائے محبوبانِ خدا کا بحمد اللہ کیسا روشن وواضح وبین ولائح ثبوت، جس سے اہل انکار کو کہیں مفر نہیں۔۔۔انا للہ وانا الیہ راجعون، انصاف ودیانت کا تو یہ مقتضی تھا کہ جب حق واضح ہو گیا تھا تسلیم فرماتے ارشاد مفترض الانقیاد حضور پرنور سید الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ الامجاد کی طرف رجوع لاتے نہ کہ خواہی نخواہی بزور تحریف، ایسی صحیح رجیح حدیث کو، جس کی اس قدر ائمہ محدثین نے یک زبان تصحیح فرمائی معاذ اللہ ساقط ومردود قرار دیجئے اور انتقام خدا ومطالبہ حضور سید روز جزا علیہ افضل الصلوۃ والثنا، کا کچھ خیال نہ کیجئے۔

اب حضرات منکرین کے تمام ذی علموں سے انصاف طلب کہ اس حدیث کا راوی عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبد اللہ متروک الحدیث ہے جس سے ابن ماجہ کے سوا کتب ستہ میں کہیں روایت نہیں ملتی، یا عثمٰن بن عمر بن فارس عبدی بصری ثقہ جو صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما تمام صحاح کے رجال سے ہیں، کاش اتنا ہی نظر فرما لیتے کہ جو حدیث کئی صحاح میں مروی، اس کا مدارِ روایت وہ شخص کیونکر ممکن جو ابن ماجہ کے سوا کسی کے رجال سے نہیں، وائے بیبا کی، مشہور ومتداول صحاح کی حدیث جن کے لاکھوں نسخے ہزاروں بلاد میں موجود اُن کی اسانید میں صاف صاف عن عثمان بن عمر مکتوب، پھر کیا کہا جائے کہ ابن عمر کا ابن خالد بنا لینا کس درجہ کی حیا ودیانت ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (ج 7 ص 588)

سوال: اسی غیر مقلد نے حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث ''اذا اضل احدکم شیئاً او اراد عونا ۔۔۔'' کے تحت لکھا ہے کہ عتبہ بن غزوان کے بارے میں تقریب میں لکھا ہے کہ یہ مجہول الحال ہیں ان کا تقویٰ اور عدالت معلوم نہیں ۔۔۔

جواب: آپ کا تقویٰ وعدالت تو معلوم، کیسا طشت از بام ہے خدا کی شان کہاں عتبہ بن غزوان رقاشی کہ طبقہ ثالثہ سے ہیں جنہیں تقریب میں مجہول الحال اور میزان میں لا یعرف کہا، اور کہاں اس حدیث کے راوی عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی بدری کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی جلیل القدر مہاجر مجاہد غزوہ بدر ہیں جن کی جلالت شان بدر سے روشن مہر سے اَبْیَن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ ۔

مترجم صاحب دیباچہ ترجمہ میں معترف کہ حرز ثمین ان کے پیش نظر ہے شاید اس حرز میں یہ عبارت تو نہ ہوگی ''رواہ الطبرانی عن زید بن علی عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ترجمہ: اس کو طبرانی نے زید بن علی سے انہوں نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

یا جس تقریب کا آپ نے حوالہ دیا اس میں خاص برابر کی سطر میں یہ تحریر تو نہ تھی ''عتبۃ بن غزوان بن جابر المازنی صحابی جلیل مهاجر بدری مات سنه سبع عشرة اه ملخصا'' ترجمہ: عتبہ بن غزوان بن جابر المازنی صحابی جلیل بدری اور مہاجر ہیں جن کا وصال ۱۷ھ میں ہوا۔ (تقریب التہذیب، ج 1، ص 653، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

پھر کون سے ایمان کا مقتضیٰ ہے کہ اپنے مذہب فاسد کی حمایت میں ایسے صحابی رفیع الشان عظیم المکان کو بزور زبان وبزور جنان درجہ صحابیت سے طبقہ ثالثہ میں لا ڈالے اور شمس عدالت وبدر جلالت کو معاذ اللہ مردود الروایۃ ومطعون جہالت بنانے کی بدراہ نکالئے ولکن صدق نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذا لم تستحی فاصنع ماشئت'' ترجمہ: لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھے حیا نہیں تو پھر جو چاہے کر۔ (المعجم الکبیر، ج 17، ص 237، مکتبہ فیصلیہ، بیروت)

مسلمان دیکھیں کہ حضرات منکرین انکار حق واصرار باطل میں کیا کچھ کر گزرے پھر ادعائے حقانیت۔ (ج 7، ص 590)

سوال: کیا محبوبان خدا کی تعظیم ضروری ہے؟ علماء جو فرماتے ہیں کہ غیر خدا کے لئے تواضع حرام ہے اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ہاں محبوبانِ خدا کی نفسِ تعظیم بیشک اہم واجبات واعظم قربات سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی عزت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے۔

اور فرمایا: ﴿ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ﴾ o ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو یہ قلبی تقویٰ ہوگا۔

اور فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا o لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ﴾ ترجمہ: ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا، بشارت سنانے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے مومنو! تم اللہ اور اس کے رسول کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ۔

فتاوی عالمگیری میں فرماتے ہیں "یتوجه الی قبره صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقف کما یقف فی الصلوٰة ویمثل صورته الکریمة البهیةاه ملتقطا" یعنی قبر شریف سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف توجہ کرے اور یوں کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضور کی صورت مبارک کا تصور باندھے۔ (فتاوی ہندیہ، ج1، ص265، نورانی کتب خانہ، پشاور)

اے عزیز! اصل کار یہ ہے کہ محبوبانِ خدا کے لئے جو تواضع کی جاتی ہے وہ درحقیقت خدا ہی کے لئے تواضع ہے ولہٰذا بکثرت احادیث میں استاذ وشاگرد وعلماء وعام مسلمین کے لئے تواضع کا حکم ہوا جنہیں جمع کیجئے تو دفتر طویل ہوتا ہے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "تعلموا العلم وتعلموا للعلم السکینة والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منه" علم سیکھو اور علم کے لئے سکون ومہابت (وقار) سیکھو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال، ج4، ص642، دارالفکر، بیروت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "تواضعوا لمن تعلمون منه وتواضعوا لمن تعلمونه ولاتکونوا جبابرة العلماء فیغلب جهلکم علمکم" جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو اور جسے علم سکھاتے ہو اس کے لئے تواضع کرو اور متکبر عالم نہ بنو کہ تمہارا جہل تمہارے علم پر غالب ہو جائے۔ (الجامع لاخلاق الراوی، ص91، دارالکتب العلمیة، بیروت)

تو بات وہی ہے کہ انبیاء واولیاء ومسلمین کے واسطے تواضع اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں یہ اللہ کے ولی ہیں وہ دین الٰہی کے قیم ہیں یہ ملت الٰہیہ پر قائم ہیں تو علتِ تواضع جب وہ نسبت ہے جو انہیں بارگاہ الٰہی میں حاصل، تو یہ تواضع بھی درحقیقت خدا ہی کے لئے ہوئی، جیسے صحابہ کرام واہل بیت عظام کی تعظیم ومحبت بعینہٖ محبت وتعظیم سید عالم ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تواضع لغیر اللہ کی شکل یہ ہے کہ عیاذاً باللہ کسی کافر یا دنیادار غنی کے لئے اس کے سبب تواضع ہو کہ یہاں وہ نسبت موجود ہی نہیں یا موجود ہے تو ملحوظ نہیں، اے عزیز! کیا وہ احادیث کثیرہ شہیرہ جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے خشوع وخضوع بجالانا مذکور، اس درجہ استہار پر نہیں کہ فقیر کو ان کے جمع واستیعاب سے غنا ہو، ابوداؤد ونسائی وترمذی وابن ماجہ اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی "قال اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم واصحابه حوله کأن علی

رؤسھم الطیر ''فرمایا میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور کے اصحاب حضور کے گرد تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، یعنی سر جھکائے گردنیں خم کئے بے حس و حرکت کہ پرندے لکڑی یا پتھر جان کر سروں پر آ بیٹھیں، اس سے بڑھ کر اور خشوع کیا ہوگا!

(سنن ابوداؤد، ج 2، ص 183، آفتاب عالم پریس، لاہور)

مولانا جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں لکھتے ہیں ''ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں اور شیخ علی ہیتی حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدرسہ میں تھے کہ اتنے میں بغداد کے ایک بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے عرض کی اے آقا (غوث اعظم) آپ کے جدّ امجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعوت دے اس کی دعوت قبول کی جائے، لو میں آپ کو اپنے گھر کے لئے دعوت دیتا ہوں تو آپ نے فرمایا اگر مجھے اجازت ملی تو آؤں گا، یہ فرما کر آپ نے کچھ دیر سر مبارک کو جھکایا پھر فرمایا میں آ رہا ہوں آپ گھوڑے پر سوار ہوئے شیخ علی ہیتی نے دایاں رکاب اور میں نے بایاں رکاب پکڑا حتی کہ ہم سب اس شیخ کے گھر پہنچے تو وہاں پر بغداد کے مشائخ اور علما اور خاص لوگ موجود تھے دستر خوان بچھایا گیا جس پر مختلف قسم کی نعمتیں موجود تھیں اور ایک بھاری بوجھل تابوت کو دس آدمی اٹھائے ہوئے لائے جو اُوپر سے ڈھانپا ہوا تھا وہ دستر خوان کے قریب ایک طرف رکھ دیا گیا، اس کے بعد صاحب خانہ شیخ نے کھانا کھانے کو کہا تو حضرت غوث اعظم نے سر مبارک جھکایا نہ خود کھانا تناول فرمایا اور نہ ہی ہمیں کھانے کی اجازت دی، اور کسی نے بھی نہ کھایا جبکہ تمام اہل مجلس ایسے خاموش سر جھکائے ہوئے تھے جیسے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

(نفحات الانس، ص 520، انتشارات کتاب فروشی، ایران)

یعنی اہلِ مجلس کہ تمام اولیاء و علماء و عمائدِ بغداد تھے ہیبتِ سرکارِ قادریت کے سبب ایسے بیٹھے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں، مقصود اسی قدر تھا مگر ایسی جانفزا بات کا ناتمام رہنا دل کو نہیں بھاتا لہٰذا تفریحِ قلوب سنت و غیظ صدور بدعت کے لئے تتمہ روایت نقل کروں، فرماتے ہیں ''حضرت نے مجھے اور شیخ علی ہیتی کو اشارہ فرمایا کہ اس تابوت کو میرے سامنے لاؤ، وہ بھاری تابوت ہم نے اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا پھر آپ نے فرمایا اس پر سے کپڑا ہٹاؤ، جب ہم نے دیکھا وہ اس شخص کا لڑکا تھا جو مادر زاد نابینا اور مفلوج تھا تو حضرت نے اس لڑکے کو حکماً فرمایا قم باذن اللّٰہ معافی (اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ عافیت والے ہو کر) وہ لڑکا فوراً تندرست حالت میں کھڑا ہو گیا جیسا کہ اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت حاضرین میں سے اُٹھ کر پوری جماعت کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد میں شیخ ابو سعید قیلوی کے پاس گیا اور ان کو میں نے یہ تمام قصہ سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست اور مُردے کو زندہ اللہ کے اذن سے کرتے ہیں۔

(نفحات الانس، ص 520، انتشارات کتاب فروشی، ایران)

امام ابو ابراہیم تجیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کتاب الشفاء میں ہے ''واجب علی کل مومن متی ذکرہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم او ذکر عندہ ان یخضع و یخشع و یتوقر و یسکن من حرکتہ و یأخذ فی ھیبتہ و اجلالہ بما کان یاخذبہ نفسہ لو کان بین یدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و یتأدب بما ادبنا اللہ تعالیٰ بہ ''ہر مسلمان پر واجب ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یاد کرے یا اس کے سامنے حضور کا ذکر آئے خضوع وخشوع بجالائے اور باوقار ہوجائے اور اعضاء کو حرکت سے باز رکھے اور حضور کے لئے اس ہیبت و تعظیم کی حالت پر ہوجائے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو اس پر طاری ہوتی اور ادب کرے جس طرح خدا تعالیٰ نے ہمیں ان کا ادب سکھایا ہے۔ (کتاب الشفاء، ج 2، ص 34، مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی)

امام اجل سیدی قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ شفا شریف میں امام تجیبی کا ارشاد نقل کر کے فرماتے ہیں'' وھذہ کانت سیرۃ سلفنا الصالح و ائمتنا الماضین رضی اللہ تعالیٰ عنھم '' ہمارے سلف صالح وائمہ سابقین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی داب وطریقہ تھا۔

(کتاب الشفاء، ج 2، ص 34، مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی)

اور فرماتے ہیں ''کان مالك اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتغیّر لونہ و ینحنی '' امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے رنگ اُن کا بدل جاتا اور جھک جاتے۔

(کتاب الشفاء، ج 2، ص 34، مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی) (ج 7، ص 594)

سوال: زید کہتا ہے کہ صلوٰۃ غوثیہ میں نماز کے بعد عراق کی گیارہ قدم چلنا ایک مہمل سے بات ہے۔

جواب: جب (ماقبل میں) معلوم ہولیا کہ حق جل وعلا عز مجدہ کی طرف اس کے محبوبوں سے توسل محمود مقصود وسنت ماثورہ وطریقہ ماموره (ہے)، اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) ہنگامِ توسل (توسل کے دوران) ان کی جانب توجہ درکار (ہوتی ہے)، یہاں تک کہ جب خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: دعا میں قبلہ کی طرف منہ کروں یا مزار مبارک حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف؟ فرمایا: ولم تصرف وجھك عنہ وھو وسیلتك و وسیلۃ ابیك ادم علیہ الصلوۃ والسلام الی اللہ تعالیٰ یوم القیمۃ بل استقبلہ واستشفع بہ فیشفعك اللہ تعالیٰ '' کیوں اپنا منہ ان سے پھیرتا ہے وہ قیامت کو تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہیں بلکہ انہیں کی طرف منہ کر اور شفاعت مانگ کہ اللہ تعالیٰ تیری درخواست قبول فرمائے۔ (کتاب الشفاء، ج 2، ص 35، مطبوعہ شرکۃ صحافیۃ فی بلاد عثمانیۃ)

اور سوال حاجت سے پہلے دو رکعت نماز کی تقدیم مناسب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو)

پھر کامل اکسیر یہ ہے کہ کسی محبوب خدا کے قریب جایئے اسی طرف حق جل وعلا نے قرآن عظیم میں ہدایت فرمائی کہ ارشاد کرتا ہے ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ

تَــوَّابــا رَّحِيــمًــا ﴾ اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے حضور حاضر ہو کر خدا سے بخشش چاہیں اور رسول اُن کے لئے استغفار کرے تو بیشک اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

سبحان اللہ خدا ہر جگہ سنتا ہے اور بے سبب مغفرت فرماتا ہے مگر ارشاد یوں ہوتا ہے کہ گنہگار بندے تیری خدمت میں حاضر ہو کر ہم سے دعائے بخشش کریں اور قدیماً وحدیثاً علماء وصلحا اس آیہ کریمہ کو زمانہ حیات ووفات سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عام اور حاضری مزار مبارک کو حاضری مجلس اقدس کی مثل سمجھا کئے اور اوقات زیارت میں یہی آیہ کریمہ تلاوت کر کے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہے۔۔۔ (اس بات پر دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں) تو ثابت ہوا کہ محبوبان خدا کی طرف جانا اور بعد وصال اُن کی قبور کی طرف چلنا دونوں یکساں جیسا کہ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا امام ابوحنیفہ کے مزارِ فائض الانوار کے ساتھ کیا کرتے۔

اب یہ کہ گدائے سرکارِ قادریہ اس آستانِ فیض نشان سے دور و مہجور ہے گو بعدِ نماز مزارِ اقدس تک جانے کی حقیقت اسے میسر نہیں تاہم دل سے توجہ کرنا اور چند قدم اس سمت چل کر اُن چلنے والوں کی شکل بناتا ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث حسن میں فرمایا ''من تشبه بقوم فهو منهم '' ترجمہ: جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں سے ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، ج2، ص50، دار الفکر، بیروت)

ثانیاً توسل میں توجہ باطن ضرور اور ظاہر عنوانِ باطن، لہٰذا یہ چلنا مقرر ہوا کہ حالتِ قالب (جسم کی حالت) حالتِ قلب پر شاہد ہو جس طرح سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استسقا (طلبِ بارش) میں قلبِ ردا (چادر کو الٹا) فرمایا کہ قلب لباس (لباس کا الٹنا) قلبِ احوال (احوال کے تبدیل ہونے) وکشف باس (اور مصیبت کے دور ہونے) کی خبر دے۔

شاہ ولی اللہ نے قول الجمیل میں قضائے حاجت کے لئے ''صلوٰۃ کن فیکون '' کی ترکیب لکھی جس کے آخر میں ہے کہ پھر پگڑی اتارے، آستین گلے میں ڈالے، پچاس بار دعا کرے، ضرور مستجاب ہو۔

(القول الجمیل مترجم اردو، ص73، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

اس پر ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں ''بعض ناواقفوں نے اعتراض کیا ہے، آستین گردن میں ڈالنا کیونکر جائز ہوگا، حالانکہ ادعیۂ ماثورہ میں یہ ثابت نہیں، ہم جواب دیتے ہیں کہ قلب ردا یعنی چادر کا اُلٹنا پلٹنا نمازِ استقاء میں رسول علیہ السلام سے ثابت ہے تا حال عالم کا بدل جائے تو اس طرح آستین گردن میں ڈالنا، امر مخفی کے اظہار کے واسطے یعنی تضرع کے، واسطے حصول شعار گردش حال کے یا مقصود کے کیونکر نا جائز ہوگا'' (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل، ص74، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

میں کہتا ہوں جب آستین گلے میں باندھنا باآنکہ طرق ماثورہ میں وارد نہیں، اس وجہ سے کہ اس میں تضرع مخفی کا اظہار

شدید ہے، اگر چہ نفسِ اظہار گڑ گڑانے کی صورت سے حاصل تھا، جائز ٹھہرا تو یہ چند قدم جانب عراق محترم چلنا اس وجہ سے کہ اس میں توجہ مخفی کا اظہار قوی ہے کیونکر نا جائز ہوگا۔

ثالثاً ظاہر مصلح خاطر (ظاہر دل کی اصلاح کرنے والا ہے) ولہذا جس امر میں جمع عزیمت وصدق ارادت کا اہتمام چاہتے ہیں وہاں اس کے مناسب احوال وجوارح رکھے جاتے ہیں کہ ان کی مدد سے خاطر جمع (قلبی خیالات مجتمع) اور انتشار دفع ہو، اسی لئے نماز میں تلفظ (نیت کے زبان سے تلفظ کرنے کو) بہ نیت قصدِ جمع عزیمت (ارادے کو مجتمع کرنے کی نیت سے) علماء نے مستحسن رکھا کما فی المبسوط والہدایۃ والکافی والحلیۃ وغیرھا (جیسا کہ مبسوط، ہدایہ، کافی اور حلیہ وغیرہ میں ہے)۔

شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں "من جبلۃ الانسان انہ اذا استقر فی قلبہ شیء جری حسب ذلك الارکان واللسان وھو قولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: ان فی جسد ابن ادم مضغۃ، الحدیث ففعل اللسان ولارکان اقرب مظنۃ وخلیفۃ لفعل القلب" ترجمہ: انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی چیز اس کے دل میں جم جاتی ہے تو اعضاء اور زبان اسی کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس ارشاد مبارک کا کہ انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے الحدیث، پس زبان اور اعضاء کی حرکت دل کے فعل کے تابع ہوتی ہے (حجۃ اللہ البالغہ، ج 2، ص 5، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

اور یہی سر (راز) ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفعِ یدین (ہاتھ اٹھانا) اور تشہد میں انگشتِ شہادت (شہادت کی انگلی) سے اشارہ مقرر ہوا، شاہ ولی اللہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں "الھیأۃ المندوبۃ ترجع الٰی معان، منھا تحقیق الخضوع کصف القدمین، ومنھا محاکاۃ ذکر اللّٰہ تعالٰی باصابعہ ویدہ حذو ما یعقلہ بجنانہ کرفع الیدین والاشارۃ بالمسبحۃ لیکون بعض الامر معاضداً لبعض، ملخصا" ترجمہ: مستحب حالت کئی معانی کی طرف راجع ہے، ایک خشوع کا پایا جانا، جیسے قدموں کا برابر ہونا، اور ایک اللہ کے ذکر کی حکایت ہاتھ اور انگلیوں سے کرنا تاکہ دل میں جو کچھ ہے اس کی مطابقت ہوسکے، جیسے ہاتھ اٹھانا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا جس سے بعض افعال کی بعض سے تقویت ہوتی ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ، ج 2، ص 7، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

اور اسی قبیل سے ہے دعا میں ہاتھ اٹھانا چہرے پر پھیرنا، شاہ ولی اللہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ افعال رغبتِ باطنی کی تصویر بنانے کو ہیں کہ قلب اس پر خوب متنبہ ہوجائے اور حالتِ قلب (دل کی حالت) ہیأت (ظاہری حالتوں) سے تائید پائے۔

کتابِ مذکور میں ہے "اما رفع الیدین ومسح الوجہ بھما فتصویر للرغبۃ مظاھرۃ بین الھیأۃ النفسانیۃ وما یناسبھا من الھیأۃ البدنیۃ وتنبیہ للنفس علی تلك الحالۃ" ترجمہ: اور ہاتھ اٹھانا اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر ملنا یہ

اپنی دعا میں رغبت کا اظہار ہے اور ہیئتِ نفسانیہ کی تصویر اور ہیئتِ بدنیہ کی مناسبت ہے اور نفس کو اپنی حالت پر تنبیہ ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ، ج 2، ص 75، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

بعینہٖ یہی حالت اس چلنے کی ہے کہ رغبتِ باطنی کی پوری تصویر بتاتا اور قلب کو انجذاب تام پر متنبہ کرتا ہے جیسا کہ اس عمل شریف کے بجالانے والوں پر روشن، گو منکر محروم بے خبر باشد ع ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نچشی (اس شراب کا مزہ تو اسے چکھے بغیر نہ پاسکے گا)۔

رابعاً: سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ ہے کہ جہاں انسان سے کوئی تقصیر واقع ہو عملِ صالح وہاں سے ہٹ کر کرے اسی لئے جب ایک بار سفر میں آخر شب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نزول فرمایا اور آنکھ نہ کھلی یہاں تک کہ آفتاب چمکا، حضور نے وہاں نماز نہ پڑھی اور فرمایا اس جگہ شیطان حاضر ہوا تھا اپنے مرکبوں (سواریوں) کو یونہی لئے چلے آؤ، پھر وہاں سے تجاوز فرما کر نماز قضا کی۔

(صحیح مسلم، ج 1، ص 238، نور محمد، کراچی)

یہاں بھی جب یہ محتاج دو رکعت نماز پڑھ چکا اور اب وقت وہ آیا کہ جہتِ توسل کی طرف منہ کرکے اللہ جل جلالہ سے دعا چاہتا ہے، نفسِ نماز میں جو قلتِ حضور وغیرہ قصور سرزد ہوئے یاد آئے اور سمجھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں شیطان کے دخل نے مجھ سے مناجاتِ الٰہی میں تقصیر کرادی، ناچار ہٹتا ہے اور پُر ظاہر کہ جہتِ توجہ اس کے لئے اولیٰ وایسر (اولیٰ اور آسان ہے) یمیناً وشمالاً انصراف (دائیں بائیں پھرنے) میں ترکِ توجہ اور رجعتِ قہقری (الٹے پاؤں پھرنا) بعد (دوری) کی صورت اور اقبال (آگے جانا) نشان اقبال (آگے بڑھنے یعنی مقصود پانے کی علامت ہے) فکان ھو المختار (لہذا یہی مختار ہے)۔

خامساً: خادمِ شرع جانتا ہے کہ صاحبِ شرع صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو بابِ دعا میں تفاؤل (اچھے شگون) پر بہت نظر ہے اسی لئے استسقاء (طلبِ بارش) میں قلبِ ردا (چادر کو الٹا) فرمایا کہ تبدلِ حال کی فال (حالت کی تبدیلی پر شگون) ہو۔

سنن دارقطنی میں ہے "انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استسقی و حوّل رداء ہ لیتحول القحط" ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (بارش کے لئے دعا میں) چادر مبارک الٹی تاکہ قحط ختم ہوجائے۔ (سنن الدارقطنی، ج 2، ص 66، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں "قالوا و التحویل شرع تفاؤلا بتغییر الحال من القحط الی نزول الغیث و الخصب و من ضیق الحال الی سعتہ" ترجمہ: ائمہ کرام نے فرمایا کہ چادر الٹانا اس لئے مشہور ہے کہ قحط سے بارش کی طرف اور تنگی سے خوشحالی کی طرف حالت کو تبدیل کرنے کے لئے نیک فال بن سکے۔

(شرح مسلم للنووی مع مسلم، ج 1، ص 292، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اسی لئے بدخوابی (برا خواب آنے) کے بعد جو اس کے دفعِ شر کی دعا تعلیم فرمائی، ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ کروٹ

بدل لے تا کہ اس حال کے بدل جانے پر فالِ حسن (اچھا شگون) ہو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا'' اذا رأی احدکم الرؤیا یکرھھا فلیبصق عن یسارہ ثلثا ولیستعذ باللّٰہ من الشیطان ثلثا ولیتحول عن جنبہ الذی کان علیہ '' ترجمہ: جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں جانب تھوکے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم تین مرتبہ پڑھے اور اپنی کروٹ دوسری جانب بدلے۔ (صحیح مسلم، ج2، ص241، نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ مناوی تیسیر میں لکھتے ہیں'' تفاؤلا بتحول تلک الحال '' ترجمہ: تا کہ اس سے نجات کے لئے نیک فال بن سکے۔

اسی لئے ہنگامِ استسقا (بارش طلب کرنے کے دوران) پشتِ دست (ہاتھ کی پشت) جانب آسمان رکھے کہ ابر (بادل) چھانے اور باران (بارش) آنے کی فال ہو۔

اسی لئے علماء نے مستحب رکھا (کہ) جب دفعِ بلا کے لئے دعا ہو پشتِ دست (ہاتھ کی پشت) سوئے سما (آسمان کی جانب) ہو، گویا ہاتھوں سے آتشِ فتنہ کو بجھاتا اور جوشِ بلا کو دباتا ہے۔

اسی لئے دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا مسنون ہوا کہ حصولِ مراد قبولِ دعا کی فال ہو گویا دونوں ہاتھ خیر و برکت سے بھر گئے اس نے وہ برکت اعلیٰ واشرف اعضا پر اُلٹ لی کہ اس کے توسط سے سب بدن کو پہنچ جائے گی۔ ترمذی وحاکم کی حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے'' کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ '' ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو چہرہ مبارک پر پھیرے بغیر ہاتھوں کو نیچے نہ کرتے۔ (جامع الترمذی، ج2، ص174، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں'' تفاؤلا باصابۃ المراد و حصول الامداد '' ترجمہ: مراد کو پانے اور امداد حاصل کرنے کے لئے نیک فال کے طور پر۔ (التیسیر شرح الجامع الصغیر، ج2، ص250، مکتبہ امام الشافعی، الریاض)

اور ابوداؤد کی حدیثِ حسن'' ان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجھہ بیدیہ '' ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو ہاتھ اُٹھا کر چہرہ مبارک پر ملتے۔

اسکے نیچے لکھا'' تفاؤلا وتیامنا بان کفیہ ملئتا خیرا فافاض منہ علی وجھہ '' ترجمہ: یہ نیک فال ہو سکے وہ ہاتھ خیر سے بھر گئے ہیں اور اس خیر کو چہرہ پر فائض فرمایا۔ (التیسیر شرح الجامع الصغیر، ج2، ص249، مکتبہ امام الشافعی، الریاض)

ایک اور حدیث کے تحت میں لکھا'' تفاؤلا باصابۃ المطلوب وتبرکا بایصالہ الی وجھہ الذی ھو اشرف الاعضاء ومنہ یسری الی بقیۃ البدن '' ترجمہ: تا کہ نیک فال ہو سکے کہ مطلوب پالیا اور اس کو برکت کے لئے چہرے تک

پہنچایا جو کہ اعضا میں افضل ہے اور اس سے تمام بدن میں سرایت کرے۔ (التیسیر شرح الجامع الصغیر ج2 ص210 مکتبۃ الامام الشافعی ریاض)

اسی طرح صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب جلیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقاصد شرع پر لحاظ فرما کر خاص ان کے موافق یہ چلنا مقرر فرمایا کہ نفی اعراض وعطائے قربت وحصولِ اغراض واقبال اجابت کے لئے فال حسن ہو۔

سادساً: صحیح مسلم شریف میں بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ثابت کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عین نماز میں چند قدم آگے بڑھے جب جنت خدمت اقدس میں اتنی قریب حاضر کی گئی کہ دیوارِ قبلہ میں نظر آئی یہاں تک کہ حضور بڑھتے تو اس کے خوشہ ہائے انگور دست اقدس کے قابو میں تھے اور یہ نماز صلوٰۃ الکسوف تھی۔ (صحیح مسلم، ج1 ص297 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اسی طرح جب اربابِ باطن واصحاب مشاہدہ یہ نماز پڑھ کر بروجہِ توسل عراق شریف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں انوار وبرکات وفیوض وخیرات اس جانب مبارک سے باہزاراں جوش وہجوم پیہم آتے نظر آتے ہیں، یہ بیتابانہ ان خوشہائے انگورجنات نور وباغات سرور کی طرف قدم شوق پر بڑھتے اور ان عزیز مہمانوں کے لئے رسم باجمال تلقی واستقبال بجالاتے ہیں، سبحان اللہ کیا جائے انکار ہے اس نیک بندے پر جو اپنے رب کی برکات وخیرات کی طرف مسارعت (جلدی) کرے۔

رہے ہم عامی جن کا حصہ یہی شقشقۂ لسان واضطرابِ ارکان ہے۔ ہم اس امرِ جمیل میں اُن اہل بصائر کے طفیلی ہیں۔

جیسے نماز کہ اس کے اکثر افعال واحکام ان اسرار وحِکَم (رازوں اور حکمتوں) پر مبنی جو حقیقۃً صرف احوالِ سنیۂ اہل قلوب پر مبتنی، پھر عوام بھی صورتِ احکام میں ان کے مشارک مثلاً نمازِ نہاری (دن کی نماز) میں اخفاء (آہستہ قرأت) واجب ہوا اور لیلی (رات کی نماز) میں جہر (بلند آواز سے قرأت) کہ لیل (رات) آیت لطف (علامتِ لطف) ہے اور اس کی تجلی لطیف اور نہار (دن) آیت قہری (علامتِ قہری) ہے اور اس کی تجلی شدید پھر تجلی جہری سری سے بہت قوی وگرم تر، لہٰذا تعدیل (برابری) کے لئے تجلی قہری کے ساتھ ٹھنڈی تجلی رکھی گئی اور لطفی کے ساتھ گرم۔

جُمُعَہ وعیدین میں باوجود نہاری حکم جہر ہوا کہ بوجہِ کثرتِ حاضرین اُنس حاصل اور دہشت زائل اور قلب بوجہِ شہودِ تجلی سے قدرے ذاہل بھی ہوگا، معہذا ایک ہفتہ کی تقصیرات جمع ہوکر حجاب میں گونہ قوت پیدا کرتی ہیں تو گاہے ماہے یہ معالجہ مناسب ہوا جو اپنی حرارت سے اسے گلادے جیسے اطباء خطوطِ دقیقہ دیکھنے سے منع کرتے اور نادراً بغرضِ تمرین (مشق کی غرض سے) اسے علاج سمجھتے ہیں۔

اور کسوف (چاند گراہن) میں گو جماعتِ کثیر اور وقفۂ طویل ہے پھر بھی اخفاء ہی رہا کہ وہ وقتِ تخویف (خوف دلانے والا وقت ہے) وتجلی جلال اور وقفۂ طویل ہے جہر نہ ہوسکے گا، اسی لئے ہمارے نزدیک نماز جنازہ میں اصلاً قراءت نہیں کہ یہ ہیبت عظیم وتجلی جلال، تجلی شدید قرآنی سے جمع نہ ہو اور جو قراءت کہتے ہیں وہ بھی جہر نہیں رکھتے کہ شدت برشدت بڑھ جائے گی۔

شب کو آٹھ رکعت تک ایک نیت سے جائز اور دن کو چار سے زیادہ منع کہ سنتِ الٰہیہ ہے تجلی شیئاً فشیئاً وارد کرتے اور
ہرثانی میں اول سے قوی بھیجتے ہیں تو تجلی گرم، نہاری کے ساتھ چار سے آگے تاب نہ آئے گی اسی لئے ہر دو رکعت پر جلسۂ طویلہ
کاحکم ہوا کہ خوب آرام پالے، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد واجب ہوئی کہ لطفِ جمال سے حظ (فائدہ) اٹھالے۔
اور (فرائض کی) پچھلی رکعتوں میں قراءت معاف کہ تجلیات بڑھتی جائیں گی شاید دشواری ہو اور منفرد پر جہر واجب
نہیں کہ بوجہ تنہائی دہشت وہیبت زیادہ ہوتی ہے عجب نہیں کہ تاب نہ لائے تو اسے اس کے حال ووقت پر چھوڑنا مناسب۔
رکوع وسجود میں قراءتِ قرآن ممنوع ہوئی کہ ان کی تجلی، تجلیِ قیام سے سخت اشد، دوسری تجلی شدید قراءت مل کر افراط
(زیادہ ہوجائے) ہوگی، نیز قعود میں قراءت ممنوع ہوئی کہ وہ آرام دینے کے لئے رکھا گیا تجلی قرآنی کی شدت مل کر اسے مقصود
سے خالی کردے گی اسی لئے رکوع کے بعد قومہ کا حکم ہوا کہ اس تجلی قوی سے آرام لے کر تجلی اقوی کی طرف جائے ورنہ تاب نہ
لائے گا اسی بنا پر بین السجدتین (دو سجدوں کے درمیان) اطمینان سے بیٹھنا واجب کیا گیا کہ تجلی سجدہ ثانیہ اور اشد واعظم ہوگی
اشد براشد کی توالی (لگاتار آنے) سے بنیانِ بشری (انسانی عمارت) نہ منہدم ہوجائے۔ امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی
قدس سرہ الربانی میزان میں نقل فرماتے ہیں ''انه وقع لبعض تلامذة سیدی عبدالقادر جیلی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه انه سجد
فصار یضمحل حتی صار قطرة ماء علی وجه الارض فاخذها سیدی عبدالقادر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه بقطنة ودفنها
فی الارض وقال سبحٰن اللّٰہ رجع الی اصله بالتجلی علیه'' یعنی حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض
مریدوں نے سجدہ کیا جسم گھلنا شروع ہوا، یہاں تک کہ گوشت پوست ہڈی پسلی کسی شے کا نشان نہ رہا صرف ایک بوند پانی کی
زمین پر پڑی رہ گئی حضور پرنور نے روئی کے پھوئے سے اٹھا کر زمین میں دفن کردی اور فرمایا سبحٰن اللہ تجلّی کے سبب اپنی اصل کی
طرف پلٹ گیا۔

(المیزان الکبرٰی، ج1، ص157، مصطفی البابی، مصر)

سابعاً: دیدۂ انصاف بے غبار وصاف ہو تو احادیثِ صحیحہ سے اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ جہاں جانا چاہے اس طرف
چند قدم قریب ہونا اور جہاں سے جدائی مقصود ہو اس سے کچھ گام دور ہونا بھی نافع وبکار آمد ہوتا ہے جب کمال قرب وبعد میسر نہ
ہو۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''کل شیء یتکلم به ابن اٰدم فانه مکتوب علیه فاذا اخطأ الخطیئة ثم
احب ان یتوب الی اللّٰہ عزوجل فلیأت بقعة مرتفعة فلیمدد یدیه الی اللّٰہ ثم یقول اللّٰھم انی اتوب الیك منها
لاارجع الیها ابدا فانه یغفرله مالم یرجع فی عمله ذلك'' آدمی کا ہر بول اس پر لکھا جاتا ہے تو جو گناہ کرے پھر اللہ تعالیٰ کی
طرف توبہ کرنا چاہے اسے چاہئے بلند جگہ پر جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہے الٰہی! میں اس گناہ سے تیری طرف
رجوع لاتا ہوں، اب کبھی اُدھر عود نہ کروں گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مغفرت فرمادے گا جب تک اس گناہ کو پھر نہ کرے۔

(المستدرک علی الصحیحین، ج 1، ص 516، دار الفکر بیروت)

توبہ کے لئے بلندی پر جانے کی یہی حکمت ہے کہ حتی الوسع موضعِ مصیبت سے بعد (دوری) اور محلِ طاعت ومنزلِ رحمت یعنی آسمان سے قرب حاصل ہو، جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا زمانۂ انتقال قریب آیا بَن (جنگل) میں تشریف رکھتے تھے اور ارضِ مقدسہ پر جبارین کا قبضہ تھا وہاں تشریف لے جانا میسر نہ ہوا دعا فرمائی کہ اس پاک زمین سے مجھے ایک سنگ پرتاب قریب کردے۔ بخاری، مسلم، نسائی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ''ارسل ملك الموت الی موسی علیه الصلوۃ والسلام (فذکر الحدیث الی ان قال) نسأل اللہ ان یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجر'' موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو بھیجا، پس حدیث کو بیان کرتے یہاں تک بیان کیا کہ مجھے بیت المقدس کے اتنا قریب کردے جتنا کہ پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہنگامِ حاجت (حاجت کے وقت) سردست (ہاتھوں ہاتھ) عراق شریف کی حاضری متعذر، لہٰذا چند قدم اس ارضِ مقدسہ کی طرف چلنا ہی مقرر ہوا کہ مالا یدرك کله لایترك کله وللہ الحمد دقه وجلّه (جو مکمل حاصل نہ ہو سکے تو وہ مکمل چھوڑا بھی نہ جائے، اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہر چھوٹی اور بڑی حمد ہے)

رہی عدد یازدہ (گیارہ کے عدد) کی تخصیص، اس کی وجہ ظاہر کہ ''ان اللہ تعالیٰ وتر یحب الوتر'' (اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق کو دوست رکھتا ہے)۔

(جامع الترمذی، ج 1، ص 60، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

اور افضل الاوتار واول الاوتار (سب وتروں یعنی طاق عددوں سے افضل اور پہلا) ایک ہے مگر یہاں تکثیر مطلوب اور اس کے ساتھ تیسیر (آسانی) بھی ملحوظ، لہٰذا یہ (گیارہ کا) عدد مختار ہوا کہ یہ افضل الاوتار کا پہلا ارتفاع ہے جو خود بھی وتر اور مشابہتِ زوج سے بھی بعید کہ سوا ایک کے اس کے لئے کوئی کسر صحیح نہیں اور اس سے ایک گھٹا دینے کے بعد بھی جو زوج حاصل ہوتا ہے زوجِ محض (صرف جفت) ہے نہ زوج الازواج کہ اس کے دونوں حصص متساویہ (پانچ اور پانچ) خود افراد ہیں بلکہ خلو مرتبہ پر وہ بعینہٖ ایک ہے۔

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں ''الشرع لم یخص عدداً الا لحکم ترجع الی اصول، الاول ان الوتر عدد مبارك لایجاوز عنه ما کان فیه کفایة، ثم الوتر علی مراتب، وتر یشبه الزوج کالتسعة والخمسة فانهما بعد اسقاط الواحد ینقمان الی زوجین والتسعة وان لم تنقسم الی عددین متساوین فانها تنقسم الی ثلثه متساویة، وامام الاوتار الواحد وحیث اقتضت الحکمة ان یؤمر باکثرمنها اختار عدداً یحصل بالترفع کالواحد یترفع الی احد عشراہ ملتقطا'' ترجمہ: شرع شریف میں عدد کی تخصیص صرف ایسے حکم کے لئے کی جاتی جو کئی معانی کی طرف راجع

ہوتا ہے اول، یہ وتر ایسا مبارک عدد ہے کہ اس سے تجاوز اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جبکہ اس وتر میں کفایت موجود ہے پھر وتر کی کئی اقسام ہیں، ایک وتر زوج کے مشابہ ہوتا ہے جیسا کہ نو اور پانچ کا عدد کہ یہ دونوں ایسے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک ایک کو ساقط کر دیا جائے تو یہ دونوں برابر تقسیم ہو کر دو زوج بن جاتے ہیں، اور نو کا عدد خود اگر چہ دو جفت (زوج) پر تقسیم نہیں ہوتا مگر تین مساوی عددوں پر منقسم ہوتا ہے، تمام وتروں کا امام (اصل) ایک کا عدد ہے اور حکمت کا تقاضا ہو تو زیادہ عدد کا تب حکم ہوتا کہ وہ عدد بڑھ کر واحد کی طرح ہو جائے مثلاً گیارہ ہو جائے۔ (حجۃ البالغہ، ج 1، ص 100، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

بالجملہ اس نماز مقدس میں اصلاً کوئی محذور شرعی نہیں، اور خود کون سا طریقۂ دیانت و انصاف ہے کہ جو امر حضور پر نور محی الملۃ مقیم السنۃ ملاذ العلماء معاذ العرفاء وارث الانبیاء ولی اللہ منبع الارشاد مرجع الافراد امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ جلا الامہ قطب الاعلم غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ و جعل حرزنا فی الدارین رضاہ (اللہ تعالیٰ ان کی رضا کو دونوں جہان میں ہماری جان کا موتی بنائے) ارشاد فرمائیں اور حضور کے اصحاب اکابر انجاب قدست اسرارھم و تممت انوارھم (ان کے اسرار مقدس اور ان کے انوار تام کیئے جائیں) کہ بالیقین اعاظم علماء و اجلۂ کملا تھے اسے بجالائیں اور طبقۃً فطبقۃً اولیاء و علمائے سلسلۂ عالیہ قادریہ روح ارواح اصحابھا واروی قلوبنا بناھل عبابھا (اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو معطر فرمائے اور ہمارے دلوں کو ان کے جاری چشموں سے سیراب فرمائے) اسے اپنا معمول بنائیں اور ثقات علماء و کبار اولیاء اپنی تصانیف میں اسے نقل روایت کریں اجازتیں دیں اجازتیں لیں اور منکرین مکابرین کو اصلاً قدرت نہ ہو کہ آیت و حدیث تو بڑی چیز ہے کہیں دو چار عمائد دین و فقہائے معتمدین ہی سے اس کا رد و انکار بے اعانتِ کذب و اختلاق و مکابرہ و شقاق ثابت کر سکیں ایسی جمیل چیز جلیل عزیز کو محض اپنی ہوائے نفسانی و اصولِ بہتانی کی بنا پر بلحاظِ اصلِ مذہب (اپنے اصلِ مذہب کی بناء پر) شرکِ قطعی اور فاعلوں (کرنے والوں) مجوزوں (جائز کہنے والوں) کو معاذ اللہ مشرک جہنمی اور بخوفِ اہلِ حق (اہل حق کے خوف سے) تسہیل امر کو (معاملے کو آسان کرنے کے لئے) ہارے جی سے صرف فاسق بدعتی بتایئے اور انکار ارشاد سید الاولیاء (اولیاء کے سردار کے فرمان کے انکار) و تضلیل و تفسیقِ علما و عرفا (علماء و عرفاء کو گمراہ اور فاسق بنانے) کا وبالِ عظیم گردن پر اٹھایئے۔

(ج7، ص605 تا 619)

سوال: زید کہتا ہے کہ یہ صحابہ کرام محبت و تعظیم میں ہم سے زیادہ تھے، ثواب ہوتا تو وہی کرتے، مگر یہ نماز ان سے منقول نہیں۔

جواب: حضراتِ منکرین کا یہ کہنا کہ صحابہ تابعین سے منقول نہیں، صحابہ محبت و تعظیم میں ہم سے زیادہ تھے، ثواب ہوتا تو وہی کرتے۔

اوّلاً: وہی معمولی باتیں ہیں جن کے جواب علمائے اہلسنت کی طرف سے ہزار ہزار بار ہو چکے جسے آفتاب روشن پر اطلاع منظور ہو، ان کی تصانیف شریفہ کی طرف رجوع لائے۔ (پھر اس موضوع پر مطالعہ کرنے کے لئے خصوصی طور پر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی دو تصانیف (۱) اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد (۲) اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد و القیام، اور اپنے دو رسائل (۱) اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (۲) منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین، کے نام بیان فرمائے)۔

ثانیاً ہاں تو ان جہالات کا کوئی محل ہی نہیں، یہ نماز ایک عمل ہے کہ قضائے حاجات کے لئے کیا جاتا ہے اور اعمال مشائخ میں تجدید و احداث کی ہمیشہ اجازت، شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے ہیں "اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہائے قرابادین را این فقیر را معلوم شدہ است کہ در وقت صبح صادق تا اسفار مقابل صبح نشستن و چشم را بآن نور دوختن و یا نور را گفتن تا ہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت میدہد احادیث نفس را می نشاند" ترجمہ: جاری اعمال میں اجتہاد سے اختراع کا راستہ کشادہ ہے جیسا کہ طبیب حضرات کے ہاں قرابادین کے نسخوں میں ہے اس فقیر کو معلوم ہے کہ صبح صادق تا روشنی بیٹھنا اور منہ مشرق کی طرف کرنا اور آنکھوں کو صبح کے نور پر لگانا اور یا نور ہزار بار تک پڑھنے سے قوت ملکیہ حاصل ہوتی ہے اور دل کی باتوں پر آگاہی ہوتی ہے۔

خود شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہرگونہ حاجات کے لئے صدہا اعمال بتائے کہ تازہ بنے تھے، جن کا پتا قرون ثلثہ میں اصلاً نہ تھا بعض ان میں سے فقیر نے اپنے رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ذکر کئے، اور خود ان کی "قول الجمیل" ایسی باتوں کی جائز وکفیل۔

جامع ترسنئے شاہ ولی اللہ کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں تصریح کرتے ہیں کہ انہوں نے جواہر خمسہ شیخ محمد غوث گوالیاری علیہ رحمۃ الباری کی سندیں اور اس کے اعمال کی اجازتیں اپنے استاذ علم حدیث مولانا ابوطاہر مدنی شیخ محمد سعید لاہوری مرحومین سے حاصل کیں۔ (الانتباہ فی سلاسل اولیاء مترجم اردو طریقہ شطاریہ، ص 137، مطبوعہ آرٹی برقی پریس، دہلی)

حضرات منکرین ذرا مہربانی فرما کر جواہر خمسہ پر نظر ڈال لیں اور اس کے اعمال کا ثبوت قرون ثلثہ سے دے دیں بلکہ اپنے اصول مذہب پر اُن اعمال کو بدعت و شرک ہی سے بچالیں جن کے لئے شاہ ولی اللہ جیسے سنی، موحد، محدث انہ سند لیتے اور اپنے مشائخ حدیث و طریقت سے اجازت حاصل کرتے ہیں زیادہ نہ سہی یہی دعائے سیفی جس کی نسبت شاہ ولی اللہ نے لکھا کہ میں اپنے شیخ سے اخذ کی اور اجازت لی اسی کی ترکیب میں ملاحظہ ہو کہ جواہر خمسہ میں کیا لکھا ہے "نادعلی ہفت بار یا سہ بار یا یکبار بخواند و آن اینست نادعلیا مظہر العجائب تجدہ عونالك فی النوائب کل ہم وغم سینجلی

بولایتك یاعلی یاعلی یاعلی ''ترجمہ: نادعلی سات بار یا تین بار یا ایک بار پڑھو اور وہ یہ ہے: پکار علی کو جو عجائب کے مظہر ہیں تو ان کو اپنے مصائب میں مددگار پائے گا، ہر پریشانی اور غم ختم ہوگا آپ کی مدد سے یا علی یا علی یا علی۔

(فتوح الغیب ضمیمہ جواہر خمسہ مترجم اردو، ص 453، مطبعہ دارالاشاعت، کراچی)

(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ بدمذہبوں سے زجراً ایک سوال بنا کر پوچھتے ہیں)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ﴾اور جب خدا نے عہد لیا ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی اسے صاف بیان کردیں گے لوگوں سے اور چھپائیں گے نہیں۔

اب کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ نجدیہ ھداھم اللّٰہ تعالیٰ الی الملۃ الحنفیۃ (اللہ تعالیٰ ان کی ملت حنفیہ کی طرف رہنمائی کرے) کہ جو لوگ نادِعلی پڑھیں، پڑھائیں، سیکھیں، اس کی سندیں دیں، اجازتیں لائیں، اس کے سلسلے کو سلاسل اولیاء اللہ میں داخل کرجائیں، اس کے حکم دینے والوں کو ولی کامل بتائیں اپنا شیخ و مرشد مرجع سلسلہ بتائیں، ان میں بعض کو بلفظ ثقہ واعیان مشائخ اوان کی ملاقات کو بکلمۂ دستبوس تعبیر فرمائیں، انہوں نے غم و مصیبت و رنج و آفت کے وقت یا علی یا علی کہنا روا رکھا یا نہیں اور اسے ورد وظیفہ بنایا یا نہیں اور غیرِ خدا کو خدا کا شریک فی العلم و شریک فی التصرف ٹھہرایا یا نہیں اور وہ اس سبب سے مشرک کافر، بے ایمان، جہنمی ہوئے یا نہیں پھر جو ایسوں کو اپنا پیر جانیں عالمِ اُمت، جامی سنت وقطبِ زماں و مرشدِ دوراں مانیں (جیسے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے کیا) انہیں مقتدائے دین و پیشوائے مسلمین بتائیں ان کے علم وافضال وعرفان وکمال پر سچے دل سے ایمان لائیں (جیسے تمام اصاغر واکابر حضرات وہابیہ) انہیں سید الحکما سید العلما وقطب المحققین، فخر العرفاء المکملین اعلمہم باللہ وقبلۂ اربابِ تحقیق وکعبۂ اصحابِ تدقیق وقدوۃ اولیا وزبدۃ اربابِ صفا، بلکہ امام معصوم وصاحبِ وحی تشریعی ٹھہرائیں (جیسے میاں اسمٰعیل دہلوی نے ان کو لکھا) ان سب صاحبوں کی نسبت کیا حکم ہے؟ یہ حضرات ایک مشرک شرک جو (شرک کا طالب)، شرک پسند، شرک آموز کو پیر وپیشوا وامام ومقتدا بنا کر سید العلماء ومقبولِ خدا بتا کر خود بھی کافر ومشرک و مستحق عذابِ الیم ومہلک ہوئے یا نہیں اور ان پر بھی مسئلۂ الرضاء بالکفر کفر (کفر پر رضامندی کفر ہے)، ومسئلہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر (جس نے اس کے کفر اور اس کے عذاب پر شک کیا وہ کافر ہوگیا) وحکمِ آیۂ کریمہ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ﴾(تم میں سے جو جس سے محبت کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہوگا)۔ وحدیثِ صحیح ''المرء مع من احب'' (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے)

(صحیح البخاری، ج 2، ص 911، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(کا حکم) جاری ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

ثالثاً خیر صلوٰۃ الاسرار شریف (نمازِ غوثیہ) تو ایک عملِ لطیف ہے کہ مبارک بندہ اپنے حصولِ اغراض ودفعِ اعراض کے

لئے پڑھتا ہے مزاج پرسی ان حضرات کی ہے جو خاص امورِ ثواب وتقربِ رب الارباب میں جومحض اسی نیت سے کئے جاتے ہیں ہمیشہ تجدید واختراع کو جائز مانتے اور ان محدثات کو ذریعۂ وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ) جانتے ہیں وہ کون شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، مرزا مظہر جانجاناں، شیخ مجدد الف ثانی، مولوی اسمٰعیل دہلوی، مولوی خرم علی بلہوری وغیرہم جنہیں منکرین بدعتی وگمراہ کہیں تو کس کے ہو کر رہیں، خود شاہ ولی اللہ قول الجمیل میں اپنے اور اپنے پیران مشائخ کے آدابِ طریقت واشغال ریاضت کی نسبت صاف لکھتے ہیں "لم یثبت تعین الاداب و لاتلك الاشغال" ترجمہ: یہ خاص آداب واشغال نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوئے۔

(القول الجمیل ص 173 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

شاہ عبدالعزیز صاحب حاشیہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں "اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات وہیأت واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسباتِ مخفیہ (مخفی مناسبتوں) کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے"

(شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل ص 52 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

مولوی خرم علی صاحب مصنف نصیحۃ المسلمین اسے نقل کر کے لکھتے ہیں "یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخلِ بدعاتِ سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ کم فہم سمجھتے ہیں"

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص 52 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

میاں اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم میں لکھتے ہیں "اشغال مناسبۂ ہروقت وریاضات ملائمہ ہرقرن جداجدا می باشند ولهذا محققان ہروقت ازاکابر ہرطرق درتجدید اشغال کوششها کردہ اند بناءً علیه مصلحت دیدوقت چناں اقتضا کرد که یك باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ که مناسب ایں وقت ست تعیین کردہ شود الخ" ترجمہ: ہروقت کے مناسب وظائف اور ہر زمانہ کے لائق ریاضتیں جداجدا ہیں لہٰذا ہر زمانہ کے محققین نے ہر سلسلہ کے اکابرین سے نئے وظائف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اس بنا پر میں نے مصلحت دیکھی کہ وقت کا تقاضا ہے کہ اس کتاب کا ایک باب نئے وظائف واعمال میں جو اس وقت کے مناسب ہوں، کے لئے معین کروں۔

(صراط مستقیم ص 7 مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، لاہور)

(امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اس مقام پر اور جن کے نام گنوائے ہیں ان کی کتابوں سے متعدد عبارتیں نقل فرمائیں، آخر میں فرماتے ہیں)

اب خدا جانے یہ حضرات بدعتی کیوں نہ ہوئے اور انہیں خاص ان امورِ دینیہ میں جومحض تقرب الی اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں نئی نئی باتیں جو قرآن میں نہ حدیث میں نہ صحابہ میں نہ تابعین میں، نکالنی اور عمل میں لانی اور ان سے امید وصول الی اللہ رکھنی، کس نے جائز کی۔

(پھر زجراً ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں)

مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا" من سئل عن علم فکتمه الجمه الله یوم القیمة بلجام من نار"
جس سے کوئی علمی بات پوچھی جائے وہ اسے چھپائے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے آگ کی لگام دے گا۔

(جامع الترمذی، ج 2، ص 89 مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

اب کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ اسمٰعیلیہ هداهم الله تعالیٰ الی الشریعة الحقة الابراهیمیة (اللہ تعالیٰ شریعتِ حقہ ابراہیمیہ کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے) کہ دینِ خدا میں ایسی نئی نئی باتیں نکالنا اور یہ اقرار کرکے کہ کتاب وسنت سے اس کا ثبوت نہیں ان پر عمل کرنا اور انہیں موجبِ ثواب وقربِ رب الارباب سمجھنا بدعتِ سیئہ شنیعہ ہے یا نہیں؟ اور یہاں حدیث "من احدث فی امرنا مالیس منه فهو رد" (جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکالی جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے) و حدیث" کل بدعة ضلالة" (ہر بدعت گمراہی ہے) و"کل ضلالة فی النار" (اور ہر گمراہی جہنم میں ہے) وحدیث" شر الامور محدثاتها" (سب سے بری بات نئے امور ہیں) وحدیث" اصحاب البدع کلاب اهل النار" (بدعت والے جہنم کے کتے ہیں) وارد ہوں گی یا نہیں، اور جن صاحبوں نے یہ باتیں ایجاد فرمائیں آپ کیں، اوروں سے کرائیں، کتابوں میں لکھیں، زبانی بتائیں، حسب تصریح تقویۃ الایمان ان کے اصل ایمان میں خلل آیا یا نہیں، اور وہ بدعتی، فاسق، مخالفِ سنت قرار پائے یا نہیں، اور ان سے کہا جائے گا یا نہیں کہ صحابہ ثواب وحسنات پر تم سے زیادہ حریص تھے بھلائی ہوتی تو وہی کر جاتے، اور میاں بشیر قنوجی یہاں بھی ہیأت عبادات کو توفیقی بتائیں گے یا نہیں، پھر جو لوگ ان صاحبوں کو امام وپیشوا جانتے اور ان کی مدح وستائش میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں (جیسے شاہ ولی اللہ مداح ومعتقد مرزا مظہر صاحب اور شاہ عبدالعزیز وصاف ومرید شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسمٰعیل غلام وبادخوانِ ہر دو شاہ صاحب اور تمام حضراتِ وہابیہ مداحین ومعتقدین جمیع صاحبان مذکورین) ان سب کے بارے میں کیا حکم ہے؟

آیا بحکمِ حدیث" وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام" (جس نے بدعت والے کی تعظیم کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی) یہ سب کے سب قصرِ اسلام کے ڈھانے والے ہوئے یا نہیں، یا یہ احکام صرف مجلس میلاد وغیرہ انہیں امور کے لئے ہیں جن میں محبوبانِ خدا کی محبت وتعظیم ہو باقی سب حلال وطیب، اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے کہ تصورِ برزخ کو اتنا پسند کیا کہ اسے سب سے زیادہ قریب تر راستہ خدا کا بتایا اور مولوی خرم علی صاحب نے اسے نقل کرکے مسلم رکھا یہ دونوں صاحب مع اصل کاتب یعنی شاہ ولی اللہ صاحب پھر ان صاحبوں کے معتقدین ومداح سب کے سب مشرک ومشرک ست ٹھہرے یا نہیں، یا یہ حضرات احکام شرع سے مستثنیٰ ہیں، اور تقویۃ الایمان وتذکیر الاخوان وغیرہما کی آیتیں حدیثیں صرف

مؤمنین اہلِ سنت کو جو خاندانِ عزیزی سے نہ ہوں معاذ اللہ مشرک بدعتی بنانے کے لئے اتری ہیں، سبحان اللہ ...

سبحان اللہ ان صاحبوں کے یہ احداث واختراع سب مقبول ہوں، اور ناجائز وبدعت ٹھہرے تو وہ نماز جو حضور پُرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضائے حاجات کے لئے ارشاد فرمائی۔

(ج 7 ص 620)

سوال: نمازِ غوثیہ کا طریقہ مکمل اداب کے ساتھ ارشاد فرمادیں۔

جواب: جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی، تو وہ مغرب کی نماز کے بعد سنتوں کے ساتھ دو رکعت صلوٰۃ الاسرار (نمازِ غوثیہ) کی نیت سے اللہ تعالیٰ کی قربت اور حضور غوث اعظم کی روح کو ہدیہ کے لئے پڑھے، اور اگر اس کے لئے نیا وضو کرے تو یہ نور ہوگا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نابینا کو یہ فرمایا تھا، ورنہ نیا وضو ضروری نہیں۔

مجھے تو یہ پسند ہے کہ صلوٰۃ الاسرار پڑھنے سے پہلے کوئی صدقہ کرے کیونکہ یہ عمل کامیابی جلدی لاتا ہے اور مصیبتوں کے دروازوں کو خوب بند کرتا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناجات کیلئے پہلے صدقہ دینے کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، تو اللہ تعالیٰ سے مناجات میں اور زیادہ بہتر ہے باوجودیکہ اس نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی مناجات موجود ہے، اگرچہ اس صدقہ کا وجوب منسوخ ہو چکا ہے جس میں اُمت کی آسانی ہے مگر استحباب کے طور پر جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔

اس نماز میں فاتحہ کے بعد کوئی آسان سورت پڑھے بہتر ہے کہ سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے تو بہت اچھا ہے، نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اس کی شان کے مطابق بجالائے اور اس میں بہتر وہ الفاظ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور حمد وثنا پڑھے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام سے بڑھ کر بہتر حمد اور اچھی ثنا کوئی نہیں کرسکتا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ بہترین محامد میں ایک یہ ہے: اللھم ربنا لک الحمد کثیرا طیباً مبٰرکاً فیہ کما تحب ربنا و ترضی ملأ السموات و ملأ الارض ملأ ماشئت من شیئ بعد، ترجمہ: اے اللہ! ہمارے رب! تیرے لئے کثیر، طیب، مبارک حمد جیسے تجھے پسند ہے اور تو راضی ہے، زمینیں اور آسمان اور ہر وہ چیز بھر کر جس کو تو چاہے۔ (یہاں امام اہلسنت نے حمد کے اور بھی طریقے لکھے ہیں، لکھ کر ارشاد فرماتے ہیں)

اور اگر کسی مذکورہ محامد میں سے کوئی حمد یاد نہ ہو تو تین بار الحمد للہ پڑھ لے یا سورہ فاتحہ یا آیۃ الکرسی حمد وثنا کی نیت سے پڑھے، ان سے بہتر ثناء نہ پاؤ گے۔

اور پھر آخر میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام گیارہ مرتبہ پڑھے کیونکہ درود شریف کے بغیر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور سلام کا بھی حکم ہے تاکہ دونوں کی فضیلت ہو جائے، اور بعض علماء نے دونوں میں سے ایک پر اکتفاء مکروہ قرار دیا ہے اس لئے دونوں کو ملا کر پڑھنے سے اس خلاف سے بچے گا، پھر مجھ بندہ کو یہاں درود غوثیہ جو آپ سے مروی ہے پسندیدہ ہے اور وہ یہ

ہے" اللھم صل علی (سیدنا و مولنا) محمد معدن الجود والکرم والہ وسلم۔ ترجمہ: اے اللہ! ہمارے آقا و مولیٰ محمد جود و کرم کی کان پر رحمت نازل فرما اور آپ کی آل پر، اور سلامتی نازل فرما۔

جس کو یہ بندہ یوں پڑھتا ہے: اللھم صل علی سیدنا و مولنا محمد معدن الجود والکرم والہ الکرام وابنہ الکریم وامتہ الکریمۃ یااکرم الاکرمین وبارك وسلم " ترجمہ: اے اللہ! ہمارے آقا و مولیٰ محمد جود و کرم کی کان پر اور آپ کی برگزیدہ آل اور کریم بیٹے اور برگزیدہ امت پر صلوٰۃ وسلام فرما، اے برگزیدوں کے برگزیدہ۔

اس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف دلی توجہ کرکے گیارہ مرتبہ یوں پڑھے: یارسول اللّٰہ یانبی اللّٰہ اغثنی وامددنی فی قضاء حاجتی یاقاضی الحاجات، ترجمہ: یارسول اللہ یا نبی اللہ! میری مدد کرو، اور اے حاجات پوری کرنے والے! میری حاجت کے پورا ہونے میں مدد فرمایئے۔

پھر عراق کی طرف قدم بڑھائے اور ہمارے ہاں عراق شمال مغرب میں ہے یہ میرے آقا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے اور یہی مدینہ منورہ اور کربلا معلیٰ کی جہت ہے۔

بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم عادت کے مطابق درمیانے قدم چلے کیونکہ کلام سے یہی سمجھا جارہا ہے اور بعض عوام کی طرح نہ کرے کہ وہ قدم چلنے کی بجائے ہر مرتبہ صرف تین یا چار انگشت آگے بڑھتے ہیں حالانکہ یہ قدم کا فاصلہ نہیں کہلاتا، جبکہ ہمیں گیارہ قدم کے بارے میں حکم ہے اس لئے بغیر ضرورت اور بلا عذر اس حکم سے عدول نہیں کرنا چاہئے، اور یہ عدول غلط ہے، ہاں اگر عذر ہو مثلاً جگہ تنگ ہو اور پورا قدم چلنے کی گنجائش نہ ہو اور کھلی جگہ نہ ملے تو پھر حسب گنجائش قدم کا فاصلہ بنائے۔

اور اس سے بڑھ کر قابلِ اعتراض وہ صورت ہے جو میں نے بعض جہال کو کرتے دیکھا کہ وہ دو رکعت پڑھتے ہوئے دوسری رکعت کی قرأت کے آخر میں نماز میں ہی عراق کی طرف منہ پھیر کر چلتے ہیں اور گیارہ قدموں کے بعد پھر واپس پہلی جگہ پر لوٹ کر قبلہ رو ہوجاتے ہیں اور پھر نماز کو مکمل کرتے ہیں، ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ یہ طریقہ مرد یہ کے خلاف بھی ہے اور اس سے نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے، حالانکہ عبادت کو شروع کرکے توڑنا حرام ہے، چونکہ نفل ہیں اور نفل شروع کرنے سے لازم ہوجاتے ہیں اس لئے ان پر دو رکعتوں کی قضا لازم ہے، جبکہ اسے مسئلہ معلوم ہی نہیں تو قضا کیا کرے گا لہٰذا اس کو دوہرا گناہ ہے، ایسے ہی شخص کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ "المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحونة " ترجمہ: بغیر علم عبادت کرنے والا اس گدھے کی طرح ہے جو آٹے کی چکی میں جتا ہو۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۵، ص ۲۱۹، دار الکتاب العربیہ، بیروت)

ایسا عمل کرنے والے سے بڑھ کر اس کا وہ شیخ مجرم ہے جس نے اسے یہ طریقہ بتایا ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

اور قدم چلتے وقت خشوع، خضوع اور ادب وہیبت کی کیفیت ہونی چاہئے، اور مجھے یوں پسند ہے کہ اس وقت یوں خیال کرے کہ وہ بغداد شریف میں آپ کی مرقد شریف کے سامنے حاضر ہے اور اسے دیکھ رہا ہے، اور یہ خیال کرے کہ حضور غوث اعظم اپنی قبرِ انور میں قبلہ رو سوئے ہوئے ہیں اور قدم چلنے والا بندہ آپ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے آپ سے بڑھنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے مگر اپنے گناہوں کے پیش نظر آگے جانے میں حیا کرتے ہوئے جیسے کہ ٹھہر جاتا ہے اور گویا اب آپ سے بڑھنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور آپ سے شفاعت طلب کر رہا ہے کیونکہ آپ کا جود مسلّم ہے اور آپ کی یہ بشارت ہے کہ ''اگر میرا مرید خوب نہیں میں تو خوب تر ہوں'' قدم بڑھانے والے کی اس کیفیت کو آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کے فقر واحتیاج کو جان کر آپ وسیع کرم فرمائیں گے اور اس بندے گنہگار کی شفاعت فرمائیں گے، اور گویا یہ فرمائیں گے کہ میں اس فقیر تنگدست کو اپنی طرف قدم بڑھانے کی اجازت دیتا ہوں، یہ چلتے ہوئے میرا نام ذکر کرے اور میرے پاس آکر اپنے گناہوں کا فکر نہ کرے کیونکہ میں دنیا و آخرت میں اس کی مشکلات کا کفیل اور ضامن ہوں، تو بندہ یہ سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اور ہر قدم پر وجدانی کیفیت میں یاغوث الثقلین، یاکریم الطرفین پکارتا ہے (کریم الطرفین اس لئے کہ آپ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہیں) اور کہتا ہے میری حاجت برآری میں میری مدد کرو اے حاجات کو پورا کرنے والے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے حضور علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے (غوث اعظم) کے وسیلے سے دعا کرے۔

مذکورہ دعا میں ان آداب کا خیال رکھے جو علماء کرام نے ذکر فرمائے۔ دعا کی ابتداء میں ''یاارحم الراحمین'' تین مرتبہ کہے، کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے تو اس کو فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ بیشک ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے اور ''یابدیع السمٰوٰت والارض یاذالجلال والاکرام'' بھی ابتداء میں پڑھے کیونکہ ایک قول کے مطابق یہ ''اسم اعظم'' ہے۔

اور دعا کے آخر میں تین مرتبہ آمین کہے کیونکہ یہ دعا کی مہر ہے اور یہ خاص اس امتِ مرحومہ کو عطیہ ہے، اور دعا کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام، اور ''الحمد للہ رب العلمین'' پڑھے تاکہ دعا کی ابتدا اور اس کا خاتمہ نمازیں عطا کرنے والے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درود شریف پر ہو جائے، یہ اس لئے کہ دعا ایک پرندہ ہے اور درود شریف اس کے پر ہیں، اور اس لئے بھی کہ درود شریف مقبول ہے، تو جب دعاء کے ابتداء وانتہاء میں درود ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے بعید ہے کہ وہ درمیان میں دعا کو قبول نہ فرمائے۔

اور دعا میں وتر کا لحاظ ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے، اور ہر بار درود شریف پڑھے کیونکہ درود شریف سے بڑھ کر کوئی چیز مقبولیت کو حاصل کرنے والی نہیں ہے صلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم وآلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

اور کوشش کرے کہ دعا میں آنسو نکلیں کیونکہ یہ بھی قبولیت کی علامت ہے، اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت بنائے

کیونکہ جو کسی کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ بھی انہی میں شمار ہوتا ہے پھر مخفی نہ رہے کہ دعا کے وقت بھی عراق کی طرف متوجہ رہے کیونکہ یہ جہت شفاعت والوں کی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس دعا میں قبلہ کی طرف متوجہ نہ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابوجعفر منصور خلیفہ ثانی خاندان عباسیہ نے ایک دفعہ حضرت امام مالک عالم مدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کروں یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف متوجہ رہوں تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنا چہرہ نہ پھیر کیونکہ وہ تیرا اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ ہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف متوجہ ہو کر ان کو شفیع بنا اللہ تیرے لئے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

جو شخص دلی یقین سے یہ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا فرمائے گا، بشرطیکہ عجلت سے کام لیتے ہوئے مایوسی کا اظہار نہ کرے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی، یہ دعا قبول ہوگی جبکہ اس میں گناہ یا قطع رحمی کا سوال نہ ہو۔

(ج 7، ص 645 تا 651)

سوال: غوث پاک کے کچھ فرامین اپنے مریدوں کے بارے میں فرما دیجئے۔

جواب: امام شطنوفی نے بہجۃ الاسرار میں شیخ امام ابوالحسن علی قرشی سے تخریج فرمائی ہے کہ میرے آقا حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مدِ بصر (حد نگاہ) تک دراز ایک دفتر مجھے عطا کیا گیا جس میں میرے ساتھیوں اور مریدین کے نام ہیں جو قیامت تک میرے سلسلے میں داخل ہوں گے مجھے کہا گیا یہ آپ کی ملکیت ہے، اور میں نے جہنم کے خازن فرشتے سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس میرے اصحاب میں سے کوئی ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رب ذوالجلال کی عزت کی قسم کہ تمام مریدین پر میرا ہاتھ ایسے ہے جیسے زمین پر آسمان سایہ فگن ہے۔

اور فرمایا ''اگر میرا مرید خوب نہیں تو میں خوب تر ہوں، اور رب ذوالجلال کی عزت کی قسم میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے دربار سے حرکت نہ کروں گا جب تک مجھے اور تم سب کو جنت کا پیغام نہ مل جائے گا'' الحمد للہ رب العلمین الکریم۔

(بہجۃ الاسرار، ص 100 مصطفی البابی مصر) (ج 7، ص 645)

سوال: زید کہتا ہے کہ تراویح میں ہر سورت پر بلند آواز سے بسم اللہ شریف پڑھنا مذہب حنفی میں لازم و واجب ہے، اس کا یہ قول کیسا ہے؟

جواب: بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سورت پر جہر مذہب حنفی میں لازم و واجب ہونا محض بے اصل و باطل صریح، اور حنفیۂ کرام پر افتراء قبیح ہے، تحصیلِ سنت ختم فی التراویح (تراویح میں جو قرآن ختم کرنا سنت ہے اس کو حاصل کرنے) کے لئے

صرف ایک بار کسی سورت پر جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے۔ملک العلماء بحر العلوم اس کی شرح فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں''علی هذا ینبغی ان یقرأها فی التراویح بالجهر مرة ولاتتأدی سنة الختم دونها''یعنی اس بناپر چاہئے کہ بسم اللہ شریف تراویح میں جہر سے ایک بار پڑھی جائے بےاس کے سنت ختم ادانہ ہوگی۔

(فواتح الرحموت، ج2،ص14،مطبوعہ مطبعہ امیریہ بولاق،مصر)(ج7،ص661)

سوال: بسم اللہ شریف کیا کسی سورت کا جز ہے؟

جواب: بسم اللہ شریف کے باب میں ہمارے ائمہ کرام بلکہ جمہور ائمہ صحابہ وتابعین وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہبِ حق ومحقق یہ ہے کہ وہ کسی سورت قرآن کی جز نہیں،جداگانہ آیتِ واحدہ ہے کہ تبرک وفصل بین السور کے لئے مکرر نازل ہوئی۔

امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری علیہ رحمۃ الباری کہ اجلہ ائمہ حنفیہ ہیں کتاب التحقیق شرح حسامی میں فرماتے ہیں''الصحیح من المذهب انها من القران لکنها لیست جزء من کل سورة عندنا بل هی اية منزلة للفصل بین السور کذا ذکر ابوبکر الرازی ومثله روی عن محمد رحمه الله تعالی''ترجمہ:صحیح مذہب ہمارا یہ ہے کہ وہ قرآن کی جز ہے مگر ہر سورت کی جز نہیں بلکہ یہ ایسی آیۃ ہے جو سورتوں میں فاصلہ کے لئے نازل کی گئی ہے،یوں ابوبکر رازی نے ذکر کیا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔ (کتاب التحقیق شرح حسامی،ص6،مطبوعہ منشی نولکشور،لکھنؤ)

علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ میں فرماتے ہیں''ان مذهبنا ومذهب الجمهور لیست اية من الفاتحة ولامن کل سورة''ترجمہ:ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے۔

(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی،ص306،مطبوعہ سہیل اکیڈمی،لاہور)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں''قال اصحابنا البسملة اية من القران انزلت للفصل بین السور لیست من الفاتحة ولامن اول کل سورة''ترجمہ:ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے نہ تو یہ فاتحہ کی جز ہے اور نہ ہی کسی سورۃ کا یہ اول ہے۔

(عمدۃ القاری،ج1،ص12،مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ،بیروت)(ج7،ص662)

سوال: سنا ہے کہ بسم اللہ شریف ہر سورت کے ساتھ نازل ہوئی،تو کیا اس سے یہ سمجھ نہیں آتا کہ یہ قرآن کی 114 آیتیں کہلائیں گی؟

جواب: مجرد تکرر نزول ہرگز موجب تعدد نہیں ورنہ قائلانِ تکرار نزولِ فاتحہ قرآن عظیم میں دو سورۃ فاتحہ مانتے کہ اُن کے نزدیک فاتحہ مکہ معظمہ میں نازل ہو کر مدینہ طیبہ میں دوبارہ اُتری۔علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح میں فرماتے ہیں''تعدد نزولها

بمقتضی تعدد قرانیتها کیف و قدقیل بتکرار نزول الفاتحة ولم یقل احد بتعدد قرانیتها'' ترجمہ: بسم اللہ کے نزول کا تعدد اس بات کو لازم نہیں کہ وہ متعدد بار قرآن کا جز بنے، یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ سورہ فاتحہ کے نزول میں تعدد کا قول ہے لیکن فاتحہ کا قرآن کے متعدد جز ہونے کا قول کسی نے نہیں کیا۔ (ترجمہ حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح ص 55 مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ)

علامہ خسرو کے حاشیہ تلویح میں ہے ''القول بتکررہ لایقتضی القول بتعددها'' ترجمہ: بسم اللہ کے تکرار نزول کا قول اس کے متعدد ہونے کو لازم نہیں۔ (حاشیہ تلویح لملا خسرو ص 31 مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ) (ج 7 ص 663)

سوال: تراویح میں ختمِ قرآن سنت ہے تو ختمِ قرآن کے لئے بسم اللہ شریف کتنی مرتبہ پڑھیں گے؟

جواب: ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک تمام قرآن میں (بسم اللہ شریف) صرف ایک آیت ہے نہ یہ کہ ایک سو تیرہ یا چودہ آیتیں ہوں اور جب آیتِ واحدہ ہے تراویح میں اس کی صرف ایک بار تلاوت ادائے سنت ختم کے لئے آپ ہی کافی کمالا یخفی علی کل عاقل (یہ کسی عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ فاضل سے مخفی ہو) کون جاہل کہے گا کہ ایک آیت کو جب تک سو بار نہ پڑھو ختم پورا نہ ہو۔ (ج 7 ص 664)

سوال: زید کہتا ہے کہ بسم اللہ شریف کا جزِ سورت ہونا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے تواتراً ثابت ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔

جواب: بسم اللہ شریف کا جزِ سورت ہونا، ہرگز ہرگز حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے متواتر ہونا درکنار، ثابت کرنا دشوار، اس کے تواتر کا ادعا محض بہتان و افتراء، بلکہ احادیث صحیحہ اس کلیہ کے نقض پر صاف گواہ۔ (ج 7 ص 664)

یونہی اس پر اجماع امت کا بیان افترا و بہتان، بلکہ علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام و تابعین اعلام رضی اللہ تعالی عنہ کا اجماع تھا کہ بسم اللہ شریف جزِ سور نہیں، قولِ جزئیت اُن کے بعد حادث و نو پیدا ہوا۔ امام زیلعی تبیین الحقائق پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں ''قال بعض اهل العلم و من جعلها من کل سورة فی غیر الفاتحة فقد خرق الاجماع لانهم لم یختلفوا فی غیر الفاتحة'' ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ کو فاتحہ کے علاوہ کسی سورت کا جز مانتا ہے وہ اجماع کا خلاف کرتا ہے کیونکہ فاتحہ کے بغیر کسی سورۃ کے بارے میں اختلاف نہیں۔

(فتح المعین علی شرح الکنز، ج 1، ص 187، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) (ج 7، ص 665)

سوال: حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کو قرآن کیسے سکھاتے تھے؟

جواب: صحابہ کرام دس دس آیتیں مع ان کے علم و عمل کے سیکھتے جب ان پر قادر ہو جاتے دس اور تعلم فرماتے، اسی طرح امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے بارہ برس میں سورہ بقر حضور پرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے پڑھی جب ختم فرمائی ایک

اونٹ ذبح کیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آٹھ سال میں پڑھی کہ جس قدر تدبر زائد و دیر زائد۔

سوال: کیا عام آدمی قرآن وحدیث کے سمجھنے میں آئمہ وعلماء سے بے نیاز ہو سکتے ہیں؟

جواب: ائمہ سے بے نیازی کیونکر ممکن بلکہ علما کی طرف حاجت تو جنت میں بھی ہوگی حالانکہ وہاں احکام تکلیفی نہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ان اهل الجنة يحتاجون الى العلماء في الجنة وذلك انهم يزورون اللّٰه تعالیٰ في كل جمعة فيقول لهم تمنوا على ماشئتم فيلتفتون الى العلماء فيقولون ماذا نتمنى فيقولون تمنوا عليه كذا وكذا فهم يحتاجون اليهم في الجنة كمايحتاجون اليهم في الدنيا'' بے شک اہل جنت، جنت میں علماء کے محتاج ہوں گے یوں کہ ہر جمعہ کو انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا جو جی میں آئے مجھ سے مانگو (اب جنت سے مکان میں جا کر کون سی حاجت باقی ہے کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا مانگیں) علما کی طرف منہ کریں گے کہ ہم کیا تمنا کریں، وہ فرمائیں گے اپنے رب سے یہ مانگو، تو لوگ جنت میں بھی علما کے محتاج ہوں گے۔

(الجامع الصغیر، ج 1، ص 135، دار الکتب العلمیہ بیروت) (ف ج 27 ص 736)

خوشخبری

مسلک اہلسنت و جماعت کے عقائد و

نظریات۔۔۔

بد مذہبوں کے باطلہ عقائد اور ان

کے رد۔۔۔

اہلسنت پر کئے جانے والے

اعتراضات کے جوابات پر مشتمل

کتب و رسائل، آڈیو ویڈیو بیانات اور

والپیپر حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat